بنستعین

هٰذا کتاب ینطق علیکم بالحق

دُرِّ مقصود

یعنی

احوالِ مہدیِ موعود سلام اللہ علیہ من رب المعبود

مؤلفہ و مرتبہ

خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

رئیس کوآتھ ضلع شاہ آباد (آرہ)

مؤلفِ

۱ اسوۃ الرسول - ۲ السیدہ - ۳ سراج المبین - ۴ سرو چمن - ۵ ذبح عظیم - ۶ صحیفۃ العابدین - ۷ مآثر الباقریۃ - ۸ آثار جعفریۃ - ۹ عادم کاظمیۃ - ۱۰ تحفہ رضویۃ - ۱۱ تحفۃ التقلین - ۱۲ سیرۃ النقی العسکری - ۱۴ دُرِّ مقصود احوال المہدی الموعود سلام اللہ علیہ من رب المعبود -

بانتظام مولوی سید امین الدولہ صاحب پبلشر مقبول پریس میں طبع ہوئی

چودہ معصومؑ

اِن ہادیان برحق کی پاک و پاکیزہ زندگی کے مفصّل حالات و سوانح ہمارے قول و عمل بلکہ زندگانی کیلیے بہتر نمونہ ہیں، اِن کی مقدس سیرت کے مفصّل حالات سے اسلامی دُنیا آج تک خالی پڑی تھی۔ الحمدللہ کہ یہ شرف سعادت سب سے پہلے مقبول پریس کو حاصل ہوا۔ جس نے چودہ معصوموں کی سوانح کا مقدس سلسلہ شائع کردیا۔ وہ متبرک سلسلہ جسے خان بہادر مولوی سیّد اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس کوآتھ ضلع آرہ نے سالہا سال عمرِ عزیز صرف کرکے بڑی جانکاہی اور عرقریزی سے ایسے عنوانِ شائستہ سے ترتیب دیا ہے کہ مسلمان تو مسلمان اقوام غیر کے صاحبانِ علم بصیرت نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ یہاں تک کہ ملک کے بعض سربرآوردہ اور لائق زبانداںوں نے اس سلسلہ کی بعض کتابوں کو انگریزی اور دوسری زبانوں میں

ترجمہ کرنیکی خواہش

ظاہر کی اور مصنف موصوف سے اجازت چاہی۔ زبان و طرز بیان اتنا سلیس کہ بلا پس و پیش اور بے کھٹکے ہر مذہب و ملّت والے کے سامنے ان سوانح عمریوں کو پیش کردیجیے سوائے خوبیوں کے اعتراف کے اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی۔ پس کوئی اسلامی گھر تو کم از کم اس مقدس ذخیرہ سے خالی نہ رہنا چاہیے ساتھ ہی حامیانِ ملّت اور باہمّت احباب کا فرض ہے کہ اس سلسلہ کی تمام کتابوں کو ہر مذہب و ملّت کے علم دوست افراد تک پہنچانے میں سعی بلیغ سے کام لیں تاکہ اسلام جیسے پاک و مقدس مذہب کی حقانیت ہر مذہب پرست پر واضح اور آشکار ہو جائے اور اس طرح تبلیغ و اشاعتِ دین کا اہم فرض بھی خوبی کے ساتھ ادا ہوتا رہے۔

اس متبرک سلسلہ کا مہیّا کرنا

ہمارا فرض تھا۔ اب توسیع و اشاعت آپکا فرض ہے۔ جسے پورا کرکے داخل حسنات ہونا چاہیے۔

نیازمند
سیّد امین الدولہ خلف مولوی السیّد
مقبول احمد صاحب مرحوم

دہلی
گنج نالہ مقبول پریس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہٖ وَاٰلِہٖ المیامِینَ ۃ اسم مبارک آپ کا **محمدؑ** کنیت آپ کی **ابوالقاسم** اور مشہور ترین القاب خلف الصالح۔ القائم۔ المنتظر۔ الحجۃ۔ صاحب الزمان اور المہدی ہیں۔ چنانچہ امام ابن حجر صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اسمہ محمّد کنیّتہ ابوالقاسم لقبہ خلف الصّالح والمنتظر وصاحب الزّمان ویسمّی القائم۔ قیل کان یستتر وغاب۔ فلم یعلم ویعرف این ذھب۔

آپ کا اسم مبارک محمد۔ کنیت ابوالقاسم۔ آپ کا لقب خلف الصالح منتظر اور صاحب الزمان ہے۔ اور قائم کے اسم گرامی کے ساتھ بھی موسوم ہیں۔ کیونکہ یہ مشہور ہے کہ آپ پوشیدہ ہو گئے اور چھپ گئے اور یہ کسی نے نہ جانا کہ کہاں تشریف لیگئے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمنام ہونے کی نسبت فریقین نے اتفاق اختیار کیا ہے۔ چنانچہ سنن ابو داؤد میں زر ابن عبداللہ سے مروی ہے ان اسمہ اسمی۔ محمد بن طلحۃ الشافعی نے بھی کفایۃ المطالب میں اس حدیث کو پوری تفصیل کے ساتھ مندرج کیا ہے اور حافظ ابراہیم ابن ازہر حر تقفینی کے اسناد سے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ اسم ابیہ کاسم ابی۔

آپ کی ولادت باسعادت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات سے پانچ برس پہلے واقع ہوئی۔ یا یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ کا سن مبارک اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کا تھا۔ چنانچہ ابن حجر صواعق محرقہ میں مندرجہ بالا عبارت لکھ کر آگے تحریر کرتے ہیں:

وعمرہٗ عند وفات ابیہ خمس سنین لکن اٰتاہ اللہ فیھا الحکمۃ۔

آپ کی عمر تو آپ کے والد بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کی تھی لیکن خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسی عمر میں آپ کو حکمت عطا فرمائی تھی یہی عبارت خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں اور امام قندوزی بلخی نے ینابیع المودہ میں تحریر فرمائی ہے۔

ولادت باسعادت کے متعلق حالات

ولادت باسعادت آپ کی مقام سرمن رائے میں ہوئی۔ شب پانزدہم ماہ شعبان ۲۵۵ھ نماز صبح کے وقت رونق افروز عالم ہوئے۔ فصل الخطاب میں مرقوم ہے

وکان مولدہٗ لیلۃ النصف من شعبان سنۃ خمس وخمسین ومائتین۔ آپ نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی والدۂ گرامی قدر کا اسم مبارک نرجس خاتون سلام اللہ علیہا تھا۔ خاتون مقدسہ کے حالات ذیل میں قلمبند کیے جاتے ہیں۔ وھو ہذا۔

شیخ طوسی علیہ الرحمۃ سلیمان بن بشیر بردہ فروش کی زبانی جو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے تحریر فرماتے ہیں کہ میں شہر سامرہ میں جناب امام علی نقی علیہ السلام کے ہمسایہ میں رہتا تھا۔ اور برابر خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر کسبِ فیوض و ارشاد کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو میری ذات پر کمال اعتبار اور میری بات پر وثوق و اعتماد کلی حاصل ہو گیا ایک دن آپ کا خادم خاص کافور نامی میرے پاس آیا اور کہا کہ تم کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام بلوا فرماتے ہیں۔ یہ سنتے ہی میں نے فوراً اپنے کپڑے پہنے اور بلا تامل اُس کے ساتھ ہو لیا۔ درِ دولت پر پہنچا تو دیکھا کہ ایوانِ معلّے میں آپ اپنے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور پسِ پردہ آپ کی ہمشیرہ معظمہ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام بھی تشریف فرما ہیں۔ جب میں آپ کے سامنے آیا تو تسلیم عقیدت بجا لایا۔ جواب سلام عنایت فرما کر مجھ سے ارشاد کیا کہ میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے کہ تم اولاد انصار میں سے ہو۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک تم لوگوں کے دل میں ہم اہل بیت علیہم السلام کی ولا و محبت قائم ہے اور ہمیشہ سے تم لوگ ہمارے معتمد ہو۔ اسی بنا پر تم کو اس وقت اپنے ایک خاص راز سے مطلع کرتا ہوں اور تم کو فی الحال ایک ایسے شرف خاص سے مشرف کرتا ہوں جس کی وجہ سے تم کو تمام افرادِ شیعہ پر ترجیح لازم آ جائے گی۔ وہ رازِ مبارک اور شرفِ مقدس یہ ہے کہ میں تمہیں فی الحال ایک کنیز مول لینے کے لیے بھیجتا ہوں۔ اتنا فرما کر آپ نے مجھے وہ تھیلی جس میں دو سو بیس اشرفیاں تھیں اور ایک خط عنایت فرمایا جو زبانِ رومی میں لکھا ہوا تھا۔ اور تاکید کر دی کہ یہ کیسہ اور یہ خط لیکر فوراً بغداد چلے جاؤ۔ وہاں صبح کو پہنچو گے۔ دوپہر کو بغداد کے پل پر کھڑے ہو جانا تھوڑی دیر میں اہل بربر کی کشتیاں آئینگی۔ اُن میں کنیزیں بھی ہوں گی۔ خلیفہ عصر کے وکلا اُن کی خریداری کے شوق میں ٹوٹ پڑیں گے۔ تم تامل کرنا اور ٹھیرے رہنا اور اپنے مقام سے اُس بردہ فروش کو جس کا نام عمر ابن یزید ہے نہایت ہوشیاری اور رازداری سے وکلاء شاہی کی آنکھیں بچا کر اپنے پاس بلانا اور اُس سے باتیں کرنا۔ یہاں تک کہ وہ بردہ فروش اپنی تمام کنیزوں میں سے اُس کنیز خاص کو جس کا یہ چہرہ اور سراپا ہے (جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کا تمام حلیہ بتلا دیا گیا) اور ریشم کا موٹا بنا ہوا کپڑا پہنے ہے اور وہ خریداروں کو اپنی طرف نظر کرنے سے برابر منع کرتی ہو گی۔ خریداروں کے دکھانے کے لیے کشتی سے باہر لائیگا۔ اس بردہ فروش کی یہ حرکت اُسے بری معلوم ہو گی اور زبانِ رومی میں وہ اُسے کہتی ہو گی کہ وائے ہو تجھ پر کہ تو مجھ کو نامحرموں کے سامنے لاتا ہے۔ اسی اثنا میں ایک شخص کہیگا کہ میں اس کنیز کی قیمت تین سو اشرفیاں دیتا ہوں اور اسکو خریدتا ہوں کہ اس کی عفت و حیاداری نے مجھ کو اسکی خریداری پر بیساختہ آمادہ اور مستعد کر دیا ہے۔ اُس کی تقریر سن کر وہ جواب دیگی کہ اگر تجھکو جناب سلیمان علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے ایسی ساری مملکت ملجائے اور تو اُن کی پوری شان و شوکت میں ہو کر میری خواستگاری کرے تاہم میں تیرے جاہ و حشمت اور مال و دولت پر کوئی رغبت نہ کروں اور نہ تیرے ساتھ کوئی تعلق پیدا کرنے پر راضی ہوں۔ برائے خدا میری خریداری سے باز آ۔ اور اپنا مال ضائع نہ کر۔ اُس کنیز کی یہ تقریر سن کر وہ خریدار علیحدہ ہو جائیگا۔ وہ بردہ فروش (عمر ابن یزید) خود اُس کنیز سے

اور پوچھے گا کہ بیٹا اب تو ہی بتا کہ میں اب تیرے بیچنے کی کیا تدبیر کروں۔ کیونکہ تو تو کسی خریدار سے راضی ہی نہیں ہوتی۔ تب وہ کنیز خود اُس کو جواب دیگی کہ تم کیوں گھبرائے جاتے ہو۔ خدا چاہتا ہے تو ایسا خریدار جس کی دیانت اور امانت پر مجھے پورا وثوق اور اعتبار ہو اور میں اُس کے ساتھ اپنے بیع پر راضی ہو جاؤں آیا جاتا ہے۔ ذرا سا اور صبر کر۔ جب اُس کنیز کا تم یہ کلام سن لینا تب میرا خط اُس بردہ فروش کو حوالہ کر دینا اور کہنا کہ ایک شخص نے جو تمام عرب کے اشرف ترین اقوام و قبائل سے ہے یہ خط تیرے نام لکھا ہے اور اس میں اپنی کرم و سخاوت اور فضل و شرافت لکھی ہے۔ تم کو لازم ہے کہ یہ خط پڑھ کر اُس کنیز کو دے دو کہ یہ بھی پڑھ لے۔ اگر یہ کنیز اس خط کے کاتب کے ساتھ راضی ہو جاوے تو میں اُنکی طرف سے اُس کی خریداری کا مختار مجاز ہوں۔ میں آپ کی تمام و کمال تقریر سنکر اور کیسۂ زر اور آپ کا خط لیکر سامرہ سے روانہ ہوا۔ اور شہر بغداد کے پل پر پہنچا اور جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا ایک ایک کر کے وہ سب ظہور میں آیا۔ یہاں تک کہ میں نے آپ کا نامہ اُس بردہ فروش کو دیا اور اُس نے پڑھ کر اُس کنیز کے حوالہ کر دیا۔ جب اُس نے اُس خط کو پڑھا تو بہت روئی اور بردہ فروش سے کہا کہ مجھ کو بلا تامل اُس کے ہاتھ بیچ ڈال۔ اور پھر اُس کنیز نے بہت سی قسمیں کھائیں اور اپنی بیع پر اُس بردہ فروش سے اتنا زور دیا اور کہا کہ اگر تو مجھے اس شخص کے ہاتھ نہ بیچے گا تو میں اپنے آپ کو اسی وقت ہلاک کر ڈالونگی اُس کی تقریر سُن کر بردہ فروش نے مجھ سے کہا کہ اب تمہارے ہاتھ اس کنیز کے بیچ ڈالنے میں مجھے کیا عذاب ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اُس کی تصفیۂ قیمت پھر بردہ فروش سے گفتگو کی یہاں تک کہ جو قیمت جناب امام علی نقی علیہ السلام نے مجھے دی تھی اُسی پر وہ شخص راضی ہو گیا۔ وہ روپیہ دیا میں نے اُس کنیز کو خرید لیا۔ اور وہ نہایت شاد و مسرور ہو کر میرے ہمراہ ہو گئی اور اُس مکان تک آئی جسے میں نے بغداد میں اپنے کاروبار تجارت کی ضرورت سے عرصہ سے خرید رکھا تھا۔ میں نے اُس کو دیکھا کہ وہ بار بار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے خط کو نکال کر چومتی ہے۔ اور پے در پے اُس کو اپنی آنکھوں سے لگاتی ہے۔ جب میں نے اُس کے اخلاص و اشتیاق کو یہاں تک پہنچا ہوا پایا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ تم خط کو اپنی آنکھوں سے کیوں بار بار لگاتی ہو اور چومتی ہو۔ حالانکہ تم اسکے کاتب کو جانتی تک بھی نہیں ہو! یہ سُنکر اُس نے میری طرف تعجب کی نگاہوں سے دیکھا اور کہا اے جاہل کم معرفت اب مجھ سے ذرّیت فرزندانِ و اوصیائے پیغمبران سلام اللہ علیہم اجمعین کی حقیقت کان لگا کر سُن لے۔ میں اپنی روئداد تجھ سے اس وقت کہے دیتی ہوں +

جنابِ نرجسؑ خاتون کی سرگزشت

واضح ہو کہ میں قیصر روم کے لڑکے یشوعا کی بیٹی ہوں اور میرا نام ملیکہ ہے اور میرے ماں باپ دونوں حضرت شمعون الصفاء وصی جناب عیسیٰ علیٰ نبینا و آلہ علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ میرے دادا قیصر روم نے چاہا تھا کہ مجھے میرے چچازاد بھائی سے بیاہ دے۔ میری عمر اُس وقت تیرہ سال کی تھی۔ اس بنا پر اس نے میری شادی کا انتظام اپنے خاص اہتمام سے اپنے خاص محل شاہی میں کیا۔ حواریین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام ذریات۔ علماء شریعت اور تمامی عمائد و اراکین سلطنت اور تین سو دیگر عہدہ داران ملکی و مالی اور سات سو افسران جنگی اور چار ہزار دیگر قبائل و عشائر کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی آرایش اور زیب و زیبائش میں تمام قصر شاہی آراستہ و پیراستہ کیئے گئے۔ اور ایک تخت بیش بہا اور پُر تکلف عروس کے لیئے تیار کیا گیا۔ اس تخت کے چالیس پائے تھے اور اُس میں بہت سی تصویریں چسپاں تھیں۔ سہ پہر اور میرا چچازاد بھائی داماد نوشاہ بٹھلا

گئے اور علماء کو حکم دیا گیا کہ مراسم تزویج کا آغاز کریں۔ اُن علما نے حکم پاتے ہی انجیل کی جلدیں اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لیں اور چاہتے تھے کہ اُس میں سے احکام مناکحت کا آغاز کریں کہ ایک بارگی وہ تمام تصویریں جو آویزاں اور چسپاں تھیں گر پڑیں اور اُس تخت کے چالیسوں پائے مڑ مڑا کے ٹوٹ گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر علماء کے ہوش اُڑ گئے۔ تمام اعضاء کانپنے لگے۔ اور اُن میں سے ایک معمر اور کبیر السن شخص نے میرے دادا سے کہا کہ اے قیصر! ہم لوگوں کو اس امر کی تعمیل سے معاف رکھا جائے کیونکہ اس کے انعقاد سے ایسی منحوس باتیں ظہور میں آئیں جو مذہب عیسائی کے زوال کو بہت جلد آنے والا بتلا رہی ہیں۔ میرے دادا نے بھی اس وقوعہ کو فال بد خیال کر کے علماء کو حکم دیا کہ اُس تخت کو پھر از سر نو آراستہ و پیراستہ کر کے تیار کریں اور نوشاہ اول کی جگہ اُس کے بھائی کو میرے ساتھ بیاہ دیں۔ جب قیصر روم کے حکم کے مطابق دوبارہ قصر کی زیب و زینت کی گئی اور اس کے دوسرے بھائی کو تخت پر بٹھا کر علمائے دینی نے جونہی چاہا کہ مراسم تزویج کا آغاز کریں کہ پردۂ غیب سے پھر ویسے ہی سامان جیسے کہ پہلے ہو چکے تھے عام مشاہدے میں آئے۔ اس بھائی کی نحوست اُس بھائی سے بھی زیادہ ثابت ہوئی۔ لیکن تاہم کوئی شخص اُسکے اصلی مدعا تک نہ پہنچا۔ کیونکہ یہ امور اُن کی ہدایت کی غرض سے تھے نہ اُن دونوں بھائیوں کی نحوست کی وجہ سے۔

بہر حال جب اِن آثارِ یزدانی اور آیاتِ ربانی کے مشاہدے سے سب لوگ متفرق ہو گئے اور میرا دادا قیصر رومی بھی محزون و خوفناک ہو کر اپنی محلسرا میں چلا گیا تو میں بھی اپنی خلوت سرا میں پہنچا دی گئی۔ اور میں اپنے فرش خواب پر جاتے ہی فوراً سو گئی۔ میں نے ایک بارگی عالم رؤیا میں دیکھا کہ جناب مسیح و شمعون علےٰ نبینا و آلہٖ و علیہما السلام مع دیگر حواریین تشریف لائے ہیں۔ اور میرے دادا کے قصر میں وہیں جہاں تخت عروسی بچھایا گیا تھا ایک نور کا منبر نصب کیا گیا ہے۔ اسی اثناء میں جناب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے وصی و داماد حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔ اُن کے ساتھ اور ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین مجتمع ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مسیحؑ آپ کے استقبال کو آگے بڑھ گئے اور اپنے ہاتھ آپ کے گلوئے مبارک میں ڈال دیے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے روح اللہ! میں اسی لئے آیا ہوں کہ ملیکہ تمہارے وصی شمعونؑ کی دختر بلند اختر کو اپنے فرزند ارجمند کے ساتھ نامزد کر دوں۔ اور اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک سے اشارہ ماہ برج خلافت و امامت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف کیا۔ آپ کا یہ اشارہ دیکھ کر میں نے اُنکو اچھی طرح پہچان لیا۔

بہر حال آپکا یہ ارشاد سُن کر جناب عیسیٰ مریم علیہما السلام نے حضرت شمعونؑ سے فرمایا کہ اب اور کیا چاہتے ہو؟ دونوں جہان کے شرف تم کو حاصل ہوئے۔ اپنی دختر کو جناب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند ارجمند کے ساتھ تزویج کر دو۔ حضرت شمعونؑ نے فرمایا کہ میں نے بدل و جان اسکو قبول و منظور کیا۔ اس کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے میرا عقد جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ پڑھ دیا۔ تمام فرزندان حضرت رسول خدا علیہم السلام اُس پر گواہ ہوئے جب میں یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوئی تو اپنی جان کی ہلاکت اور اُن کی شماتت کے خوف سے کسی ایک سے بھی اس کا ذکر نہ کر سکی۔ بلکہ اس گنجینۂ بشارت کو میں اپنے صندوق سینہ میں امانت رکھے رہی۔ مگر اُس خورشید امامت کی گرمیٔ محبت میرے دل میں روز بروز مشتعل ہوتی رہی اور میں دردِ فراق میں کسی طرح صبر و تحمل نہیں کر سکتی تھی یہاں تک کہ کھانا پینا مجھ پر حرام ہو گیا۔ روز بروز چہرہ متغیر اور جسم لاغر ہوتا گیا۔ مملکت روم کے تمام باشندوں میں کوئی طبیب کوئی حکیم ایسا نہیں چھوٹا جس سے میرا علاج رجوع کیا گیا ہو مگر کوئی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر میرے دادا نے ایک دن مجھ سے

پوچھا کہ اے میری نورِ چشم! دنیا کی جو حسرت تیرے دل میں باقی رہی جاتی ہو اُسے مجھ سے کہہ دے کہ وہ میں تیرے لئے مہیا کروں۔ میں نے کہا کہ اے واوا! خوشی کے دروازے میرے لئے بند ہو چکے اگر مسلمان قیدیوں کو آپ اپنے قیدخانہ شاہی سے رہا فرمادیں تو مجھے یقین ہے کہ اس کارِ حسنہ کے صلے میں حضرت مسیح اور اُن کی مادرِ گرامی قدر علیٰ نبینا وآلہ و علیہما السلام مجھ کو صحت و عافیت عنایت فرمائیں۔ اُس (قیصر روم) نے میری سفارش کو قبول کر لیا۔ اور اُسی وقت تمام مسلمان قیدیوں کو اپنے قیدخانہ سے چھوڑ دیا۔

دو ہفتہ کے بعد میں نے پھر عالمِ رویا میں دیکھا کہ بہترین زنانِ عالمیاں جناب سیدہ طاہرہ صدیقہ کبریٰ فاطمۃ زہرا سلام اللہ علیہا حورانِ جنت کی ایک معتدبہ جماعت کے ساتھ تشریف لائی ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام بھی اُن کے ہمراہ ہیں۔ جنابِ مریمؑ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تمہارے شوہر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی مادرِ والاشان ہیں۔ اتنا سُننا تھا کہ میں اُن کے دامن سے لپٹ گئی۔ اور زار زار رونے لگی اور شکایت کرنے لگی کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اس وقت تک مجھ سے کراہت رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت سیدہؑ نے ارشاد فرمایا کہ میرا فرزند ابھی تیرے پاس کیسے آسکتا ہے کیونکہ تم تو اس وقت خدا کی ذاتِ واحد میں شریک لازم سمجھتی ہو اور مذہب ترسایان رکھتی ہو۔ ابھی تک میری بہن جناب مریمؑ بھی اسی وجہ سے تم سے ناراض ہیں۔ اب اگر تم خداوند عالم جناب عیسیٰ و حضرت مریم علیٰ نبینا وآلہ و علیہما السلام کو خوشنود اور راضی کرنا چاہتی ہو اور اسکی بھی خواہش رکھتی ہو کہ میرا فرزند ارجمند (حضرت امام حسن عسکریؑ) تمہارے دیکھنے کو تمہارے پاس آئے تو تم اپنی زبان سے کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ آپ کے یہ ارشاد ہدایت بنیاد سنتے ہی میں نے فوراً کلمہ طیبہ اپنی زبان پر جاری کیا۔ اس کلمہ کے سننے ہی جناب صدیقہ طاہرہ نے مجھ کو اپنے سینۂ اقدس سے لگا لیا

اور مجھے تسلی و تشفی دے کر ارشاد کیا کہ اب تو البتہ مومنہ کاملہ ہو گئی اور اب فرزند ارجمند میرا تیرے دیکھنے کیلئے ضرور آئیگا۔

اس خواب کے دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں برابر اس کلمۂ مبارکہ کی مزاولت کرتی رہی۔ دوسری رات کو عالمِ رویا میں پھر دیکھتی ہوں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور ایک منادی مجھے ندا کرتا ہے کہ اے ملیکہ! اے تیرا نصیب روشن ہوا۔ تو جن کی منتظر تھی وہ تیرے دیکھنے کو تشریف لائے۔ میں نے آپ کی خدمت میں عدم توجہی کی شکایت کی تو ارشاد کیا کہ تم اس وقت تک مشرکہ تھیں یہی سبب تاخیر کا تھا جسے تم عدم توجہی سمجھتی ہو۔ الحمد للہ اب تم کامل الایمان ہو۔ اب ہر شب میں تمہارے دیکھنے کو آسکتا ہوں۔ جب تک کہ خدائے قادرِ مطلق ہم تم کو ایک جا کر دے۔

بشیر ابن سلیمان انصاری کا بیان ہے کہ اتنا سُنکر میں نے جناب ملیکہ سے پوچھا کہ پھر اس وقت آپ مقید ہو کر کیسے آئیں تو آپ نے اپنی بقیہ سرگزشت کو خاتمہ تک یہ کہہ کر پہنچایا کہ ایک شب کو حسبِ معمول حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تشریف لائے تو مجھ سے ارشاد کیا کہ تمہارا دادا قیصر روم فلاں روز بلادِ اسلامیہ پر ایک لشکر روانہ کریگا اور خود لشکر کے پیچھے روانہ ہوگا۔ اُس وقت تم شاگرد پیشہ والوں کی جماعت میں چھپ کر ملجانا کہ تم کو کوئی نہ پہچانے۔ میں نے آپ کے ارشاد کے موافق تعمیل حکم کی۔ اتفاق سے مجھے اول مسلمانوں کے ہراول لشکر ملے اور انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ اور مآلِ کار میری تمام سرگزشت کا یہ ہے جو تم اپنی آنکھوں سے اِس وقت دیکھ رہے ہو اور سوائے تمہارے اب تک کوئی دوسرا شخص میرے حال سے واقف نہیں ہے کہ میں قیصر روم کی لڑکی ہوں۔ اب سنو یہ پیر مرد کہ جس کے حصہ میں میں آئی ہوں اس نے مجھ سے میرا نام پوچھا تو میں نے قیصر روم کے حفظ اعزاز کے خیال سے اس کو اپنا نام نرجس بتلا دیا ہے۔ یہ نام سنتے ہی اُس نے میری فوراً تصدیق کر لی اور کہا کہ ہاں ایسا ہی

نام کنیزوں کا ہوتا ہے۔ بشیر کا بیان ہے کہ میں نے آپ کا سلسلۂ بیان کاٹ کر کہا کہ آپ ملکِ روم کے رہنے والی ہو کر پھر ایسی فصیح و سلیس عربی بولتی ہو۔ اس کا کیا باعث آپ نے جواب دیا کہ چونکہ میرے دادا قیصرِ روم کو میرے ساتھ مفرط درجہ کی محبت تھی اور ہمیشہ اُس کی تمنا رہتی تھی کہ میں اچھی اور کامل طور پر تعلیم پاؤں۔ اس لئے اُس نے بڑی تلاش سے ایک معلّمہ میری تعلیم کو نوکر رکھی جو عربی اور رومی دونوں زبانوں سے پوری ماہر تھی۔ وہ دونوں وقت قصرِ شاہی میں آکر مجھے دونوں زبانوں کی تعلیم دیتی رہی۔

بشیر ابن سلیمان کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں آپ کی رکاب میں بغداد سے روانہ ہو کر شہر سامرہ میں پہنچ گیا اور جناب امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے اُس خاتونِ معظمہ کو دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے تمہارے دل پر دینِ اسلام کی فضیلت اور ترجیح بمقابلہ دینِ نصاریٰ کے کیسے ظاہر فرمائی۔ نرجس خاتون نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ مجھ سے تمام روئداد کو بہتر جانتے ہیں پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں دین و دنیا میں تمہارے مدارج و مراتب اور زیادہ وسیع و رفیع کر دوں۔ اور اس کے متعلق تم سے دو باتیں مجھے کہہ دینی نہایت ضروری ہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے دونو باتوں میں سے جسے تم چاہو اختیار کرو۔ ایک امر تو یہ ہے کہ میں تمہیں دس ہزار اشرفی اسی وقت دیتا ہوں اور آزاد کئے دیتا ہوں اور تمہیں اختیار دیتا ہوں جہاں چاہو چلی جاؤ۔ دوسرا امر یہ ہے کہ میں تمہیں ایک بشارت ابدی سُناتا ہوں جو تمہارے مقدر ہونیوالی ہے۔ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ مجھے دولتِ دنیا کی مطلق خواہش باقی نہیں ہے۔ میں آپ کے لبہائے مبارک سے اُس بشارت روحانی اور ودیعت ربانی کے سُننے کی مشتاق اور متمنی ہوں اور کچھ نہیں۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا

کہ اے دخترِ نیک اختر! تیرے بطن سے ایک فرزند صالح اور نیکوکار عالم پیدا ہوگا اور بشارت ہو تجھ کو کہ وہ ایسا نیکو طالع ہوگا جو مغرب و مشرق کا بادشاہ ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح کہ پہلے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ فرزند صالح کس شخص کے صلب سے ہوگا ارشاد ہوا کہ اُس شخص سے جس کے لئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمہاری خواستگاری فرمائی تھی۔ پھر پوچھا کہ کچھ تمہیں یاد ہے کہ جناب مسیح علی نبینا و آلہ و علیہ السلام و حضرت شمعون علیہ السلام نے کسی کے ساتھ تمہارا عقد کیا تھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا کہ تم اُنہیں پہچانتی ہو۔ جناب نرجس خاتون علیہا السلام نے فرمایا کہ ہاں۔ جس شب کو جناب سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا میرے دیکھنے کو تشریف لائیں اور مجھے دولتِ اسلام سے مشرف فرمایا۔ اُس کے بعد کوئی شب ایسی نہیں گزری ہے کہ آپ میرے پاس تشریف نہ لائے ہوں۔ یہ سُنکر امام علیہ السلام نے اپنے خادم کافور کو بھیجکر جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کو بُلا بھیجا۔ وہ تشریف لائیں تو آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ اے بہن۔ یہ وہی ذی قسمت اور صاحبِ عفت خاتون ہے جس کا ذکر میں تم سے قبل میں کر چکا ہوں کہ یہ سُنکر اُس خاتون معظمہ نے مجھ (نرجس) کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور بکمال فرحت و مسرت میرے ساتھ نوازش و الطاف کا اظہار فرمایا۔ یہ دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آپ انہیں اپنے ہمراہ لیتی جائیں اور ان کو عقائد حقہ اور اصول شریعت غرا تعلیم فرمائیں۔ اور احکام فرائض و سنن کے تدارک بتلائیں یہ زوجہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام و مادر حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ و الثنا ہے۔ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام حضرت نرجسؑ کو اسی وقت اپنے مکان میں لے گئیں اور برابر اپنے ہمراہ رکھنے لگیں ✣

حضرت نرجس خاتونؑ اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام

جناب شیخ کلینی اور ابن بابویہ نور اللہ مرقدہما نے جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ ایک روز جناب امام حسن عسکری علیہ السلام میرے گھر تشریف لائے اور نرجس خاتون کی طرف بنگاہ توجہ دیکھنے لگے میں نے (جناب حکیمہؑ نے) پوچھا کہ اے فرزند اگر تمہیں یہ میری کنیز اچھی معلوم ہوتی ہو تو میں ابھی ابھی اسے تمہاری خدمت میں بھیجدیتی ہوں آپ نے فرمایا کہ اے عمہ محترمہ میں نے اس کی طرف ایک امر خاص کے باعث اس وجہ سے دیکھا ہے کہ مشیتِ یزدانی اور قدرت ربانی نے کیسا جلد اس عورت کو اس مولودِ مسعود کی پیدائش کے لئے بھیجدیا ہے جو تمام دنیا کو بعد اس کے کہ وہ تمام جور وجفا اور ظلم و جور سے بھری ہو عدالت سے پُر کردیگا۔ یہ سُنکر جناب حکیمہ خاتون نے کہا اے خوشا نصیب اُسکے جس کے شکم سے ایسا وحید روزگار اور خاصۂ پروردگار پیدا ہو میں ابھی ابھی اسے تمہاری خدمت میں بھیجے دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ایسا کرنے کا قصد نہ فرمائیں بلکہ پہلے اس امر کو میرے پدرِ بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کرلیں اور اُن کی خدمت سے اس امر خاص میں اجازت لے لیں۔ جناب حکیمہ خاتونؑ بھائی کی خدمت میں اُسی وقت تشریف لیگئیں۔ ابھی اُن محترمہ نے ایک کلمہ اپنی زبان سے بھی نہ نکالا تھا کہ خود جناب امام علی نقی علیہ السلام نے اپنی طرف سے سبقت فرماکر ارشاد کیا کہ اے بہن نرجسؑ کو ہمارے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کو ہبہ کردو۔ جناب حکیمہ خاتونؑ نے فرمایا اے بھائی میں خاص کر اسی امر کے اظہار اور اجازت کے لئے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا مفاخرت اور مسرت کا تمہارے لئے یہ سبب ہے کہ خدائے واہب العطایا نے تمکو اس کار ثواب میں شریک بنایا اور اس سعادتِ عظیمہ میں تم کو بہرۂ وافر عنایت فرمایا۔ اور اپنی آیات و علامات کے اجرا کا تمہاری ذات کو ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا۔ آپ کے یہ ارشاد سُنکر جناب حکیمہؑ از حد مسرور و محظوظ ہوئیں اور اُسی وقت اپنے برادر عالی مقدار کے گھر سے اپنے مکان کو واپس آئیں اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی تزویج کے تمام ضروری سامان مہیا فرماکر آپ کو اپنے گھر میں مدعو کیا۔ اور عقد وغیرہ سے فراغت کرکے کئی دن تک اُنکو اپنے گھر میں مہمان رکھا۔ اور چند روز کے بعد آپ کو نرجسؑ خاتون کے ہمراہ رخصت فرمایا۔

ایک تو حضرت حکیمہ خاتون کی نگاہوں میں جناب نرجسؑ کی قدر و منزلت اُسی وقت سے قائم ہوگئی تھی جس وقت سے آپ نے اپنے برادر عالی مقدار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی زبانی اُن کے فضائل و مراتب سُنے تھے۔ اور اُن کی ذات کرامت آیات سے وہ اسرار الٰہی جو آیندہ ظاہر ہونیوالے تھے معلوم کرکے اور بھی زیادہ اُنکی قدر و منزلت بڑھ گئی تھی اور اخیر میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ تزویج ہونے سے تو اِن امور میں اتنی ترقی ہوگئی کہ خادم و مخدوم کے معمولی آداب و آئین میں بھی آپ کی طرف سے مساوات برتی جانے لگی اور فیما بین برابری اور ہمسری کے طریقے قائم ہونے لگے۔ اور کچھ آگے چلکر جناب حکیمہ خاتونؑ خود نرجس خاتونؑ کا ہر وقت پاس و لحاظ رکھنے لگیں چنانچہ ذیل کے واقعہ سے اس بیان پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

ملا مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب حکیمہؑ خود ناقل ہیں کہ میں اپنی قدیم عادت کے مطابق ہر روز اپنے بھائی امام علی نقی علیہ السلام کے دیکھنے کے لئے اُن کی دولتسرا میں جایا کرتی تھی حسب معمول ایک دن میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اس اثنا میں جناب نرجسؑ تشریف لائیں اور مجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگیں کہ آپ اپنے پاؤں کو ذرا میری طرف بڑھا دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں سے کفش اُتارلوں۔ پھر آپ بخاطر جمع تشریف رکھیں

میں نے کہا تم ہرگز ایسا قصد نہ کرنا میرے تمہارے وہ قدیم مراتب قائم نہیں رہے۔ نرجس خاتونؑ نے عرض کی آپ یہ کیا فرماتی ہیں۔ آپ میری خاتون ہیں۔ میں نے کہا اب بخلاف اس کے تم میری خاتون ہو۔ میں تم کو ہرگز اپنے پاؤں سے جوتیاں اتارنے کی تکلیف نہ دوں گی۔ بلکہ اب میں خود تمہاری خدمت کروں گی۔ اور نہایت فخر سمجھ کر تمہاری ممنون ہوں گی۔

خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کے بھی عجائبات ہیں اور اُس قادر مطلق کی جبروت کے بھی تصرفات ہیں۔ جناب نرجس کیا تھیں کیا ہو گئیں۔ اور پھر کیا ہو کر کیا ہو گئیں۔ اس کی تفصیل میں گزارش ہے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یہ قیصر روم کی پوتی تھیں اور اُس کے بڑے بیٹے یشوع نامی کی صاحبزادی۔ بلاد رومیہ کی ملکہ اور شاہزادی۔ ابتدا تو یہ تھی مشیت کو چونکہ ان کے لئے کچھ اور ہی منظور تھا اپنی عقیدت اور خلوص ایمانی کی پُرجوشیوں میں اپنے گھر بار ثروت واقتدار پر لات مار کر جدا ہو گئیں اور پھر بقولیکہ ع جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ گرفتار ہوئیں۔ کنیز بنائی گئیں۔ بعد بغداد کے بازار میں بیچی گئیں۔ مگر حقیقت میں الطّیّبات للطّیّبین والطّیّبون للطّیّبات۔ مخصوصان الٰہی کا تعلق ظاہری و باطنی مخصوصان الٰہی ہی سے ہوتا ہے۔ خدا کے عزیز کبھی ذلیل نہیں ہوتے نظام مشیت نے ان کی بیع وشرے کے معاملات میں اپنے تصرفات کے وہ نیرنگ دکھلائے جو انسان کیا اُس کے فرشتوں کی سمجھ میں بھی خاک نہ آئے۔ آخر میں یہ نتیجہ ہوا کہ جس کے ہاتھ اُس قادر مطلق کو منظور تھا اُسی کے ہاتھ اُن کی بیع کے معاملات طے ہوئے۔

یہ سب کچھ تو ہوا مگر ابھی تک خادم ومخدوم کے تعلق باقی تھے۔ مگر جب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی دولت سرا میں زوجیت کے شرف سے بھی مشرف ہو گئیں تو یہ برائے نام نسبت بھی جاتی رہی! پھر تو رفتہ رفتہ مشیت نے ان کے احوال پر رحمت وافضال کی وہ فراوانی کی کہ یہ جن کو اپنی مخدومہ سمجھتی تھیں وہی اپنے آپ کو ان کی خادمہ سمجھنے لگیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی اوپر لکھا گیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

کیوں نہ ہو جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کچھ معمولی خاتون نہیں تھیں وہ امام زادی تھیں اور اُس خاندان اعلیٰ اور دودمان والا کی چشم وچراغ جس سے تمام دنیا نے مرتبہ دانی کے قواعد اور قدر شناسی کے آئین سیکھے تھے پھر جب معمولی طبقات کی آداب شناسی کی یہ کیفیت ہے تب مراتب امام کے متعلق اُن کی معرفت اور علم کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جناب نرجس خاتون علیہا السلام کی بنسبت وہ دو معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی زبانی بشارت اپنے کانوں سے سن چکی تھیں اور جو شرافت وفضیلت ان کو بارگاہ قدرت سے عنایت ہونیوالی تھی اور جیسے جیسے اسرار لامتناہی اور آثار قدرت الٰہی ان کی ذات سے خاص طور پر تعلق رکھتے تھے وہ سب کماحقہ ظاہر ہو چکے تھے پھر اتنے شرف وافتخار کی موجودگی میں بھی جناب نرجسؑ کی مرتبہ دانی اور آداب شناسی میں کمی کی جاتی تو کیسے۔

ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں پہلے ہی سے عرض کیے دیتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا التماس کسی قدر قبل از وقت ضرور خیال کیا جائیگا۔ مگر ہم اُس کو اپنے مقام پر مقدمہ کے طور پر بیان کر دینا نہایت ضروری اور مفید سمجھتے ہیں کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے جتنے حالات اس کتاب میں جمع کیے گئے ہیں سب کے سب خدائے برحق کی قدرت اور قادر مطلق کے اسرار مشیت پر بالکل مبنی ہیں۔ باعتبار گیارہ جلدوں کے جن کی تالیف وترتیب اور جمع کا الحمد للہ علیٰ احسانہ کامل سترہ برس کی مدت میں اس ناچیز کو مسلسل اور متواتر شرف حاصل ہوا ہے۔ وہ سابق مضامین جو ان مجلدات میں بیان کیے گئے ہیں اس کتاب میں ضرور کم پائے جائینگے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم نے اپنا تاریخی سلسلہ اس میں بھی قائم رکھا ہے اور اُسی ترتیب سے تمام تاریخی واقعات کو درج کیا ہے۔ مگر چونکہ ہم کو اس کتاب میں

اُس مقدس بزرگوار عجل اللہ ظہورہٗ کے حالات لکھنے ہیں۔ دنیا میں جس کے ظاہری قیام کی محدود مدت بھی ابتدا سے لیکر انتہا تک اسرارِ الٰہی کا جلوہ اور اُسکی قدرتِ لامتناہی کا نمونہ تھی اسی لئے اپنے اُن بیانات کے ساتھ ہم کو اُن کے دلائل و براہین بھی لکھنے ہوئے ہیں اور پھر اُن کے متعلق اُن مختلف اور متعدد غلط فہیوں مشکوک اور شبہات کی تنقید اور قطع و برید بھی کرنی پڑی ہے جو جہالت اور عدم واقفیت کی وجہ سے اکثر ابنائے زمانہ کو آپ کے متعلق پیدا ہو جاتے ہیں۔

بہرحال تمہیداً اتنا عرض کر کے ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے متعلق جو آثار قدرت اور اظہار آیاتِ مشیت ظاہر ہوئے اُن کو پوری تفصیل کے ساتھ ذیل میں قلمبند کرتے ہیں ؁

ولادتِ باسعادت کے متعلق قدرتی آثار

تاریخ ولادت تو اوپر لکھی جا چکی ہے اور حقیقت امر تو یہ ہے کہ نیمۂ شعبان ؁۲۵۵ ہجری کو بعد نماز فجر یا قبل آپ کی ولادت باسعادت کا واقع ہونا اسلام کا ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ مگر سب سے زیادہ تعجب کا باعث تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقعہ پر آپ کی ولادت باسعادت اِس خلوص و عقیدت کے ساتھ تسلیم کی جاتی ہے اور وہ تمام واقعات و حالات بیان کیے جاتے ہیں اور پھر ایک دوسرے موقع پر اُن سے انکار کیا جاتا ہے اور صریح چشم پوشی۔ بہرحال خاص کر ہم ذیل میں اُن روایات کو قلمبند کرتے ہیں جن کو فریقین کے علمائے معتبرین نے آپ کی ولادت کے متعلق اپنی اپنی تالیفات میں مندرج کیا ہے چنانچہ خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں اور امام قندوزی ینابیع المودۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ولم يخلف ولداً الا ابی القاسم محمد المنتظر المسمّٰی بالقائم والحجة والمهدی و صاحب الزمان و خاتم الائمة الاثنی عشر و كان مولده ليلة النصف من الشعبان سنة خمس و خمسين و مائتين و امه ام ولد يقال لها نرجس توفی ابوه رضی الله عنه و هو ابن خمس سنين فاختفی الی الآن رضی الله عنه و هو محمد المنتظر ولد الحسن العسكری رضی الله عنهما معلوم عند خاصة اصحابه و ثقات اهله و يروی ان حكيمة بنت محمد الجواد كانت عمة ابی محمد الحسن العسكری رضی الله عنه تحبه و تدعوا له و تتضرع الی الله تعالی ان يری ولده فلما كانت ليلة النصف من شعبان سنة خمسين و مائتين دخلت حكيمة عند الحسن عليه السلام فقال لها يا عمة كونی الليلة عندنا لامر فاقامت فلما كان وقت الفجر اضطربت نرجس فقامت اليها حكيمة فوضعت المولود المبارك فلما رأته حكيمة اتت به الحسن عليه السلام و هو مختون فاخذه و مسح بيده علی ظهره و عينيه و ادخل لسانه فی فيه و اذّن فی اذنه اليمنی و اقام فی الاخری ثم قال يا عمة اذهبيه الی امه فردته الی امه قالت حكيمة ثم جئت من بيتی الی ابی محمد الحسن عليه السلام فاذا المولود بين يديه فی ثياب صفر و عليه من البهاء و النور ما اخذ حبه مجامع قلبی فقلت يا سيدی هل عندك من علم فی هذا المولود المبارك فقال يا عمة هذا المنتظر الذی بشرنا به فخررت لله ساجدة شكراً علی ذلك ثم كنت اتردد الی الحسن عليه السلام فلا اری المولود فقلت يا مولای ما فعل سيدنا المنتظر قال استودعناه الله الذی استودعته ام موسی عليهما السلام ابنها۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد میں سوائے جناب ابو القاسم محمد المنتظر المہدی علیہ السلام جو گروہ امامیہ میں قائم حجۃ اللہ۔ امام الزمان اور مہدی علیہ السلام کے لقب سے مشہور ہیں کوئی باقی نہیں رہا۔ آپ کی ولادت نیمۂ شعبان ؁۲۵۵ ہجری میں واقع ہوئی۔ اور آپ کی مادر گرامی قدر

کنیز تھیں جن کا نام نرجس تھا۔ جب آپ کے والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو اُس وقت آپ کا سن کل پانچ برس کا تھا۔ پھر اُس وقت سے آپ اُس وقت تک پوشیدہ ہیں اور آپ وہی بزرگوار ہیں جنکو محمد المنتظر المہدی پسر حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام کہتے ہیں۔ آپ کی ولادت کے حالات و واقعات آپ کے مخصوصین اور معتمدین کو بخوبی معلوم تھے اور مروی ہے کہ جناب حکیمہ خاتون بنت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی ہوتی ہیں آپ کو بہت چاہتی تھیں اور آپ کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت رکھتی تھیں۔ اُنہوں نے جناب باری عز اسمہ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ پروردگار تو مجھ کو میرے اُس فرزند کی اولاد دکھلاوے۔ جب پندرھویں شعبان ۲۵۵ھ ہجری ہوئی تو اُس دن حسن اتفاق سے حضرت حکیمہ خاتون جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ آج رات کو ایک امر خاص کا ظہور ہونے والا ہے اس لیے آج رات کی رات ...... آپ یہیں تشریف رکھیں۔ جناب حکیمہ حسب الارشاد وہیں ٹھہری رہیں۔ بیان فرماتی ہیں کہ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو جناب نرجس خاتون علیہا السلام پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ دیکھ کر میں اُنکے پاس جا بیٹھی۔ تھوڑی دیر میں وہ مولود مسعود بہارستان عدم سے چمنستان وجود میں تشریف لایا۔ میں نے اُسکی طرف غور سے دیکھا تو وہ ناف بریدہ و مختون تھا اسی اثنا میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بھی تشریف لائے اور تشریف لاتے ہی اُس مولود مسعود کو اپنی آغوش مبارک سے لگا لیا اور اپنا دست مبارک اُس کی پشت اور آنکھوں پر پھیرا اور اپنی زبان مبارک اُس کے ننھے سے منہ میں دیدی۔ پھر اُس کے سیدھے کان میں اذان اور اُلٹے کان میں اقامت کہی۔ اس کے بعد آپ نے مجھے دیا اور کہا کہ اس کو اس کی ماں کو دیدو۔ جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کا بیان ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد پھر میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ اُس مولود مسعود کو نارنجی کپڑے پہنائے اپنی گود میں لیے تھے اور اُس وقت اُس کے چہرہ سے ایک پُر ضیا نور چاروں طرف ظاہر ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے محبت آئی۔ میں نے اُس وقت اپنے دلی خلوص کو مشکل سے ضبط کر کے آپ سے پوچھا کہ آپ اپنے فرزند دلبند کے متعلق کیا خبر رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اے عمۃ! یہی مہدی موعود علیہ السلام ہے جسکی بشارت ہم لوگوں کو دیگئی ہے۔ یہ سُن کر میں اُسی وقت سجدہ شکر میں جھک گئی دوسری بار پھر جب آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی تو اُس مولود مسعود کو گھر میں نہیں دیکھا۔ میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اُسے خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں سپرد کر دیا ہے جس طرح مادر موسیٰ علیہا السلام نے حضرت موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو سپرد کر دیا تھا

وقال اٰتٰہ اللہ تبارک وتعالیٰ الحکمۃ وفصل الخطاب فی طفولیتہ وجعلہ اٰیۃ للعٰلمین کما قال تعالیٰ یٰیحییٰ خذ الکتٰب بقوۃ واٰتینٰہ الحکم صبیًا۔ وقال عیسٰی علیہ السلام اٰتنی الکتٰب وجعلنی نبیًا وطوّل اللہ تبارک وتعالیٰ عمرہ کما طوّل عمر الخضر علیہ السلام۔

خدائے واہب العطایا نے اُس کو علم وحکمت اور قوت احکام بچپنے میں عطا فرما کر دنیا میں اُس کو اپنی آیات میں سے ایک آیت برحق اور حجت مطلق عطا فرمائی جس طرح کہ اُس نے حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ اے یحییٰ! بچپن میں اپنی قوت علمی سے کتاب خدا کی تبلیغ کو اپنے ذمہ لیلو۔ اور ہم نے تمکو اس امر کی حکومت طفولیت اور کم سنی میں عطا فرمائی ہے اور خدائے سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ تمام طور سے دنیا کے لوگ تعجب کرتے تھے کہ گہوارہ کا بچہ کیسے کلام کر سکتا ہے

اور خداوند تعالیٰ اس بچہ کو طول عمری کی نعمت بھی عطا فرمائے گا جس طرح طول عمری کی دولت جناب خضر علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو عنایت فرمائی تھی۔

پھر اسی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ کے الباب التاسع والسبعون میں امام قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ آپ کے حالاتِ ولادت کو ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں وھو ہذا

عن موسیٰ ابن محمد بن ابی القاسم ابن حمزۃ ابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام قال حدثنی حکیمۃ بنت الامام محمد التقی الجواد بنت الامام ابی محمد الحسن العسکری علیہ السلام فقال یا عمۃ اجعلی افطارک اللیلۃ عندنا فانھا لیلۃ النصف من شعبان فان اللہ تبارک و تعالیٰ یظھر فی ھذہ اللیلۃ حجتہ فی ارضہ قالت فاستقمت ونمت ثم قمت وقت السحر وقرأت الٓمٓ السجدۃ ویٰسٓ فاضطربت نرجس فکشفت الثوب عنھا فاذا بہ المولود ساجد افنادی ابو محمد ھلمی الیّ ابنی یا عمۃ فجئت بہ الیہ فوضع قدمیہ علی صدرہ وادخل لسانہ فی فمہ وامر یدہ علی عینیہ واذنہ ومفاصلہ ثم قال تکلم یا بنیّ فقال اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وصلی اللہ علی امیر المؤمنین وعلی الائمۃ الی ان صلی علی ابیہ ثم قال ابو محمد یا عمّۃ اذھبیہ الی امہ یسلّم علیھا وأتینی بہ فذھبت بہ فسلّم علی امہ ثم رددتہ فوضعتہ عندہ فقال یا عمۃ اذا کان یوم السابع ائتینا فلما کان یوم السابع جئت فقال لی ابو محمد علیہ السلام یا عمۃ ھلمی الیّ ابنی فجئت بہ ففعل بہ کفعل الاول فقال تکلم یا بنیّ فشھد الشھادتین وصلی علی ابائہ واحدا بعد واحد ثم تلا ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین قالت حکیمۃ جئت یوما وکشفت الستر فلم ارہ فقلت جعلت فداک یا سیدی ما فعل فقال یا عمۃ استودعناہ اللہ الحفیظ القدیر الذی استودعتہ ام موسیٰ علیھما السلام ثم قال موسیٰ ابن محمد فسئلت عقید الخادم عن ھذا فقال صدقت حکیمۃ علیھا الرحمۃ والرضوان۔

موسیٰ ابن محمد ابن ابو القاسم ابن حمزہ ابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام حضرت حکیمہ خاتون علیہ السلام سے ناقل ہیں کہ میں ایک دن جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا آج رات کو اے عمہ آپ میرے گھر میں رہیں اور یہیں کھانا کھائیں کیونکہ آج نیمۂ شعبان کی رات ہے اور خدائے سبحانہ وتعالیٰ آج رات کو اپنی حجت دنیا میں نازل فرمائیگا۔ جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ آپ کا ارشاد سنکر میں وہیں ٹھیری رہی اور رات بھر وہیں آرام کیا جب نماز صبح کا وقت آیا تو میں نماز پڑھ کر سورہائے الٓمٓ السجدہ اور یٰسٓ کی تلاوت کرنے لگی۔ اسی اثنا میں میں نے نرجس خاتون علیہا السلام پر ایک اضطرابی عالم مشاہدہ کیا۔ اور فوراً اُس کو وضع حمل ہوا وہ چادر جو اوڑھے تھی میں نے اُٹھائی تو دیکھا کہ وہ مولود مسعود سجدہ میں خم ہے۔ استنے میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے باہر سے آواز دی کہ اے عمہ میرے بیٹے کو میرے پاس لیتی آئیے۔ پس میں اُس کو فوراً اُن کے پاس لے گئی۔ آپ نے اُس کے پاؤں اپنے سینہ پر رکھ لئے اور اپنی زبان مبارک اُسکے دہن اقدس میں دیدی اور اپنا دست مبارک اُس کی آنکھوں کانوں اور دوسرے اعضا پر پھیرا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے بیٹا باتیں کرو۔ چنانچہ اُس صاحبزادے نے بکمال فصاحت و بلاغت کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان محمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ اس کے بعد اُس مولود مسعود نے جناب امیر المؤمنین اور سائر حضرات ائمۃ المعصومین سلام اللہ علیہم اجمعین پر ایک ایک کرکے درود وسلام بھیجا۔ تاآنکہ اس سلسلۂ صلوات کو اپنے پدر بزرگوار تک پہنچایا۔ اس کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عمہ! ان کو انکی ماں کے پاس لیجائیے۔ اور اُن کو دیجئے کہ وہ بھی ان کے دیدار فرحت آثار

سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی اور روشن کریں۔ یہ سُنکر میں اُس بچہ کو اُس کی ماں کے پاس لے آئی۔ اُس نے اپنی ماں کو دیکھتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا۔ پھر میں نے اُسے اُس کی ماں کی گود میں دیدیا۔ غرض وہ طفل مسعود پرورش پانے لگا۔ جب میں اپنے گھر جانے لگی تو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عمہ آپ ایک ہفتہ کے بعد پھر تشریف لائیے گا۔ میں نے کہا اچھا۔ میں ضرور آؤں گی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمہ میرے فرزند کو میرے پاس لائیے۔ چنانچہ میں اُس بچہ کو آپ کے پاس لے گئی۔ آج بھی آپ نے اُسکے ساتھ وہی اشفاق فرمائے جو اس کے قبل فرما چکے تھے اور ارشاد کیا بیٹا باتیں کرو۔ چنانچہ اُس صاحبزادے نے حسب دستور سابق بفصاحت و بلاغت تمام پہلے کلمۂ شہادتین پڑھا اور اُس کے بعد ایک ایک کر کے اپنے تمام آبائے طاہرین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر سلام و درود بھیجا۔ اور پھر یہ آیہ وافی ہدایہ تلاوت فرمایا (ترجمہ) ہم نے ارادہ کیا ہے کہ وہ لوگ جو دنیا میں ضعیف اور کمزور کر دیے گئے ہیں دنیا کے امام و پیشوا اور وہی اُن کے ورثا اور قائم مقام کیے جاویں۔ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کا بیان ہے کہ اُس دن کے بعد ایک بار پھر میں آپ کے دولتسرا میں گئی تو اُس مولود مسعود کو نہیں دیکھا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپنے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اُسکو خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کے حفظ و امان میں اُسی طرح سپرد کر دیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی مادر گرامی قدر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُس کے حفظ و امانت میں سپرد کر دیا تھا۔ موسیٰ ابن محمد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت حکیمہ خاتون کے اس واقعہ کی تصدیق عقید نامی خادم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے کی اور اُس سے یہ حالات دریافت کئے تو عقید نے کہا کہ جناب حکیمہ علیہا السلام نے بالکل راست

اور صحیح بیان فرمایا ہے۔

امام قندوزی شیخ سلیمان الحنفی نے ایک دوسری روایت میں جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کے شرف زوجیت میں آنے کے وقت سے لیکر آپ کی ولادت باسعادت کے وقت خاص تک بجنسہٖ وہی حالات و واقعات قلمبند فرمائے ہیں جن کو ہم خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب سے اوپر نقل کر آئے ہیں۔ یہ روایت محمد بن عبداللہ المطہری کی اسناد سے مروی ہے۔ لائق محدث نے اس روایت کو صرف محمد بن عبداللہ المطہری ہی کی اسناد سے بیان کر کے تمام نہیں کر دیا ہے بلکہ اپنی تحقیق و تلاش کے سلسلہ کو قائم رکھکر آگے لکھتے ہیں۔ قال محمد بن اسمٰعیل الحسینی عن حکیمۃ سمعت القصۃ المذکورۃ محمد بن اسمٰعیل الحسینی کا بیان ہے کہ میں نے بھی اس واقعہ کو جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کی زبانی یوں ہی سُنا ہے۔ اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں کہ قال محمد بن القاسم العلوی قال ادخلنا جماعۃ من العلویۃ علی حکیمۃ فقالت جئتم تسئلونی عن میلاد ولی اللہ قلنا نعم واللہ فقالت الاخبار التی ذکر تھا۔ محمد بن القاسم العلوی بیان کرتے ہیں کہ سادات علوی کی ایک جماعت حضرت حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اُنکو دیکھکر فرمایا کیا تم لوگ میرے پاس ولی اللہ علیہ السلام کے حالاتِ ولادت کے متعلق استفسار کرنے آئے ہو۔ اُن لوگوں نے عرض کی ہاں۔ پھر اُنھوں نے وہی ارشاد فرمایا جو اوپر لکھا گیا ہے پھر اسی روایت کو خاص عبداللہ المطہری کی زبانی بھی مرقوم فرمایا ہے۔ ان تمام اقوال مختلفہ اور متفرقہ کے جمع فرمانے کے بعد فاضل محدث نے اسی واقعہ کو حسین بن حمدان کی اسناد سے بھی تحریر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں قال الحسین بن حمدان حدثنی من اثق بہ من المشائخ عن حکیمۃ الخبر المذکورۃ یعنی حسین ابن حمدان کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی زبانی اپنے ان تمام مشائخ کبار و ذی اعتبار سے سُنا ہے جن کی تصدیق و توثیق

یہ مجھے کامل اعتبار حاصل ہے۔ فاضل محقق نے اتنا لکھ کر پھر اس واقعہ کو اسی طرح توثیق و تصدیق کی حدود تک پہنچایا ہے اور آزمایا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کے تنہا نقل فرمانے کے نقص احاد کو اور دوسرے لوگوں کی زبانی بھی منقول عنہم ثابت فرمایا ہے اور ہر طرح واقعۂ ولادت کو مشہور اور متواتر ہونے کے کامل معیار تک صحیح اور درست اتارا ہے۔

چنانچہ سابق عبارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

عن نسیم و ماریة الخادمان قالا سقط صاحب الزمان علیه السلام من بطن امه جاثیا علی رکبتیه رافعا سبابتیه الی السماء ثم عطس فقال الحمد لله رب العٰلمین وصلی الله علی محمد و اٰله وقال نسیم عطست عند صاحب الزمان علیه السلام بعد مولده فقال لی یرحمك الله تعالیٰ وقال العطاس امان من الموت الی ثلٰثة ایامٍ۔

نسیم اور ماریہ رضی اللہ عنہما خادمان حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا بیان ہے کہ جس وقت جناب امام صاحب الزمان علیہ السلام اپنی والدۂ مطہرہ کے بطن سے متولد ہوئے تو اسی وقت اپنے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک دیے اور اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائی۔ اسکے بعد آپ چھینکے تو فوراً فرمایا الحمد للہ رب العالمین وصلے اللہ علی محمد و آلہ۔ نسیم کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کے بعد دوسری مرتبہ میں آپ کے پاس حاضر تھا کہ چھینکا تو آپ نے فرمایا یرحمک اللہ (خدا تجھ پر اپنی رحمت نازل فرمائے) پھر فرمایا کہ چھینکنا انسان کو تین دن تک امن و امان میں رکھتا ہے۔

محدث دہلوی شیخ عبدالحق صاحب اپنے رسالہ مناقب میں لکھتے ہیں "حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام ولد او محمد رضی اللہ عنہ معلوم است نزد خواص اصحاب و ثقات اہلش و روایت کردہ اند کہ حکیمہ بنت ابی جعفر محمد جواد رضی اللہ عنہ کو عمۂ ابو محمد حسن عسکری رضی اللہ عنہ باشد دوست می داشت و دعا می کرد و تضرع می نمود کہ او را پسرے بوجود بہ بیند و ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام جاریہ را برگزیدہ بود کہ او را نرجس می گفتند چوں شب نصف شعبان سنہ ۲۵۵ خمس و خمسین و مائتین شد حکیمہ نزد ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام آمد و او را دعا کرد۔ حسن عسکری علیہ السلام التماس نمود کہ یا عمہ امشب نزد ما باش کہ کارے در پیش است۔ حکیمہ بالتماس حسن عسکری علیہ السلام شب در خانۂ ایشاں بایستاد۔ چوں وقتِ فجر رسید نرجس بدرونہ مضطرب شد۔ حکیمہ نزد نرجس آمد۔ مولودے دید بوجود آمدہ۔ مختون و مفروغ منہ۔ یعنی ختنہ کردہ شدہ و فارغ از ختنہ و کارِ شست و شو کہ مولود را می کنند۔ نزد حسن عسکری علیہ السلام برد۔ او را گرفت و دست بر پشتش و چشمانش فرود آورد و زبانِ خود را در دہنش در آورد و در گوشِ راستِ او اذان و در گوشِ چپ او اقامت گفت و گفت یا عمہ بر او را نزد مادرش۔ پس حکیمہ او را بمادرش سپرد۔ و حکیمہ رض گوید کہ بعد ازاں پیش ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام آمدم مولود را پیش وے دیدم در جامہائے زرد و او را نورے و عظمتے دیدم کہ دلِ من تمام گرفتارِ او شد۔ گفتم سیدی ہیچ علمے داری بحالِ ایں مولودِ مبارک کہ آں علم را بمن القا کنی۔ گفت اے عمہ ایں مولود منتظرِ ماست کہ ما را بداں بشارت دادہ بودند۔ حکیمہ گفت پس من بر زمین افتادم و بشکرِ آں بسجدہ رفتم۔ دیگر نزد ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام آمد و رفت می کردم۔ روزے نزدِ وے آمدم مولود او را ندیدم پرسیدم اے مولائے من آں سید منتظرِ ما چہ شد۔ فرمود او را سپردیم بآنکس کہ مادرِ موسیٰ علیہ السلام پسرِ خود را بوے سپردہ بود۔ و روایت کردہ شدہ است از ابوالحسن رضا علیہ السلام کہ از وے پرسیدند کہ چہ چیز است نام قائمِ شما۔ فرمود ما را حکم کردہ اند کہ پیش از ولادتِ وے نامش نبریم۔

اب تو غالباً مسئلہ ولادت کی نسبت کسی کو کوئی کلام نہیں ہوگا۔ کیونکہ محقق دہلوی کا یہ کلام ہے جنکی تاریخ دانی اور محدثیت میں کسی بچہ کو بھی شک نہیں ہوگا۔ کتاب مدارج النبوۃ آپ ہی کی معتبر تالیف ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت کو بکمال شرح و بسط لکھا ہے اور

جتنے علماء مابعد ہوئے سب اُن سے سند لاتے ہیں
پھر کیا اُن کا یہ قول قابلِ اعتبار نہ سمجھا جائیگا۔

ملا عبدالرحمنِ جامی کتاب شواہد النبوۃ

میں جناب امام محمد مہدی علیہ السلام کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں
حکیمہ عمۂ ابو محمد الزکی رضی اللہ عنہ گفتہ کہ روزے پیش
ابو محمد رضی اللہ عنہ درآمدم فرمود کہ اے عمہ امشب درخانۂ ما
باش کہ خدائے تعالیٰ مارا خلفے خواہد داد۔ من گفتم کہ ایں فرزند
از کہ خواہد بود.............. کہ در نرجس ہیچ
اثرے از حمل نمی بینم۔ فرمود کہ اے عمہ مثلِ نرجس ہمچو
مثل امِ موسیٰ ست علے نبینا وآلہ وعلیہما السلام کہ حمل وے
جز بوقت ولادت ظاہر نخواہد شد۔ حکیمہ رضی اللہ عنہا میگوید
آں شب آنجا بودم چوں شب بہ نیمہ رسید برخواستم و
تہجد گزاردم و نرجس رضی اللہ عنہا نیز تہجد گزارد۔ و بعد
ازاں با خود گفتم کہ وقت فجر نزدیک رسیدہ و آنچہ حضرت
ابو محمد علیہ السلام گفتہ ظاہر نشد۔ ابو محمد رضی اللہ عنہ از مقامِ
خود آواز داد کہ اے عمہ تعجیل مکن بخانہ کہ نرجس رضی اللہ عنہا
بود باز گشتم دیدم کہ نرجس برلرزہ آمدہ بود و او بر روئے
افتادہ۔ ویرا بسینۂ خود باز گرفتم و قل ہو اللہ احد و انا انزلنا
و آیۃ الکرسی بروے خواندم۔ از شکمِ وے آواز آمد کہ ہر چہ
من خواندم فرزند وے نیز میخواند۔ بعد ازاں دیدم کہ خانہ
روشن شد۔ نظر کردم۔ فرزندے بر زمین آمدہ بود و در سجدہ
افتادہ و وے را بر گرفتم۔ ابو محمد علیہ السلام از حجرۂ خود آواز
داد کہ اے عمہ فرزندِ مرا پیشِ من آر۔ پیشِ وے بردم و برابر
کنارِ خود نشاند و زبان در دہانِ وے کرد و فرمود کہ سخن گو
اے فرزندِ من باذن اللہ تعالیٰ و گفت بسم اللہ
الرحمن الرحیم ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا
فی الارض ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین۔
خدائے سبحانہ و تعالیٰ ارادہ می کند کہ منت نماید بایشاں کہ در
دنیا ضعیف کردہ شدند و ایشاں را امام بکند و ایشاں را وارث گرداند
بعد ازاں دیدم کہ مرغانِ سبز ما را فرو گرفتند۔ ابو محمد
علیہ السلام یکے از مرغاں را بخواند و گفت خذہ فاحفظہ

حتی یاذن اللہ تعالیٰ فیہ فان اللہ بالغ امرہ بگیر ایں
فرزند را و نگہدار تا حکم الٰہی بشود و بدرستیکہ خداوند تعالیٰ
رسانندۂ امر است۔
از حضرت ابو محمد علیہ السلام پرسیدم کہ ایں مرغ کہ بود و
ایں مرغہائے دیگر کیا نند فرمود کہ یا عمہ ویرا بمادرِ وے باز
کی تقر عینہا ولا تحزن ولتعلم ان وعد اللہ حق و
لکن اکثرہم لا یعلمون کہ آں ہم چشمہائے خود را از
دیدارش خنک کند و غمگین نبودہ باشد و آگاہ باشد کہ وعدۂ
خدا حق و راست می باشد۔ لیکن اکثر آنہا را نمی دانند۔
جناب حکیمہ می گوید کہ وے را نزد مادرش بردم۔ چوں متولد
شد ناف زدہ بود و ختنہ کردہ و بر ذراعِ ایمن وے مکتوب بود
کہ جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا
وازدیگرے روایت کردہ اند کہ گفتہ است چوں متولد شد
بدو زانو درآمد و انگشت سبابہ بجانب آسمان برداشت پس
عطسہ زد و گفت الحمد للہ رب العالمین و از دیگرے
آرند کہ گفتہ است کہ بر ابو محمد زکی علیہ السلام درآمدم و
گفتم یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیفہ و امام
بعد از تو کہ خواہد بود بخانہ درآمد۔ پس بیروں آمد کودکے بر
دوش گرفتہ گویا کہ ماہ شب چہاردہم بود۔ در سن سہ سالگی
پس فرمود اے فلاں اگر نہ پیش خدا تعالیٰ گرامی بودی
ایں فرزند خود را بتو نمی نمودمے۔ و نامِ این نام رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم است و کنیت وے کنیت وے
ہو الذی یملأ الارض قسطا کما ملئت جورا وظلما
وازدیگرے آرند کہ گفتہ است روزے بر ابو محمد علیہ السلام
درآمدم و بر دستِ راستِ وے خانہ دیدم۔ پردہ بآں
فرو گذاشتہ۔ گفتم یا سیدی صاحب ایں امر بعد ازیں کہ خواہد
شد۔ فرمود آں پردہ را بردار۔ برداشتم۔ کودکے بیروں آمد
در کمال طہارت و پاکیزگی۔ و بر رخسارۂ راست وے خالے
و گیسواں گزاشتہ آمدہ بر زانوئے حضرتِ ابو محمد علیہ السلام
نشست۔ ابو محمد علیہ السلام فرمود۔ اینست صاحبِ شما
بعد ازاں از زانوئے وے برخاست ابو محمد علیہ السلام

گفت
وے را یا بُنَیّ ادخل الی الوقت المعلوم بآں خانہ
درآمد و من بروے نظرے کردم - پس ابو محمد علیہ السلام
مرا گفت برخیز و ببیں کہ دراین خانہ کیست بخانہ درآمدم
ہیچکس راندیدم -

و از دیگرے آرند کہ گفتہ است کہ معتضد مرا با دو کس
دیگر طلبید و گفت حسن ابن علی نقی علیہما السلام در سر من
رائے وفات یافت زود بروید و خانہ اورا فراگیرید و ہر کہ
در خانہ وے بہ بینید سر وے را بمن آرید - رفتیم و بسرائے
وے درآمدیم - سرائے دیدیم در غایت خوبی و پاکیزگی -
گویا حال از عمارت آں فارغ شدہ بود و در آں پردہ
دیدیم فرو گزاشتہ پردہ را برداشتیم - سردابے دیدیم بآنجا
درآمدیم - دریائے دیدیم و در اقصائے آں حصیرے بر
روئے آب انداختہ و مردے بخوب ترین صورت بر
بالائے آں حصیر در نماز ایستادہ و بما ہیچ التفاتے نکردہ
یکے از آں دو نفر کہ با من بودند سبقت کرد و خواست کہ
پیش وے برود - در آب غرق شد و اضطراب می کرد
تا آں زماں کہ من دست وے راگرفتم و خلاص گردانیدم
من حیران ماندم - پس گفتیم اے صاحب خانہ از خدائے
تعالیٰ و از تو عذر مے خواہم واللہ کہ من نمی دانستم کہ حال
چیست و بکجا می آئیم و از آنچہ کردم بخدا تعالیٰ باز گشتم
ہر چند گفتم بمن ہیچ التفاتے نکرد - باز گشتیم و پیش معتضد
رفتیم و قصہ را باز گفتیم - گفت ایں سر را پوشیدہ دارید
والا بفرمایم کہ شما را گردن بزنند *

مَلِکُ العلماء شہاب الدین دولت آبادی
اپنی کتاب ہدایت السعداء میں تحریر کرتے ہیں - وہو ہذا
حجۃ اللہ القائم امام مہدی علیہ السلام وہو غائب
و او را عمر طویل است - چنانچہ میان مومناں حضرت عیسےٰ
و الیاس علیٰ نبینا و آلہ و علیہما السلام و از میان کافراں
دجال و سامری و بلعم و شمر قاتل شاہ حسین رست و امثالہم
الغرض یہ تمام اقوال جمع کر کے فاضل محدث نے آپ کی
ولادت باسعادت کے متعلق ذیل کی رائے قائم فرمائی ہے

فاما الخبر المحقق عند ثقات ابن ولادة
القائم علیہ السلام کانت لیلۃ الخامس عشر من
خمس وخمسین و مائتین فی بلدۃ سامرہ خبر مذکورہ
تحقیق شدہ معتبرین کے نزدیک یہی ہے کہ جناب قائم
آل محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت پندرھویں شعبان
۲۵۵ ہجری کو شہر سامرہ میں واقع ہوئی *

ولادت باسعادت کے متعلق زائچہ

ان حالات کو ختم کر کے علامۂ موصوف آپ کے
زائچۂ ولادت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں - اور اس میں
کوئی کلام نہیں کہ یہ اُن کی عقیدتمندانہ تحقیق و تلاش کا
انتہائی مرکز ہے - وہو ہذا -

ولادتہ عند قران الاصغر الذی کان فی القوس
وھو ربع القران الاکبر الذی کان فی القوس وکان
الطالع الدرجۃ الخامسۃ والعشرین من السرطان و
زائچۃ المبارکۃ فی افق السامرۃ ھذہ ولما کان اجتماع
القائم المھدی وعیسی ابن مریم علی نبینا وآلہ وعلیھما
السلام امر محقق وردت زائچۃ عیسی علیہ السلام
للتبرک وھذا صورتہ - آپ کی ولادت باسعادت
اُس قران اصغر کے ایام میں واقع ہوئی جو قوس کے درجہ
میں تھا - اور وہ قران اکبر داخلۂ قوس کا چہارم حصہ تھا اور
۲۵ درجہ طالع سرطان کا تھا اور یہ زائچہ مبارک افق سامرہ کے
حساب سے تیار ہوا تھا - اور اس امر میں بھی اجماع و اتفاق ہے
کہ جناب امام صاحب الامر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا
وآلہ و علیہ السلام کا زائچہ ایک ہی ہے - اس لئے حضرت
عیسےٰ علیہ السلام کا زائچہ بنا دیا جاتا ہے اور اُسکی صورت یہ ہے
مگر افسوس تو اس کا ہے کہ اس عبارت کے بعد صورت
زائچہ جناب عیسیٰ مریم علیٰ نبینا وآلہ و علیہ السلام کی بنائی
گئی نہ حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثناء کی - بہر حال شیعہ

بہر حال شیعہ

کتابوں سے جہاں تک اس زائچہ کی نسبت تحقیق و تلاش کی گئی ہے کوئی خاص صورت اور شکل اس زائچہ کی نہیں بنائی گئی۔ مگر ملا مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار الانوار جلد سیزدہم میں کتاب النجوم اور کتاب الاصفیا کی اسناد سے ذیل کا واقعہ آپ کے زائچۂ ولادت کے متعلق لکھ کر اُسکی تصدیق و توثیق فرمائی ہے۔ اُن کی فارسی عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ احمد بن اسحاق ابنِ مصقلہ کا بیان ہے کہ شہر قم میں ایک یہودی علمِ نجوم میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اور تیاری زائچہ ترتیب تقویم و دیگر ترکیب حسابات نجوم میں فرد یگانہ اور منتخب زمانہ تھا۔ میں اُس کے پاس گیا اور اُس سے بیان کیا کہ فلاں وقت اور فلاں ساعت ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تم اُس کا زائچہ درست کر کے بتلاؤ کہ وہ کیسے حالات پر حاوی اور کیسے کیسے اوصاف سے موصوف ہوگا۔ اُس یہودی منجم نے مجھ سے آپ کی ولادت کا ٹھیک ٹھیک وقت دریافت کر لیا۔ اور پھر اسی حساب سے آپ کا زائچہ ولادت مرتب کیا۔ اور پھر بڑی دیر تک کامل غور کر کے بتلایا کہ ان اوقات کے ستارہ ہائے مخصوصہ تو ہرگز یہ امر نہیں بتلاتے کہ ایسا بے مثل و لاجواب فرزند تمہارے گھر پیدا ہوا۔ کیونکہ ایسا لڑکا تو کبھی کسی معمولی آدمی کو نصیب ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایسے فرزندانِ گرامی طالع تو انبیاء و اوصیاء کے مقدمین دائرہ تک خاص طور پر محدود و مخصوص ہوتے ہیں اور وقت و ساعت و کواکب موجودہ میں پیدا شدہ حضرت یا بذاتِ خاص پیغمبر ہوں گے یا پیغمبر برحق کے وصی مطلق۔ جہاں تک میں نے اُس مولود مسعود کے زائچۂ ولادت پر غور کیا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ فرزند گرامی شان تمام دنیا کے غرب و شرق۔ شمال و جنوب۔ دریا و بیابان۔ کوہ و صحرا کا مالک اور حاکم ہوگا اور ان تمام اشیا پر حکمرانی کرے گا اور تمام روئے زمین پر کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا جو اُس کے دین و ملت اور آئینِ عقیدت میں نہ آیا ہو اور کوئی شخص تمام اقصائے عالم میں ایسا پایا نہیں جائیگا جو اُس کی امارت و حکومت کا مطیع و فرمانبردار نہو۔

بہر حال جہاں تک ہم نے فاضل محدث اور قابل محقق (صاحب ینابیع المودۃ فی القربیٰ) کی اس قابل قدر تلاش و تحقیق پر غور کیا ہے ہم کو یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کو چونکہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے خاص حالات میں کوئی مفصل کتاب تو تیار کرنی ہی نہ تھی۔ اس لئے اُنہوں نے انہی دو تین روایتوں کی نقل پر اکتفا کی اور زیادہ فکر نہیں کی اور حقیقت میں اُن کے لئے مصلحت اور مناسب وقت بھی اُسی قدر تھی جس قدر اُنہوں نے لکھا ہے وہ اُن کی تالیفی ضرورت کے مطابق ہے۔ مگر بایں ہمہ۔ ہم اُن حضرات کے مزید اطمینان کے لئے جو محدث ممدوح کی دو تین روایتوں کو تواتر کے لئے ناکافی سمجھتے ہوں۔ اور آپ کی ولادتِ باسعادت کے گواہ چشم دید (شاہد عینی) طلب کرتے ہوں ذیل کے رُوات اور اُن کے عینی مشاہدات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے دیتے ہیں کہ وہ اُنہیں دیکھ کر اور پڑھ کر اپنی تشفی آپ کر لیں۔ کیونکہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی مبارک سیرت کے متعلق جہاں تک میرا خیال ہے کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس کے بیان کے ساتھ اُس کے دلائل قلمبند کرنے کی ضرورت نہ پائی جاتی ہو۔ اور اس کا خاص سبب یہ ہے کہ آپ کی مقدس سیرت اور آپ کی مبارک ذات انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی پوری مماثلت اور اُس قادر مطلق کے اسرارِ مشیت سے بالکل پُر اور مملو ہے۔ اور ہم نے اس کتاب میں ابتدا ہی سے اپنے ہر مضمون کے ساتھ یہ التزام قائم کر لیا ہے کہ آپ کے متعلق ہر واقعہ کی مثال اور

اُس کا ثبوت انبیائے سابقین سلام اللہ علی نبینا و آلہ و علیہم اجمعین کے واقعات سے تطبیق کریں گے کیونکہ ہماری موجودہ کتاب اُس ذات جامع الصفات و الکمالات کا مجموعہ ہے جس پر خدائے سبحانہ و تعالیٰ و تقدس کی تمام دلیلیں اور حجتیں تمام ہوگئی ہیں اور فریقین کی معتبر اسناد سے پھر اُس کے بعد شریعت اسلامی کیا۔ کسی شریعت کا مصلح حامی۔ محیی۔ مجدد۔ معاون پیدا ہونے والا ثابت نہیں ہوتا۔ ہم اتنی ہی تمہید کو اس مقام پر کافی سمجھ کر اپنے سابق سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

بہرحال جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کو تنہا آپ کی ولادت باسعادت کا راوی خیال کر لینا ایسا خیال ہے جو کتابوں کے نہ دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے حالات و واقعات حدودِ متواترات تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اور اُن کے ایک نہیں متعدد اور مختلف راوی ہیں۔ اُن راویوں کے علاوہ جن کو آپ کی ولادت کی خبر جناب حکیمہ خاتون کی زبانی پہنچی اور جن کے نام صاحب ینابیع المودۃ نے گنوا دیئے ہیں ایک بہت بڑا معتمد راوی غیاث ابن اسد ہے جس کا بیان ہے کہ جناب قائم علیہ السلام حضرت نرجس سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے نیمہ شعبان ۲۵۵ھ ہجری کو متولد ہوئے۔ دوسرا راوی حمزہ ابن الفتح ہے جو بیان کرتا ہے کہ میرے پاس حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک خاص خادم نے آکر کہا کہ کل رات کو آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے مگر مصلحتاً آپ نے اُسکی ولادت کی خبر کے اعلان کو ممنوع فرمایا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ آخر اُس مولود کا کوئی نام بھی رکھا ہے۔ کہا کہ ہاں۔ اُس کا نام محمد ہے اور وہ مہدی موعود ہے۔ عجل اللہ ظہورہٗ۔ تیسرا راوی احمد ابن اسحاق قمی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے آپ کی ولادت باسعادت کی نوید مجھے اپنے دست مبارک سے لکھ کر پہنچائی اور اپنی مزید شفقت و خصوصیت کے باعث یہ تحریر فرمایا کہ میں نے سوائے تمہارے اپنے احباب میں سے بہت کم لوگوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا ہے۔ اور میں نے ایک خاص مصلحت سے اس کو اُن لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے مگر چونکہ تم میرے مخلصین مخصوصین میں داخل ہو اس لئے میں نے خاص طور پر اس واقعہ سے تم کو مطلع کر کے یہ خواہش کی ہے کہ جس طرح میں اس عطیہ خداوندی سے شاد و مسرور ہوا ہوں اُسی طرح تم بھی اس سے خوش اور دلشاد ہو۔ احمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے بھی حسب الارشاد اس امر کو اپنے احباب سے عرصہ تک پوشیدہ اور مخفی رکھا۔ چوتھا راوی حسن ابن حسین علوی ہے جس کا بیان ہے کہ مجھے آپ کی ولادت باسعادت کی خبر ملی تو میں اُسی وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی طرف سے اس نعمت الٰہی کی تہنیت ادا کی۔

میں نے اس مقام پر خاص کر اُن لوگوں کے نام لکھ دیئے ہیں جنہوں نے آپ کی ولادت کے واقعہ کی اطلاع اپنی ذاتی طور پر بیان کی ہے۔ اب ان حضرات سے جن جن لوگوں نے اُس کے تمام طریقوں کو بیان کیا ہے۔ اگر اُن کی تفصیل بھی اسی مقام پر کر دی جائے تو غالباً ضرورت سے زائد طوالت ہو جائے گی۔ اس لیے اُن کے بیان سے قطع نظر کر کے ہم ناظرین کتاب کی مزید تشفی کے لئے ذیل میں آپ کی ولادت کے متعلق ایک ایسا مفصل واقعہ تحریر کرتے ہیں جس سے کامل اطمینان اور کافی اطلاع حاصل ہو جائیگی وہ ہو ہذا۔

حنظلہ ابن زکریا کا بیان ہے کہ احمد ابن بلال بن داؤد مرد سنی المذہب تھا اور میرے اُس کے فیمابین محبت و الفت کے مراسم ہمیشہ سے جاری اور قائم تھے۔ وہ اکثر باتوں میں مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میرے پاس تمہارے مذہب کے لئے ایک ایسی چیز ہے کہ اگر میں تمہیں اُس کو سنا دوں تو تم بہت ہی خوش ہو جاؤ گے مگر میں تمہیں قصداً نہیں سناؤں گا میں اُس کے کلام کو ہمیشہ مذاق سمجھا کرتا تھا اور کوئی اعتنا

نہیں کرتا تھا۔ ایک بار ہم اور وہ پھر ایک صحبت میں شریک ہوئے۔ تو میں نے اُس کو اُس کا وہی کلام یاد دلایا تو اُدھر نے مجھ سے کہا کہ حقیقت حال یہ ہے کہ شہر سامرہ میں میرا گھر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی محلسرا کے مقابل تھا۔ ایک بار کچھ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ میں ایک مدت تک باہر ہی باہر سفر کرتا رہا۔ اور ایسی مجبوریاں ہوتی گئیں کہ میں کسی طرح گھر نہ آسکا۔ اور اِس عرصہ میں قزوین اور اُس کے گرد و نواح میں اپنی ضرورتوں کے متعلق مصروف رہا۔ جب میں سامرہ پہنچا تو میں نے اپنے اُن اعزا و اقارب میں سے جن لوگوں کو میں سامرہ میں چھوڑ گیا تھا کسی کو بھی نہ پایا۔ مگر ایک بوڑھی عورت کو جس نے میری پرورش کی تھی اور اُس کی ایک لڑکی باقی رہ گئی تھی یہ ضعیفہ شہر میں اکثر قابلہ کا کام کیا کرتی تھی بہر حال میرے آنے کا حال سن کر وہ عورتیں جن سے مجھے ارتباط تھا میرے دیکھنے کے لئے اُس ضعیفہ کے گھر آئیں۔ جہاں میں مقیم تھا۔ میں چند روز تک اُس (ضعیفہ) کے گھر مقیم رہ کر اپنا دل اُن لوگوں سے بہلاتا رہا۔ اس کے بعد میں نے وہاں سے جانے کا قصد کیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے اپنے چند روز قیام کرنے پر اصرار کیا تو میں اُن سے بطور استہزا و تمسخر کے کہنے لگا کہ میرا قصد ہے کہ میں یہاں سے پہلے کربلائے معلّٰی زادہا اللہ شرفہا کی زیارت کو جاؤں اور وہاں سے نیمۂ شعبان کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوا پھر گھر واپس آجاؤں۔ چونکہ وہ پیرزن مجھ سے اور میرے عقائد سے کماحقہ آگاہ تھی اور میری رضاعی ماں ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا خاص تعلق بھی رکھتی تھی۔ اس لئے اُس نے مجھے سمجھا کر کہا کہ اگر واقعی تم یہ بات اپنی دلی عقیدت اور باطنی خلوص سے کہتے ہو تو خدا تمھیں مبارک کرے اور اگر ان باتوں سے تمہاری مراد صرف تمسخر و استہزا ہے تو میں تمہیں خدا سے عفو و آمرزش کی دعا مانگنے کے لئے ہدایت او تنبیہ کرتی ہوں کیونکہ میں تمہیں اس وقت اُس عجیب و غریب واقعہ سے خبر دیتی ہوں جو تمہارے جانے کے دو برس بعد واقع ہوا۔ وہ یہ ہے

کہ ایک شب کو میں اپنے گھر کی دہلیز پر سو رہی تھی۔ مجھ پر نیم خوابی کا عالم طاری تھا۔ میری لڑکی مجھ سے قبل سو چکی تھی۔ اِس اثنا میں میں نے دیکھا کہ ایک مرد بزرگ پاکیزہ لباس پہنے تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمانے لگے کہ اے ضعیفہ تجھے ابھی ابھی ایک شخص بلانے آئیگا۔ اور تجھے ہمسایہ کے ایک مکان میں چلنے کے لئے کہیگا۔ تم کچھ خوف نہ کرنا۔ اور بہ اطمینان تمام اُس کی ہمراہ چلی جانا۔ یہ حالت دیکھ کر مجھ پر سخت ہیبت اور خوف کا عالم طاری ہوا۔ میں نے اپنی لڑکی کو آواز دی۔ وہ بیدار ہوئی تو میں نے اُس سے پوچھا کہ تمھیں معلوم ہے کہ مکان میں ابھی کوئی شخص آیا تھا۔ اُس نے قطعی انکار کیا۔ میں نے اُس کا انکاری جواب سن کر اور ان تمام باتوں کو محض خواب و خیال سمجھ کر کلمۂ شہادت اور تسبیحات وغیرہ پڑھیں اور سو رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی صاحب پھر تشریف لائے اور انہی سابق کلمات کا اعادہ فرمایا اور تشریف لے گئے۔ میں نے گھبرا کر لڑکی کو آواز دی اور اُس سے پھر پوچھا تو اُس نے پھر ویسا ہی انکاری جواب دیا۔ یہ سن کر میں نے تسبیحات و صلوات پڑھی اور پھر سو رہی۔ تیسری بار پھر وہی صاحب تشریف لائے اور اب کی بار وہ میرا نام لیکر مجھ سے فرمانے لگے کہ لے دیکھ وہ شخص آگیا۔ تیری طلبی میں دروازے پر دق الباب کر رہا ہے تو جا اور فوراً دروازہ کھول دے۔ میں نے اتنے میں دق الباب کی آواز بھی سن لی۔ اور فوراً دروازے پر پہنچی اور پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے جواب دیا تو کواڑ کھول دے اور کچھ خوف نہ کر۔ میں نے کواڑ کھول دیئے۔ دیکھا کہ کسی کا خادم ایک چادر لئے کھڑا ہے۔ اُس خادم نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ یہیں ہمسایہ میں ایک بزرگ کے ہاں تیری خدمات کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ اُس نے وہ چادر میرے اوڑھنے کو دی اور میں اُسے اوڑھ کر اُس کے ہمراہ ہولی۔ اور ایک ایسے مکان میں داخل ہوئی جسے میں نہیں جانتی تھی۔ میں نے اُس گھر میں بڑے بڑے پردے پڑے دیکھے اور ایک مرد جو قریب پردہ کے تشریف فرما تھے میرے پہنچتے ہی خادم نے پردہ کے

گوشے کو ایک طرف بے انتا اونچا کیا کہ میں اُس کے اندر چلی گئی۔ اندر جا کر میں نے ایک عورت کو درد زہ میں مبتلا دیکھا۔ اُس کی پشت پر ایک اور معظمہ بیٹھی ہوئی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ قابلہ کی خدمات بجا لانے کے لئے بیٹھی ہیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے بہن! میرے پیش افتادہ کاموں میں اگر تم میری امداد کرتیں تو بہت بڑی عنایت اور مہربانی ہوتی۔ میں نے بسر و چشم اُن کے ارشاد کو قبول کیا اور وضع حمل کی مناسب ترکیبیں عمل میں لائی۔ تھوڑی دیر میں ایک صحیح و سالم اور نہایت قبول صورت فرزند کی ولادت واقع ہوئی اور میں اپنی مسرت کے غیر متحمل جوش میں چلا اُٹھی۔ بیٹا ہوا! بیٹا ہوا۔ اور اس صدا کے ساتھ ہی میں نے فوراً اپنا سر پردے سے نکال کر اُس حرو قبول صورت کو ولادت کی تہنیت دینی چاہی۔ اسی اثناء میں مجھے ایک شخص نے مخاطب کر کے منع کیا کہ آواز نہ بلند کرو۔ اور نہ چلاؤ۔ اب میں اُس شخص کے کہنے سے چپ ہو کر اُس مولود کی طرف دیکھنے لگی جسے میں ابھی ابھی اپنے ہاتھوں پر لئے تھی۔ تو اُسے اپنے ہاتھوں پہ نہ پایا۔ یہ حالت دیکھ کر میرے تو ہوش و حواس جاتے رہے اور نہایت انتشار لاحق حال ہوا۔ مگر اُس معظمہ نے میری پریشانی دیکھ کر مجھے تسلی دی اور سمجھایا کہ تم کوئی ملال اور افسوس نہ کرو۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ تمہارا کام ہو گیا۔ اب تم یہاں سے اپنے مکان کو واپس جاؤ۔ ابھی وہ خاتون مجھ سے یہ فرما ہی رہی تھیں کہ وہی خادم آیا اور وہی چادر اُڑھا کر مجھ کو میرے گھر پہنچا گیا۔ اُس نے مجھے گھر میں داخل ہونے کے وقت ایک تھیلی دی جس کو میں نے روشنی کے سامنے لا کر کھولا تو اُس میں دس دینار رکھے تھے۔ اے ہلال بن داؤد! میں نے اپنا یہ چشمدید واقعہ اُس وقت سے لے کر آج تک کسی شخص سے نہیں کہا تھا۔ اور تم سے بھی اس وقت نہ بیان کرتی اگر تم نے حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے معاملات کو استہزاء و تمسخر کے ساتھ نہ ملایا ہوتا۔ کیونکہ اس واقعہ کے بعد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ خادم جو اُس شب کو لے گیا تھا وہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا خادم تھا اور جس گھر میں میں گئی تھی وہ آپ ہی کی دولتسرا تھی۔ اور جو مولود مسعود کہ میرے ہاتھوں پر سے یکایک غائب ہو گیا وہ جناب امام العصر مہدی موعود سلام اللہ علیہ من رب الودود تھے۔ اور اس خادم کے آنے اور میرے بلائے جانے کی جو متواتر اطلاع مجھ کو دی گئی وہ بالکل روحانی طریقہ پر مبنی تھی۔ اُسی دن سے میں نے پورے طور پر سمجھا کہ ان حضرات رفیع الدرجات کو ایسے ایسے اعلےٰ مراتب و مدارج حاصل ہیں جو سوائے ان کے دوسروں کے لئے ممکن نہیں ہو سکتے۔ اور جو کچھ یہ حضرات اپنے فضائل و مناقب کے متعلق دعوے فرماتے ہیں وہ سب صحیح و درست اور راست راست بے کم و کاست ہیں۔

ہلال ابن داؤد کا بیان ہے کہ پہلے تو اُس پیرزن کی یہ طول و طویل روئداد سن کر مجھے کمال حیرت ہوئی مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اُسے بھی اپنے معمولی استہزاء و تمسخر میں اُڑا دیا۔ مگر با اینہمہ اس کی طرف سے میرے دل میں ایک خلش سی لگی ضرور رہی۔ اس بنا پر میں نے ایک دن سوچتے سوچتے اس واقعہ کا اپنے دل میں حساب لگایا تو ۲۵۰ھ میں میں نے سامرہ سے سفر کیا تھا اور اُس کے کہنے کے مطابق پیرزن کا یہ چشمدید واقعہ میرے سفر کرنے سے دو برس بعد واقع ہوا تھا اس حساب سے ۲۵۵ھ میں یہ واقعہ ضرور صورت پذیر ہوا۔ اور یہی وہ سنہ ہے جس میں آپ کی ولادت واقع ہوئی۔ میرا حساب اور پیرزن کا بیان اس مقام پر بالکل مطابق اور پورا اُترا آیا۔ اور میں نے پیرزن کے بیان کو غلط سمجھنے کا کوئی سبب نہ سمجھا۔ مگر چونکہ مجھ کو ان بزرگواروں سے ایک خاص خلش تھی۔ اس لئے میں نے اپنا تنہا فیصلہ کر لینے کو قابل اعتبار نہ سمجھا اور اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت سے میں عبداللہ بن سلیمان کے پاس آیا جس کی وزارت کے ایام میں یہ واقعہ صورت پذیر ہوا تھا۔ اُس سے پوچھا تو اُس نے بھی بلا تامل اُس کی تصدیق کی۔ حنظلہ اصل راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو ابو الفرج المظفر ابن احمد کو بھی بلا کر

پوچھا تو اُس نے بھی مجھ سے بجنسہٖ ایسا بیان کیا۔

اس ایک واقعہ سے ہمارے تمام بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے اور آپ کی ولادت کے متعلق اب کسی عقل والے کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور اُن لوگوں کا یہ محض خیالی شبہہ کہ آپ کے واقعۂ ولادت کے بیان کرنے والوں میں سوائے جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کے کوئی اور نہیں ہے محض غلط اور فضول ثابت ہوتا ہے۔ ان واقعات کے علاوہ جن کو ہم نے اپنے ثبوت میں اوپر لکھا ہے ابھی اُن کے ایسے اور بھی واقعات اور مشاہدات ہمارے پیش نظر ہیں جنکو ہم غیر ضروری طوالت کی وجہ سے مرفوع القلم کرتے ہیں۔

حقیقت میں یہ واقعہ بھی اُن ہی اخبار و آثار قدیمہ کی پوری مثال ثابت ہوتا ہے جو زمانہ پیشین میں اکثر انبیاء مرسلین سلام اللہ علیٰ نبینا و آلہٖ و علیہم اجمعین کی ولادت کے وقتوں میں ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ ہم نے اس کتاب سے پہلی کتاب میں جہاں آپ کی ولادت باسعادت کی اُن امتناعی ترکیبوں کو بیان کیا ہے جو خلفائے عباسیہ کی طرف سے عمل میں لائی گئیں۔ اور اُن کی کامل اور مفصل مثالیں خاص طور پر جناب ابراہیم اور حضرت موسیٰ علےٰ نبینا و آلہٖ و علیہما السلام کے حالات ولادت کے ساتھ دکھلا دی ہیں۔ اُن کو اب بار دیگر اپنے ناظرین کتاب کو یاد دلا کر ہم اس مقام پر سمجھائے دیتے ہیں کہ جس طرح مشیت ایزدی کو اُن بزرگواروں کی ولادت پوشیدہ رکھنی منظور تھی ویسے ہی اس وقت جناب قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کے تمام واقعات کو بھی مخفی رکھنا مناسب اور مصلحت وقت تھا۔ اس لئے نظام قدرت نے اُس پیرزن کے قوائے ادراک اور بصیرت سے اُس وقت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے مکان کے جاننے اور پہچاننے کی تمام قوتیں سلب کر لیں اور باوجودیکہ وہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے آپ کے ہمسایہ میں رہتی تھی مگر اُس وقت آپ کی دولتسرا کو مطلق نہ پہچان سکی جیسا کہ وہ خود بیان کرتی ہے اور پھر جب تک کہ اپنے مکان کو پھر کر واپس نہ آئی۔ اسی حیرت و کشمکش و پیچ میں گرفتار رہی۔ اس کے علاوہ مدبران مشیت نے مزید احتیاط کے خیال سے اُس پیرزن کو گھر سے چادر اُڑھا کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی دولتسرا تک پہنچایا۔ اور پھر اُسی طرح کاشانۂ امامت سے اُس کے مکان تک واپس کر دیا۔

یہ تمام واقعات و حالات صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اِس امرِ خاص میں مشیت ایزدی کو ہر بات کا مخفی رکھنا اُسی طرح منظور تھا جس طرح اکثر انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی ولادت کے وقت عادتِ الٰہی جاری ہو چکی تھی۔ اب اس مساوات اور مطابقت کی نسبت ہم کو یہ تجویز کر لینا باقی رہ گیا ہے کہ تدبیر مشیت کو جو ضرورت اور مصلحت اُن بزرگواروں کی ولادت کے وقت پیش آئی تھی وہی ضروریات اور مصالح اُس وقت بھی پیش نظر تھے یا نہیں۔ اس کا معلوم کرنا اور سمجھ لینا کچھ ایسا دشوار نہیں۔ ہمارے پاس کثرت سے معتبر اور مستند واقعات موجود ہیں جو ان ضرورتوں کو پوری طور سے بتلا رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کے آیات و قدرت کو جھٹلانے والے اُس کے آثار جبروت کو مٹانے کی فضول کوشش کرنے والے اُس کے برگزیدگان درگاہ کے ستانے والے۔ اُن کے فضائل و مناقب کے گھٹانے اور چھپانے والے۔ یہاں تک کہ اپنی انانیت اور غرور و نخوت میں اُن کا خون بہانے والے جیسے اُس وقت موجود تھے ویسے ہی اس وقت۔ مگر افسوس فرق تھا تو اسی قدر کہ انبیائے سابقین علیٰ نبینا و آلہٖ و علیہم السلام کے قدیم زمانہ میں۔ جن لوگوں نے نظام ربانی سے اپنی مخالفت کا اظہار کیا وہ ایسے تھے جو سرے سے خدائے واجب الوجود کے وجود سے منکر۔ اُس کی معرفت سے بالکل ناآشنا اور اُسکی طاعت و عبادت سے پورے پورے جاہل اور غافل تھے اپنی عبودیت کے اقرار کی جگہ اُس کے معبود ہونے سے انکار کرتے تھے۔ اور اُس قادرِ مطلق سے ہمسری اور مساوات کے دعوے کرتے تھے۔ اور اُس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی جگہ تمام دنیا کو گمراہ کر کے اپنے آپ کو (معاذ اللہ) خدا منوانے

کی کوشش کرتے تھے۔ اور اس وقت بخلاف ان لوگوں کے جو آثار قدرت اور نظام مشیت سے انکار کرتے ہیں وہ عموماً وہ لوگ ہیں جو اپنی بدقسمتی سے اپنے آپ کو اسلامی دائرہ میں شمار کرتے ہیں۔ خدا کی وحدت کا یقین بھی رکھتے ہیں اور اُس کی تمام قدرتوں کا اعتماد و اعتبار بھی رکھتے ہیں۔ مگر باایں ہمہ اعتراف پھر اُس کی قدرت سے مقابلہ کرنے پر استادہ اور اُس کی تدبیروں کے خلاف کوشش کرنے پر مستعد اور آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی غلط فہمیوں کی دُھن میں ذرا بھی نہیں سمجھتے کہ ہم کس سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ کون ہے اور ہم کون۔ ہم جس کا زبان اور دل سے اقرار کرتے ہیں۔ اُسی کا عملی طریقوں سے پھر انکار بھی کرتے ہیں۔ یہ کس اصول اور طریقہ سے جائز ہو سکتا ہے۔ اعتراف بھی اور پھر اعتراض بھی۔ ان ھذا لشئ عجاب۔

اب اِن امور کے ساتھ ہم کو یہ دریافت کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ آخر کار ان لوگوں کے انکار اور اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ کیونکہ اممِ سابقہ کے انحراف کے لیے تو انکی عام طور سے ضلالت اور کفر و جہالت کافی ہے۔ مگر اس وقت کے انکار کرنے والوں کے لیے کیا عذر پیش کیا جائیگا جو کسی طرح سے کافر نہیں کہے جا سکتے تھے۔ سب کے سب اسلام کے دعویدار تھے۔ خدائے برحق کی تمام قدرتوں کا اعتراف کرنے والے اور اُس کے تمام صنائع و بدائع کے پہچاننے والے تھے۔ مگر بہ افسوس و ملال اُس وقت اور زیادہ ہو جاتا ہے کہ اسلام میں اس بدنما انکار کی ابتدا کرنے والے وہ لوگ بتلائے جاتے ہیں جو تمام اسلامی دنیا سے اپنے آپ کو وصی رسولِ برحق اور آن کا قائم مقام خلیفۂ مطلق تسلیم کراتے ہیں اور اپنے ان ہی استحقاق اور ادعا کے زوروں پر تمام مسلمانوں سے عقیدت کے سر اور اطاعت کی گردنیں جھکواتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ؎

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر در پسِ امروز بود فردائے

اس میں شک نہیں کہ سلاطین بنی امیہ کے بعد فرمانروایانِ عباسیہ کے فلسلۂ حالات میں اسلامی تاریخوں کے یہ اوراق خاص طور پر ایسے تیرہ و تاریک نظر آتے ہیں جو مخالف اسلام قوموں کے لئے قوی اور لاجواب اعتراض کرنیکے کامل باعث ثابت ہوتے ہیں۔

اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جہاں تک ان امور کی خاص تحقیق کی گئی ہے اُس سے یہ امر کماحقہٗ ثابت ہوتا ہے کہ متوکل کے زمانہ سے لیکر معتمد کے دورِ دورے تک لگاتار ان کی ولادت کے متعلق امتناعی کوششیں ہوتی رہیں۔ مگر اس طرح کہ سوائے خاص خاص لوگوں کے دوسروں پر کم ظاہر ہوئیں۔ لیکن آخر وقت میں اُن کوشش کرنے والوں میں معتمد کا نمبر سب سے بڑھا ہوا پایا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں معتمد حاکم وقت تھا۔ اس لئے وہ سوچ چکا تھا کہ آپ کی ولادت با وجود دیکھو و کے متعلق جو کچھ پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہو گا وہ میرے ہی زمانہ میں۔ اس لئے وہ اس کے تدارک کو اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا۔ اور اسی باعث سے اس نے آپ کے لئے قید تنہائی کا حکم دیا تھا۔ جیسا کہ گیارہویں کتاب میں مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے۔ اگرچہ آپ سے پہلے آپکے والد بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام بھی مادام الحیات نظربندی کی حالت میں گزر کرتے رہے مگر آمد و رفت اور دید و وادید کے ابواب کسی کے لئے بھی بند نہیں تھے مگر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی قید میں اس کی خاص شرط لگا دینا اس کی شدید ضرورت کو اچھی طرح بتلا رہا ہے۔ اِس کے علاوہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو چودہ برس کی نظربندی کے بعد پھر اپنی محلسرا میں رہنے کا حکم ہو گیا تھا۔ اور شاہی جاسوسوں کے ذریعہ سے معمولی طور پر آپ کے احوال و افعال کا تجسس کر لیا جاتا تھا۔ مگر بخلاف آپ کے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی قید کی شرائط ایسی تھیں کہ آپ کو اپنی قید کی جگہ سے کہیں باہر جانے کا حکم نہیں تھا اور نہ آپ کی خدمت میں کوئی دوسرا شخص آسکتا تھا جیسا کہ اپنے مقام پر پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے ان کے علاوہ خاص جناب امام

حسن عسکری علیہ السلام کا آپ کی ولادت کے واقعہ کو مخفی رکھنا اور یہاں تک اس امر میں اپنی احتیاط اور مآل اندیشی کو ملحوظ فرمانا کہ اپنے معتمدین اور معتبرین اصحاب کیا۔ اپنے اعزہ واقارب کو بھی بہ استثنائے چند بزرگواروں کے مطلع نہ فرمانا ثابت کر رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ اس امر مخصوصہ کے پوشیدہ اور محفوظ رکھنے میں کوئی خاص مصلحت ضرور مضمر تھی اور اس کے متعلق آپ کو اپنی آیندہ مضرت اور نقصان کے کچھ ایسے یقین اور اعتبار حاصل تھے جن کی وجہ سے اس کا اظہار کسی طرح مناسب اور ممکن نہیں تھا۔

انہی امور کے ساتھ ہم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی یہ مآل اندیشی اور حسن تدبیر بھی مشیت ایزدی اور مصلحتِ خداوندی کا عین مقتضا ثابت ہوتی ہے جو اس امر خاص کی بابت پہلے سے جاری ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک جتنے آثار روحانی اور مشاہدات ربانی آپ کی ولادت کے متعلق جاری ہو چکے تھے وہ اس کے پوشیدہ رکھے جانے اور مخفی کیے جانے کا صاف صاف حکم دے رہے ہیں۔ ابھی ابھی پیرزن کی زبانی جو واقعہ نقل کیا گیا ہے اس کے تمام مضامین صاف اور روشن لفظوں میں ہمارے بیان کی کامل تصدیق کر رہے ہیں اور اس کے تمام اہتمام اور انتظام سے ثابت ہو رہا ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو بہ استثنائے چند بزرگواروں کے جن کے خلوص و عفاف و امتحن اللہ قلوبھم کے معیار اصلی پر پورے اتر چکے تھے۔ اور کسی دوسرے کے کان تک نہ پہنچانا چاہیئے۔

ان تمام واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام قدرت اور احکام امامت (حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام) خاص کر اسی باعث سے تھے کہ اس امر کے اشتہار و اظہار میں معاندین و مخالفین کے ہاتھوں اس ودیعت الٰہی کے ضائع ہونے کا قوی احتمال تھا۔ اسی سبب سے محافظت کی جو تدبیریں نظام مشیت نے تجویز کیں وہی ترکیبیں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے جاری فرمائیں چنانچہ اس واقعہ کو یہاں تک مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا کہ گھر کے لوگ بھی اس سے واقف نہ ہوئے۔ اور اسی وجہ سے سوائے حضرت حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کے آپ کے گھر اور کنبہ کی کسی دوسری عورت کو اس واقعہ کی کہیں کانوں کان خبر بھی نہ ہونے پائی۔ مردوں میں کسی سید کو بھی جو ان دنوں کثرت سے دار الحکومت سامرہ اور اس کے قرب وجوار میں آباد تھے۔ اور آپ سے حسب و نسب میں قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ اس واقعہ کی مطلق اطلاع نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ آپ کے برابر کے بھائی جعفر کو بھی اس سے مطلع نہ فرمایا گیا۔ اور ان حضرت سے تو یہ واقعہ خاص کر ایسا پوشیدہ رکھا گیا کہ آپ کی وفات کے وقت تک ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی حقیقت میں کوئی اولاد بھی ہے یا نہیں جیسا کہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوگا۔ مردوں میں خاص کر انہی غلاموں پر اعتبار کیا گیا جن کی وفاداری۔ کامل الاعتقادی اور دینی پائداری پر آپ کو پورا الیقین ہو چکا تھا مگر یہ خادم یا غلام بھی تین یا چار سے زیادہ معلوم نہیں ہوتے جن میں عقید۔ یاسر اور نسیم رضی اللہ عنہم کے نام خصوصیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام قبیلہ کی عورتوں میں حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام اور مردوں میں انہی تین یا چار وفادار اور دیانت شعار غلاموں کے ماسوا اور کسی دوسرے شخص کو اس واقعۂ ولادت کی خبر نہیں کی گئی۔

اب رہے وہ مومنین مخلصین جو اس کی اطلاع سے ممتاز و سرفراز فرمائے گئے ان کی نسبت ہم کو یہی سمجھ لینا چاہیے کہ ان بزرگواروں کا خلوص و اعتقاد بھی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی حضور میں ایسا ہی کامل ثابت ہو چکا تھا کہ پھر ان سے اس کے افشا کرنے کا کبھی شبہہ نہیں ہو سکتا تھا اور نہ کبھی ان کی وفاداری اور پائداری میں کسی قسم کی لغزش کی امید کی جا سکتی تھی۔ یہ وہی نفوس عالیہ تھے جو آیۂ وافی ہدایہ کَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ کے کافی مصداق تھے۔

ولادت باسعادت کے بعد بھی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند کو ہمیشہ عام نگاہوں سے اپنی

ماہ امام انجمات پوشیدہ رکھا۔ اور سوائے اُن ذی قسمت اور خاص عقیدت مومنین کے جن کے خلوص پر آپ کو پورا وثوق تھا اور کسی متنفس کو اپنے نونہال عدیم المثال کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے اجازت نہ دی۔ اب تو ان تمام طول طویل دلائل اور مسلسل اور مکمل تفصیل سے ظاہر اور ثابت ہوگیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے آپ کی ولادت باسعادت اور اس کے بعد آپ کی زیارت اور ظاہری روایت کو کس طرح پوشیدہ رکھا۔ اگر آپ کو اس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہوتی یا خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے آپ اس کے اخفاء پر مامور نہ ہوئے ہوتے تو پھر آپ کو اس طول وطویل احتیاط وانتظام کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کی یہ تمام عملی تدبیریں اور ترکیبیں سرے سے بیکار اور فضول تھیں۔ ایسے اوقات مخصوصہ پر عموماً ہر انسان کو اپنے ملک خواہ عارضی بود وباش کے مقام میں۔ گو وہ صحرا ہی کیوں نہ ہو۔ ان واقعات کے اعلان واظہار کے لئے فطری طور پر مجبوری ہوجاتی ہے اور وہ ان واقعات پر اپنی مسرت وفرحت کے اظہار کو کسی طرح چھپا روک سکتا۔ لیکن ایسائے مشیت یا کہ جناب امام حسن عسکری نے کمال استقلال سے اپنے تمام دلی جذبات کو روکا اور انتہائی ثبات خاموشی اختیار فرمائی۔ اس قرینہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس امر خاص کے مخفی رکھے جانے میں آپ کے فرزند ارجمند کی حفاظت جانی بھی متصور تھی اور موافقت کلام ربانی بھی۔

مگر اس کے ساتھ ایک دوسرا شبہ یہ بھی پیدا ہوجاتا ہے کہ جب آپ کو اپنے فرزند ارجمند کی ہلاکت یا مضرت کا ایسا ہی یقین تھا تو پھر آپ نے اپنے گھر کے محارم اور اپنے اکثر مومنین مخصوصین کو جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کیوں اس واقعہ کی اطلاع فرمائی۔ اور کم از کم اس اطلاع دہی سے کیا فائدہ سوچا گیا تھا۔ اور آپ کے نزدیک اس میں کونسی مصلحت مضمر تھی۔ ہم نہایت آسانی سے اس مسئلہ کو حل کئے دیتے ہیں اور اس کے اصلی باعث اور حقیقی مقصود کو بیان کئے دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اتنی اطلاع حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے لئے نہایت ضروری تھی۔ کیونکہ مطلق اخفا سے آپ کی ولادت باسعادت کے قطعی انکار کا مسئلہ ثابت ہوجاتا۔ اور جو لوگ کہ آپ کی ولادت کے منکر تھے وہ اپنے دعووں میں قوی اور جری ہوجاتے اور اپنے استدلال کو اس بنا پر قائم کرکے اپنے عقائد کو بالکل برحق سمجھنے اور سمجھانے لگتے۔ اسی وجہ سے ایسے اعداتے لوگوں کی شہادت ضروری تھی۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر ان حضرات کو واقعۂ ولادت سے مطلع بھی کردیا تھا۔ اور بعد ولادت ان سعادتمندان زمانہ اور بعض اور بھی بزرگواروں کو زیارت اور شرف رویت سے بہرہ اندوز فرمادیا تھا۔ اور ان دونوں امور کا اصلی مدعا اور مقصود یہی تھا کہ منکرین ولادت کے دعووں کی قطع وبرید اور انکی غلط فہمی اور جہالت کی قطعی تردید ان لوگوں کی شہادت عینی سے ہوجائے اور اس طرح جناب قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کی ولادت باسعادت کا مسئلہ دنیا میں ایک خیالی۔ قیاسی۔ ان دیکھا اور انجانا ہو کر نہ رہ جائے۔ یہ مصالح تھے اور منافع جو ان حضرات کو وقتِ ولادت موجود رکھنے یا اُن میں سے اکثر کو ولادت سے خبر دینے یا بعد ولادت اُن میں سے اکثر کو زیارت سے مشرف کرانے کے متعلق کامل طور سے ثابت ہوتے ہیں اور حقیقت میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی یہ حسن تدبیر اور مآل اندیشی مصلحتِ وقت اور مناسبتِ زمانہ کے خیال سے بالکل عدیم المثال ثابت ہوتی ہے۔ اگر واقعی آپ اپنے فرزند ارجمند کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو قطعی طور پر پوشیدہ اور مخفی رکھتے تو منکرین ولادت کو اپنے دعوے کے قوی ثبوت مل جاتے اور پھر مومنین کو اُن کے جواب میں وجود باری تعالیٰ کے ایسے دلائل معقولات کے سوا منقولات کی ذرا بھی گنجائش نہ رہتی۔

اتنی درجہ لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ان امور اور وجوہ سے ثابت ہوگیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند کی ولادت باسعادت کے واقعات کو سلاطین عباسیہ کی موجودہ مخالفت کی وجہ سے پوشیدہ رکھا اور سوائے اُن لوگوں کے جن پر آپ کو اعتماد کلی تھا اور کسی دوسرے کو اس موقعہ پر حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی اور نہ اُن کو کسی حال سے مطلع فرمایا۔ جن لوگوں نے انبیائے مرسلین

سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خاصانِ الٰہی ایسے مواقع پر ایسے ہی مسالک اور طریقے اختیار کرتے تھے جیسا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے ظاہر فرمایا۔ آثار و اخبار قدیمہ تائید کر رہے ہیں کہ جب ایسی ضرورت واقع ہوجاتی ہے تو خاصانِ الٰہی ایمائے خداوندی کی ہدایت سے خدا کی حجت اور اُسکی ودیعت کی حفاظت کے متعلق ایسی ہی ترکیبیں عمل میں لاتے ہیں اور اُس ودیعت الٰہی کو مخالفین و معاندین کی ایذا رسانی سے بچاتے ہیں۔ جن حضرات نے اسلامی تاریخیں پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام روزِ ولادت سے لیکر جب تک کہ اپنے سنِ شعور تک نہ پہنچ لئے اپنی ولادت کے اُس مقام سے باہر نہیں نکالے گئے جہاں نہایت احتیاط اور رازداری سے آپ کی ولادت کا انتظام کیا گیا تھا۔ آخر یہ انتظام اور اہتمام کیوں کیے گئے تھے۔ اسی لیے نہ کہ آپ کی ولادت کی خبر نمرود کو نہ ہونے پائے اور وہ آپ کی ہلاکت کا انتظام نہ کر سکے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے واقعۂ ولادت کو بھی بجنسہٖ ایسا ہی سمجھنا چاہئے اور اس کے متعلق حفظ و صیانت کی جو جو تدبیریں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے کیں وہ بالکل ویسی ہی تھیں جیسی جناب تارخ نے اپنے فرزند دلبند کے تحفظات اور امن و امان کے متعلق جاری فرمائی تھیں ایسی مثالوں سے خاصانِ خدا کے کارنامے بھرے پڑے ہیں جو چاہے دیکھ لے۔ ہم نے اُن واقعات کی نقل کو بے ضرورت اور خواہ مخواہ طوالت کا باعث سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہے۔ اور صرف اسی قدر توضیح و تشریح کو اپنے بیان کے ثبوت کیلئے کافی سمجھا ہے۔ چنانچہ ان تمام دلائل کے بعد جو رائے اور مختار ہم نے اس کتاب میں قائم کیا ہے بالکل وہی استدلال محقق کامل اور محدث فاضل امام قندوزی نے بھی اپنی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ کے صفحہ ۴۷۹ میں اختیار کر کے نقل فرمایا ہے جسکو ہم اطلاع و اطمینان ناظرین کیلئے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں:

قد دم اللہ تعالیٰ مولدہ تقدیر موسیٰ علیہ السلام فان فرعون لما وقف ان زوال ملکہ بید مولود من بنی اسرائیل امر بقتل مولود ذکرا من بنی اسرائیل حتی قتل نیفا وعشرین الفا مولودا فحفظ اللہ من موسیٰ کذالک بنو امیۃ و بنو عباس و تفوا علی ان زوال الجبابرۃ علی ید القائم علیہ السلام منہم فقصد واقتلہ ویابی اللہ ان یکشف امرہ لواحد من الظلمۃ الا ان یتم نورہ (ینابیع المودۃ فی القربیٰ ص ۴۷۹)۔

خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق وہی انتظام کیے تھے جو جناب موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی ولادت کے وقت سامان کئے گئے تھے۔ کیونکہ فرعون کو معلوم تھا کہ اُس کی سلطنت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک بچہ کے ہاتھ سے ہوگا۔ اس لئے اُس نے بنی اسرائیل کے تمام مولود ذکور کے قتل کئے جانے کا حکم دیدیا تھا۔ جسکے باعث بنی اسرائیل کے پچیس ۲۵ ہزار بچے قتل کر ڈالے گئے تھے مگر اُسکو بھی اُس قادرِ مطلق اور حافظِ برحق نے حضرت موسیٰ علی نبینا وآلہٖ وعلیہ السلام کی کامل حفاظت فرمائی۔ اسی طرح بنی امیہ اور بنی عباس بھی جانتے تھے کہ اُن کے سلاطین جبابرہ کا استیصال جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام وعجل اللہ ظہورہٗ کے ہاتھ سے ہونے والا ہے۔ اس لئے اُن لوگوں نے بھی آپ کے قتل کرنے کی فکر کی۔ لیکن مشیت الٰہی نے آپ کے اُمور کو اُن میں سے کسی ایک پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا تاکہ وہ کسی طرح اس نورِ الٰہی کا اطفاء عمل میں نہ لا سکیں۔

بہرحال۔ اِن مضامین کو اول سے آخر تک لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اُن حضرات کے چشم دید واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جنہوں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانۂ حیات ہی میں جناب قائم علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کر لیا تھا +

آپ کی زیارت سے مشرف ہونیوالے حضرات

امام قندوزی نے ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں ایک علیحدہ باب اس مضمون میں قائم کیا ہے جس کے عنوان کو اس

عبارت کے ساتھ آغاز فرماتے ہیں۔

الباب الثانی والثمانون فی بیان ان الامام ابا محمد ن الحسن العسکری علیہ السلام اری ولدہ القائم المھدی علیہ السلام بخواص موالیہ واعلمھم ان الامام من بعدہ ولدہ رضی اللہ عنہما۔ باب بیاسیٰ[۸۲] اس بیان میں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند دلبند جناب قائم مہدی علیہ السلام کو اپنے احباب مخصوصین کو دکھلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کا فرزند ارجمند امام وقت ہوگا۔

اب ہم ذیل کے چند واقعات اس بیان کی تصدیق میں لکھتے ہیں۔

عن ابی غانم الخادم قال ولد لابی محمد ن الحسن علیہ السلام مولود فسماہ محمدا فعرضہ علی اصحابہ یوم الثالث وقال ھذا امامکم من بعدی وخلیفتی علیکم وھو القائم الذی تمتد الیہ الاعناق بالانتظار فاذا امتلأت الارض جورا وظلما خرج فملأھا قسطا وعدلا

آپ کے خادم ابی غانم کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو خدائے واہب العطایا نے جب فرزند ارجمند عطا فرمایا تو آپ نے اُس کا نام نامی محمد رکھا اور ولادت سے تین دن بعد اپنے اس پارۂ جگر کو باہر لا کر اپنے اصحاب کو دکھلایا۔ ارشاد فرمایا کہ ہمارے بعد تمہارا یہی امام ہے اور ہمارا خلیفہ تم پر۔ اور یہی وہ قائم علیہ السلام ہے جسکے انتظار میں تمہاری گردنیں جھکی رہینگی۔ اور جس طرح زمین اُس وقت ظلم وجور سے پُر ہو جائیگی۔ اُسی طرح یہ تمام دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

عن جعفر بن مالک قال معاویۃ ابن الحکیم ومحمد ابن ایوب ومحمد بن عثمان ان ابا محمد ن الحسن العسکری علیہ السلام عرض ولدہ علینا ونحن فی منزلہ وکنا اربعین رجلا فقال ھذا امامکم من بعدی وخلیفتی علیکم فاطیعوہ ولا تتفرقوا من بعدی فتھلکوا فی ادیانکم اما انکم لا ترونہ بعد یومکم ھذا۔

جعفر ابن مالک ناقل ہیں کہ ہم سے معاویہ ابن حکیم و محمد ابن ایوب اور محمد ابن عثمان نے بیان کیا کہ ہم لوگ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم لوگ تعداد میں چالیس آدمی تھے تو آپ نے اپنے فرزند دلبند کو ہم لوگوں کو دکھلا کر کہا کہ ہمارے بعد یہی تمہارا امام ہے اور تم پر یہی ہمارا خلیفہ ہے۔ انہی کی اطاعت اختیار کرنا اور میرے بعد اختلاف میں نہ پڑنا۔ اور اپنا دین وایمان کھو کر معرض ہلاکت میں نہ پڑنا۔ اگرچہ ان کو آج کے بعد پھر تم نہ دیکھوگے

عن حمد ان القلانسی قال قلت لمحمد بن عثمان العمری مضی ابو محمد علیہ السلام فقال لی قد مضی ولکن قد خلف فینا من رقبتنا فی بیعتہ۔

ھکذا انقل فی ینابیع المودۃ فی القربیٰ

حمدان القلانسی کا بیان ہے کہ میں نے محمد ابن عثمان العمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا تو انتقال ہو گیا۔ اُنہوں نے جواب دیا ہاں۔ آپ نے البتہ رحلت فرمائی۔ مگر ہم لوگوں میں آپ نے اپنا وصی ضرور چھوڑا ہے اور اُسکی بیعت ہم لوگوں کی گردن میں باقی ہے

عن عمرو الاھوازی قال ارانی ابو محمد ن الحسن علیہ السلام ابنہ رضی اللہ عنہ وقال ھذا امامکم بعدی

عمرو اہوازی کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند رضی اللہ عنہ کو دکھلا کر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہی میرے بعد تمہارا امام ہے۔

عن خادم الفارسی قال کنت بباب الدار فخرجت جاریۃ من البیت ومعہ شئ مغطی فقال لھا ابو محمد علیہ السلام اکشفی عما معک فکشفت فاذا غلام ابیض حسن الوجہ فقال ھذا امامکم بعدی قال فما رأیتہ بعد ذلک

خادم فارسی کا بیان ہے کہ میں درِ دولت پر حاضر تھا کہ ایک کنیز اپنے ہاتھوں پر کوئی چھپی ہوئی چیز لئے اندر سے باہر نکلی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو چیز تیرے ہاتھ پر ہے اُسے دکھلا دے پس اُس نے دکھلا دیا تو میں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھوں پر ایک نہایت حسین گورا اور مقبول صورت بچہ ہے

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہی میرے بعد تمہارے امام ہیں۔ اُس دن کے بعد میں نے پھر ان کو نہیں دیکھا۔

عن محمد بن اسمٰعیل ابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام کان اسن بنی الکاظم قال رایت ولد ابی محمد الحسن العسکری علیہ السلام وھو غلام۔

محمد بن اسمٰعیل ابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام جو بنی کاظم میں سب سے بزرگ اور سن رسیدہ تھے بیان کرتے ہیں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ارجمند کو میں نے دیکھا وہ اُس وقت بچہ تھے۔

قال ابو علی ابن مطہر قال رایت ولد ابی محمد علیہ السلام ولہ قد رجلیل۔

ابو علی ابن مطہر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے کو دیکھا اور اُن کے نزدیک اُس صاحبزادے کی بڑی قدر تھی۔

عن کامل ابن ابراھیم المدنی قال دخلت علی ابی محمد الحسن العسکری علیہ السلام وعلی باب بیت ستر فجاءت الریح فکشف الستر فاذا غلام کانہ القمر فقال ابو محمد علیہ السلام یا کامل قد اتیناک بحاجتک ھذا الحجۃ من بعدی۔

کامل ابن ابراہیم مدنی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجلس کے دروازے پر پردہ پڑا تھا۔ ہوا جو آئی تو وہ کپڑا ایک طرف سے کھل گیا۔ اب میں نے دیکھا کہ ایک ماہ پارہ بچہ ماہ کامل کی طرح موجود ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے کامل! تیری آرزو پوری ہوگئی۔ یہی میرے بعد حجت ہے۔

عن ابراھیم ابن ادریس قال رأیت المھدی علیہ السلام بعد ان مضٰے ابو محمد علیہ السلام حین غلام وقبلت یدیہ ورأسہ الشریف۔

ابراہیم ابن ادریس کا بیان ہے کہ میں نے جناب مہدی علیہ السلام کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد دیکھا۔ آپ اُس وقت تک طفل صغیر السن تھے اور میں نے آپ کے دست مطہر اور فرق مبارک کا بوسہ لیا۔

عن یعقوب ابن منفوس قال دخلت علی ابی محمد ن الحسن العسکری علیہ السلام وعلی باب بیت ستر مسبل فقلت لہ یا سیدی من صاحب ھذا الامر بعدک فقال ارفع الستر فرفعتہ فخرج غلام فجلس علی فخذ ابی محمد علیہ السلام وقال لی ابو محمد علیہ السلام ھذا امامکم من بعدی ثم قال یا بنی ادخل ھذا البیت فدخل البیت وانا انظر الیہ ثم قال لی ابو محمد علیہ السلام یا یعقوب انظر فی البیت فدخلتہ فما رأیت احدا۔

یعقوب ابن منفوس کا بیان ہے کہ میں ابو محمد حسن عسکری علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت در دولت پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے خدمت بابرکت میں عرض کیا کہ آپ کے بعد امرِ امامت کس سے متعلق ہوگا یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ یہ پردہ اُٹھا دو۔ میں نے پردہ اُٹھا دیا تو ایک طفل صغیر السن برآمد ہوا اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی زانوئے مبارک پر بیٹھ گیا۔ آپ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ میرے بعد تمہارا امام ہے۔ پھر آپ نے اُس بچہ سے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب گھر میں چلے جاؤ چنانچہ وہ تشریف لیگیا۔ اور میں اسکو جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ جب وہ اندر چلا گیا تو پھر آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب تم گھر میں جا کر دیکھو۔ میں گھر میں گیا تو کسی کو وہاں نہیں پایا۔

یہاں تک تو ہم نے کتاب ینابیع المودۃ فی القربےٰ کی عبارت سے واقعات درج کیے ہیں جنہوں نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اجازت سے آپ کے جمال باکمال کی زیارت کا شرف حاصل فرمایا تھا۔ یہ وہی کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد بزرگوار تھے جنکو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایسے عظیم الشان راز پر مطلع فرمایا تھا اور اُن کے ذاتی محاسن اور اوصاف کو دیانت امانت اور صداقت کے معیار پر پورا کامل پایا تھا۔ اب اُن بزرگواروں کے بعد ہم ان خوش قسمت سعادتمندانِ زمانہ کے حالات بیان کرتے ہیں جن کو

بوجہ مسافت اور دوری کے زیارت اور حضوری کا شرف تو حاصل نہ ہو سکا مگر ہاں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اُن کی خصوصیت اور قربت اور امانت پر اعتبار کر کے انکو اپنے فرزند ارجمند کی ولادت کی خبر ضرور کر دی تھی اور ولیمۂ ولادت کے الوان نعمت سے اُن کو بھی خاص طور پر حصّہ عنایت فرمایا تھا

ملا مجلسی علیہ الرحمۃ والرضوان بحار الانوار جلد سیزدہم مطبوعہ دار الحکومت تبریز میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمد بن ابراہیم کوفی کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایک گوسفند ذبح شدہ میرے پاس بھیجدی اور کہلا بھیجا کہ یہ میرے فرزند محمد علیہ السلام کا عقیقہ ہے۔ تم خود بھی کھانا اور اپنے برادرانِ ایمانی کو بھی کھلانا۔

حمزہ ابن ابو الفتح کا بیان ہے کہ یکایک ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ تم کو مبارک ہو کہ کل رات کو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں فرزند ارجمند پیدا ہوا ہے اور آپ نے اُس کی ولادتِ باسعادت کے واقعہ کو مخفی رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ اُس مولود مسعود کا نام کیا رکھا گیا ہے۔ اُسنے کہا کہ محمد علیہ السلام

احمد بن عبد اللہ قمیؒ کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا پیدا ہوئے اُسی وقت میرے دادا احمد ابن اسحاق کے پاس جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا خاص آدمی آیا جو آپ کے خاص دست مبارک کا لکھا ہوا کرامت نامہ لایا جس میں تحریر تھا کہ میرے ہاں ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے میں تمہیں اس امر کی اطلاع تو ضرور کرتا ہوں مگر تم اس واقعہ کے پوشیدہ رکھنے کی بڑی احتیاط کرنا۔ یہ یاد رکھو کہ میں نے اپنے احبابِ خاص سے کہا اپنے خویش و اقارب تک سے اس واقعہ کو بالکل مخفی رکھا ہے اور کسی کو اس سترِ الٰہی پر مطلع کرنا پسند نہیں کیا۔ مگو باینہمہ تم سے اسکو پوشیدہ کرنا کسی طرح بھی گوارا نہ سکا۔ اس وجہ سے تم کو اس مژدۂ جانفزا کی خاص طور پر اطلاع دیجاتی ہے کہ تم اس کی حقیقت حال معلوم کر کے ویسا ہی شاد و مسرور ہو گے جیسا کہ میں اس نعمتِ الٰہی اور دولتِ ناقمتناہی کو پا کر دلشاد اور فرحناک ہوا ہوں۔

ہم ان حضرات کے نامِ نامی اور ان کے واقعات کے ذکر اجمالی طور پر لکھ چکے ہیں اور پھر بارِ دیگر یہاں بھی اپنے سلسلۂ کلام اور مناسبت مقام کی ضروری رعایت کی وجہ سے انکا اعادہ کر دیا ہے۔ بہرحال اتنی چشم دید شہادتیں اور بڑی بھی تصدیق زیارت کے مقابلہ میں اب وہ کون ایسا بے بصیرت ہوگا جو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے واقعۂ ولادت سے ایک منٹ کے لئے بھی انکار کر سکیگا۔ فی زمانہ مشاہدات پر زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے تو الحمد للہ ہم نے آپ کی ولادتِ باسعادت کے متعلق اتنے مشاہدات جمع کر دیئے ہیں جو تواتر کی حدودِ اعتبار تک ضرور پہنچ گئے ہیں تو پھر ایک مشاہدات کا بھی انکار جہالت کا مقتضا سمجھا جاسکتا ہے۔ اسپر تواترات سے انحراف تو اور گناہ بالائے گناہ کا جرم مزید عائد کرتا ہے ان وجوہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا واقعہ ایسا صریح اور صحیح ہے جس سے کبھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ رہا اسکا مخفی اور پوشیدہ کرنا محض خاص خاص لوگوں تک اس کی اطلاع کرنا۔ اسکی ضرورت مصلحت وقتی اور فوائد ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور پھر لکھے دیتے ہیں کہ صورتِ حال اور ضرورت وقت ہم کو ہر قرینہ اور ہر پہلو سے بتلا رہی ہے اور ثابت کر دی ہے کہ اگر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اِس واقعہ کو قطعی طور پر مخفی فرما دیتے اور کسی کو بھی نہ اس سے مطلع کرتے اور نہ کسی ایک کو اپنے نونہال یوسف جمال کی زیارت سے مشرف فرماتے تو واقعی یہ مسئلہ دنیا بھر میں ضرور قیاسی اور فرضی بنکر رہ جاتا۔ جب اتنے مشاہدات کے مقابلہ میں اور ایسی صریح تصدیق و توثیق اور تواترات کی موجودگی میں اہل اسلام کی ایک معتد بہ جماعت آج تک اس میں مشتبہ پائی جاتی ہے اور اب تک حقیقت حال سے انکار کر کے آپ کی ولادت کو قریب قیامت واقع ہونا بتلاتی ہے تو پھر اُس حالت میں جب اس واقعہ کا ایک بھی شاہد عینی نہ بتلایا جاتا اور نہ کوئی اس نوداتہ کا دیکھنے والا پایا جاتا تو ان کے دعوے خود بخود پہلے سے بھی زیادہ قوی اور مستحکم ہو جاتے اور وہ

زوروں سے اپنی غلط فہمی کو بالکل صحیح اور درست بتلاتے اور اِن مباحث کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا کہ وجود باری تعالیٰ اور آپ کے وجود میں مساوات اور مماثلت پیدا کی جاتی جو پہلے سے بھی زیادہ قابلِ اعتراض سمجھی جاتی - اِن ہی وجوہ سے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی کمال دوربینی اور مآل اندیشی سے جو آپ کے حسن تدبیر کو عدیم النظیر ثابت کر رہی ہے اس واقعہ کو عام شہرت سے بچایا - اور پھر اُسکو اپنے دائرہ معتمدین اور مخصوصین میں مشتہر کر کے اُسکو ضعیف واحاد ہونے اور بالکل موہوم و مجہول یا محض ظنی و قیاسی سمجھے جانے کے عیوب سے بھی محفوظ رکھا جیسا کہ ابھی ابھی پوری تفصیل سے بیان ہو چکا ہے -

اتنا لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور جناب قائم آل عبا علیہ السلام کی ولادت کے بعد کے واقعات اور حالات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں +

ولادت باسعادت سے بعد کے حالات

ناظرین کتاب کو یہاں تک تو معلوم ہو چکا کہ آپ کی ولادت کا واقعہ عام طور سے مشتہر نہیں کیا گیا - کیونکہ اس کی شہرت میں موجودہ سلاطین عباسیہ کی وجہ سے آپ کی جسمانی ایذا و مضرت و ہلاکت کے یقینی خیال لگے ہوئے تھے جیسا کہ ایام قدیمہ میں اِن خاصانِ الٰہی کے متعلق اُس وقت کے سلاطین جابرہ کی طرف سے عمل میں آچکے تھے -

بہرحال جناب امام حسن عسکری علیہ السلام آپکی ولادت کے بعد پانچ برس تک اور زندہ رہے اور اس پانچ برس کے عرصہ میں آپنے اپنے اس نور العین کو ہر دم و ہر لحظہ نظر عامہ کے چشم زخم سے محفوظ و مصئون رکھنے کے لئے ہمیشہ اُسی احتیاط و کوشش سے کام لیا جو اس امر خاص میں آپ کے حسن تدبیر کا اعلےٰ اور یکتا نمونہ ثابت ہو چکی تھی - کبھی اس یوسفِ زمانہ کو پردہ سے باہر نہ ہونے دیا - ہم صواعق محرقہ کی اسناد سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ راہب نصرانی کے واقعہ سے معتمد نے متنبہ ہو کر آپ کو اور آپ کے اصحاب مخصوصین کو جو آپ کے ساتھ حبس دوام کی روزانہ مصیبت کاٹ رہے تھے اس قید سخت کی بلا سے نجات دیدی تھی اور رہا کر دیا تھا - اس لئے آپ کی حیات والا صفات کا زمانہ محض خانہ نشینی میں گذرا اور اُس خانہ نشینی کے اوقات میں آپ کو اپنے پارۂ جگر کے تحفظ کی عمدہ اور اعلےٰ تدبیروں کے سوچنے اور عمل میں لانے کا بہت اچھا موقعہ ہاتھ آیا - اور حقیقت امر یوں ہے کہ ع خدا کی بات خدا کی قسم خدا جانے + یہ سب اُس قادر مطلق اور مدبر برحق کی تدبیر قدرت اور تجویز مشیت کے کرشمے تھے جس نے معتمد کے ایسے لاگو اور قدیم دشمن جانی کو اس وقت ایسا نرم اور ملائم کر دیا کہ کہاں تو وہ ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے قید رکھتا تھا اور سالہا سال انسانی آمد و رفت اور اخلاقی ربط و ضبط کے تمام مراسم آپ کے لئے ممنوع کر چکا تھا اور کہاں ایک بار آپ کو ایسا آزاد اور خود مختار کر دیا کہ پھر آپ کے کسی احوال کا ذرا بھی تفحص اور استفسار نہ کیا نہیں چونکہ نظام ربانی اور مشیت یزدانی ایسی ہی جاری ہو چکی تھی - اس لیے اُس نے اپنی پوری شان جبروت دکھلا کر معتمد کے دست و زبان سے وہ کام اور احکام جاری کرائے جو کبھی اُسکی ذات سے کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئے تھے - اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَھُوَ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ -

اپنی قدیم ترتیب تالیف کے موافق تو ہم کو آپ کی ولادت کے حالات لکھ کر آپ کی کم سنی اور بچپن کے حالات قلمبند کرنے چاہییں - مگر ہم جہاں تک آپ کی ذات مجمع الحسنات کے ان حالات و واقعات پر غور کرتے ہیں تو ہم کو تمام قرائن - دلائل اور مشاہد سے ثابت ہوتا ہے کہ روز ولادت سے لیکر غیبت کبریٰ کے وقت معین تک آپ کا وجود ذی جود قادر مطلق کی کامل آیت خود اُس مدبر برحق کی تدبیروں کی سچی اور صحیح علامت تھا - اور بس آپ کے فضل و کمال - عقل و شعور ذہن و ذکا غرض تمام جسمانی اور روحانی اوصاف ولادت کے وقت ہی کامل تھے! اور ایسے کامل جن کی نظیر اور مثال انسانی خلقت میں ظاہری طور پر ممکن نہیں ہے - پھر ایسی حالت میں کہ جو بچہ پانچ برس کے سن میں ایسا عاقل اور کامل الشعور ہو جس کی مثال دنیا کے بوڑھے

جو لبھی اور بچوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ اور اپنے عقل و شعور فضل و کمال اور ذہن و ذکا کے اعتبار سے تمام دنیا کے لوگوں پر آپکو ترجیح علی الفضائل حاصل ہو تو پھر ہم ایسے بچہ کو بچہ کیسے کہہ سکتے ہیں اور اس عالم کو بچپن کے معنوں میں کیسے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ایک نہیں متعدد اور متواتر شاہد تاریخی برابر ثابت کر رہے ہیں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کا سن کل پانچ برس کا تھا اور اُسی وقت سے آپ درجۂ علیہ امامت پر منجانب اللہ مشرف ہوئے۔ اور سب سے پہلا واقعہ جو آپ کے فضل و کمال اور کرامت و اعجاز کا تمام لوگوں کے سامنے پیش ہوا وہ جعفر کا نمازِ جنازہ سے امتناع اور بجائے اُن کے بنفس نفیس اُس کا ادا فرمانا تھا۔ اور پھر اُس کے بعد اہلِ قم کے وفد کے سوالات کا جواب دینا۔ اور بے دیکھے اُنکی تھیلیوں کے درہم و دینار کی صحیح تعداد بتلا دینا۔ اور پھر اُس کے بعد خود ابو الادیان سے اُن خطوط کو طلب فرمانا جو شیعیانِ مدائن نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے جواب میں لکھے تھے اور آپ نے ابو الادیان کو بتلا دیا تھا کہ جو شخص تم سے ان خطوط کے جواب طلب کرے وہی میرا جانشین برحق اور وصی مطلق ہے۔ یہ تمام واقعات عنقریب سلسلۂ بیان میں آتے ہیں۔ یہ تمام تاریخی حالات و واقعات کامل طور سے بتلا رہے ہیں کہ جب پانچ برس کے سن میں آپ کے کمالات کی یہ صورت تھی اور اعجاز و کرامت کی یہ حالت۔ تو پھر آپ کے اُس زمانہ کو بچپن کے معمولی لفظ سے عام طور پر تعبیر کرنا ضرور سوءِ ادبی میں داخل اور شوخ چشمی اور گستاخی میں شامل ہوگا۔

جن لوگوں نے حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات کو کامل طور پر پڑھا ہے۔ اگر بڑی بڑی کتابوں میں ان بزرگواروں کے حالات نہیں دیکھے ہیں۔ صرف ہمارے ہی سلسلۂ سیرت اہلبیت علیہم السلام کے تمام نمبروں کو دیکھ لیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی تنہا ذات مجمع الصفات پر موقوف و منحصر نہیں ہے بلکہ اُن تمام ذوات عالیہ اور انفاس زکیہ میں خدا کی طرف سے ولادت کے دن ہی سے فضل و کمال کے ایسے ایسے یکتا اور عدیم المثال جوہر ودیعت فرمائے جاتے ہیں جو عام نفوسِ انسانی میں کسی طرح پائے نہیں جا سکتے۔ آپ سے پہلے آپ کے جد بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کل سات برس کی عمر میں اپنے پدر نامدار کے قائم مقام اور جانشین ہوئے۔ اور اُسی وقت سے تمام اہل ایمان کی کفو و کاریوں کے ارکان اور ہدایت کے احکام و فرمان جاری فرمائے اور اسی طرح اُن سے پہلے اُن کے والد بزرگوار حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی جناب امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی وفات کے وقت کل سات یا آٹھ برس کے تھے مگر طفولیت کے زمانہ ہی سے درجۂ علیہ امامت پر فائز ہو کر اُس کے تمام فرائض اور مناصب اُسی وقت سے بجا لاتے رہے۔ غرض اگر پورے غور سے دیکھا جائے تو یہ حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلام من اولہم الی آخرہم ان اوصاف مخصوصہ سے موصوف پائے جائیں گے اور ان میں سے کسی طبقہ اور درجہ کے انسان کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ ہم ان مضامین کو پوری تفصیل و تشریح سے اپنے سلسلہ کے پہلے نمبروں میں برابر لکھ آئے ہیں اور اس موقعہ پر بھی مناسب اور موزوں پا کر پھر لکھے دیتے ہیں کہ یہ عدیم المثال فضل و کمال اور یہ مخصوص فضائل و مدارج جو آپ حضرات کی ذات بابرکات سے مخصوص و محدود ثابت ہوتے ہیں کچھ نئے اور تنہا نہیں تھے بلکہ اگر خاصان خدا کے سابق اور قدیم دائرہ میں ان کی مثالوں کی تلاش اور جستجو کی جائے تو ان واقعات کی کثرت سے مثالیں پائی جائیں گی حضرت زلیخا کے قصہ میں صاحب مہد کا براءتِ حضرت یوسفؑ کے متعلق شہادت دینا اسی طرح جناب حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کا حضرت مریمؑ کی عصمت کی تصدیق فرمانا اور اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ کہہ کر اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کو مخاطب کرنا کیا تھا۔ یہ تمام واقعات وہی تھے جو نصوصِ الٰہیہ کے خاص ذریعوں سے ہم کو بتلا رہے ہیں کہ خاصانِ الٰہی کے یہ تمام واقعات وہی تھے جو نصوصِ الٰہیہ کے خاص ذریعوں سے ہم کو بتلا رہے ہیں کہ خاصانِ الٰہی کے یہ اوصاف و کمالات عام فطرتِ انسانی کی معمولی خلقت۔ سن کی طوالت یا مدت پر کبھی منحصر اور موقوف نہیں ہوتے بلکہ یہ کمال اور فہم و شعور کے تمام انتہائی جوہر خدائے واہب العطایا کے انعام و افضال پر موقوف ہوتے ہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ

يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

اگرچہ اپنی ترتیب تالیفی کی عام اصطلاحی ضرورتوں سے مجبور ہو کر ہم آپ کے ان حالات کو آپ کی صغرسنی اور بچپن کے واقعات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں مگر اپنی کتاب کے ناظرین کو ان واقعات کے لکھنے سے باور کرتے ہیں کہ آپ کے بچپن اور صغرسنی کو ہم دنیا کے معمولی بچوں کے بچپن اور صغرسنی کے معنوں میں نہیں سمجھتے اور نہ آپ کے ابتدائی حالات کو ان کے عام حالات کی طرح شمار اور اعتبار کرتے ہیں۔ بہرحال جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کی ولادت سے کیسی دلی مسرت، قلبی فرحت اور روحانی بشاشت حاصل ہوئی ہوگی۔ اس کا اندازہ کرنا اس وقت ہماری خیالی قوتوں سے قطعی غیر ممکن ہے۔ آپ اپنے اس فرزند ارجمند کے وجود ذی جود کو کیسا غنیمت سمجھتے ہوں گے اور اس نعمتِ الٰہی کو کتنا عزیز رکھتے ہوں گے۔ وہ سب ہمارے لکھنے کے اور بیان کرنے کے ہرگز محتاج نہیں ہیں۔ وہ واقعات اور حالات دیکھ کر آپ معلوم کر لیے جا سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جناب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے اس دُرِّ نایاب کو اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ کبھی آپ کو اپنی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں رکھتے تھے۔ عام نگاہوں کے اخفا کے خیال سے نہایت احتیاط کے ساتھ اس دروازہ میں ہمیشہ ایک حجاب حائل رہا کرتا تھا جس کے باہر خود تشریف فرما رہتے تھے۔ اور اس کے اندر وہ گوہر شب چراغ جلوہ آرا رہتا تھا۔ اور کبھی بعض اوقات محبت پدری کے غیر متحمل تقاضوں سے نہایت درجہ بے چین ہو جاتے تھے تو اس دروازۂ اندرونی کی حجاب دیوان خاص کے اس حصہ میں اٹھا لیتے تھے جہاں خود تشریف رکھا کرتے تھے۔ مگر نظر عام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کی موجودہ احتیاط کے خیال سے یہاں بھی حجاب کی وہی صورت قائم رکھی جاتی تھی۔ دشمنوں کا خوف اس قدر لگا ہوا تھا کہ گھر کے عزیزوں تک کو نہ اس واقعہ کی خبر کی گئی تھی اور نہ ان کو اس نونہال کے جمال جہاں آرا کی زیارت سے مشرف فرمایا گیا تھا۔ گھر میں ایک والدۂ مقدسہ اس وقت تک زندہ تھیں اور باہر ایک بھائی جعفر۔ ان خاتونِ معظمہ کی نسبت تو افشائے راز وغیرہ کا کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔ مگر جعفر البتہ نہ بھائی کے ایسا دوست اور نہ بھائی کے ایسا دشمن۔ کی پوری مثال ہو رہے تھے۔ جن کے حالات بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان میں آگے آتے ہیں۔ ان دونوں بزرگواروں کے سوا اور دوسرا آپ کے گھر میں نہیں تھا۔ اور وہ تھا بھی تو وہی گھر کے خادم اور غلام۔ خادمہ اور کنیزیں۔ مگر اتنی قلیل جماعت ہونے پر بھی آپ نے ان تمام لوگوں میں سے صرف اپنی والدۂ مقدسہ اور ان دو تین کنیزوں کو جو ولادت کے وقت بھی جناب نرجس خاتون کی خدمت میں حاضر تھیں۔ اس واقعہ کی خبر سے مطلع ہونے دیا۔ ورنہ سوائے ان کے نہ کسی دوسرے کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا اور نہ انکا دیدار فرحت آثار کسی کو دکھلایا۔ عزیز و اقارب کے دائرہ میں حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام از اول تا آخر یوم ولادت اس واقعہ کی اطلاع اور خبر دہی میں شریک فرمائی گئیں اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ مشیت ایزدی کی ہدایت کے مطابق وہ اس واقعہ کی ابتدا ہی سے شریک تھیں۔ چنانچہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی بشارت ان معظمہ کے متعلق ہم اپنے اوپر کے سلسلۂ بیان میں لکھ آئے ہیں خاصکر جس وقت یہ مخدومہ اپنے برادر عالی مقدار کی خدمت میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ جناب نرجس سلام اللہ علیہا سے پیوند کے لیے اجازت لینے آئی ہیں۔ ان چیدہ چیدہ لوگوں کے علاوہ اور کسی حضرات کو یہ شرف اور مفاخرت حاصل نہ ہوئی آپ کی ان احتیاطوں کے علاوہ اسرار یزدانی ہونے کے آپ کے اشفاق اور ہمدردی کے بھی پورے ثبوت پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس امر میں اول تو خدا کا حکم ہی ایسا تھا اور ان سب سے زیادہ تو آپ نے اس نور عین کی محبت اور تحفظ کا خیال دل سے ہمہ دم اور ہر وقت لگا رہتا تھا اور ہر وقت ایک کھٹک سی لگی رہتی تھی کہ مبادا کوئی ایسی فرو گذاشت ہو جائے جس سے اس نونہال آرزو کی مضرت اور ضائع ہو جانے کے اسباب قائم ہو جائیں چنانچہ احتیاطِ مزید کے انہی خیالوں سے

اگرچہ جعفر کا گوشۂ محل بالکل علیحدہ تھا اور فیمابین آمد و رفت بھی کم تھی۔ مگر تاہم جو قطعۂ مکان کہ جناب نرجس خاتون علیہا السلام کی آرامگاہ سے متعلق تھا اور اُس میں بغیر اون کے اور اُن کی خاص کنیزوں کے کوئی دوسرا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ بھی پردے اور حجاب کے خاص انتظام سے کسی وقت خالی نہیں رہتا تھا۔ ہر وقت اُس میں بھی پردے چھوٹے رہتے تھے۔ اور کسی شخص کو عام اس سے کہ کیسی ہی شدید ضرورت ہو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ باہر کے خاص خادم جب تک کہ آپ اُن کو اپنی کسی خاص ضرورت سے خود نہ بھیجیں اندر نہیں جاسکتے تھے۔ یہ قطعۂ مکان آپ کی نشستگاہ بیرونی سے بالکل ملحق تھا۔ اور گھر میں اندر سے ایک دروازہ باہر لگا ہوا تھا۔ اس دروازے میں ہمیشہ پردہ لٹکا رہتا تھا۔ اور آپ زیادہ تر اسی پردے کے پاس تشریف رکھتے تھے تاکہ اندر کے حالات برابر معلوم ہوتے رہیں۔ جب اپنے فرزند ارجمند کے بے چین ہونے یا رونے کی آواز آئی۔ اور اگر پاس باہر لوگ بھی بیٹھے رہے تو فوراً اندر تشریف لیگئے۔ مگر اُسی حجاب کے اندر اپنے پارۂ جگر کو بہلاتے تھے اور بہل جانے کے بعد اُس کو اندر پہنچا آتے تھے اور اگر باہر خلوت موجود نہ ہوئی اور ایسے لوگوں کا مجمع ہوا جو شرف زیارت سے مشرف نہیں کیے جاسکتے تھے تو آپ اندر تشریف لیجاتے اور وہیں اپنے اس پارۂ جگر کو بہلا لیتے۔ اور پھر جناب نرجس سلام اللہ علیہا کو دے کر باہر واپس آتے۔ آپ کے اشفاق اور احتیاط کی یہ حالت اس وقت تک تھی جب تک کہ آپ صاحب مہد تھے۔ جب فضل الٰہی سے سال بھر کے ہوئے اور جسم مبارک میں نمو اور ترقی کے کامل آثار پیدا ہوئے۔ کیونکہ آپ معصوم تھے اور معصوم کی قوت تو عام خلقت سے دس حصے زیادہ ہوتی ہے (دیکھو اس سلسلہ کی جلد دوم۔ سرو چمن فی حالات امام حسن علیہ السلام میں بحث امامت اور امام کے خاص اوصاف) اس لیئے آپ سال ہی بھر کے بعد ماشاء اللہ ایسے قوی اور توانا معلوم ہونے لگے جیسے اچھے خاصے تین چار برس کے چلتے پھرتے اور بولتے چالتے بچے

ہوتے ہیں۔ اسی وقت سے آپ میں طاقت رفتار بھی موجود تھی اور قوت گفتار بھی۔ چنانچہ حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا ناقل ہیں کہ آپ کی ولادت کے بعد میں نے یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک ہفتہ کے بعد بالضرور اور بالخصوص اس مولود کے دیکھنے کے لیے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں جایا کرتی تھیں اور میں آپ کو ایک ہفتہ میں ایسا پاتی تھی جیسا کہ ایک مہینے کے بچے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے سال بھر کے عرصہ میں آپ تین چار برس کے بچوں کی طرح بلا تکلف چلتے پھرتے بھی تھے اور بلا تامل بولتے چالتے بھی تھے۔ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کے لیے یہ امر تعجب کا باعث کیوں ہونے لگا کیونکہ آخرکار آپ بھی اسی خاندان عظیم الشان کی چشم و چراغ تھیں جن کے معصوم بچوں کے لیے یہ اوصاف و محامد خاص طور پر خدائے واہب العطایا کی طرف سے تفویض فرمائے گئے تھے۔ پھر آپ اپنے اس نورعین کی یہ حالت دیکھ کر متعجب یا متحیر ہوتیں تو کیونکر؟ بہرحال سال بھر کے بعد جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پوری نمو انائی آگئی اور آپ کنار مادر میں تنہا پرورش پانے کی حالتوں سے ترقی پاکر زانوئے پدر پر جلوہ آرا ہونے اور استراحت فرمانے کے قابل ہوگئے تو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی گرویدگی اور محبت و الفت کا یہ عالم تھا کہ جہاں یہ رہتے وہاں تک آپ بھی رہتے۔ یہ تو دن کے واقعات تھے۔ رات کو اُس وقت تک کہ اصحاب و احباب خدمت ہمایوں میں حاضر رہتے تو البتہ آپ بھی رہتے تھے۔ معمول سے جہاں یہ حضرات اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے آپ فوراً اندر سے اپنے پارۂ جگر کو باہر لائے اور پھر رات بھر اپنا تعویذ دل بنائے ہوئے آرام فرما رہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ بچہ اندر سو گیا اور آپ کو باہر کچھ دیر ہوگئی تو ان کے بے چین ہونے کے خیال سے اُن کو بیدار نہیں فرماتے تھے بلکہ خود ہی ان کے پاس سو رہتے تھے۔ اور ضروریات سے تھا کہ مہینہ دو مہینہ کے بعد معمولی خوابگاہ بدل بھی دی جائے اور ہفتہ دو ہفتہ ایک مکان خاص میں استراحت فرما کر پھر دوسرے قطعہ یا گوشہ

میں استراحت فرمانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ خاص کر حفاظت و خبرگیری کے متعلق اہتمام تھے اور اس میں یہ حسن تدبیر مضمر تھی کہ مخالفین ایک مقام خاص پر آپ کے سلائے جانے کا یقین نہ ہونے پائے۔ اگر وہ اس ذریعہ سے آپ کی ہلاکت یا ضرر رسانی کا قصد بھی کریں تو صحیح مقام کے نہ ملنے کی وجہ سے اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے تحفظ کی تمام تدبیریں اور ترکیبیں بالکل ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسی حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حفاظت و پرورش کے لیے اختیار فرمائی تھیں اور حقیقت حال بھی یہی ہے جیسا کہ مشاہدہ تاریخی سے ثابت ہوتا ہے کہ خاصانِ الٰہی کی پرورش اور حفاظت کے سامانوں میں جب تک اتنی احتیاط اور تحفظ سے کام نہ لیا جائے اُن حضرات کے بچنے اور قائم رہنے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

یہاں تک تو آپ کے اشفاق کے وہ حالات لکھے گئے جو زیادہ تر حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے تحفظ کے متعلق محبت پدری کی حقیقی صورت اور اصلی کیفیت میں ظاہر ہوئے۔ اب ہم آپ کی محبت و الفت کی اعلےٰ مثال میں ایک اور واقعہ ملا مجلسی علیہ الرحمۃ کی کتاب بحار الانوار سے ذیل میں ترجمہ کرکے لکھتے ہیں۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے خادم کا بیان ہے کہ میں آپ کی خانہ داری کے متعلق بازار سے گوشت لانے کی مخصوص خدمت پر مامور تھا۔ مجھ کو سخت تاکید تھی کہ معمولی روزانہ راتب سے زائد ایک پر مغز نلی حضرت قائم آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے لایا کروں۔ حسب الحکم میں بلاناغہ روز لاتا تھا اور اُس کا مغز آپ کو کھلایا جاتا تھا۔

بہرحال ان معاملات کو زیادہ تفصیل سے لکھے جانے کی کوئی ایسی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ایسے معمولی اور روزانہ معاملات جن کے اثر کو ہر شخص نہایت آسانی سے رات دن معلوم اور محسوس کرتا رہتا ہے۔ وہ کون بے درد باپ ہوگا جو اپنی اولاد کی پرورش اور راحت رسانی کی کوششوں میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا رکھیگا۔ پھر ایسا گوہر نایاب منتخب روزگار جس کی مثال نہ اطرافِ عالم میں پیدا کی جاسکتی ہے اور نہ اقصائے عالم میں جسکی نظیر دکھلائی جاسکتی ہے۔ یہاں تک تو یہ مسئلہ فی الحقیقت محض معمولی اور روزانہ مشاہدات میں داخل معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب اُس کے دوسرے پہلو پر غور کیا جائے تو پھر اُس میں ایسی ایسی دشواریاں اور مشکلیں پیچیدہ نظر آتی ہیں کہ پھر مشکل ہے کوئی اُس کے معمولی ہونے کا خیال کرسکتا ہے۔ وہ دشواریاں یہ ہیں کہ قاعدہ اور معمول کے مطابق تمام والدین اپنی پیاری اولاد کی پرورش اور راحت رسانی کے سامان مہیا کرنے۔ انکے چاہنے۔ پیار کرنے۔ پالنے اور پرورش کرنے میں کسی غیر کی مداخلت یا مخاصمت کا کوئی شبہہ یا کوئی خیال نہیں کرتے اور نہ اُن کو اُن سے کسی قسم کا کوئی خوف یا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ نہایت آزادی سے اپنی پیاری اولاد کی پرورش اور آرام دہی کے متعلق اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق اپنے تمام سامان اور اپنے سارے ارمان پورے کرتے ہیں۔ مگر افسوس حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے لیے یہ سامان اور آزادی مطلق ممکن نہیں ہے۔ اُن کی آزادی محدود اور اُن کا اطمینان مقید ہے۔ اُن کو اطمینان کی جگہ ان تمام امور میں خوف اور راحت کے عوض میں دہشت حاصل ہے۔ اس امر خاص کے متعلق اُن کی مجبوری اور معذوری کی یہ کیفیت ہوئی ہے کہ وہ اس واقعہ کی نسبت اپنی خوشی اور مسرتِ قلبی کا اظہار و اعلان کیا فرمائیں گے۔ منہ سے ایک حرف بھی نہیں نکال سکتے۔ خوف ہے کہ کہیں دشمنوں کو خبر نہ ہو جائے اور وہ اسکی ہلاکت کا باعث ہوں۔ اپنے اصحاب و احباب کو نوید کیسی۔ اس واقعہ کو چھپائے رکھنے کا ابتدا ہی سے حکم ہے۔ اصحاب و احباب تو دور کے لوگ ہیں۔ گھر کے عزیزوں کو بھی اس سے مطلع نہیں کرسکتے۔ دنیا کے تمام والدین اپنے بچوں کو اپنے اعزہ و احباب کو دکھلا کر خود بھی خوش ہوتے ہیں اور اُن کو بھی خوش کرتے ہیں۔ یہاں دکھلانا کیسا۔ گھر کے باہر لانا ممکن نہیں سوائے خلوت کے کسی وقت نہ اسے اپنی چھاتی سے لگا سکتے

ہیں اور نہ پیار کر سکتے ہیں۔ کیوں۔ اس لیے کہ شاید کسی بین کی نظر پڑ جائے اور وہ معاندین سے جا لگائے تو پھر قیامت ہی ہو جائے۔ ہاں۔ جب کبھی ایسا ہی ہر طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے اور کچھ وقت پایا جاتا ہے وہ ہزار غنیمت سمجھ کر اپنے پارۂ جگر کے پیار کرنے اور اس سے جی بہلانے میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ اگر غور کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ جو دشواریاں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو اپنے فرزند ارجمند کی پرورش میں پیش آئیں وہ مشکل سے دنیا میں کسی دوسرے والدین کو پیش آئی ہونگی مگر جس استقلال اور پامردی سے آپ نے اپنے اس نونہال کی پرورش میں کام لیا وہ حقیقت میں آپ ہی کا حق تھا۔ اور آپ ہی کا حصہ جو بالکل تائید ربانی کے وسیلہ اور اعانت یزدانی کے ذریعہ پر قائم تھا۔ جن لوگوں نے آثار قدیمہ کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ خاصانِ الٰہی کی پرورش اور ان کی حفاظت کے سامان بھی منجانب اللہ انہی نفوسِ مقدسہ کے سپرد کیے جاتے ہیں جن کے استقلال۔ پامردی اور ہمت کا کامل اور کافی یقین کر لیا جاتا ہے۔ مثال کے لیے دور کیوں جاؤ۔ حضرت عبد المطلب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت گیارہ بیٹے زندہ چھوڑے۔ مگر یتیم عبد اللہ روحی لہ الفدا کی پرورش اور نگاہبانی کی خاص خدمت سوائے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اور بھائیوں میں سے کسی بھائی کو عطا نہیں فرمائی گئی۔ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ اور اس بزرگ خاندان اور رئیس قبیلہ حضرت عبد المطلب نے اپنی موت کے قریب القائے ربانی کی تائید و تحریک سے حضرت حمزہ اور حضرت عباس علیہما السلام کے ایسے شجاع اور دلاور بیٹوں کے مقابلہ میں جناب ابو طالب علیہ السلام ہی کو یہ خدمت اور منصب خاص طور پر تفویض فرمایا۔ یہ کیوں اور کس لیے ہے؟ اس لیے کہ دلیری اور شجاعت جداگانہ اوصاف ہیں جن کے اظہار مخصوص اوقات پر موقوف ہیں۔ مگر استقلال۔ ہمت اور پامردی ایسے محامد ہیں جن کی تمام معاملات اور تمام اوقات میں ضرورت واقع ہوتی ہے موجودہ پرورش اور حفاظت کی خدمات کے لیے صرف شجاعت اور جسمانی طاقت ہی درکار نہیں تھی بلکہ ان سے زیادہ ہمت۔ استقلال اور روحانی قوت ضروری اور لازم تھی۔ اور یہ اوصاف سوائے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اور دوسرے بھائیوں میں بہت کم پائے جاتے تھے اسی وجہ سے اس حکیم مطلق اور مدبر برحق نے اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش۔ کفالت اور حفاظت کے تمام انتظام ان ہی کو سپرد فرمائے ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہم کو جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملات میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا استقلال اور پامردی بھی حضرت ابو طالب علیہ السلام کی ہمت اور استقلال کی پوری اور کافی مثال ثابت ہوتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس گراں قدر اور گرانمایہ خدمت کے متعلق آپ نے بھی وہی تدبیریں اختیار فرمائیں جو آپ کے جد اعلیٰ آپ سے قبل اختیار فرما چکے تھے۔ کیونکہ نہو۔ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ ع ایں خانہ تمام آفتاب است۔ یہ استقلال اور استحکام آپ کے موروثی اور خاندانی اوصاف تھے کچھ مستعار اور اغیار کے عطایا و اعطا تو تھے ہی نہیں جو کسی کی حیرت اور تعجب کا باعث ہو سکیں۔

بہرحال جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اس نونہال چمن آرزو حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کو کامل پانچ برس تک جن جن مصیبتوں سے پالا اور جن جن کاوشوں اور آفتوں کو آپ کے سر سے ٹالا وہ اپنی آپ مثال اور اپنا آپ جواب ہو رہے ہیں۔ اور حقیقت میں کوئی کیسا ہی دردمند باپ کیوں نہو تا ہم تا ان دن رات کے صدمات اور خوفناک اندیشوں کا کبھی متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ضرور تھا کہ وہ کبھی کبھی اس ضیق اور کوفت سے گھبرا کر اپنے معصوم بچے کی شبانہ روز حفاظت سے کسی وقت ضرور غافل ہو جاتا اور یوں اپنے درِ بے بہا کو اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھتا۔ واقعی یہ حضرت امام

حسن عسکری علیہ السلام ہی کا کلیجہ تھا کہ محبت پدری کے غیر متحمل تقاضوں کے ساتھ جو فطرت انسانی کا مخصوص لازمہ قرار پاچکے ہیں حزم و احتیاط کا پورا خیال رکھنا اور اپنے ارمان و تمنا کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے ساتھ اس اسرار ربانی کے مخفی رکھنے کا ہر دم و ہر لحظ لحاظ کرنا۔ اپنی تمام راحت و آرام کو اسکی حفاظت اور آرام رسانی کی خدمات پر تصدق کر دینا اور اسکو ہر دم و ہر لحظہ اپنے معاندین و مخالفین کی بد بین نگاہوں سے بچائے رکھنا۔ یہ ایسے امور تھے جو معمولی طبیعت والے انسان کے ہرگز کام نہیں تھے۔ نہ معمولی طبیعتیں اپنی پر جوشیوں پر اتنا صبر کر سکتی ہیں۔ اور نہ اپنے مچلتے ہوئے ارمانوں کو اس استقلال اور تحمل سے روک سکتی ہیں اور نہ پرورش و حفاظت کی پوری انجام دہی اور ادا کاری اس ہمت اور جگر داری کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں جیسا کہ مشاہد تاریخی کے تمام قدیم اخبار و آثار صاف طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ یہ خدمات بھی خاص کر انہی ذوات عالیات سے متعلق کی جاتی ہیں جو خاصان ربانی اور برگزیدگان یزدانی کے معزز القاب سے مخاطب فرمائے جاتے ہیں ؁

آپ کی امامت کا زمانہ

بہرحال جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پدری کے متعلق آپ کے پدر بزرگوار کے اشفاق اور محبت و الفت کے ضروری حالات قلمبند کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کل پانچ برس تک آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے دامن اشفاق میں پرورش پانے اور راحت اٹھانے کی نعمت نصیب ہوئی ۲۶۰ھ ہجری میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایسے شفیق باپ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا اور آپ اسی وقت سے منجانب اللہ منصب امامت پر مامور ہوئے۔ اور اپنے والد ماجد کی تجہیز و تکفین کی خدمات بجا لا کر جیسا کہ مفصل طور پر اس سے پہلی کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔ فرائض امامت کی انجام دہی میں مشغول و مصروف ہوئے۔

ہم ابتدا ہی میں لکھ آئے ہیں کہ آپ کے تمام معاملات اسرار ربانی اور آیات یزدانی پر مبنی تھے اس لئے نماز جنازۂ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور اہل قم کے تصفیۂ اموال کے معاملات و مشاہدات کو دیکھ کر جو علی الاتصال آپ سے ظاہر ہوئے ان تمام مومنین نے جو اس موقعہ پر حاضر تھے آپ کی امامت حقہ کا اقرار کامل کر لیا۔ مگر چونکہ نظام قدرت اور تدبیر مشیت کے مطابق آپ کو اپنی امامت کی تمام خدمات بالکل مخفی طور پر انجام دینے کا حکم مقدر ہو چکا تھا۔ اور یہ بھی مقدر ہو چکا تھا کہ آپ اپنے زمانہ امامت میں بھی عام نگاہوں سے اسی طرح مخفی اور پوشیدہ رہیں گے جس طرح اپنے پدر عالی مقدار کے زمانہ میں پوشیدہ رہتے تھے۔ اس لئے جہاں تک مختلف سیر و تاریخ کی کتابوں سے تفحص و تجسس کیا گیا ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ بعد ان معاملات کے جن کا ذکر ابھی ابھی اوپر کیا گیا ہے جناب امام العصر علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر دولتسرا ہی میں اندر تشریف لیگئے اور پھر اس وقت کے بعد سے غیبت کبریٰ کے آغاز تک جسکو قریب قریب ۷۰ ستر برس کی میعاد کہنی چاہیئے۔ سوائے چند سعادت مندان خاص الخاص کے کسی اور کو اس زمانہ میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ ہم نے جہاں تک ان خوش نصیب حضرات کی تلاش کی ہے۔ ہم کو ان حضرات کی تعداد نہایت کم معلوم ہوئی ہے۔ یہ حضرات وہی ہیں جو خلوص و عقیدت کے اعتبار سے یکتا اور منتخب روزگار ثابت ہوتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ نظام مشیت نے آپ کی رویت کی امتناعی مصلحتوں کو اس وقت سے اس وقت زیادہ ضروری اور لازم سمجھا تھا۔ اور اس زمانہ سے زیادہ اس زمانہ کو آپ کی مضرت اور ایذا رسانی کا در پے اور کوشاں تجویز کیا تھا۔ تاریخ اور سیر بھی انہی ضرورتوں کی اور ان کے انہی اسباب کی تصدیق کرتی ہیں اور ثابت کر رہی ہیں کہ زمانۂ موجودہ میں آپ کے ہلاک کرنے آزار پہنچانے اور نام مٹانے میں زیادہ مستعدی اور دلیری دکھلائی جاتی تھی جیسا کہ بہت جلد ہمارے آیندہ سلسلۂ بیان سے ظاہر ہو گا ؁

غیبتِ صغریٰ کی ضرورت اور اُسکی مصلحت

اب اس مقام پر ہم کو ایک امر صاف کر دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ کا منظرِ عام میں آنا اور پھر ہمیشہ یا مدتِ دراز تک (از غیبتِ صغریٰ تا بزمانۂ ظہور) پوشیدہ رہنا کس مصلحت پر مبنی بتلایا جائیگا۔ اگر حقیقت میں اختفا ضروری تھا تو چند ساعت کے لیے اِس عارضی لقاء اور فوری رویت کی کیا ضرورت تھی۔

حقیقت میں عام طور سے ایسے سوال اور ایسے شبہے وہی لوگ پیش کرینگے جو اخبار و آثارِ قدیمہ سے بالکل ناواقف ہوں گے۔ یا وہ حضرات جن کو تصرفاتِ قدرت میں آج تک تامل باقی ہوگا۔ ہم اُن کی تشفی کے لیے عرض خدمت کرنے کو موجود اور تیار ہیں کہ اول تو جب اُس قادرِ مطلق کے اسرارِ قدرت اور آثارِ مشیت کو پورے طور سے سمجھنا بحکم محکم وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ تنہا انسان ہی کے لیے نہیں بلکہ طبقۂ رفیعہ ملائکہ اور سائر فرقۂ روحانیہ کے واسطے بھی ممنوع ہو چکا ہے۔ پھر اُس کی غایت اور علل کو دریافت کرنا محض فضول اور بیکار ہے۔ مگر چونکہ غیبتِ صغریٰ کی مصلحت کا خاص مسئلہ ایسا وضیح اور روشن ہے جس کی دلائل نہایت آسانی سے انسان کی سمجھ اور عقل میں آسکتی ہیں۔ اس لیے ہم ایسے حضرات (شبہہ کرنے والوں) کو اس کی کافی اور کامل مثال اممِ سابقہ کے اخبار و آثار میں دکھلا کر سمجھائے دیتے ہیں کہ چونکہ آپ کی امامت کا خاص مسئلہ مذبذبین اور شاکین کے دائرہ میں برابر مشتبہ چلا آتا تھا اور ابھی تک کسی قدر باقی ہے اس لیے جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ضرور تھا کہ آپ اپنی امامت کی ماموری کے وقت اپنا جمال جہاں آرا مومنین و نیز تمام حاضرین کو دکھلا کر مطمئن کر دیں کہ پھر کسی معترض کو اس اعتراض کے پیش کرنے کا موقع نہ ملے کہ محض ایک ایسے شخص کی اقتدا اور امامت و اطاعت کا دعویٰ کیا جاتا ہے جس کو آج تک کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ اور آئندہ بھی مخالفین اپنی سوءِ فہمی سے مخالفتِ مومنین کی پرجوشیوں میں اس کہنے پر تیار ہو جاتے

کہ پھر تم لوگوں نے وجودِ خدا اور وجودِ امام میں کون سا فرق یا مابہ الامتیاز باقی چھوڑی ہے۔ انھی دونوں وجہوں سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے امامت کے زمانہ میں ضرورت کے موافق جس طرح اس نورِ الٰہی کی زیارت کرائی تھی اُسی طرح آپ نے بھی اپنے عہدِ معدلت مہد میں مصلحتِ وقتی کے موافق اپنے جمال جہاں آرا سے دیدۂ مشتاقین کو پُرنور اور قلوبِ مومنین کو محظوظ و مسرور فرمایا تھا کہ یہ اعتراضات درمیان سے اُٹھ جائیں اور یہ شبہے دلوں سے مٹ جائیں اور معترضین کو اعتراض کا کوئی موقع نہ ملے۔ مگر فی زمانہ چونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات سے آپ کی حفاظت و وکالت کا سارا انتظام جاتا رہا اور اب کوئی ایسا شخص نہیں پایا گیا جو آپ کی حفاظت اور خبرگیری کی کامل صلاحیت رکھتا ہو اس لیے آپ کے قطعی طور پر اختفا و انزوا کی خاص حالتوں میں رہنا قرینِ مصلحت سمجھا گیا۔ یہ انتظام اور مصلحتِ خداوندی کے خاص اہتمام بھی کچھ نئے نہیں تھے۔ اس کی مثالیں انبیاء سابقین علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کے دائرہ میں کثرت سے ملتی ہیں۔ جن لوگوں نے آثارِ قدیمہ کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ جب کسی نبی صاحبِ شریعت یا رسول علیہ السلام کو مخالفین سے ایذا رسانی کا اندیشہ پہنچا یہاں تک کہ اُس کی ہلاکت کا یقین ہونے لگا تو ایسی حالتوں میں نظامِ قدرت نے یہی انتظام کیا کہ ایک وقتِ معین تک عام اس سے کہ وہ کتنا ہی قلیل یا طویل کیوں نہ ہو اس سے بحث نہیں۔ اس خاصۂ الٰہی کو اس مقامِ خاص سے ہٹا کر عام نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی کر دیا کہ پھر مخالفین میں سے کسی فرد واحد کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔ ایک مدتِ خاص کے بعد جب عام فتنہ و فساد کی شورشوں میں سکون آگیا اور تمام قوم میں اطمینانی حالت اور صلاحیت پیدا ہو گئی تو پھر اُس حجتِ خدا کو اس کے مقامِ ماموریت پر واپس کر دیا۔ مگر تاہم اس حالتِ اختفا میں بھی کیا وہ خاصۂ خدا اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی سے باز رہا؟ نہیں کبھی نہیں۔ بلکہ وہ موجودہ جلسہ کے مقامی لوگوں میں خدا کی معرفت اور عام ہدایت کے اعلان کرتا رہا۔ دیکھو جناب ادریس علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام ایک زمانہ تک اپنی قوم سے الگ

کے لوگوں کو دینِ الٰہی کی تعلیم فرماتے رہے۔ مگر جب اُن کا ہمعصر بادشاہ اُن کا دشمنِ جانی ہو گیا تو خداوند عالم نے ایک زمانہ دراز تک اُن کو اُن لوگوں سے علیحدہ کر دیا۔ آپ ایک زمانہ تک پہاڑ کے دروں میں قیام فرما رہے۔ بعد مرورِ ایام جب دنیا میں اطمینان اور عام امن و امان کے آثار قائم ہو گئے تو آپ کو پھر اپنی قوم کی طرف رجوع فرمانے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح جناب صالح، حضرت ہود اور جناب یونس علیٰ نبینا و آلہ وعلیہم السلام کے واقعات ہمارے بیان کی پوری تصدیق و توثیق کرتے ہیں۔ یہ حضرات اور اِن کے ایسے اور دوسرے تمام بزرگوار جنکو ایسی دشواریاں پیش آئی ہیں اُن کی جانوں کی حفاظت اور دین خدا کی اشاعت اور اعانت کے قصد و ضرورت سے اُن کی غیبت کے ایسے ہی احکام مشیتِ الٰہی نے جاری فرمائے ہیں۔

اب میرے بیان سے جو مشاہدہ تاریخی کا خلاصہ ہے ثابت ہو گیا کہ جناب صاحب العصر علیہ السلام کے مخفی رکھے جانے میں بھی وہی اسباب اور امور مضمر تھے جو انبیائے سابقین علیٰ نبینا و آلہ وعلیہم السلام کو قدیم زمانہ میں پیش آ چکے تھے۔ بہرحال اتنی توجیہ اور توضیح کو تمہیداً عرض کر کے اب ہم آپ کی امامت کے متعلق وہ واقعات اور حالات قلمبند کرتے ہیں جو آپ نے اپنے موجودہ اختفا و انزوا کی خاص حالتوں میں نافذ فرمائے۔

یہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حضراتِ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے پاس چھوڑا ہی کیا گیا تھا جس کا وہ انتظام کرتے یا جس کی نسبت وہ اپنے حکم و احکام جاری فرماتے۔ نہ مالی دولت باقی تھی نہ ملکی جاہ و حشمت۔ نہ دنیا میں اُن کے لیے کوئی اختیار باقی تھا اور نہ اعتبار۔ زمانہ کی کس مپرسی اور عام نامہربانی کی یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ معمولی سے معمولی اور ادنے سے ادنے بازاری آدمیوں کی لفاظی اور عام فریبی کی باتوں کو آمنّا وصدّقنا کہہ کر تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ مگر اُن کے اقوال و ارشاد کی اقتدا کو جو بالکل نصوصِ الٰہی اور منشورِ حضرتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ماخوذ ہوا کرتے تھے ایک ساعت کے لیے بھی نہیں مانا جاتا تھا۔ اُن کے قول و ارشاد کی منظوری یا غیر منظوری تو درکنار معمولی اور بازاری لوگوں کے مقابلہ میں اُن کے وجود ذی جود کو لا شئے کی فضولیات سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ پھر ایسی کس مپرسی کی حالت میں کیا بتلایا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے دنیا میں کیا کام کیا۔ اور نظامِ عالم یا اصلاحِ امت کے متعلق آپ سے کون کون سے امور پیش آئے۔ کوئی ریاست کوئی علاقہ کہیں کی حکومت تعلق رکھتی ہو تو اس میں آپ کے نظامِ سیاسی اور احکام تمدنی کی خوبیاں دکھلائی جا سکیں۔ اگر نہیں تو کسی مملکت یا سلطنت میں بڑے بڑے عہدے اور مناصب پر فائز ہوں تو اُن کی انجام دہی میں آپ حضرات کی استعداد و جامعیت قابلیت و صلاحیت کے جوہر اور نمونے دکھلائے جائیں۔ خاص ذاتی اعتبار سے کوئی بہت بڑے صاحبِ دولت ہوں تو اُس کی کیفیت لکھی جائے۔ کوئی فروغ یافتہ تجارت کا ذریعہ ان حضرات سے وابستہ پایا جائے تو اُن کی ترقی اور افزائش میں اُن کے کمال دکھلائے جائیں۔ یہاں تو ان تمام باتوں میں سے ایک بات بھی ان حضرات کے ساتھ پائی نہیں جاتی پھر ان کے حالات میں کیا لکھا جائے۔

غرض دنیاوی تعلقات میں سے کوئی تعلق ان حضرات سے وابستہ نہیں پایا جاتا۔ پھر ایک معمولی سیرت نگار کے لیے اِن حضرات کے نظامِ مخصوصہ کو قلمبند کرنا۔ اور اُن کو ایسی حالت میں دنیا کے سامنے پیش کرنا جب دنیا اُن سے بالکل لاعلم اور ناواقف ہے سخت سے سخت اور دشوار سے دشوار امر معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات آپ کی غیبتِ صغریٰ کے زمانہ سے لیکر غیبتِ کبریٰ کے وقت تک لکھنا اور اُن کو نظامِ تالیف کے مطابق سلسلہ وار بیان کرنا دشوار ہے اور نہایت دشوار۔ اس میں جو سب سے بڑی دشواری ہے وہ یہ ہے کہ ایک سے لیکر گیارہ اماموں تک کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں وہ ظاہری طور پر واقع ہوئے اور عام نگاہوں کے سامنے گزرے۔ سب نے دیکھا۔ عام اس سے کہ انہیں مانا یا نہ مانا۔ مگر آپ کی امامت کے نظام اور تمام احکام کو یہاں تک کہ آپ کی ذات ہمایوں صفات کو بھی معدودے چند خوش قسمت حضرات کے سوا کسی نے بھی نہ دیکھا۔ اس لیے آپ کے واقعہ نگار کو آپ کے خاص حالات قلمبند کرنے میں سخت دشواری

ہے جس کو ہم ابتدا سے دکھلاتے آتے ہیں۔

بہر حال اتنی تمہید کے بعد ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اوپر یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ علائق دنیاوی کے متعلق آپ حضرات سے کوئی امر وابستہ نہیں تھا نہ آپ حضرات دنیا کے لئے تھے اور نہ دنیا آپ حضرات کے لیے۔ یہ ایک ایسا جملہ ہے جو ظاہری طور پر تو ہر کس و ناکس اپنی غلط فہمی اور نافہمیت کی وجہ سے فوراً کہہ بھی دیتا ہے اور لکھ بھی دیتا ہے مگر حقیقت کی نظر سے جب دیکھا جائے تو ایسا کہنا یا اقرار کرنا صریح غلطی ہے۔ کیونکہ اصولاً وجود امام کے بغیر جس طرح دنیا کا قیام ناممکن تسلیم ہو چکا ہے ویسا ہی نظام بھی اس دلیل سے کہ جب قیام ہی نہیں تو نظام کیسا۔ حدیث کی کتابوں میں اسکی تفصیل اور توجیہ قرآن و حدیث کی قوی اور مستحکم دلیلوں سے ثابت کی جا چکی ہے۔ دنیا ابتدائے آفرینش سے آخر وقت تک وجود امام کی پوری محتاج ہے۔ یہ ایک تسلیمی امر اور مسلمہ اور متفقہ مسئلہ ہے جس پر علمائے اسلام کے علاوہ دنیا کے مختلف ملکی و ادیان اور قبائل و اقوام کے حکماء و فضلاء اور عقلاء جس کی ضرورت اور احتیاج کو بیک کلام و یک زبان تسلیم کر چکے ہیں اور یہ امر واضح ہو کہ تمام دلائل و قرائن سے ثابت ہو چکا ہے کہ اگر نفس الواقع سلاطین اور عام حکمرانانِ ملکی معاملاتِ سیاسی و تمدنی کے علاوہ ضروریات دینی اور امور ہدایت کے لیے بھی کافی اور کامل سمجھے جاتے جس طرح کہ بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام بعض اہل اسلام نے اُن کی پاک تعلیم کے خلاف اس مسئلہ کو اپنے قیاس اور سوء فہمی سے ایسا ہی سمجھا اور ایک فرمانروا میں دونوں قوتوں کا وجود تسلیم کر لیا تو پھر ان عام ملکی فرمانرواؤں کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت محض بیکار ثابت ہو جاتی حالانکہ مشاہدۂ تاریخی بتا رہے ہیں کہ کوئی زمانہ اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرا ہے جس میں بمقابلہ بادشاہان ملکی پیغمبر یا رسول (علیہ السلام) نہ بھیجا گیا ہو۔ یا کبھی وقت میں سلسلۂ نبوت و رسالت بمقابلۂ حکومت و سلطنت غیر ضروری سمجھ کر موقوف اور بند کر دیا گیا ہو۔ اور نہ سوائے تین چار پیغمبران اولی العزم علی نبینا و آلہ و علیہم السلام کے کسی اور بزرگ میں ان دو قوتوں کے اجماع کے کوئی ثبوت پائے جاتے ہیں۔ ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام روحانی ہمیشہ احکام دنیاوی سے علیحدہ رکھے گئے۔ اور کبھی کسی دنیاوی حکمران کو باوجودیکہ دنیا میں کیسا ہی ذی اقتدار اور صاحب اختیار کیوں نہ ثابت ہوا ہو۔ خدا کے اعزاز و اسرار روحانی نہیں سپرد فرمائے گئے اور نہ کسی زمانہ میں وہ اس کے اہل اور سزاوار سمجھے گئے بلکہ وہ ان امور کی تعلیم و ہدایت کی ضرورت کے وقت ہمیشہ انہی حضرات کے محتاج اور زیر بارِ احسان بنائے گئے۔ ان امور سے ان حضرات کی علو شان ہی کا اظہار نہیں ہوتا ہے بلکہ اس قادرِ مطلق اور حکیم برحق کو اپنی قوت و جبروت کا جلوہ دکھلانا بھی منظور تھا فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ خَبِيرٌ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

اب ہم ان امور کی تفسیر میں کہ ان حضرات سے کون کون مصالح اور نظام عالم کے متعلق تھے بیان کیے دیتے ہیں اور ان کی مثال امم قدیمہ کے پارینہ اخبار و آثار کو چھوڑ کر صرف امتِ مرحومہ مصطفویہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں دکھلاتے ہیں جس کی حمایت۔ حفاظت اور اعانت کے فرائض خدمت جزوِ امامت قائم ہو چکے تھے۔ جو نظام کہ ان حضرات مقدسین سے خاص طور پر وابستہ تھے وہ نظام امت۔ احکام دینیہ کی حفاظت معرفتِ الٰہیہ کی اشاعت اور امورِ شرعیہ کی حمایت و اعانت کے امور تھے۔ اب ان امور کو دیکھ کر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ فرائض یہ خدمات کبھی اور کسی طرح ملکی سیاست اور نظام حکومت کی ذمہ داریوں سے کم نہیں تھے۔ بلکہ اگر حقیقی طور پر دیکھے جائیں تو ان کی ذمہ داری اور جوابدہی ان سے کہیں زائد تھی اور ایسی تھی کہ مخلوق سے لیکر خالقِ مطلق تک اُسکا سلسلہ قائم اور باقی تھا۔ ان قرائن اور اسباب کو مد نظر رکھکر ہر شخص بآسانی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ایک امام منصوب من اللہ کے فرائض ایک حکمران مامور عن الناس کے خدمات سے کہیں زیادہ سخت اور دشوار معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے عام فطرتِ انسانی اُن کی انجام دہی اور ادا کاری سے بالکل

قاصر اور مجبور رہے۔ ہاں ان فرائض اور ان کی تمام شرائط کو وہی نفوس بجالا سکتے ہیں۔ اور ان خدمات کو وہی وجود ذی جود پورا کر سکتے ہیں جن کی انسانی ترکیبیں نورانی اجزاء سے مرکب کی گئی ہیں اور جن کے فضل وکمال کی تحصیل کی تعلیم بالکل روحانی اور وہبی طریقوں سے پہنچائی جاتی ہے۔ نہ کسی ظاہری اور کسی ذریعہ سے ان کے تعین اور ماموری سے پہلے ان کے قلوب کے امتحان لیے جاتے ہیں۔ ان کے اوصاف و کمال کی کامل آزمائش کر لی جاتی ہے۔ اور جب وہ ہر طرح سے نفس مطمئنہ کے درجۂ علیہ میں پورے اتر جاتے ہیں اور فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ کے عرش الکمال تک پہنچے ہوئے ثابت ہوتے ہیں۔ تب کہیں ان تمام مراتب کے طے ہو جانے کے بعد یہ عظیم الشان اور جلیل القدر مناصب ان بزرگواروں کو تفویض فرمائے جاتے ہیں۔ یہ امور آپس کی پنچایت طرفداری اور رعایت سے تھوڑے ہی دستیاب ہوتے ہیں اور ایسا تھوڑا ہی ہو سکتا ہے کہ دس آدمی متفق ہو کر ایک جگہ جمع ہو گئے اور احمد کی پگڑی محمود کے سر بندھ گئی۔

یہ امور بالکل قدرت کے خاص نظام سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں انسانی تجویز و تدبیر کی مطلق گنجائش نہیں تھی۔ اسی وجہ سے یہ امور دنیادی سلاطین کے سپرد نہیں کیے گئے اور یہی وہ خاص وجہیں تھیں جن کی وجہ سے ان حضرات کی مالی حالت اگرچہ روز بروز کم ہوتی گئی۔ دنیا کی کس مپرسی اور زمانہ کی نامہربانی نے ان کو پانی کی طرح آنکھوں سے گرا دیا مگر باوجود اس جاہ و جلالت اور شان و عظمت کے یہ حضرات اپنے مسیر قناعت پر گوشہ نشین اور عزلت گزین رہتے تھے ویسی نمودار اور ذی اقتدار کسی فرماں روائے سلطنت کو اپنے سریر حکومت پر نصیب نہیں ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسا مسلمہ امر ہے جس پر تمام اسلامی فرقوں کا اعتراف واتفاق ہو چکا ہے۔ اور اہل اسلام کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں بھی اس کو تسلیم کر چکی ہیں۔ اور اسی سے آیۂ کریمہ اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ کے اصلی مدعا کو بخوبی سمجھ لیا جا سکتا ہے۔ بہرحال اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں

اتنا اوپر بیان ہو چکا ہے کہ امام عصر کو سلاطین کی احتیاج نہیں مگر سلاطین کو امام عصر کی ضرور احتیاج ہے۔ دنیا کو ہر وقت امام کی ضرورت ہے اور امام اپنے منصب امامت کے اعتبار سے تمام مخلوق کی ہدایت اور حفاظت شریعت کا ذمہ دار ہے امام منصوب من اللہ کے مقابلہ میں امام مامور عن الناس کا کوئی وجود اور کوئی ہستی ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور اگرچہ وہ اپنے مدارج و مناصب میں ترقی کرتا ہوا کتنا ہی اعلےٰ کیوں نہ ثابت ہو مگر وہ امام منصوب من اللہ کا فضائل و مراتب میں کبھی مساوی اور برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عام اس سے کہ کتنی ہی بڑی عظمت و جلالت اور شان و شوکت کا کوئی بادشاہ اور بہت ہی بڑی اقلیم کا فرمانروا کیوں نہ ہو۔ اور وہ اپنی موجودہ ثروت و اقتدار کی بدولت چاہے دنیا بھر سے مستغنی اور بے پروا کیوں نہ ہو۔ مگر تاہم وہ امام منصوب من اللہ کا کسی نہ کسی وقت میں ضرور محتاج ہوگا۔ اور جب اس کا امور شرعیہ اور نصاب دینیہ کی ضرورتوں سے مقابلہ ہوگا تو وہ آخر کار ہر طرف سے مجبور ہو کر پھر انہی نفوس قدسیہ کی طرف رجوع کریگا کیونکہ ان امور کی کشودکاری سوائے ان حضرات کے کسی دوسرے سے دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ نظام قدرت اور نصاب مشیت نے ایسا نہیں کیا کہ ان حضرات کے سلسلہ تبلیغ کو کسی وقت دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی رکھا ہو۔ سیر و تواریخ کی کتابوں سے جہاں تک ان امور کا تفحص و تجسس کیا جاتا ہے یہ امر اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنی قدرت کے اعلان کے ساتھ ان حضرات کے کمال فضیلت کا اظہار فرما دیا ہے اور تنہا اظہار ہی نہیں فرمایا ہے بلکہ ان تمام خاص مخالفین سے جو ان حضرات کے ساتھ ہمیشہ سے مساوات اور ہمسری کے دعوے کرتے چلے آتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ان کے محامد و اوصاف سے اپنی ذات کو بھی موصوف بتلاتے ہیں۔ ایک آدمی کے سامنے نہیں ہزارہا آدمیوں کے سامنے ان کے شرف و فضیلت کا اعتراف و اقرار کروا دیا اور اسی تصدیق و توثیق کو ان کی حقیقت و فضیلت کا اصلی معیار قرار دیدیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

مخالفین کا ان حضرات مقدسین کے شرف و فضیلت پر اقرار اور ان سے استمداد اور ان کی اعانت کا اعتراف کرنا ہم ذیل میں قلمبند کر کے کمالِ قدرت کے ادنےٰ نمونے اور کرشمے کو دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تاریخ و سیر کی چھوٹی بڑی تمام کتابیں بتلا رہی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زمانہ کی توجہ کا رخ اور اہل زمانہ کی التفات کی نظر ان کے ذریاتِ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے بالکل پھر گئی اور یہ حضرات رفتہ رفتہ پھر تو ایسے نا پرساں بنا کر چھوڑ دیے گئے کہ کوئی بھی شخص دنیا میں انکو کسی کام کے قابل نہ سمجھتا تھا اور محدود سے چند لوگوں کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کے فضائل و مدائح کا جاننے والا اور انکو انکی پوری شان اور معرفت کے ساتھ پہچاننے والا مشکل سے ملتا تھا فاعتبروا یا اولی الابصار ع اے فلک آں لہذا امر انتہائے اہلبیت

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کے جدید مدبرین نے خلافت۔ امامت۔ ولایت۔ غرض دنیا بھر کے محامد و محاسن کا مرکز اسی شخص کو قرار دیا جو اہلِ حل و عقد اہل عرب کی پنچایت ہی کی طرف سے خلافت کا منتظم قرار دیا گیا ہو مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان حضرات کے عجز و ناقابلیت کی کل کیفیت ظاہر ہو گئی۔ اور ان کے ظاہری اور مصنوعی دعوؤں کی ملمع کاری اور تمام بیرونی قلعی کھل گئی۔ اور تمام دینی اور شرعی مسائل کی ضرورتوں میں کیا اکثر سیاسی اور تمدنی امور کی مشکلوں اور ضرورتوں میں بھی ان کو پھر اسی نفسِ نفیس کی امداد و اعانت اور اصابتِ رائے کی محتاجی ہوئی جو ان کے زمانہ میں امام منصوب من اللہ کے درجۂ اعلےٰ پر ممتاز تھا چنانچہ حضرت عمر کے یہ اقوال اور ان کے عجز و معذوری کے اعتراف میرے بیان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ وہو ہذا۔

لا ابقانی اللہ بعدی یا علی (علامہ خجندی) لا یفتین احد فی المسجد وعلی حاضر (از امام عبد البر) اقضانا علی (امام سلفی) لولا علی لہلک عمر (ابن حجر) اعوذ باللہ من معضلۃ لیس لہا ابو الحسن (محب طبری) یا ابن ابی طالب ما زلت کاشف کل شبہۃ وموضح کل حکم (طبرانی) اللہم لا تنزل لی شدۃ الا ابو الحسن فی جنبی (امام طبری) عجزت النساء ان یلدن مثل علی ابن ابی طالب (ایضاً)

ایسے متواتر اور متعدد اعتراف اور اقرار کی موجودگی میں وہ کون شخص ہوگا جو اب بھی ان حضرات کے مسئلہ ترجیح و تفضیل کو ناتمام یا مشتبہ بتلائے گا۔

بہرحال ان اعترافات نے بتلا دیا کہ دنیا کے تمام درجہ اور طبقہ کے لوگوں کو امام منصوب من اللہ کی ضرورت اور محتاجی ضروری اور لازم ہے۔ ہم نے جہاں تک اس امر پر غور کیا ہے ہمکو ثابت ہوا ہے کہ کچھ مسائل شرعیہ اور امور دینیہ کی ضرورتوں پر موقوف نہیں بلکہ نظامِ ملکی کی ضرورتوں کے وقت بھی خاص خلافت راشدہ نے بھی جس کے برحق ہونے پر آج اسلام کا سواد اعظم ایمان لایا ہوا معلوم ہوتا ہے امام منصوب من اللہ کی طرف رجوع کی ہے اور ان میں بھی ان کی ہدایت کے مطابق ویسا ہی کام کیا ہے جیسا کہ امورِ شرعیہ کی تعمیل کی ہے۔ اور اسی وجہ سے ان امور میں ان کو برابر اور مسلسل کامیابی ہوتی گئی ہے جن لوگوں نے اسلامی تاریخ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ محاصرۂ روم اور فارس کے اہم مسائل پیش آنے کے وقت مجلسِ شوریٰ میں حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ میں سے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے استصواب رائے سے کام کیا۔ ہم نے اپنی کتاب سراج المبین فی تاریخ امیر المومنین حصۂ اول میں ان واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ من شاء فلیرجع الیہ۔

اب اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وجود امام علیہ السلام کی ضرورت کچھ امورِ شرعیہ اور ضروریاتِ دینیہ ہی میں درکار نہیں ہوتی تھی بلکہ سیاستِ مدن وغیرہ وغیرہ تمام ضرورتوں میں اس کی اطاعت اور متابعت ضروری اور مفید ثابت ہوتی ہے ہم نے اپنے موجودہ سلسلہ کے ہر نمبر میں ترتیب و تفصیل سے اس امر کو بیان کر دیا ہے۔ اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کے وقت سے لیکر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ تک امور شرعیہ و نصابِ دینیہ کو چھوڑ کر سیاستِ مدن کے ان واقعات اور مشکلات کو واضح طور سے لکھ دیا ہے جن میں ان حضرات سے پوری مدد لی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان واقعات سے ثابت

ہو گیا کہ دنیا اور دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جن میں امام زماں کی ہدایت اور اعانت کی ضرورت نہ پائی جاتی ہو۔ بایں ہمہ اگر دنیا کی غافل قومیں ایک حد اور مدت تک اُن کے وجود کو بیکار اور غیر مفید سمجھیں تو اُن کی حالتوں پر خود کردہ را علاجے نیست کی مثال صادق آئے گی اور اس میں خود اُن کا قصور اور اُن کے فہم و شعور کا پورا فتور ثابت ہو گا۔ نہ اس میں امام زماں کی کوئی خطا ظاہر ہوتی ہے اور نہ کوئی فرو گزاشت۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر خانۂ کعبہ کو خانۂ خدا نہ سمجھے اور اس لیے مناسک حج نہ ادا کرے تو خانۂ کعبہ زاد اللہ شرفہا کی نہ کوئی منزلت گھٹ سکتی ہے اور نہ اُسکی عزت و حرمت میں کوئی کمی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو کچھ بازپرس اور جواب دہی لازم آئے گی وہ اُسی مردِ مسلمان کے سر جائیگی جو اُس کے آداب کا قائل اور معترف ہو کر اس بات کی ہتک حرمت اور ترکِ عظمت کا باعث ہوا۔ اسی طرح ایک مسلمان کیا۔ خدانخواستہ سارے جہان کے مسلمان خانۂ خدا کے آداب کو ترک کر دیں تاہم اُس کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آ سکتی اور نہ اُس کے لیے یہ مجبوری ہو سکتی ہے کہ وہ خود ان مسلمانوں سے اپنی عظمت کیے جانے کی درخواست کرے یا متمنی ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں بھی اُنہی مسلمانوں کا فرض ہو گا کہ وہ اپنی ضلالت و جہالت سے تائب ہو کر پھر اُس حرم محترم کی طرف رجوع کریں اور اُسکے آداب بجا لائیں۔

بہر حال میرے اس تمام و کمال بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ سلاطین اور فرمانروایانِ ملکی نے اپنے ملکی یا مالی اقتدار و اختیار کے مقابلہ میں حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کو کسی لائق نہیں سمجھا اور نہ اپنی ملکی رعایا کو اُنکی اقتدا اور متابعت کرنے دی تاہم اُن کے فضائل و مراتب میں کوئی کمی نہیں آئی۔ نہ وہ اپنے مناصب سے علیحدہ کیے گئے اور نہ اپنے فرائض کی ادا کاری اور انجام دہی سے جدا ہوئے۔ اُن کی خاص حالتیں اگرچہ کیسی ہی گئی گزری کیوں نہ ہوں اور وہ اپنی نا داری اور عسرت کی وجہ سے بالکل درماندگی اور دست و پا شکستگی کی حالتوں میں کیوں نہ بسر کرتے ہوں تو اس سے کیا۔ اُن کے ارشاد و ہدایت کے آثار۔ اُن کی عظمت و جلالت کے اقتدار اُسی طرح تمام بلادِ اسلامی میں جاری اور قائم رہے ❊

آپ کے نظام امامت

اتنا تمہیداً عرض کر کے پھر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آ جاتے ہیں جناب قائم آل محمد علیہ السلام نے اپنے پدر عالی مقدار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے عہدۂ جلیلہ اور منصبِ رفیعۂ امامت کے فرائض جو منجانب اللہ آپ کے سپرد فرمائے گئے تھے انجام دینے شروع کر دیے۔ مگر چونکہ ابتدا ہی سے نظامِ مشیت نے آپ کے تمام امور کو ایک خاص اختفا کی حالت میں رکھا جانا عین مصلحت سمجھا تھا جس کو ہم مفصل طور سے اوپر کی بحث میں بیان کر آئے ہیں۔ اس لیے ان فرائض کے متعلق تمام احکام بہت بڑی حزم و احتیاط کے ساتھ اُنہی سفرا اور نائبین کے ذریعہ سے انجام دیے جاتے تھے جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ ہی سے مومنین خالصین کے اغراض و مقاصد کو آپ کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ اُن کے عہد کرامت مہد سے آپ کے وقت کی دشواریاں بڑھ گئی تھیں جن کے اسباب عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان سے مفصل معلوم ہوں گے۔ اسلیے اُن انتظامات میں پہلے سے زیادہ اضافات فرمائے گئے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے وقت تو صرف رقم خمس وغیرہ کے ایسے امور کی وصولی میں سفرا اور نائبین وغیرہ کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ پھر بھی آپ کی خدمت میں مومنین کا جمع ہونا جو مخالفین کی ازدیادِ مخالفت اور آپ کی تکلیف و زحمت کا باعث ہوا۔ اس ترکیب سے روک دیا گیا تھا۔ مگر آپ کے عہد میں یہ دشواری اور مجبوری روز بروز ترقی کرتی گئی۔ قیامت تو یہ ہوئی کہ بیرونی جوڑ توڑ والے تو علیحدہ رہے جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف اور جانی دشمن آپ کے گھر والے نکلے جنہوں نے محض جھوٹی اور بے سرو پا باتیں

آپ کی طرف سے اگا کر خلیفہ کو اور بھڑکا دیا۔ اس لیے جیوں جیوں ان مخالفین کی مخالفانہ گرم بازاری بڑھتی گئی ویسے ہی ویسے آپ کے نظامِ امامت میں رازداری اور حفاظت و ہوشیاری کے اضافات بھی منجانب اللہ زیادہ ہوتے گئے۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے وقت سے رؤیت عموماً موقوف ہو کر خاص خاص۔ وہ بھی صرف معدودے چند خوش قسمت حضرات تک مخصوص و محدود رکھی گئی تھی۔ آپ کے خاص زمانہ میں تو عام یا خاص رؤیت کا شرف عموماً سب کے لیے ممنوع ہو گیا۔ اور جملہ امور کی اطلاع اور احکام و نصاب ہدایت کے تمام اجرا و اعلان سفرا و نائبین سے متعلق کر دیے گئے۔ اور انہی حضرات کو حضوری اور زیارت کی دولت بھی نصیب ہوتی رہی۔ مگر جب مخالفین کی شورش اور زیادہ ہو گئی تو یہ سفرا بھی عموماً زیارت سے محروم رہنے پر مجبور کر دیے گئے۔

سفرا و نائبین و حاجزین کے حالات

اگرچہ سفرا و حاجزین اور نائبین وغیرہ کے انتظامات جناب امام علی نقی علیہ السلام ہی کے زمانہ سے تھوڑے تھوڑے شروع تھے۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں یہ انتظام کامل ہو چکے تھے۔ کہ جیسا کہ ہم اپنی کتاب العسکری علیہ السلام میں بیان کر چکے ہیں۔ کہ یہ حضرات مومنین سے رقوم خمس وصول کر کے خدمتِ امام میں پہنچا دیا کرتے تھے جناب قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ و الثناء کے عہد میں بھی اگرچہ یہی خدمات ان حضرات سے متعلق رہیں مگر وصولی خمس کی ضرورتوں کے ساتھ ہی اور تمام امور کی اطلاع و اجرا کا بھی کافی اضافہ فرما دیا گیا جس کی کوئی اور وجہ سوائے اس کے نہیں ہو سکتی تھی کہ رؤیت کے ممنوع ہو جانے کے باعث ہدایت عامہ۔ استحفاظ شریعت اور دیگر ضروریات کے اجرا و انجاح کی کوئی دوسری سبیل بغیر ان انتظامات کے نہیں تھی۔ ساتھ اگر حقیقت میں یہ انتظام جاری نہ فرمائے جاتے تو شاید وقت ولادت سے لیکر غیبتِ صغریٰ تک آپ کی

حیاتِ والا صفات کا زمانہ محض بیکار ثابت ہوتا۔ بجز اس کے ان ظہورات سے احیائے سنت حفظانِ شریعت اور اجرائے ہدایت کی انتظام کی یہ صورت تھی کہ بڑے بڑے شہروں میں دو دو تین تین بلکہ اس سے بھی زائد سفرا مقرر فرمائے گئے اور قریوں اور قصبوں میں ایک ایک یا ایک سے زائد سفرا کے نائبین مقرر کئے گئے۔ اور قریوں اور قصبوں سے بھی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نائبین سفرا کی ماتحتی میں حاجزین مقرر ہوئے۔ حاجز عربی کا اسم فاعل ہے جس کے معنی حد فاصل ہونے کے ہیں۔ اور مجازاً ذریعہ اور وسیلہ اور واسطے کے بھی ہو سکتے ہیں اور یہاں بطور مجاز انہی معنوں میں مستعمل ہے۔ بہت سی ایسی ایسی چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی تھیں جہاں مومنین کی تعداد بالکل کم تھی اور باعتبار شمار کے وہاں ایک علیحدہ سفیر۔ نائب یا حاجز مقرر کیے جانے کی مصلحت نہیں تھی۔ اس لیے ایسے ایسے دو دو۔ تین تین۔ چار چار مقامات کو ایک آبادی قرار دیکر ایک وکیل۔ سفیر یا حاجز کے سپرد فرما دیا گیا۔ پھر ان سفرا۔ نائبین سفرا۔ حاجزین اور وکلا پر وہ مقدس بزرگ رأس الرئیس مقرر کیا گیا جو شہر بغداد میں بالاستقلال مقیم رہتا تھا۔ اور وہاں کا مقامی تھا۔ یہ تمام حضرات اپنے تمام مطالب و مقاصد کو اس کے ذریعہ سے امام زمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور وہ اپنی ہی معرفت تمام معروضات مومنین پر آپ سے حکم و احکام حاصل کرتا تھا۔ اموالِ خمس کے جمع کرنے کے بھی یہی طریقے تھے۔ مگر بعض حالات و واقعات کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات نے بلا واسطہ نوابین و سفرا وغیرہم کے اپنے معروضات کے جواب پائے ہیں۔ مگر جہاں تک اس مادہ میں ہماری تحقیق کام کرتی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ امور مستثنا آپ کے ظاہری نظام سے علیحدہ ہو کر آپ کے روحانی اعجاز و کرامات سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور نظام مشیت اور احکامِ قدرت پر موقوف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسے امور کا ظہور انہی وقتوں میں پایا جاتا ہے جب کوئی مشتبہ اور مشکوک فی امامت آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوا ہے اور اپنے مسائل کو امتحاناً اپنے دل میں رکھ کر یا غیر امتحاناً عریضہ کی

معمولی صورت میں لکھ کر کسی خادمِ خاص کے ذریعہ سے خدمتِ مبارک میں بھیج چکا ہے۔

سفرا اور نائبین کے نام اور مقامِ ماموریت

اب ہم آئندہ بیان میں اُن حضرات کے نام نامی اور اُن کے مقامِ ماموریت درج کرتے ہیں جو آپ کی طرف سے مامور ہو کر ان خدمات کو انجام دیتے تھے مگر قبل اس کے کہ ہم ان حضرات کی تفصیل کو بیان کریں ہم کو یہ لکھ دینا نہایت ضروری ہے کہ ہم اس تفصیل و تشریح سے کہ یہ حضرات ان خدمات و مناصب پر کس وقت سے کس وقت تک قائم رہے اور اُن کے دورانِ تعیّن میں اور کون کون سے واقعات پیش آئے بالکل مجبور اور قطعی عاجز ہیں۔ اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ امور بالکلیہ اسرارِ ربانی اور آثار و آیاتِ یزدانی سے تعلق رکھتے تھے۔ اُنکی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنا مشیت کے نظام اور قدرت کے انتظام میں خواہ مخواہ مداخلت کرنا ہے جو انسان کی شان کے خلاف اور اُس کے امکان سے باہر ہے۔

ملا باقر مجلسی علیہ الرحمۃ بحار الانوار جلد سیزدہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے نوابین کے سلسلۂ مخصوصہ میں سب سے پہلے عثمان بن سعید عمری رضی اللہ عنہ کو امرِ نیابت تفویض کیا گیا۔ ان کی وفات سنہ ۲۹۵ ہجری میں واقع ہوئی۔ یہ بزرگ جناب امام علی نقی علیہ السلام کے اصحابِ معتمدین سے بھی تھے۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھی۔ اِن کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد ابن عثمان عمری رضی اللہ عنہ اِس عہدۂ جلیلہ پر ممتاز ہوئے۔ ان کی وفات سنہ ۳۰۴ ہجری میں واقع ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد نیابت کا عہدہ حسین ابنِ روح رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمایا گیا جو آپ کے آخر نائبین میں سے تھے۔ یہ بزرگ غیبتِ کبریٰ سے چند سال پیشتر تک ان خدمات کو انجام دیتے رہے بعد اس کے انتقال فرما گئے۔ ان کے انتقال فرما جانے سے نیابت کا عہدہ قطعی طور پر موقوف ہو گیا اور پھر کوئی دوسرا نائب نہ ہوا۔ ان کا انتقال سنہ ۳۲۹ ہجری میں واقع ہوا۔ اور سنہ ۳۳۰ ہجری سے غیبتِ کبریٰ کے ایام شروع ہو گئے۔

بہر حال یہ حضرات تو وہی تھے جو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے نائب اور قائم مقامِ ظاہری تسلیم کیے جاتے تھے اب ہم وکلا و سفرا۔ نائب سفرا اور حاجزین وغیرہ کے نام اور اُن کی ماموریت کے مقام ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

محمد ابن عبد اللہ کوفی جو وکلائے کوفہ سے تھے اور بذاتِ خاص اِس عہدہ کی خدمات بجالاتے تھے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے نائبِ خاص کے علاوہ شہر بغداد میں تین حضرات آپ کی سفارت اور وکالت کی خدمات پر مامور تھے۔ یہ امر اس وجہ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ دار الحکومت ہونے کی وجہ سے شہر بغداد (بغداد) تمام روئے زمین میں اسلامی دنیا کا مرکز تسلیم کیا جاتا تھا جہاں ہزارہا شیعہ آباد تھے جو تقیہ کے احکام کے مطابق کتمانِ ایمان کے طریقہ پر قائم تھے۔ مگر باطنی طور سے وہ شریعت کے تمام اعمال احکامِ ظاہری کے مطابق بجالاتے تھے اور ایسا کرنے کے لیے وہ مجبور تھے۔

اِن مقامی باشندوں کے علاوہ بلادِ اسلامی کے تمام شیعہ اپنی ضرورت سے یہاں آتے تھے اور خاص کر نوابین اور سفرا و وکلاءِ امام علیہ السلام سے ملکر شریعت کے احکام اور دریافت مسائل کی بھی ضرورتیں اُن کی بیشمار اور لاتعداد جماعتوں کو مختلف دیار و امصار سے یہاں کھینچ لاتی تھیں۔ پھر اتنی کثیر لوگوں کی مختلف اور متفرق ضرورتوں کو ایک نائب تنہا اپنی ذات سے کیسے انجام دے سکتا تھا۔ اور اگر وہ اپنے خلوص و عقیدت کی وجہ سے ان امور کو کسی نہ کسی طرح پورا بھی کرتا تو پھر رازداری اور احتیاط کے بندوبست کامل نہیں ہو سکتے تھے۔ افشاء راز کا خوف لگا تھا اسی وجہ سے خاص کر شہر بغداد میں نائبین کے علاوہ متعدد سفراء و وکلاء کا مقرر کیا جانا نہایت ضروری اور مفید تھا۔ انھی امور پر لحاظ و غور کر کے شہر بغداد میں نائبین کے علاوہ بلالی اور عطار رحمہما اللہ تعالیٰ وکالت کے عہدہ پر مامور فرمائے گئے۔ کوفہ میں عاصمی اور محمد ابن عبد اللہ کوفی وکالت کا کام کرتے تھے۔ اہواز میں محمد ابن ابراہیم ابن مہزیار مامور

تھے۔ قم میں احمد ابن اسحاق اس خدمت کو انجام دیتے تھے ہمدان میں محمد ابن صالح اس عہدے پر مقرر تھے۔ رَے میں دو بزرگوار سفارت و وکالت کی خدمات بجا لاتے تھے اس لیے کہ یہاں شیعہ آبادی اس وجہ سے زیادہ ہو گئی تھی کہ وہ غریب اور مصیبت زدہ شیعہ جو سلاطین عباسیہ کے ظلم سے خارج البلد کیے گئے تھے یہیں آکر آباد ہوئے تھے بہرحال اس علاقہ میں بسّامی اور اسدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عہدۂ سفارت و وکالت پر فائز تھے۔ آذربائجان میں قسم ابن علاء رحمۃ اللہ علیہ سفارت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شہر نیشاپور میں محمد ابن شاذان علیہ الرحمہ کو یہ عہدہ تفویض فرمایا گیا تھا۔

ان حضرات کی خدمات یہ تھیں کہ اُن کی خاص سکونت اور دیگر مقامات قرب و جوار کے مومنین اپنے اپنے مسائل اور دیگر ضروریاتِ شرعیہ جن میں حکم امام علیہ السلام کی خاص ضرورت واقع ہوتی تھی اُن کے پاس لیکر آتے تھے اور اپنے مدعا کو خواہ زبانی یا تحریری ذریعوں سے بیان کرتے تھے۔ اور یہ حضرات اپنے انتظامات سے اُن سب کے یہ مراسلات آپ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچا دیتے تھے اور اُس کے مناسب جوابات آپ کے دستخط اور مہرِ خاص سے منگا کر اُن کو حوالہ کر دیتے تھے اور یہی تحریری احکام شیعی دنیا میں توقیعاتِ مقدسہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض اوقات مومنین کی زبانی گزارش یا تحریری عرضداشت خود بذاتِ خاص یہ سفراء اور وکلاء لوگ آستانِ مبارک پر حاضر ہو کر عرض کرتے تھے اور حکم و احکام لیکر اپنے مقامات پر واپس جاتے تھے۔ مگر ان کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ ہر بار یہ حضرات آپ کی زیارت سے بھی مشرف ہو سکیں۔ کبھی کبھی مشرف بھی ہوتے تھے اور کبھی نہیں بھی۔ ماذون نہ ہونے کی حالت میں یہ حضرات کسی خادمِ امام کے ذریعے سے خدمتِ مقدس میں پیش کرتے تھے اور حکم و احکام منگا لیتے تھے۔ مگر واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفراء اور وکلاء بھی اکثر اوقات اپنی معروضات کو خواتین آنحضرتؑ کے ذریعہ سے پیش کرتے تھے۔ مگر یہ امور زیادہ تر

مالی معاملات میں ثابت ہوتے ہیں اور حقِ امامؑ یا اموال خمس وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی اسی طریقہ سے ہوتی تھی اور یہ وہی طریقہ تھا جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے عہدِ امامت سے برابر جاری تھا۔

علاوہ ان ضروریاتِ دینیہ کے جو اوپر لکھی گئیں وہ اموال۔ ہدیہ اور انواع و اقسام کے تحائف اور مختلف طرح کے اسباب۔ جنس اور اموال جو منجانب خدا و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حقِ امام علیہ السلام قرار پا چکے تھے مومنین مخلصین اپنے اپنے مقامات کے سفراء و وکلاء کے پاس خدمتِ امامؑ میں پہنچا دینے جانے کے لیے امانتاً جمع کر جاتے تھے۔ اور وہ حضرات اپنے توسل اور معرفت سے یہ رقوم آپ کی خدمت میں پہنچا دیتے تھے۔ آپ کی خدمتِ بابرکت سے اُن کی رقم کی رسیدیں نام بنام ہر ارسال کنندہ کے نام علیحدہ علیحدہ مع سفراء کی معرفت کے مہر و دستخط سے خاص طور پر خواتین کے پاس آتی تھیں اور وہ لوگ سفراء کے پاس بھیج دیتے تھے اور سفراء سے ارسال کنندگان کو مل جاتی تھیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ان اموال کے داخل کرنے کے وقت یہ سفراء اور خواتین بذاتِ خاص ان مومنین ارسال کنندگان کی کوئی تفصیل یا فہرست داخل نہیں کرتے تھے۔ صرف تعداد۔ رقوم اور اقسام اموال مندرج کر دی جاتی تھی جو ازراہِ اعجاز ان مومنین کے نام فرداً فرداً رسیدیں اپنے مہر و دستخط سے مزین کر کے ارسال فرمائی جاتی تھیں۔ سفراء اور وکلاء کی طرح خواتین بھی بعض اوقات ان رقوم کو اصالتاً داخل کرنے کی غرض سے آستانِ مقدس پر حاضر ہونے کی جرأت کو مصلحت نہیں سمجھتے تھے تو ان رقوم کو ایسے وقتوں میں خادمانِ خاص کی معرفت خدمتِ اقدس میں بھیج دیا کرتے تھے۔

اکثر اوقات دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اموال کا خدمتِ مبارک میں رکھ لیا جانا ہمیشہ ضروری نہیں تھا بلکہ اکثر اوقات ملاحظہ سے مشرف فرما کر پھر یہ رقوم و اموال

تو ابین کے پاس بھیج دیے جاتے تھے اور پھر وہاں سے اسی وقت یا کچھ عرصہ کے بعد مستحقین مومنین میں حسبِ ضرورت تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ زیادہ تر ان اموال کے صرف کرنے کے یہی طریقے اور اصول تھے۔ اور حقیقتِ حال اور قرائن و واقعات بھی ایسا ہی بتلا رہے ہیں کہ تقسیمِ اموال یا اُن کا ذخیرہ کرنا اس زمانہ میں اگر آپ کے خاص ذاتی اہتمام سے ہوتا تو کس قدر غیر مناسب اور مخالفِ مصلحت تھا۔ ہاں ان اموال و رقومِ مرسلہ کی جانچ البتہ آپ کی ذاتِ ہمایوں صفات سے متعلق تھی۔ اور وہ چیزیں جو ان اموال میں غیر مشروع طریقہ سے حاصل کردہ پائی جاتی تھیں فوراً واپس کی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ناقص روپے اور نابنائی ہوئی اشرفیاں بھی خدمتِ اقدسی برکت سے اسی وقت واپس اور ممتنع فرمائی جاتی تھیں۔ اکثر اوقات کمی اور بیشی مال کی بھی فوراً خبر دیدی جاتی تھی۔ اور سفرا اور وکلا کو لکھ دیا جاتا تھا کہ تمہاری مرسلہ اشیاء میں سے اتنی اشیاء نہیں ہیں یا اتنی رقم کی جگہ تم نے اتنی ہی رقم بھیجی ہے۔ اتنی ابھی اور باقی ہے۔ یہ امور اکثر سفرا اور وکلاء کے اتفاقی سہو و نسیان کی وجہ سے واقع ہو جاتے تھے۔ کیونکہ بعض اوقات یہ اشیا سفرا اپنے مقام پر بھول جاتے تھے۔ لہذا آپ کی خدمت میں نہیں پہنچتی تھیں۔ مگر ایسی خاص حالتوں میں اُن کو اُن کی فروگذاشتوں سے آگاہ کر دیا جاتا تھا اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ مومنین کے اموال کے ساتھ سفراء و وکلاء کی خاص چیزیں بھی مل کر چلی آتی تھیں وہ فوراً اُن کے پاس لوٹا دی جاتی تھیں اور اُن لوگوں کو حقیقتِ حال سے مطلع کر دیا جاتا تھا۔

آپ کے نظامِ امامت کے متعلق چند واقعات

اب ہم ذیل کے بیانات میں چند ایسے واقعات قلمبند کرتے ہیں جن سے ہمارے اوپر کے بیان اور دعوے کی مکمل تصدیق ہوتی ہے۔

(۱) یحیی ابن کثیر نوبختی بیان کرتے ہیں کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائب اور سفیر حضرت ابو جعفر ابن عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بار مومنین قم کا کچھ مال خدمتِ امامِ علیہ السلام میں پہنچا دیے جانے کے لیے آیا۔ اُس شخص آرندہ مال نے وہ امانت اُن کے حوالہ کر کے جونہی چاہا کہ اُن کی خدمت سے واپس آئے ویسے ہی جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت سے ایک حکم نامہ ابو جعفر رضہ کے نام صادر ہوا۔ اُسے پڑھ کر انہوں نے حامل کو واپس بلایا اور کہا کہ مال امام علیہ السلام میں سے کوئی چیز تمہارے پاس چھوٹی تو نہیں رہی؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھی طرح یاد کر لو۔ ایسا تو نہیں کہ کسی شے کو تم اس وقت سہو کرتے ہو۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے تمام و کمال چیزیں آپ کے حوالہ کر دیں۔ ابو جعفر رضہ نے فرمایا نہیں کچھ نہ کچھ تمہارے پاس ضرور رہ گیا ہے۔ اپنی فرودگاہ پر جاؤ اور اچھی طرح تلاش کرو اور اپنے ذہن میں بھی خوب یاد کر لو۔ چنانچہ وہ دو تین روز تک اپنے دل میں یاد کرتا رہا مگر کوئی چیز اس کے ذہن میں نہ آئی اور اس نے اپنی فرودگاہ میں بھی ہر چند ڈھونڈھا مگر کچھ نہ پایا۔ اب وہ پھر حضرت ابو جعفر رضہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ میں نے خوب تجسس و تلاش کیا۔ مال امام علیہ السلام میں سے اب کوئی چیز میرے پاس باقی نہیں ہے جو چیزیں تھیں وہ سب آپ کی خدمت میں حوالہ کر دیں۔ انہوں نے خود فرمایا کہ حضرت قائم آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مال امام علیہ السلام میں سے دو پارچہ سرمائی جو فلاں شخص مومن نے مال امام علیہ السلام کے متعلق تمہیں دیے تھے وہ کہاں ہیں؟ اتنا سننا تھا کہ اس شخص کو فوراً یاد آ گیا اور اس نے کہا کہ البتہ یہ پارچے مجھے ضرور دیے گئے تھے مگر مجھے اس وقت یاد نہیں کہ میں نے انہیں کہاں رکھا ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر اپنی فرودگاہ پر واپس آیا۔ اور اپنے اور اپنے تمام ہمراہیوں کے اسباب میں چھان مارا مگر کہیں ان پارچوں کا نشان نہیں ملا۔ آخر عاجز ہو کر پھر ابو جعفر رضہ کی خدمت میں واپس آیا۔ اور حقیقت حال کہہ دی۔ ابو جعفر رضہ نے ارشاد کیا کہ تمہیں حکم ہوتا ہے کہ فلاں پنبہ فروش کی دکان پر تم بیٹھے تھے اور اس کے روئی کے گٹھوں کو الٹ پلٹ کر رہے

پہنچے وہ دونوں پارچے وہیں چھوٹ گئے ہیں۔ وہیں چلے جاؤ اور انہیں گٹھوں میں تلاش کرو۔ یہ سن کر وہ شخص اس مقام پر آیا اور حسب الارشاد اُن گٹھوں کے نیچے دیکھا تو وہ دونوں پارچہ سرہانی دبے ہوئے پڑے تھے۔ اُس نے اُن پارچوں کو اٹھالیا اور پھر ابوجعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس آیا اُن کو دیا اور اپنے وطن کو لوٹ گیا۔

(۴) احمد ابن ابی روح بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایک مرتبہ دینور کی رہنے والی عورت نے بلا بھیجا۔ جب میں اُس کے پاس گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگی کہ میں تمہیں ناحیہ مقدسہ کے بزرگوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور معتمد سمجھتی ہوں اور تمہارے زہد و ورع سے بھی خوب واقف ہوں۔ میں تمہیں اس وقت ایک امانت سپرد کرتی ہوں۔ میں جسے کہوں تم اُسے پہنچا دو اس نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ میں ایسا ہی کرونگا۔ یہ سن کر اُس نے مجھے ایک تھیلی دی اور کہا کہ اس میں درہم بے ہوئے ہیں مگر تم اسے کھول کر نہ دیکھنا تاوقتیکہ اُس کے پانے والے کے پاس اسکو نہ پہنچا لینا۔ اور وہ پانے والا ابھی جب تک کہ تم کو اس کے اندر کے درہموں کی پوری تعداد نہ بتلا دے تم اس کو یہ تھیلی نہ دینا۔ علاوہ اس کے یہ میرا گوشوارہ ہے اس کی قیمت دس دینار ہے۔ اس میں تین موتی نگے ہیں ان کی قیمت بھی دس دینار ہے۔ مجھ کو حضرت صاحب الامر علیہ السلام سے ایک خاص حاجت ہے مگر اسے خود بیان کرنا نہیں چاہتی۔ بلکہ آپ ہی کی زبان صداقت ترجمان سے سننا چاہتی ہوں۔ جیسا آپ اپنی زبان مبارک سے میری حاجت بیان فرما دیں اور اسی طرح اُس کیسہ کے اندرونی درہموں کی صحیح تعداد بتلا دیں تو اُس وقت تم یہ دونوں چیزیں میری طرف سے اُن کی خدمت مبارک میں نذر کر دینا میں نے کہا کہ اگر جناب صاحب العصر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری حاجت مجھ سے خود بیان بھی فرما دیں تو میں اُس کی تصدیق کیسے کر سکتا ہوں اور (معاذ اللہ) اُس کو صحیح کیسے سمجھ سکتا ہوں اس لیے ضرور ہے کہ میں تمہاری اس حاجت کو پہلے تمہاری زبان سے سن لوں۔ تب البتہ حقیقت اور غیر حقیقت کی تمیز کر سکتا ہوں

یہ سنکر اُس عورت نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ میری ماں نے میرے بیاہ میں دس دینار قرض لیے تھے۔ وہ مر گئی مجھے اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ دس دینار کس سے قرض لیے گئے تھے۔ اب میں حیران ہوں کہ وہ دس دینار کس کو دیکر اپنی غریب ماں کو عذاب دین سے سبکدوش کر دوں۔ جناب قائم آل محمد علیہ السلام جب اس کی خبر دیدیں تو تم یہ گوشوارہ اور کیسہ اُن کی خدمت میں میری طرف سے نذر کر دینا یا جسکو آپ فرمائیں یہ گوشوارہ حوالہ کر دینا۔

چونکہ جعفر ابن علی نقی علیہ السلام کی مخالفت کا یہ فاحش زمانہ تھا اور اِن اموال کی روک تھام کے لیے مومنین پر سخت تاکید کی جاتی تھی اور نہایت جبر ظلم اور تشدد کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے میں نے اُس عورت سے احتیاطاً یہ بھی پوچھ لیا کہ اگر جعفر ابن علی نقی علیہ السلام مجھ سے اس مال کو طلب کریں تو میں کیا جواب دوں گا۔ اُس نے کہا کہ یہی امور جو میں نے ابھی تم سے بیان کیے میرے اور اُن کے درمیان امتحان کے واسطے کافی ہونگے اگر وہی تم کو اس تھیلی کے درہموں کی تعداد صحیح اور قرض والے قصہ کی صحیح خبر دیدیں تو تم بلا تامل یہ اشیاء انہی کے حوالہ کر دینا۔

احمد کا بیان ہے کہ میں وہ امانت لیکر روانہ ہوا اور چند روز کے بعد شہر بغداد میں داخل ہوا۔ اور حاجز بن یزید وشا کے پاس گیا۔ اُسکو سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کو مجھ سے کوئی خاص ضرورت ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اور وہ یہ ہے کہ میرے پاس مال امام علیہ السلام سے کچھ امانت ہے جسے میں تمہارے حوالہ کرنا چاہتا ہوں مگر اس شرط سے کہ تم اُس کی پوری حقیقت مجھے پہلے بتلا دو۔ یہ سن کر اُس نے کہا کہ ایسی حالت میں تمہیں سر من رائے جانا چاہیئے۔ وہیں تمہارا موجودہ مسئلہ حل ہو جائیگا۔ میں نے کہا لا الہ الا اللہ یہ تو آپ نے مجھے بہت سخت کام بتلایا ہے آخرکار میں مجبور ہو کر وہاں سے چلا اور سامرہ میں داخل ہوا اور قصد کیا کہ پہلے جعفر ابن علی علیہ السلام کے پاس جاؤں اور ان کا امتحان لوں۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے پہلے آستان مقدس پر حاضر ہونا ضرور ہے۔ چنانچہ میں دروازہ پر حاضر ہوا۔ فوراً ایک خادم اندر سے

باہر آیا اور کہنے لگا کہ احمد بن روح تمہارا ہی نام ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر اس نے مجھے رقعہ دیا جس میں تحریر تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے ابن روح بدعاتکہ بنت دیبانی نے تم کو ایک تھیلی دی ہے اور تم کو گمان ہے کہ اُس تھیلی میں ایک ہزار دینار ہیں۔ حالانکہ اتنی تعداد نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے اپنی خدمت کو خوب ادا کیا اور صاحب امانت کی ہدایت کے مطابق ابھی تک اُس تھیلی کو کھول کر نہ دیکھا۔ اُس تھیلی میں ایک ہزار پچاس درہم ہیں اس کے علاوہ تمہارے پاس گوشوارہ بھی ہے۔ اُس عورت کے اندازہ میں اُس کی قیمت دس دینار ہے اور اُس کا یہ اندازہ صحیح ہے۔ اس گوشوارہ میں دو نگینے بھی ہیں اور ان میں مروارید کے دانے بھی پروئے ہیں وہ بھی دس دینار پر خرید ے گئے ہیں۔ لیکن فی الحال اُن کی قیمت زیادہ ملے گی۔ اس گوشوارہ کو تو تم میرے فلاں خدمتگار کو دیدو کہ میں نے اُس کو اپنی طرف سے انعام میں دیدیا۔ اس کے بعد تم بغداد واپس جاؤ اور رقم ہمراہی حاجز کے سپرد کر دو۔ اور اُس سے اپنی زادراہ لے لو۔ اور عاتکہ کا سوال کہ اُس کی ماں نے اُس کی عروسی کے خرچ میں دس دینار قرض لیے تھے۔ اب وہ اپنے قرض دہندہ کو نہیں جانتی ہے۔ اِس امر کے متعلق اُس کو بتلایا جاتا ہے کہ اُس نے یہ دینار ام کلثوم بنت احمد سے قرض لیے تھے بےشبہ وہ خوب جانتی ہے مگر چونکہ ام کلثوم کا شمار فی الحال فرقۂ نواصب میں ہوتا ہے اس لیے عاتکہ کو چاہیے کہ یہ رقم اپنے اعزا اور اقارب پر خرچ کر ڈالے۔ اور اگر وہ اپنے اس فعل میں ہم سے اجازت طلب کرے تو میں اُسے اذن دیتا ہوں کہ وہ اس رقم کو محتاج مؤمنین پر تقسیم کر دے۔ اے ابن روح! ہماری یہ تحریر تمہارے اطمینان۔ تصدیق و توثیق کے لیے کافی ہے۔ اب تم اِن امور کو ابو جعفر سے دُہرانے کا بیکار انتظار نہ کرو اور اپنے وطن کو براہ راست واپس جاؤ۔ کیونکہ تمہارا مخالف مر گیا اور خداوند عالم نے اُس کے اہل و عیال کے ساتھ اس کے متاع و اموال بھی تم ہی سے متعلق فرما دیے ہیں۔ احمد ابن ابی روح کا بیان ہے کہ یہ حکم سن کر میں فوراً واپس ہوا اور حاجز کو وہ تھیلی دی۔ کھولی تو اُس میں ایک ہزار پچاس دینار سے ہوئے تھے۔ حاجز نے اُن میں سے تیس دینار مجھ کو زادراہ میں دیے۔ یہ رقم لیکر جونہی میں اپنی فرودگاہ پر واپس آیا ووہنی ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ تمہارے چچا نے قضا کی اور اُن کے اہل و عیال نے تمہیں بلایا ہے۔ جلد چلو۔ میں فوراً اُس قاصد کے ہمراہ ہولیا۔ مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ فی الواقع میرے چچا نے جو مادام الحیات مجھ سے ناراض رہا کرتا تھا انتقال کیا۔ اُس نے اپنی میراث میں تین ہزار دینار مجھ کو دیے ہیں۔

(۳) جناب شیخ مفید نوراللہ مرقدہ کتاب ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمد ابن عبداللہ سیارئی کا بیان ہے کہ حارث مرزبانی نے کچھ چیزیں مجھے دیں اور کہا کہ میں انہیں جہاں وہ چاہتے تھے (خدمت امام علیہ السلام میں) پہنچا دوں۔ اُن میں ایک طلائی خلخال تھی۔ میں نے حسب خواہش اُس کے یہ تمام چیزیں خدمت بابرکت میں پیش کر دیں۔ سب چیزیں تو قبول فرمالی گئیں مگر وہ خلخال واپس کر دی گئی اور مجھے حکم ہوا کہ اُس کو توڑ ڈالو۔ چنانچہ میں اُس کو لے کر اپنے مقام پر چلا آیا اور حسب الارشاد اُسکو توڑا تو اُس کے اندر لوہے۔ تانبے اور پیتل کی ملی ہوئی ایک چیز داخل تھی۔ میں نے اُسے نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور پھر خالص سونا خدمتِ امام علیہ السلام میں پیش کر دیا قبول فرمالیا گیا۔

(۴) کتاب ارشاد میں علی ابن محمد کی اسناد سے تحریر ہے کہ اُن کے احباب میں سے کسی بزرگ کے پاس کچھ مال امام علیہ السلام امانت رکھوایا گیا تھا کہ وہ اُسے آپ کی خدمت میں پہنچا دیں۔ اُس میں ایک تلوار بھی تھی اتفاقاً وہ تمام مال تو بجنسہٖ خدمت مطہر میں پیش کر دیا گیا مگر وہ تلوار سہواً چھوٹ گئی۔ سب چیزیں تو رکھ لی گئیں مگر ایک پرچہ کاغذ پر لکھا ہوا آیا کہ منجملہ اُن اشیائے مرسلہ کے ایک تلوار نہیں ہے جسے تم سہو کر گئے ہو۔ اتنا اشارہ پاتے ہی مجھے خیال آ گیا اور وہ تلوار بھی خدمت اقدس میں فوراً حاضر کر دی۔

(۵) کتاب النجوم میں جعفر ابن محمد ابن جریر طبری کی اسناد سے تحریر ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو العباس احمد سراج دینوری نے مجھ سے کہا کہ میں شہر اردبیل سے حج بیت اللہ کے شوق میں چلا اور شہر دینور میں داخل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کو کل ایک یا دو سال گزرے تھے۔ اور شیعہ امام زمان علیہ السلام کی تحقیق کے خاص مسئلہ میں سخت متفکر اور متحیر تھے۔ جب میرے ہم وطن مومنین نے میرا نام سنا تو وہ سب شاد و مسرور ہوئے اور بہت سے لوگ میرے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ مال امام علیہ السلام میں سے سو دینار ہمارے پاس جمع ہیں اور ہم لوگ وہ تمام و کمال رقم تمہارے حوالہ کیے دیتے ہیں کہ جو نصاب مخصوصہ اور طریقہ مقررہ ان اموال کے پہنچائے جانے کے لیے پیشتر سے مقرر ہو چکے ہیں انہی نصاب اور طریقہ سے تم ہماری رقم کو اس کے مرکز اصلی تک پہنچا دو۔ میں نے انکے جواب میں کہا کہ اے میرے بھائیو! یہ ایام حیرت ہیں اور میں خود اس خانہ مقدس میں امام وقت کو نہیں پہنچا تھا۔ ان لوگوں نے کہا اس کی پرواہ نہ کرو، ہم تم کو نہ چھوڑیں گے۔ اس مال کو لیجاؤ۔ اور تحقیق امام علیہ السلام کر کے اس کو ان کی خدمت میں پہنچا دو۔ کیونکہ تم سے بہتر اس کام کا کرنے والا اب ہم کو نہیں ملیگا۔ تمہارے زہد و ورع اور صلح و اتقا کا ہم لوگوں کو کامل یقین ہے مگر ہاں اتنا کام ضرور کرنا کہ بغیر دلیل واضح اور برہان روشن کے دیکھے کسی شخص کو ہم لوگوں کی رقم امانت دے بھی نہ ڈالنا کہ مفت ضائع ہو جائیگی۔

احمد سراج کا بیان ہے کہ جب میں وہاں سے چل کر شہر قرمیسین میں پہنچا تو میرے احباب میں سے وہاں ایک صاحب احمد ابن حسن رہتے تھے میں ان کی ملاقات کو گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت شاد و مسرور ہوئے اور بعوض ایک ہزار دینار نقد اور انواع و اقسام کے کپڑے ایک گٹھڑی میں مضبوط باندھکر میرے حوالہ کیے۔ اور مجھ سے اس گٹھڑی کی نسبت کچھ کہا اور نہ بتلایا کہ اس میں کیا گیا ہے۔ مجھ سے صرف اتنا کہا کہ میری یہ امانت اپنی ہمراہ لے لو مگر تا وقتیکہ کوئی شخص تم سے اس کی حقیقت حال کو خود نہ بتلا دے تم کسی کو بھی اسے نہ دینا۔

خلاصہ یہ کہ میں نے ان کی امانت بھی لے لی اور وہاں سے روانہ ہو کر شہر بغداد میں پہنچا۔ یہاں پہنچکر مجھے سفرا اور نائبین امام علیہ السلام کی تحقیق و تلاش پیدا ہوئی۔ لوگوں نے مجھے مختلف حضرات کے نام بتلائے۔ مگر ان حضرات میں خاص طور پر تین ہی بزرگواروں کے نام بتلائے گئے۔ مجھ سے کہا گیا کہ ایک صاحب باقطانی ہیں۔ دوسرے صاحب اسحٰق بن احمد نامی ہیں۔ تیسرے بزرگوار ابو جعفر عمری ہیں۔ ان تینوں حضرات کو امام علیہ السلام کی نیابت کا ادعا ہے۔ ان میں سے آپ جسے پسند کریں ان کی معرفت اور وساطت کو اختیار کریں۔ یہ سن کر سب سے پہلے میں انکی خدمت میں حاضر ہوا جن کا نام باقطانی تھا۔ جب میں انکے مکان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ بڑے ذی وجاہت اور صاحب شان و شوکت ہیں۔ ان کے طویلہ میں عرب کے اچھے اچھے اور قیمتی گھوڑے متعدد۔ برابر برابر بندھے ہوئے ہیں۔ اور خدمتگاروں کی معتدبہ جماعت علیحدہ علیحدہ خدمات پر مامور ہے۔ اور ان کے ارد گرد بہت سے لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔ میں بھی ان ہی لوگوں کے حلقہ میں ایک طرف سلام کر کے بیٹھ گیا۔ باقطانی صاحب نے نہایت خندہ پیشانی اور اخلاق سے میرے سلام کا جواب دیا۔ اور مرحبا کہہ کر مجھے بیٹھنے کی اجازت دی۔ میں اتنی دیر تک بیٹھا رہا کہ انکی صحبت کے تمام لوگ اٹھ گئے۔ جب پوری خلوت ہو گئی تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور مجھ سے میرے آنے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ میں دینور کا رہنے والا ہوں میں کچھ مال آپ کی امانت میں دینے کے لیے لایا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا لو دیدو۔ میں نے کہا کہ میں اسے بلا مشاہدہ حجت دینے کا مجاز و مختار نہیں ہوں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ اچھا کل آنا۔ میں اس دن تو واپس آیا۔ دوسرے دن ان کے پاس گیا۔ مگر آج بھی کوئی حجت واضح ان سے ظاہر نہ ہوئی۔ اسی طرح تین روز متواتر آیا گیا مگر بے نیل مرام واپس آیا۔ اس کے بعد میں اسحٰق ابن احمد کے پاس حاضر ہوا۔ ان کو

میں نے ایک جوانِ صالح پاکیزہ صورت پایا اور اُن کے مکان کی زیب و زینت اور سجاوٹ کو باقطانی کے مکان سے بھی زیادہ پایا۔ اور اُن کے اصطبل میں گھوڑے۔ نوکر چاکر۔ مال و متاع غرض یہ تمام چیزیں باقطانی صاحب کے گھر سے کہیں زیادہ پائیں۔

بہر حال یہاں بھی سلام کر کے میں نے ایک طرف اپنے لیے جگہ خالی کر لی اور بیٹھ گیا۔ اور صاحب خانہ نے بھی باقطانی صاحب سے زیادہ اپنی خوش اخلاقی کا اظہار فرمایا اور مرحبا کہہ کر مجھ کو اپنے قریب بٹھلایا۔ میں اتنی دیر تک ضرور خاموش بیٹھا رہا کہ اُن کی صحبت کے تمام لوگ اُٹھ کر اپنے اپنے مقام کو واپس آگئے۔ جب پوری خلوت ہو گئی تو اسحٰق نے مجھ سے میرے آنے کا باعث پوچھا۔ میں نے اُن کے استفسار میں بھی وہی کہا جو اس سے قبل باقطانی صاحب سے عرض کر چکا تھا۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ تین روز تک میں پھر حجت واضح کا متوقع بنا رہا۔ مگر اُن سے بھی کوئی دلیل ظاہر نہ ہو سکی۔

اسحٰق ابن احمد کے بعد میں ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُن کو میں نے ایک سن رسیدہ صاحبِ تواضع و انکسار بزرگ پایا۔ وہ اس وقت کمی کپڑوں کے اوپر ایک سفید پیراہن پہنے ہوئے تھے اور بالوں سے بنے ہوئے (کمبل کے) فرش پر بیٹھے تھے لعد کوئی غلام یا مصاحب وغیرہ اُن کے آس پاس نہیں تھے۔ اور نہ میں نے اُن کے گھر میں غلام۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ مال و اسباب غرض کوئی سامانِ دولت دیکھے اور نہ اسبابِ امارت۔ جاتے ہی میں نے اُن کی خدمت میں سلام کیا۔ مجھے جواب دیا اور اپنے پاس بلا کر بٹھا لیا۔ اور مجھ سے میرے حاضر ہونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کی کہ ممالکِ کوہستان سے آرہا ہوں۔ کچھ مالِ امام علیہ السلام لایا ہوں۔ یہ سُنتے ہی مجھ سے ارشاد کیا کہ اگر حقیقت میں تم اس مال کو اسی بندہ کو اسکی خدمت میں پہنچانا چاہتے ہو جس کے لیے تم لائے ہو تو فوراً شہر سامرہ میں چلے جاؤ۔ اور وہاں جا کر آستانِ مبارک کے وکیلِ خاص کا نام دریافت کر لو۔ اور اسی کے ذریعے سے یہ اموال خدمت امام علیہ السلام میں پہنچا دینا۔

احمد دینوری کا بیان ہے کہ بغداد سے چل کر میں شہر سامرہ میں پہنچا اور خانۂ امام علی نقی علیہ السلام کے متصل جا کر میں نے وکیلِ خاص کا نام پوچھا۔ دربانِ خانہ نے کہا کہ وہ کسی کام سے اندر گئے ہیں مگر وہ فوراً باہر آجائیں گے۔ میں دروازہ پر کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تشریف لائے۔ میں نے سبقت کر کے سلام کیا۔ اُنہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور وہاں سے مجھے اپنے خاص مکان پر لے گئے۔ اور میری بڑی خاطر و مدارات کی۔ پھر مجھ سے میرے آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے کہا کہ علاقۂ کوہستان سے آیا ہوں اور میرے ساتھ کچھ مالِ امام علیہ السلام ہے جسے میں بمشاہدۂ حجت تسلیم کرنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ بہت بہتر ہے اسکے بعد میرے لیے کھانا آیا۔ مجھ سے کہا کہ تم کھانا کھاؤ اور آرام کرو۔ کیونکہ تم زحمتِ سفر سے بالکل چکنا چور ہو رہے ہو۔ انشاء اللہ المستعان قبل مغرب میں تم کو تمہارے مدعائے دلی تک پہنچا دوں گا۔

احمد دینوری کا بیان ہے کہ میں نے کھانا کھایا اور فوراً سو رہا۔ یہاں تک کہ نماز مغرب کا وقت آگیا۔ میں اُٹھا اور میں نے نماز مغرب پڑھ لی۔ اور نماز پڑھ کر دریا کے کنارے چلا گیا اور غسل کر کے پھر اُن ہی کے دولت خانہ پر واپس آیا۔ اور اپنے بستر پر لیٹ رہا۔ یہاں تک کہ چوتھائی حصہ رات کا گزر گیا۔ اسی اثنا میں صاحب خانہ میرے پاس تشریف لائے اور ایک رقعۂ پیچیدہ مجھے عنایت فرمایا۔ میں نے اسے کھولا تو اُس میں یہ عبارت مندرج تھی۔

احمد دینوری آیا ہے اور ایک تھیلی میں سولہ ہزار دینار لایا ہے۔ وہ تھیلی اس اس قسم کی ہے اور اُس پر اس اس طرح کے نشانات ہیں۔ اس تھیلی میں اور بھی تھیلیاں ہیں اور اُن میں ایسے ایسے نشان ہیں۔ ان تھیلیوں میں ایک تھیلی فلاں شخص کی ہے جس پر اس طرح کا نشان بنا ہوا ہے۔ اور اُس میں اب قدر دینار لیے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے شخص کی فلاں تھیلی ہے اور اُس میں فلاں نشان موجود ہے اور اُس میں اتنے دینار ہیں جو ہیں سے ٹیسمہ کی ایک ایک کر کے تمام تھیلیوں کی پوری حالت اور علامت اُس میں صاف صاف لکھی ہوئی تھی حالانکہ ان ارسال

کنندگان میں سے ایک کے نام سے بھی میں واقف نہیں تھا سب سے آخر میں خصوصیت کے ساتھ یہ مندرج فرمایا گیا تھا کہ اس میں ایک تھیلی فلاں کاشتکار کی ہے جس کی فلاں علامت ہے اور وہ بنظرِ امتحان وتحقیق سائل کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

احمد دینوری بیان کرتے ہیں کہ اس تحریر کو پڑھ کر مجھے کامل یقین ہو گیا کہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کو بھیجنے والوں کے نام اور اُن کی مرسلہ رقوم کی صحیح تعداد مجھ سے بہتر معلوم ہے۔ پھر اس کے بعد اُسی تحریر مقدس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اطراف قرمیسین سے ایک اور بقچہ ہے جسے احمد ابن حسن ناورانی برادرِ اصواف نے اُس کو (احمد دینوری کو) دیا ہے۔ اس بقچہ میں بھی ایک تھیلی ہے۔ جس میں ایک ہزار دینار سے ہوئے ہیں۔ دینار کے علاوہ اِس بقچہ میں فلاں فلاں قسم کے کپڑے ہیں اور اُن کے ایسے ایسے رنگ ہیں یہاں تک کہ ایک ایک کرکے اُس بقچہ کے تمام کپڑوں کی بھی پوری تفصیل قلمبند تھی۔

احمد کہتے ہیں کہ اس تحریر کو بتمامہ پڑھ کر میں نے فوراً خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کا سجدۂ شکر ادا کیا۔ اِس لیے کہ اِس تحریر مقدس کے باعث وہ میرے تمام شکوک اور شبہے جو مجھے اپنی موجودہ حالت اور اشیائے امانت کے متعلق لگے ہوئے تھے بالکل زائل ہو گئے۔ اُس رقعہ میں یہ حکم بھی تحریر تھا کہ یہ تمام وکمال مال ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ کو حوالہ کر دیا جائے۔

جب میں یہ تحریر پڑھ چکا تو وکیل امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ اب تم یہاں سے بغداد چلے جاؤ۔ میں تم سے اس مال کے لینے کا مجاز نہیں کیا گیا۔ بلکہ ابوجعفرؓ تم سے اس کے لینے کے لیے ماذون و مختار فرمائے گئے ہیں۔ یہ سن کر میں اُن کی خدمت سے رخصت ہوا اور بغداد میں پہنچ کر حضرت ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھ کو بغداد سے سامرہ اور سامرہ سے بغداد تک آنے جانے میں تین روز لگ گئے۔ مجھ کو ابوجعفرؓ نے جونہی دیکھا فرمانے لگے کیا تم سامرہ نہیں گئے تھے۔ میں نے کہا میں وہاں گیا بھی اور آج واپس بھی آ رہا ہوں۔ ابھی ہم نے اُن سے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ یکجنبہ ایک ویسا ہی رقعہ جیسا کہ ان اخبار کی حوالگی کے لیے میرے نام آیا تھا۔ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھی آیا۔ جس میں یہ تحریر فرمایا گیا تھا کہ تم یہ تمام و کمال چیزیں لیکر ابوجعفر محمد ابن احمد ابن جعفر کوفی کو دیدو۔ یہ حکم پاتے ہی ابوجعفرؓ نے فوراً کپڑے پہنے اور مجھ سے کہا کہ اپنی تمام اشیاء ہمراہ لیکر میرے ساتھ چلے چلو۔ میں نے فوراً اُن کے ارشاد کی تعمیل کی اور اپنا مال و متاع لے کر اُن کے ہمراہ محمد ابن احمد ابن جعفر کے مکان پر پہنچا۔ میرے سامنے ابوجعفرؓ نے وہ تمام مال ایک ایک کرکے انھیں حوالہ کر دیا۔ پھر ہم اور وہ وہاں سے واپس آئے۔

احمد دینوری کا بیان ہے کہ یہ تمام مراتب طے کرکے میں بغداد سے براہ راست حجِ بیت اللہ کی غرض سے مکۂ معظمہ زادہا اللہ شرفاً کی طرف چلا گیا۔ اور حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر اپنے وطن مالوف شہر دینور میں بانیلِ مرام واپس ہوا۔ جملہ مومنین اُسی وقت میرے پاس جمع ہو گئے۔ میں نے وہ تمام توقیعات مقدسہ جن میں اُن تمام لوگوں کے نام اور اُن کی اشیاء اور اُن کی اقسام اُنکی وصولی و رسید کے ساتھ قلمبند فرمائے گئے تھے۔ اُن لوگوں کو دیدیے۔ اُن لوگوں نے اُس پرچہ مطہرہ کو جو خاص دستِ مبارک کی تحریر تھی اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر بمسرت و مفاخرت تمام پڑھنا شروع کر دیا۔ جب اُس کاشتکار کے کیسہ کے ذکر پر آئے تو ان لوگوں میں وہ بھی موجود تھا۔ اپنے کیسہ کا حال سنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھتے ہی ہم سب اُس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ جب وہ پھر ہوش میں آیا تو اُس نے سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا کہ شکر ہے اُس پروردگار عالم کا جس نے مجھ ایسے بندۂ حقیر کو راہ راست دکھلائی۔ واقعی آج مجھ کو یقین ہو گیا کہ کسی زمانہ اور کسی حال میں دنیا حجتِ الٰہی سے خالی نہیں رہ سکتی۔ میرے کیسہ کی حقیقت حال یہ ہے کہ میں اصل میں زراعت پیشہ آدمی ہوں مگر میرا یہ مالِ اصل نہیں ہے

مجھ کو ایک زرّاع نے یہ کیسہ خدمت امام علیہ السلام میں بھیج دینے کے لیے دیا تھا۔ اور میں نے امتحاناً حقیقتِ حال کو پوشیدہ رکھ کر اپنے نام سے دیا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی محمد و آلِ محمد (علیہم السلام)۔

احمد آگے بیان کرتے ہیں کہ دینور کی ضرورتوں سے فراغت کر کے میں احمد ابن حسن کے پاس شہر قزوین میں پہنچا۔ اُن سے ملا اور تمام واقعہ دُہرایا۔ اور وہ توقیعِ مبارک جو اُن کے خاص نام سے برآمد ہوئی تھی اُن کے حوالہ کر دی وہ بھی بمسرت تمام سجدۂ شکر بجا لائے اور کہنے لگے کہ اے احمد سراج! چاہے دنیا بھر کے امور میں شک کرو کوئی عذر نہیں کر سکتا مگر اس امر میں ہرگز شک نہ کرنا کہ دنیا کسی وقت اور کسی حال میں وجودِ امام علیہ السلام سے خالی ہو سکتی ہے میں تم سے اسوقت اپنے اوپر گزرا ہوا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں اُسے غور سے سن لو۔

جب کرتگین (غلام ترکی معتضد باللہ) اور یزید ابن عبداللہ کے فیما بین شہر زور میں لڑائی ہوئی تو کرتگین نے یزید کو شکست کامل پہنچا کر اس کی تمام جائداد اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا میں کرتگین کا ملازم تھا اس نے مجھے اسکی جائداد اور مال و متاع کی تلاشی اور ضبطی پر تعینات کیا اور حکم دیا کہ اُسکے یہ تمام مال و متاع و اسباب ضبط کر کے کرتگین کے خزانہ میں بھجوا دوں چنانچہ میں اُسکی طرف سے اس کام میں مشغول تھا کہ اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یزید ابن عبداللہ نے ان مال و اسباب میں سے فلاں گھوڑا اور فلاں تلوار حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ و السلام کی خدمت میں نذر گزرانی جانے کے لیے رکھی تھی یہ سن کر میں نے اُس کی چیزوں کی آئندہ ضبطی اور تلاشی میں اُن اشیاء کا خیال رکھا حتیٰ کہ سلاح خانہ میں وہ تلوار اور اُسکے اصطبل میں وہ گھوڑا برآمد ہوا۔ اگرچہ کرتگین کی طرف سے اُن تمام مال و متاع کا اس وقت امین تھا مگر میری حمیت اور خلوص ہرگز اس کا متقاضی نہ ہوا کہ میں اپنے ایک برادرِ ایمانی کی تمنائے دلی کو ضائع کر دوں اور ان اشیاء کو جنھیں وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں خاص طور پر پیش کرنا چاہتا تھا خدمت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام تک نہ پہنچاؤں۔ بلکہ ایک مخالفِ دین کے خزانہ میں بھجوا دوں۔ یہ سوچ کر وہ دونوں اشیاء تو میں نے اپنے پاس رکھ لیں اور بقیہ چیزیں ایک ایک کر کے کرتگین کے پاس پہنچا دیں۔ ان دونوں چیزوں کی نسبت میں نے اپنے خزانچی کو حکم دے رکھا تھا کہ کبھی اُن چیزوں کو ہمارے پاس نہ لائے۔ شاید کہ اُنہیں دیکھ کر میرے دل میں خیانت پیدا ہو۔ میرا قصد تھا کہ انشاء اللہ المستعان بوقتِ اطمینان میں اپنے برادرِ ایمانی یزید ابن عبداللہ کی تمنا کے مطابق ان دونوں اشیاء کو خدمت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ضرور پہنچا دونگا میں اسی خیال اور فکر میں تھا کہ میرے کسی مخالف نے کرتگین کو ان دونوں چیزوں کی خبر کر دی۔ اُس نے دونوں چیزیں منگا بھیجیں۔ پہلے تو میں چند بار بلطائف الحیل اسکو ٹالتا رہا مگر وہ میرے پیچھے پڑ گیا اور کسی طرح نہ مانا۔ آخر کار میں نے وہ دونوں چیزیں اُس کے حوالہ کر دیں۔ اور اُس موذی سے کسی نہ کسی طرح اپنا پیچھا چھڑایا۔ اور ان چیزوں کے عوض میں ایک ہزار دینار علیحدہ کر دیے اور اُسی وقت سے یہ نیت کر لی کہ انشاء اللہ المستعان اُن اشیاء کے معاوضہ میں یہ رقم جناب صاحب الزمان علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دونگا۔

ایک دن میں اپنے کارندوں کے ساتھ بیٹھا ہوا اپنا کام کر رہا تھا۔ اتنے میں ابو الحسن اسدی میرے پاس تشریف لائے۔ یہ بزرگ اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے۔ اور میں ہمیشہ اُن کے اغراض و مطالب کو اُن کے ارشاد کے مطابق پورا کر دیا کرتا تھا۔ آج مجھے مشغولِ کار دیکھ کر یہ غریب دیر تک میری فرصت کا انتظار کرتے رہے میں اُن کی اتنی زحمت کو گوارا نہ کر سکا۔ اپنے کام کو چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ آپ کو میرے ساتھ جو ضرورت ہو اُسے ارشاد فرمایئے اُنہوں نے جواب دیا کہ آپ خلوت کریں تو میں اپنا مدعا آپ سے عرض کروں۔ یہ سن کر میں نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ میرے لیے خزانہ کے مکان میں خلوت کا انتظام کرے۔ چنانچہ فوراً خلوت کر دی گئی اور میں ابو الحسن اسدی کے ہمراہ اس خلوت میں چلا گیا۔ ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں پہنچ کر مجھ کو ایک رقعہ

پیچیدہ دیا جو جناب قائمِ آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے میرے نام صادر ہوا تھا۔ اُس میں تحریر فرمایا گیا تھا کہ اے احمد ابن حسن جو ہزار دینار تمہارے پاس گھوڑے اور تلوار کے عوض میں ہمارے مال سے جمع ہیں وہ ہماری طرف سے ابوالحسن اسدی کو حوالہ کردو۔ اس تحریر کو پڑھتے ہی میں خدا کے سجدۂ شکر میں جھک گیا اور خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکریہ اِن الفاظ میں ادا کیا کہ پروردگارا! میں نے اس وقت تیری حجّتِ موجودہ کو کامل طور سے پہچان لیا کیونکہ دنیا میں کوئی شخص آج تک اِس راز سے آگاہ نہیں تھا۔ پھر اِس نزولِ رحمتِ خداوندی کے خاص شکرانہ میں میں نے ایک ہزار پر تین ہزار دینار کا اور اضافہ کیا اور وہ تمام وکمال رقم ابوالحسن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردی۔

(۶) کتاب کافی میں علی ابن محمد اور سعید ابن عبداللہ کی معتبر اسانید سے مرقوم ہے کہ حسن ابن نصر اور ابوصدام اور اُن کے ساتھ ایک جماعت کثیر نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد امرِ وکالت ونیابت کی تلاش کی اور اِس فکر کے ساتھ اپنی تحقیق کا اتنا اضافہ اور کیا کہ اُس بزرگوار کی تلاش اور جستجو بھی شروع کردی جس کی طرف سے وہ حضرات اِن خدمات پر مامور کیے گئے ہیں اور اِس فکر و تلاش سے اُن کا اصلی مقصود یہی تھا کہ وہ صاحب الزمان علیہ السلام کی خدمت سے نائبین اور سفراء کی نسبت تحریری اجازت حاصل کریں۔ اسی اثناء میں حسن ابن نصر ابوصدام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں تو حج بیت اللہ کو جاتا ہوں ابوصدام نے جواب دیا کہ امسال اِس عزم کو ملتوی کرتے تو اچھا ہوتا۔ حسن نے کہا کہ میں نے اُس کی نسبت ایک ہولناک خواب دیکھا ہے اس لیے مجھ کو وہاں جانا ضرور ہوگیا ہے۔ غرضکہ حسن نے حج کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اور اپنے مال میں سے تھوڑا سا مال نذر امام علیہ السلام نکال کر احمد بن یعلےٰ ابنِ حماد کو اُس رقم کا وصی مقرر کیا۔ اور اُن سے تاکید کردی کہ جبتک حجّتِ واضح نہ دیکھ لی جائے کسی کو یہ مال نہ دیا جائے۔

حسن ابن نصر کا بیان ہے کہ یہ مراتب طے کرکے میں بغداد میں پہنچا۔ اور ایک مکان کرایہ لیکر مقیم ہوا۔ اِسی اثناء میں بعضے وکلاء تھوڑا کپڑا اور تھوڑا روپیہ میرے پاس لائے اور امانت رکھوا گئے۔ میں نے اُن سے پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ صرف مجھ سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ یہ وہی چیزیں ہیں جنھیں تم آپ جانتے ہو۔ ان کے جانے کے بعد ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اور وہ بھی کچھ نقد و پارچہ کی اقسام سے میرے مکان پر رکھ کر تشریف لیگئے۔ پھر تیسرے بزرگ تشریف لائے اور اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ اتنے بزرگوار پے در پے تشریف لاتے گئے اور میرے پاس اپنے ہمراہ کا مال واسباب جمع فرماتے گئے کہ میرا مکان اُن کے اشیائے امانتی سے بھر گیا۔ ان تمام لوگوں کے بعد احمد ابنِ اسحٰق جو بذاتِ خاص منصبِ وکالت وسفارت پر مامور تھے اپنے جمع کردہ اسباب واموال کو جو اُسوقت تک اُن کے پاس اطراف وجوانب کے مومنین کی طرف سے آج تک جمع اور موجود تھا لیے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے تمام حالات سن کر اور خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرما کر سخت حیران ہوئے۔ اس اثناء میں ایک رقعۂ پیچیدہ میرے پاس اس مضمون کا صادر ہوا کہ فلاں روز سے اِس وقت تک تمہارے پاس اتنا مال کثیر جمع ہوا ہے۔ تم اِن تمام مال واسباب کو لیکر سامرۂ مبارک کی طرف چلے آؤ۔ یہ حکم سنتے ہی میں لبیک گویاں۔ فرحناک وشاداں ناحیۂ مقدسہ (سترمن رای) کی طرف روانہ ہوا۔ اُس زمانہ میں بغداد و سامرہ کے مابین ساٹھ نفر قزاق کی جماعت راہ رو کے پوشیدہ رہا کرتی تھی اور وہ سب کے سب درویشی کے لباس میں رہزنی اور قزاقی کا پیشہ کیا کرتے تھے میں جس وقت یہ مال و متاعِ مزدو۔ دل پر اٹھوا کر چلا تو آغاز ہی سے میرے دل میں اِن لٹیروں کی طرف سے سخت خوف لگا ہوا تھا۔ مگر خداوند عالم نے مجھے اُن کے شر سے محفوظ ومصئون رکھا۔ یہاں تک کہ میں بخیر و عافیت شہر سامرہ میں پہنچ گیا۔ اور ایک مقام پر قیام کیا۔ فوراً دوسرا رقعۂ مطہرہ

میرے پاس آیا جس میں یہ تحریر تھا کہ تم اپنے مال واسباب کو لیکر فوراً آستانِ مبارک پر حاضر ہو۔ یہ حکم پاتے ہی میں اُسی طرح مزدوروں سے وہ تمام اسباب ڈھلوا کر آستان مبارک پر حاضر ہوا۔ میں جب اُس آستانِ مطہر پر حاضر ہوا اور قصد کیا کہ دہلیز سے گزر کر دولتسرا میں داخل ہوں ویسے ہی ایک غلامِ حبشی نمودار ہوا اور اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تم ہی حسن ابن نصر ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ اُس نے جواب دیا اندر چلے جاؤ۔ چنانچہ میں اپنے دونوں مزدوروں کو ہمراہ لیے عصمت سرا میں داخل ہوا پہلے صحن میں آیا۔ پھر ایک دالان میں داخل ہوا جو بالکل خالی تھا۔ یہاں پہنچکر میں نے وہ تمام مال واسباب مزدوروں سے اُتروا لیا۔ اتنے میں ایک مکان کے دوسرے گوشہ کی طرف میری نظر گئی اور میں نے دیکھا کہ اُس میں ایک ظرف کے اندر بہت سی روٹیاں رکھی ہوئی ہیں۔ اتنے میں دو ایک اور خادم آ گئے اور اُن میں سے ایک نے اُس روٹی کے ڈھیر سے ایک ایک روٹی اُٹھا کر میرے دونوں مزدوروں کو دی اور اُن دونوں کو وہاں سے باہر کر دیا۔ پھر مجھے اُس مکانِ مقدس میں ایک طرف پردہ پڑا ہوا دکھلائی دیا۔ اور اُسی حجاب مقدس سے آواز برآمد ہوئی کہ اے حسن ابن نصر! خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کی اُس نعمت واحسان کا شکریہ ادا کرو جو تمہارے حالِ خاص پر اِس وقت نازل فرمائی گئی ہے اور کسی قسم کے شک یا وسوسہ کو اپنے دل میں راہ نہ دو۔ کیونکہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہیں شکوک اور عام وسوسوں میں ڈال کر خراب کرے۔ پھر ایک پارچہ کفن اُس پردے سے باہر نکال کر مجھے عنایت فرمایا گیا اور ارشاد ہوا کہ اسے لے لو۔ اور رکھ لو کہ سخت سے سخت ضرورت تم کو اسکی بہت جلد پیش آنے والی ہے۔ میں نے بہزار مفاخرت وہ حلیۂ گرانقدر لے لیا۔ اور آپ کی خدمت مبارک سے واپس آیا۔

سعد کا بیان ہے کہ حسن ابن نصر اس سفر سے واپس آ کر ماہ رمضان المبارک میں قضا کر گئے۔ اور اُسی پارچہ مطہر میں کفن دیے گئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

(۷) شیخ طوسی علیہ الرحمۃ نے کتاب امالی میں ابراہیم بن مہزیار سے نقل فرمایا ہے کہ اُن کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد تعین امام علیہ السلام کے مسئلہ میں بڑا شک واقع ہوا۔ میرے باپ کے پاس اُسی زمانہ میں مالِ امام علیہ السلام سے بہت سا مال واسباب جمع ہوا تھا۔ میں نے اُس تمام مال واسباب کو کشتی پر لادا اور اپنے باپ کے ساتھ چلا۔ راستہ میں میرے باپ کو سخت تپ آئی۔ اُسی حالت میں میرے باپ نے مجھے بلا کر وصیت کی کہ مجھے گھر واپس لے چلو۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اسی تپ سے میں مر جاؤں گا۔ میرے بعد تم اس اسباب ومتاع کی نسبت ہمیشہ اپنی نیت۔ امانت اور دیانت درست رکھنا۔ اور اس کی تعمیل میں ہمیشہ تقوےٰ ایمانداری اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا۔ یہ سُنکر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے باپ نے ایک امر مبہم اور غیر معتبر کی نسبت مجھے کیا وصیت کی ہے۔ میں نے اس مال کو لیکر یہ قصد کیا کہ میں بغداد میں جاؤں اور وہاں ایک علیحدہ مکان لے کر قیام کروں اور کسی کو اپنی حقیقت حال سے خبر نہ کروں۔ اگر کوئی ایسی ہی دلیل اس امر میں کافی طور سے وجود امام علیہ السلام اور ثبوت نظام نیابت اور سفارت وغیرہ کے متعلق مجھ پر ظاہر ہو جائے جیسا کہ اکثر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے عہد امامت میں ظاہر ہوا کرتی تھی تب البتہ یہ مال تسلیم کرونگا۔ ورنہ میں یہ تمام وکمال مال ومتاع تصدق کر دوں گا۔

الغرض اپنے دل میں یہ ارادہ مصمم کر کے میں شہر بغداد میں پہنچا اور دریا کے کنارے پر ایک مکان کرایہ پر لیا اور چندے اُس میں مقیم رہا۔ رات دن اپنے احوال ہمراہی کی نسبت متفکر اور متردد تھا کہ ایک روز ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے اور ایک چھوٹا سا رقعہ پیچیدہ میرے ہاتھ میں دے کر رخصت ہو گئے۔ اُس رقعہ کو میں نے کھولا تو اُس میں یہ عبارت مندرج تھی۔

اے محمد! تمہارے پاس فلاں فلاں مال ہے اور

اُس کی فلاں فلاں پہچان ہے۔ تم یہ تمام مال واسباب حاملِ رقعہ ہذا کو دیدو۔ میں یہ حجّتِ واضح دیکھ کر اور اِن اشیا کے متعلق وہ اخبار و علامات معلوم کرکے جنہیں میں خود بھی نہیں جانتا تھا سخت متحیّر اور دم بخود ہو گیا اور سمعنا و اطعنا کہہ کر وہ تمام چیزیں حاملِ رقعہ کو اُسی وقت حوالہ کردیں۔ اُن کے واپس جانے کے بعد مجھے خوشی بھی ہوئی اور ملال بھی۔ خوشی تو اس وجہ سے کہ جو میرے دل میں شکوک اور شبہے تھے وہ بالکل زائل ہو گئے اور جن دلائل اور حجّتوں کے ساتھ میں اپنی ہمراہی مال کو دینا چاہتا تھا۔ اُن سے کہیں زائد اور بہتر مجھے معلوم ہو گئیں مگر اس کے ساتھ ہی میرے ملال کا باعث یہ ہوا کہ میں نے وسواسِ شیطانی میں مبتلا ہو کر اور بیجا شکوک و اوہام کو اپنے دل میں راہ دیکر اپنے موروثی منصب سفارت کو جو میرے باپ کو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے وقت سے حاصل تھا مفت مفت ضائع کیا۔ اگر یہ خیالاتِ فاسد میرے دل میں نہ سمائے ہوتے تو جناب قائم آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی میرے خاندانی اعزاز و مناصب کو مجھ سے منتزع نہ فرماتے۔ یہی سوچ سوچ کر میں برابر ملول و محزون رہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ چند روز کے بعد پھر ایک صاحب دوسرا رقعۂ پیچیدہ مجھ کو عنایت فرما گئے جس میں یہ مضمون تحریر فرمایا گیا تھا۔

اے محمد! تمہیں میں نے تمہارے باپ کے عہدے پر مامور و منصوب کر دیا خدا کا شکر بجا لاؤ اور کسی قسم کا غم و ملال نہ کرو۔

(۸) کتاب اکمال الدین و اتمام النعمۃ میں محمد بن علی اسود سے منقول ہے کہ مجھے ایک بار ایک مومنہ نے ایک کپڑا دیا کہ میں اُس کو اُس کی طرف سے امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دوں۔ میرے پاس علاوہ اُس پیرہن کے اُن دنوں بہت سے اور مومنین کے بھی مال جمع تھے۔ چنانچہ میں اُن تمام اموال کو اپنے ہمراہ لیے ہوئے بغداد میں پہنچا۔ جونہی شہر میں داخل ہوا دیکھا کہ ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ رستہ میں استادہ ہیں۔ اُنہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنا مال محمد ابن عباس قمی کو سپرد کردو۔ چنانچہ میں نے وہ تمام مال اُن کے حوالہ کر دیا۔ مگر اُس پیرہ زن کا کپڑا اُنہیں دینا بھول گیا۔ دوسرے دن ابو جعفر عمری کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ اُس پیرہ زن کا کپڑا ابھی اُنہی کو دیدو جسے تم بھول گئے ہو۔ یہ سن کر مجھے اُس کپڑے کا فوراً خیال آیا۔ اب جو میں نے اُسے ڈھونڈھا تو نہ پایا۔ سخت پریشان اور پشیمان ہوا اسی اثنا میں ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کا دوسرا پیغام آیا اس مضمون کا کہ پریشان نہو۔ تلاش کرو۔ انشاء اللہ المستعان تم اُسے بہت جلد پالو گے۔ بہرحال میں نے اُسے نہایت مستعدی سے تلاش کیا تو تھوڑی دیر میں وہ میرے اسباب ہمراہی کے اندر مل گیا۔ اور میں نے صاحبِ مشارٌ الیہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔

(۹) اُسی کتاب میں نعیم شاذانی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے اُن کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک بار مال مومنین سے چار سو اسّی دینار جمع ہوئے۔ میں نے بیس۲۰ دینار اپنے پاس سے ملا کر اور پانچسو پورے کرکے ابو الحسن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کو جو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے سفرا میں سے تھے حوالہ کر دیے اور جو رقعہ کہ خدمت امام علیہ السلام میں اُن کی معرفت ارسال کیا تھا اُس میں اپنے ملائے ہوئے بیس۲۰ دیناروں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ابو الحسن اسدی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ میری مرسلہ رقم کی جو رسید مجھ کو ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی معرفت وصول ہوئی اُس کی یہ عبارت تھی کہ تمہارے پانچسو درہم مرسلہ جن میں بیس۲۰ روپیہ تمہارے خاص مال سے تھے مجھے مل گئے۔

(۱۰) پھر ایک دوسرا واقعہ نعیم شاذانی اسطرح بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے پھر تھوڑا سا مال مومنین خدمتِ امام علیہ السلام میں روانہ کیا۔ مگر اتفاق سے مومنین ارسال کنندگان کے نام و نشان لکھنا بالکل بھول گیا۔

اُس کی رسید اس مضمون کے ساتھ تحریر فرمائی گئی کہ تمہارا اس قدر مرسلہ مال مجھے پہنچا جس میں سے اتنا فلاں شخص کا مال ہے اور اتنا فلاں شخص کا۔

(۱۱) نعیم شاذانی ابوالعباس کوفی علیہ الرحمۃ کی زبانی ناقل ہیں کہ ایک بار تھوڑا سا مال مومنین خدمت امام علیہ السلام میں پہنچا دیے جانے کی غرض سے جمع کیا گیا تھا مگر میرا خیال اُس کی نسبت یہ ہوا کہ تاوقتیکہ کوئی حجت واضح نہ دیکھ لی جائے یہ مال ناحیہ مقدسہ کے لوگوں کو نہ سپرد کیا جائے۔ یہ تجویز کرکے میں شہر سامرہ میں پہنچا میرے پہنچتے ہی ایک توقیع مبارک میرے نام برآمد ہوئی جس میں خاص دستِ مبارک سے ارسال کنندگان کے نام تحریر فرمائے گئے تھے اور یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اس خیال سے تم کو امر ہدایت مقصود ہے تو بیشک ہدایت تمہارے شامل حال ہوگی۔ اور اگر اس کے سوا تمہاری کوئی دوسری خواہش ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی پوری کردی جائیگی اب تم کو یہ حکم ہوتا ہے کہ تم اپنے اموال ہمراہی کو لے کر آستانِ مبارک پر حاضر ہو جاؤ۔ یہ حکم سنتے ہی میں نے اُس میں سے بلا وزن کیے ہوئے چھ دینار نکال لیے اور باقی کو خدمت امام علیہ السلام میں سفیر خاص کی معرفت بھیجدیا۔ ابھی میں آستانِ مقدس پر حاضر رہ کر منتظر تھا ہی کہ ایک دوسری توقیع میرے نام برآمد ہوئی جس میں تحریر تھا کہ اس مال میں سے چھ دینار تم نے بلا وزن کیے ہوئے نکال لیے اُنھیں فوراً مجھے واپس دیدو۔ اور اُن چھ دیناروں میں ہر ایک کا وزن پانچ دانق ڈیڑھ حبہ ہے۔ اُس شخص کا بیان ہے کہ یہ حکم پاتے ہی میں نے وہ رقم آپ کی خدمت بابرکت میں اُسیوقت بھیجدی۔ میں نے جسوقت اُن کو وزن کیا تو اُن میں سے ہر ایک کا وزن پانچ دانق ڈیڑھ حبہ ہی تھا۔ صدق اللہ تعالیٰ وحجتہ۔

(۱۲) محمد ابن یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ محمد بن حسن مروزی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مال امام علیہ السلام میں سے دو سو دینار حاجز وشا کے پاس بھیجے اُس کی رسید ناحیہ مقدسہ سے میرے نام اس عبارت میں وصول ہوئی کہ اے محمد ابن حسن! تمہارے ذمہ حق امام علیہ السلام میں ہزار دینار چاہیے ہیں جن میں سے اس وقت مجھے دو سو دینار حاجز وشا کی معرفت پہنچے۔ اب اس کے بعد اگر تم بقیہ رقم کو کسی کی امانت میں سپرد کرنا چاہو تو ابوالحسین اسدی کو جو شہر رے میں رہتے ہیں دیدیا کرو۔ محمد راوی کا بیان ہے کہ اس حکم کے نافذ ہونے کے دو تین دن بعد حاجز وشا کی وفات کی خبر مجھے معلوم ہوئی۔

بہرحال اتنے مختلف اور متعدد واقعات جن کا بڑا ذخیرہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے لکھ کر ہم آپ کی امامت کے موجودہ نظام کو ذیل کے بیان میں کامل تصریح اور کافی توضیح کے ساتھ قلمبند کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں مگر باعتبار واقعات کے تمام حالات ایک طرح اور ایک قسم کے نہیں ہیں اس لیے اُن کو ایک سلسلہ میں یکجا بیان کر دینا ناظرین کتاب کی طبع پر ناگوار اور دشوار گذرے گا اس لیے ہم ہر ایک واقعہ کے متعلق اسکی علیحدہ علیحدہ تفصیل کر کے پوری وضاحت سے کام لیتے ہیں۔

(۱) اس واقعہ میں قم کے ایک شیعہ باشندے نے مال امام علیہ السلام سفیر کے پاس جمع کرتے وقت تھوڑا سا مال جمع کرانا سہو کر دیا تھا۔ ہرچند اُس نے تلاش کی مگر اُس کو نہ پایا۔ آخرکار اُس کو وہ اشیاء جہاں دور رکھ کر بھول گیا تھا بتلا دی گئیں۔ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ آپ کی امامت کے نظام میں اِن اقسام کی سہو یا فروگذاشت آپ کے ذاتی علم واطلاع سے باہر نہیں ہوتی تھی۔ جن لوگوں نے خلافتِ باطنی کے اخبار وآثار کو ملاحظہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ بغیر ان مشاہد اور مقاصد کے خلافت وولایت کا ظاہر بین نگاہوں میں معیار صداقت پر کامل اترنا اور ثابت ہونا عموماً سخت دشوار اور ناممکن ہے۔

(۲) اس واقعہ میں آپ کی امامت کے متعلق مختلف اقسام کے نظام معلوم ہوتے ہیں۔ اول تو یہی باطنی نظام کے اصول پر تھا کہ کی تمام اشیائے مرسلہ کی صحیح مقدا

انعام اور اوزان کی پوری خبر دینا۔ جن کا خود لانے والے کو بھی علم نہیں تھا۔ اس کے علاوہ عاتکہ کو خود بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کی ماں نے اُس کی شادی میں کس سے قرض لیا ہے۔ اس امر سے بھی پوری اطلاع دیدی گئی اور صاف صاف لفظوں میں بتلا دیا کہ ام کلثوم نامی عورت سے دس دینار لیے گئے تھے۔

یہاں تک تو نظام باطنی کے اصول پر آپ کی امامت کے فرائض ادا کیے گئے۔ اب ظاہری طریقہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عاتکہ کو اس معاملہ کی حقیقت سے آگاہ کر دینا بھی امامِ وقت علیہ السلام کے فرائض میں داخل تھا۔ کیونکہ وہ اس معاملہ میں اس وقت تک بالکل لاعلم تھی۔ مگر اپنی متوفیہ ماں کی سبکدوشی اور گلوخلاصی پر مستعد اور تیار۔ اب ایسی حالت میں اگر عاتکہ کی اطلاع اور ہدایت سے تغافل اختیار کیا جاتا تو ایک مومنہ اور اُس کی ماں دونوں قرض کے مواخذہ میں ہمیشہ گرفتار رہتیں۔ اور یہ امر امام منصوب من اللہ کی شانِ عدالت و عصمت کے خلاف ثابت ہوتا۔

اور یہی وہ معاملات ہیں جن سے امام منصوب من اللہ اور امام مامور من الناس کے فرق و مابہ الامتیاز معلوم ہوتے ہیں۔ ان امور کے علاوہ عاتکہ کو صورت موجودہ میں ایک خاص مسئلہ شریعہ کے حکم شرعی سے بھی خبر دیدی گئی اور بتلا دیا گیا کہ اب وہ اپنی ماں کے قرض لیے ہوئے دس دینار کو ام کلثوم کو نہیں دے سکتی کیونکہ وہ فرقۂ حقہ سے نکل کر گروہ نواصب میں مل گئی ہے۔ اس لیے مستحقین مومنین پر اس رقم کا ایثار زیادہ تر ملحوظ ہے۔ یہ حکم زبانی دے کر بخیال مزید احتیاط یہ بھی لکھ دیا گیا کہ اگر کوئی شخص اس حکم کو زبانی سمجھ کر عمل کرنا نہ چاہے اور اگر عاتکہ خواہش کرے تو اُسے اس فعل میں مختار ہونے اور مومنین مستحقین پر اس رقم کے ایثار کرنے کا تحریری حکم بھی عنایت فرمایا جائیگا۔ دنیا کے گرویدہ بصیرت والے ہوں تو وہ اس واقعہ سے تمام حالات دریافت کر سکتے ہیں کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے نظامِ امامت اور احکام

ہدایت وغیرہ وغیرہ باطنی اور ظاہری دونوں طریقوں سے دنیا اور اہل دنیا کے لیے ویسے ہی مفید تھے جیسے تمام انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام کے ظاہری نظام رسالت اور احکام امامت دنیا کے وہ کوتہ اندیش اور کم بین جو آپ کی امامت کو غیبت کی موجودہ حالت میں دیکھ کر محض بیکار اور فضول سمجھتے ہیں وہ اِن تمام واقعات کو غور سے پڑھ کر دیکھیں اور سمجھیں کہ آپ کی امامت کے موجودہ نظام سے دنیا اور دنیا کے لوگوں کو کیسی اور کتنی ہدایت ملتی تھی اور اُن کی دینی اور دنیاوی دونوں ضرورتیں کس آسانی اور سہولت سے انجام پاتی تھیں۔

یہ سب امور تو عاتکہ بنت دیرانی کی ہدایت و رضوان کے متعلق بتلائے گئے۔ اب خاص اُن سفیر صاحب کی نسبت جو اس واقعہ میں ہدایت فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ ان بزرگوار نے بھی اپنے عمّ ناھریان کے متعلق ایک غرض خاص طور پر اپنے دل میں پوشیدہ رکھی تھی اور اُس کو اس وقت تک کبھی نوع سے ظاہر نہیں فرمایا تھا۔ اس کے متعلق بھی انہیں کافی اطلاع دیدی گئی اور صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا کہ تمہارے تمام خوف و اندیشہ کی باتیں جاتی رہیں۔ تمہارا چچا مر گیا۔ اب اُس کے تمام عزیز و اقارب تمہارا راستہ دیکھ رہے ہیں۔ اور علاوہ بریں وہ اپنی مالیت سے تم کو تین ہزار دینار میراث میں بھی دے گیا ہے۔

حقیقت میں یہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ تھا جو ابن ابی روح رحمۃ اللہ علیہ کو مدت سے بے چین اور سخت متفکر اور متردد بنائے ہوئے تھا۔ اور وہ اُس کی طرف سے اپنے سفر کی موجودہ حالت میں بھی سخت مضطرب تھے مگر انتشار و اضطرار کی موجودہ حالت میں بھی وہ اپنے اِس عہدے کی انجام دہی کو جو اُن کی وفاداری اور دیانت شعاری کا اصلی معیار تھا اپنا پہلا فرض سمجھتے تھے۔ دنیا کے تمام افعال نیت پر مبنی ہوتے ہیں جس استقلال اور دیانت داری سے وہ کام کرتے گئے ویسے ہی اچھے نتیجے اُن کو ملتے گئے چنانچہ سفارت و وکالت کے فرائض انجام دینے کے بعد جن امور

کے لیے وہ بے چین اور مضطرب الحال ہو رہے تھے اُن ہی کی پوری تشفی اور تسکین کر دی گئی اور وہ خاطر خواہ فائز المرام ہو کر اپنے مقام کو واپس گئے۔ اب اُن کے متعلق امام علیہ السلام کے اخلاق و اشفاق کے اظہار میں اتنا اضافہ اور فرمایا گیا کہ اُن کی اتنی زحمت اور تکلیفوں کے معاوضہ میں جو انہوں نے سفر میں اُٹھائی تھیں اور اپنے امور ضروری کو اتنے دنوں تک معطل چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنی سفارت کی خدمات کو صرف انجام دیا تھا۔ اُن کو تیس ۳۰ روپیہ زاد راہ کے لیے عنایت فرمائے گئے۔ جو اُن کی اور تمام مومنین کی عام رضامندی کا بہت کچھ باعث ہوا۔ ظاہری طور پر تو اس امر خاص سے آپ کے اشفاق و اخلاق ظاہر ہوتے ہیں مگر ان کے ساتھ ہی غور کرنے سے یہ امر بھی اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ رقوم جو آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی تھیں وہ ایسے ہی امور ضروری میں صرف کی جاتی تھیں جن سے عام مومنین کو پورا فائدہ پہنچتا ہو

اس یہ بہت بڑا واقعہ ہے اور اس میں نظام امامت کے ساتھ ہی آپ کے سفیروں اور وکیلوں کی پوری ماہیت بھی درج ہے۔ دنیا کی رفتار بھی عجیب و غریب ہے اور سب سے زیادہ اُس کی رفتار کا پہچاننا اور اس کے نیرنگِ انداز کو جاننا دشوار ہے۔ اس واقعہ میں سراج دینوری کے ایسے قابل اور ثقہ بزرگ کو سب سے پہلے جو مشکل پیش آئی وہ سفراء اور وکلاء کی تلاش تھی۔ چونکہ شروع ہی سے اُنکی سفارت و وکالت کی تصدیق و توثیق مشاہدہ براہین پر موقوف رکھی گئی تھی اس لیے وہ اصلی سفیر اور وکیل کے پیدا کرنے میں ضرور مجبور تھے۔ اُن کو جن لوگوں کے نام پہلی بار بتلائے گئے وہ اُن کے نزدیک صحیح نہ اُترے۔ اور بالآخر وہ اس حقیقی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی طرف سے وکالت کے عہدے پر مامور تھے مگر اس وقت یہ بھی مصلحتاً ان کی انجاح مطالب کے لیے ماذون نہیں فرمائے گئے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جن مومنین کی طرف سے یہ نیابت کے عہدے مامور ہو کر آئے تھے وہ لوگ اپنے امام وقت علیہ السلام کی معرفت اور اُن کے وجود ذیجود کے براہین و دلائل کو پورے طور سے جاننا چاہتے تھے نہ کہ سفیروں کے اصلی اور غیر اصلی ہونے کو۔ امام وقت سلام اللہ علیہ کا فرض تھا کہ مومنین سے پہلے سفیر کی خاص تشفی اور تسکین کر دیں۔ مگر چونکہ نظام امامت کے متعلق معرفت امام اور اور اُک حالاتِ سفرا بھی پُر ضرور تھے۔ اس لیے دونوں امور کی اطلاع بیک وقت پہنچائی گئی۔ اور بتلا دیا گیا کہ سفراء کو امام زمان علیہ السلام کی خدمت سے حقیقت میں اِن اموال کی امانت اور رازداری سپرد تھی۔ مگر ان کے خاص معاملے میں حضرت ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ بھی ماذون نہ فرمائے گئے۔ اس میں یہ مصلحت خاص مضمر تھی کہ ابو سراج دینوری اور اُن کے ہمراہی مومنین کو اپنے اصل امام علیہ السلام کی تلاش تھی اور اُن کی تمام سفارت کا منشاء بھی یہی تھا۔ اِن وجہوں سے براہِ مستقیم آستانِ مقدس پر بلائے گئے۔ مگر چونکہ معرفت سفیر بھی ضروری تھی۔ ورنہ نظامِ امامت میں فرق پڑتا۔ اس لیے آستانِ مقدس پر بلا کر اور اُن کے اموالِ ہمراہی کے تمام انواع و اقسام کے متعلق پوری خبر پہنچا کر پھر اُن کو ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس بھیج دیا گیا۔ اس لیے کہ اُن کی معرفت امام بھی کامل ہو جائے اور تمیز سفیر بھی پوری ہو جائے۔ اب دوسری مصلحت جو اس خاص واقعہ میں مضمر تھی وہ یہ تھی کہ اس کے لینے حضرت ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ ماذون نہیں فرمائے گئے۔ بلکہ اُن کی جگہ ایک دوسرے بزرگ شہر قم کے رہنے والے اِن تمام چیزوں کے لینے کے لیے خاص طور پر ماذون فرمائے گئے۔ اور یہ تمام امور ابو سراج دینوری اور اُن کے دیار کے مومنین کی عام ہدایت کے لیے عمل میں لائے گئے تاکہ اُن لوگوں کو اپنے امام اور سفیر دونوں بزرگواروں کی پوری معرفت حاصل ہو جائے اور موجودہ امامت کے نظام کی حقیقت بھی اُن پر کھل جائے جس کی تلاش اور تفحص میں متحیر اور متفکر یہ کر اس کے اور اُک کو اپنے خلوص اور عقیدت کا معیار قرار دے چکے تھے۔ جب اس طرح موجودہ نظام امامت کے بعض مصالح اُن کے خاص امور میں اُن کو دکھلا دیے گئے

اور امام زمان علیہ السلام اور اُن کے سفراء کی معرفت بھی اُن کو پورے طور سے کرا دی گئی اور ان تمام امور کی طرف سے اُس دیار و امصار کے تمام مومنین کی تشفی اور تسکین کر دی گئی تو پھر اُن کی رقوم مرسلہ کے مخارج کے حالات اور تفصیل سے بھی اُن کو مطلع کر دیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ تمہاری بھیجی ہوئی رقوم تمہارے امام علیہ السلام یا سفراء وغیرہ کے ہمیں سال قرار یا اگر اُن کے ذاتی مصارف میں نہیں لائے جاتے بلکہ یہ تمام و کمال مال نصاب شرعیہ کے مطابق مومنین مستحقین پر تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ اُن بزرگ قمی کو اس رقم کے حوالہ کر دیے جانے سے ابو سراج اور اُن کے ہم وطن مومنین کو ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کو معلوم ہو گیا کہ حالتِ موجودہ میں مومنین قم یا وہ لوگ جو اُس اطراف و جوانب میں آباد تھے ان رقوم کے زیادہ تر مستحق تھے۔ یہی وجہ تھی جو یہ رقم حضرت ابو جعفر کی جگہ اُن قمی سفیر کو عنایت فرمائی گئی کہ وہ مستحقین اصلی پر اس کو تقسیم فرما دیں۔

حقیقت میں اگر دنیا کے دیدۂ بصیرت کشادہ ہوں تو وہ دیکھ لے کہ امام منصوب من اللہ کی امامت کے نظام اگرچہ مخفی ہوتے ہیں مگر تاہم اس سے کتنے فائدے ظاہر طور پر دنیا کو پہنچتے ہیں۔ منکرین غیبت کے لیے یہ واقعہ پورا ہادی اور رہبر ہے۔

پھر آخر میں حسن دینوری رئیس قنسرین کی زبانی واقعہ نے جو خاص اُن کے مشاہدہ میں آچکا تھا اس امر کی تصدیق کر دی۔ اب تو ابو سراج دینوری کو اپنے شکوک و شبہ کی جگہ پورا الیقین ہو گیا اور اس سے قبل جتنے جتنے شکوک اور شبہے اُن کے دل میں خطور کر رہے تھے یکبارگی زائل اور رفع ہو گئے۔ کیونکہ اُن کی تسکین و تشفی دونوں طریقوں سے کر دی گئی ایک تو یہ تمام امور انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیے۔ دوسرے حسن کے خاص مشاہدات نے اُن کے خلوصِ اعتقاد کو اور کامل کر دیا اور وہ اِن امور میں جن پر اُن کے ایمان و ایقان کا دار و مدار تھا پورے طور سے ہدایت پا گئے۔ فالحمد للہ۔

(۴) حسن ابن نصر کا واقعہ ہے جو قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مگر اس میں جو خصوصیت ہے وہ یہی کہ ابو سراج دینوری قبل ہی سے نظام امامت کے قائل تھے اور حسن ابن نصر نہیں۔ وہ ہمیشہ سے اس مسئلہ میں مشکوک و متامل تھے اس لیے اُن کی ہدایت ابو سراج کی ہدایت سے زیادہ ضروری تھی۔ بالآخر اُن کی ہدایت کے سامان خاص اُنہی کے سامنے فراہم کیے گئے اور امر مشتبہ فیہ کی تمام خدمات اُنہی کے ہاتھوں سے انجام کرائی گئیں۔ جن کو وہ اپنے والد مرحوم مغفور کی نسبت ایک خیالی امر سمجھے ہوئے تھے اور آج تک اُس کے متعلق مشکوک اور مخدوش تھے۔ چنانچہ قیامِ بغداد کے ایام میں تمام مومنین آتے گئے اور انہی کے پاس اپنے اموال جمع کراتے گئے۔ ابو سراج رحمۃ اللہ علیہ کو تو خیر سامرۂ مقدسہ میں بُلا کر وکیل خاص کی معرفت ہدایت فرمائی گئی۔ مگر حسن ابن نصر علیہ الرحمۃ کو شہر مقدس میں بلوا کر بلا واسطہ غیرے بلا شرکت احدے آستان بوسی کا اعزاز خاص عنایت فرمایا گیا۔ اور خاص طور پر حجرۂ مقدسہ کے اندر بلائے گئے تا اینکہ بنفس نفیس زبانِ مبارک سے اُن کی ہدایت فرمائی گئی اور چونکہ اُن کی اجل موعود کا زمانہ قریب آگیا تھا اسلیے اُن کو ملبوسِ خاص کا کفن بھی خلعت فرمایا گیا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں تک آپ کی امامت کے انتظامی واقعات دیکھے گئے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسالک خاص کر اُن ہی حضرات کے ساتھ قائم رکھے گئے ہیں اور اپنی امامت کے نظام مخفیہ کی تھوڑی بہت اہمیت اُن ہی کو بتلا دی گئی ہے جو بمصداق آیۂ کریمہ فمنہم من قضی نحبہ اپنی موت سے قریب آچکے تھے کیونکہ اُن سے افشائے راز کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ حسن ابنِ نصر کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوا جیسا کہ سعد کی زبانی اوپر مرقوم ہو چکا۔

(۵ و ۶) چنداں تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں رکھتے اس لیے اُن کی شرح خواہ مخواہ طوالت کا باعث ہوگی۔

(۷) اس واقعہ میں جس طرح ابراہیم ابن مہزیار کی ہدایت فرمائی گئی اس میں ایک خصوصیت اور نوعیت ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے مرحوم والد ماجد جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے سفیروں میں سے تھے ان کے پاس بھی اموالِ مومنین جمع ہوتے تھے اور یہ ان کو بشرائط امانت و دیانت خدمتِ امام علیہ السلام تک پہنچا دیتے تھے۔ غریب اب کی بار اثنائے راہ میں اپنی اجلِ موعود سے دو چار ہو گئے جیسا کہ اوپر سلسلۂ بیان سے واضح ہو چکا ہے۔ اتفاق سے ابراہیم بھی اب تک آپ کے نظامِ امامت سے مشکوک و مشتبہ تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے والدِ مرحوم کی ادائے وصیت میں اپنی طرف سے تساہل اور تغافل اختیار کیا۔ اور اس پر قیامت یہ کہ اس رقمِ موصیٰ لہ کو اپنے قیاس کے حکم کے مطابق صرف کرنا چاہا جو شریعت کے موافق بالکل ممنوع اور غیر مشروع تھا۔ اِن وجہوں سے ان کی ہدایت ایک خاص خصوصیت کے ساتھ کی گئی اور اسی ہدایت کے ساتھ ان کے والدِ مرحوم کے غرائضِ منصبی بھی جو وہ اپنے حیات کے زمانہ میں مخفی طور پر کیا کرتے تھے پوری تشریح اور توضیح کے ساتھ ظاہر کر دیے گئے چنانچہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہوا کہ جب ابراہیم رض نے اس تمام و کمال مال کو ایک مکان میں شہرِ بغداد کے جمع کر دیا اور اس کو تمام لوگوں سے پوشیدہ رکھا اور وہ چار روز کے توقف کے بعد اس کو عام مسلمین پر تقسیم کر دینا چاہا۔ اسی اثناء میں تمام مومنین از خود اپنے اپنے مال لے کر انکے پاس آنے لگے۔ اور اپنے اپنے ہمراہی اسباب و اموال جمع کرانے لگے۔ یہاں تک کہ احمد ابن اسحٰق کے ایسا ذی وجاہت اور معتمد علیہ بزرگ بھی اپنا مال انہی کے پاس جمع کرا گئے۔ یہ غریب ہر چند ان لوگوں کو ٹالتے تھے مگر وہ لوگ نہ مانتے جب دو چار روز میں اُن کے پاس مالِ کثیر جمع ہو گیا تو یہ سخت پریشان ہو گئے یہاں تک کہ توقیع مبارک کے ذریعہ سے خدا خدا کر کے ان کو وہ تمام و کمال مال ایک شخص خاص کو دیدینے کا حکم ہو گیا۔ جب انہوں نے توقیع مبارک کی وہ عبارت پڑھی جو خاص دستِ مطہر کی لکھی ہوئی تھی تو اُن کے تمام شکوک اُن کے دل سے نکل گئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اپنے وہم و قیاس کی بدولت اپنے موروثی منصبِ وکالت امام علیہ السلام کے منتزع کر لیے جانے کا پورا یقین کر لیا۔ جس پر انہیں سخت ملال ہوا۔ مگر یہ ہے اخلاقِ کریمانہ کی شان۔ اور یہ ہے خُلقِ عظیم کا اصلی مقتضا کہ تین ہی دن کے بعد ان کی بحالی اور تقرری کا حکم بھی آگیا جس کی عبارت اصل واقعہ کے ساتھ اوپر تحریر ہو چکی ہے ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حسنِ تدبیر پر غور کرنے والے جانتے ہیں کہ ایسے ایسے معاملات میں ہدایت اور تنبیہ کے بعد فوراً اپنے الطافِ عمیم اور اخلاقِ عظیم کا اظہار بھی فرما دیا جاتا تھا۔ اللّٰھم صل علی محمد و آلِ محمد۔

(۸) یہ واقعہ محمد ابن علی اسود رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے۔ اس میں کوئی خصوصیت اور نوعیت نہیں ہے۔ اور جو ہے وہ اسی قدر کہ اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ ایسے اوقات میں جب سفراء یا وکلاء اپنی امانت میں سے کوئی چیز داخل کرنا بھول جاتے تھے تو اُن لوگوں کو وہ بھولی ہوئی چیز فوراً یاد دلا دی جاتی تھی اور یہی امر اُن کی ہدایت اور تصدیقِ معرفت کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ یہ بزرگوار بھی اپنے ہمراہی اموال میں سے اس پیرہ زن کا دیا ہوا کپڑا قمی صاحب کو دینا بھول گئے۔ دوسرے دن انکو اس سہو کی خبر کر دی گئی۔ انہوں نے تلاش تو کی مگر اتفاق سے نہ ملا پھر ان کو تلاش کرنے کی تاکید کی گئی تو آخر جہاں یہ رکھ کر بھول گئے تھے وہیں سے وہ کپڑا مل گیا۔

(۹ و ۱۰) چونکہ یہ دونوں واقعات ایک ہی راوی سے متعلق ہیں۔ اس لیے ہم دونوں واقعات کو یکجا بیان کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں مشاہدے ابو نعیم مشاذانی سے مرقوم ہیں۔ اول کی نسبت وہ اپنی خصوصیت کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ میں نے چار سو اسّی روپیہ میں اپنے پاس سے بیس روپیہ ملا کر پورے پانچسو کی رقم کامل کر دی اور خدمت امام علیہ السلام میں بلا تفصیل و اظہارِ حقیقت روانہ کر دیا۔ آستانہ

مقدس سے اس کی رسید میں جو توقیع مقدسہ برآمد ہوئی۔
اُس میں اس تین سَو روپیہ کی پوری حقیقت درج تھی جسکو سوائے ہمارے اور کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔

دوسرے واقعہ کی بابت اُن کا بیان ہے کہ میں نے اموالِ مومنین مختلف انواع و اقسام کے خدمت امام علیہ السلام میں بھیجے مگر اُن کے انواع و اقسام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ان کے بھیجنے والوں کے نام لکھے۔ رسید جو برآمد ہوئی اُس میں تمام انواع و اقسام۔ اُن کے مالکوں کے نام مع اُن کی سکونت اور مقام کے پوری تفصیل کے ساتھ درج تھے۔

(۱۱) یہ واقعہ ابو العباس کوفی کے مشاہدات میں داخل ہے۔ مگر اس کے راوی بھی ابو نعیم غفاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ابو العباس ایک بار کچھ مال لیکر آستانِ مقدس پر پہنچے۔ دل میں سوچے کہ بدون اظہارِ حجت اُسکو کسی کو نہ دونگا۔ دلیل حجت قائم ہونے کے لیے اس رقم میں سے کل چھ دینار بلا وزن کردہ نکال لیے اور بقیہ مال کو خادمِ خاص کی معرفت بھجوا دیا۔ فوراً توقیع مبارک کے ذریعے سے چھ دینار کی حقیقت اور اُن کے صحیح وزن لکھ بھیجے گئے۔ انہوں نے انہیں وزن کیا تو وزنِ مسطورہ بالکل ٹھیک پائے۔ فوراً صدق اللہ و حجتہ کہہ کر وہ چھ دینار بھی خدمت امام علیہ السلام میں روانہ کر دیئے۔

(۱۲) اس واقعہ کے راوی محمد ابن حسن مروزی ہیں۔ اُن کو جو ہدایت ہوئی وہ یہ ہے کہ اُن کے مرسلہ دو سَو روپیوں کی رسید میں اتنا اور اضافہ کر دیا گیا کہ ابھی سو روپیہ کی رقم مالِ امام علیہ السلام میں سے تمہارے ذمہ اور واجب الادا ہے۔ جس کا ذکر تو انہوں نے اپنے عریضہ میں نہیں کیا تھا مگر اُس کا علم اُن کو ضرور تھا۔ پھر اسی توقیع مقدس میں یہ تفصیل بھی تحریر تھی کہ اصل میں تمہارے پاس مجموعہ ہزار دینار مالِ امام علیہ السلام سے امانت تھے جس میں سے اب کی بار حاجز کی معرفت پھر دو سَو روپیہ وصول ہو کر اب کل سو روپیہ تمہارے ذمہ باقی رہ گئے۔

اب اگر تم کو روپیہ بھیجنا ہو تو شہرِ رَے میں ابو الحسین اسدی کو حوالہ کر دینا۔ ابو الحسین کی خصوصیت کی وجہ بھی فوراً معلوم ہو گئی کہ غریب حاجز کا ایک دو روز کے بعد ہی انتقال ہو گیا رحمۃ اللہ علیہ۔ اور اُن کا عہدہ ابو الحسین علیہ الرحمۃ کو تفویض فرمایا گیا۔

بہر حال اس باب میں ہم نے اتنے واقعات آپ کے نظامِ امامت کے متعلق لکھے ہیں جن سے ہمارے اوپر کے تمام دعووں کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ موجودہ نظامِ امامت۔ ہدایت و ارشاد کے تمام فرائض پورے طور سے انجام دیتے تھے اور ایسے لوگوں کا جو خاص کر آپ کے پوشیدہ اور زیادہ مخفی رہنے کے باعث آپ کے نظام کی طرف سے تامل کرتے تھے پوری تشفی اور کامل اطمینان کر دیا جاتا تھا۔ جن لوگوں نے حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کے نظامِ امامت جو ان حضرات کے حُسنِ تدبیر کا ایک نام ہے بالکل نظامِ مشیت اور احکامِ قدرت سے تعلق رکھتے تھے۔ جیسی اُس طرف سے تاکید ہوتی تھی ویسی ہی اس طرف سے تعمیل ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ زمانہ اور زمانہ والوں نے دیکھ لیا کہ ان کے محاسنِ تدبیر اور اصابتِ رائے کے مقابلہ میں سلاطین عصر اور فرمانروایانِ دہر کی طرف سے ان کے قتل و ہلاکت کی کیسی کیسی تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ مگر ایک بھی مفید کار نہیں ہوتی تھی۔ اور بخلاف ان مخالفانہ ترکیبوں کے وہ حافظِ حقیقی ان کی حفاظت و صیانت کے اپنی طرف سے ایسے سامان کر دیتا تھا کہ پھر ان کے مخالفین اور معاندین ان کا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تھے ع دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرات سلام اللہ علیہم اپنے ان فرائض مخصوص کو اپنی اپنی حیات کے زمانہ میں نہایت اطمینان کے ساتھ انجام دیے گئے جیسا کہ ہم اس سلسلہ کے سابق تمام نمبروں میں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلا چکے ہیں۔

اُن تمام امور پر غور کرکے جو اوپر گیارہ کتابوں میں

مفصل اور مسلسل طور پر بیان ہو چکے ہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں بھی مخالفین کی شورش اور کاوش اسی طرح اپنے انتہائی درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ جن کے مقابلہ میں آپ کے نظامِ امامت کا اجراء پانا بہت ظاہر بین نگاہ میں ضرور دشوار خیال کیا جاتا تھا۔ مگر یہ واقعات جو ابھی ابھی مختلف روایات کے ذریعہ سے اوپر بیان کیے گئے ہیں ثابت کر دیتے ہیں کہ ان مخالفانہ تراکیب و تدابیر اور ظلم و تہدید کی موجودگی میں آپ کی امامت کے احکام تمام بلادِ اسلام میں برابر نافذ ہوتے رہے اور جن اصول اور حدود تک اُن کا نفاذ ضروری تھا وہ برابر قائم اور جاری رہا۔ اور ان کے اجراء اور نفاذ سے ہدایت و ارشاد کے فرائض انجام ہوتے رہے اور سینکڑوں بندگانِ خدا حقیقتاً ایسی تاریکی اور عام ظلمت کے زمانے میں جب غفلت اور جہالت کے پردے عموماً لوگوں کی آنکھوں پر پڑے تھے۔ راہِ رست اسی کے ذریعہ سے پاتے تھے۔ اور اپنے تمام شکوک۔ وساوس اور شبہات کو جو بشریت کے تقاضے سے اکثر اُن کے دلوں میں خطور کر جاتے تھے دور اور زائل کر لیتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ آپ کی امامت کے باطنی احکام اور مخفی نظام کی ضرورت اور مصلحت اور ان کی حسنِ تدبیر سے کامل طور سے آگاہ ہو جاتے تھے۔

ہم اپنی موجودہ بحث کو یہاں تک پہنچا کر آپ کی امامت کے نظام کے دوسرے امور کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم آپ کے نظام کے بقیہ حالات کو ایک جداگانہ باب میں بار دیگر علیحدہ بیان کریں گے۔ مگر نہیں شاید ہمارا ایسا کرنا سلسلۂ بیان اور موجودہ ترتیب مضامین کے خلاف سمجھا جائے۔ اس لیے ہم ان تمام مضامین کو یکجا جمع کرنا اور ایک ہی سلسلہ میں بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

بہر حال ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ موجودہ بحث کے متعلق جتنے واقعات اوپر لکھے گئے ہیں اُن میں تمام تر اموال خمس کی بابت آپ کے مختلف نظام و احکام کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری قسم نظام اور نوعِ احکام کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے اگر کسی واقعہ سے کوئی دوسری چیز معلوم بھی ... ہوتی ہے تو وہ ضمناً خیال کی جائیگی نہ اصلاً۔ اس لیے اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا پورا احتمال ہے کہ شائد آپ کے نظام اموال خمس ہی کے انتظام تک محدود و موقوف تھے۔ اس لیے ہم کو آپ کے دوسرے احکام بھی اسی تفصیل سے لکھ دینا نہایت ضروری اور لازم ہیں۔

ان ضرورتوں پر غور کر کے ہم اپنے آئندہ سلسلۂ بیان میں آپ کے وہ نظام اور احکام درج کرتے ہیں جو آپ نے ہدایتِ عام۔ اجرائے احکامِ اسلام اور احیاء سنت حضرت خیر الانام علیہ و آلہ الصلوات من رب العلام کے متعلق نافذ فرمائے ہیں۔ اور یہ ایسے ضروری اور مفید احکام تھے جنہوں نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمانوں کی روزانہ عملی ضرورتیں پوری کر دیں۔ اور لوگوں نے احکامِ شرعیہ اور نظامِ دینیہ کے متعلق اپنی کامل تسکین اور کافی تشفی کر لی جن کی نسبت وہ اُسوقت تک کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اپنی عدم واقفیت اور لاعلمی کے باعث انکی ضرورتوں میں ان کو طرح طرح کی دشواریاں اور مصیبتیں پیش آیا کرتی تھیں اور اُن عملیات میں سخت حرج واقع ہوتا تھا ؛

آپ کی امامت کے دوسرے نظام

شیخ طوسی علیہ الرحمۃ کتاب الغیبۃ میں حسین ابن علی ابن بابویہ قمی کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس سال قرامطہ نے تمام بلادِ اسلامیہ میں فتنہ و فساد پھیلا رکھا تھا اور خلافت بغداد کے خلاف میں پورے طور سے مخالفت اور دست بقبضہ ہونے کی جرأت اور بغاوت اختیار کی تھی، تو اُن کے اثر سے تمام ملک میں سخت بدامنی اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور ہر شخص انتشار اور اضطرار کی حالتوں میں گرفتار تھا۔ حسین کے والد علی بن بابویہ نے بھی رات دن کے موجودہ فکر و انتشار کے خیال سے سفر بیت اللہ اختیار کرنے کا قصد کیا۔ اور اپنے خاص حسنِ تدبیر سے اس ہنگامۂ عظیم سے بچنے کی یہ خاص ترکیب نکالی جو ہم خرما و ہم ثواب کی مصداق تھی۔ اور یہ سوچ کر ایک عریضہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں لکھا اور اپنے حج بیت اللہ کے لیے اذن طلب کیا حسین راوی حدیث کا بیان ہے کہ جواب میں

تحریر فرمایا گیا کہ امسال تمہارے لئے حج کرنا بہتر نہیں ہے۔ یہ جواب پاکر آپ کی خدمت میں پھر لکھا گیا کہ امسال میں حج بیت اللہ کے لئے نذر کر چکا ہوں تو کیا ایسی حالت میں قضائے نذر میرے لئے جائز ہوگی؟ جواب میں ارشاد کیا گیا کہ صورتِ موجودہ میں تم مجبور ہو۔ بہتر ہے۔ حج بیت اللہ معظم کو جاؤ۔ مگر سب سے آخر والے قافلہ کے ساتھ جانا۔ حسین کا بیان ہے کہ میرے والدِ ماجد حسب ارشاد امام علیہ السلام اُس قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ جو سب سے آخر میں ہمارے شہر سے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اور الحمد للہ بخیر و عافیت پہنچ گئے۔ اور ان سے پہلے جتنے قافلے گئے تھے اُن سب کو قرامطہ نے لوٹ لیا اور اُن میں کا کوئی فردِ واحد بیت اللہ معظم تک صحیح و سالم نہ پہنچ سکا۔

(۲) ابن قولویہ علی ابن محمد کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میرے دوستوں میں سے ایک صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ انہوں نے اُس کی رسمِ عقیقہ کی نسبت جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی خدمت میں یہ پوچھا تھا کہ بچہ کا عقیقہ یا رسم تطہیر ولادت کے کے دن بعد کیجائے؟ جواب میں حکم آیا کہ نہ کرو۔ چنانچہ ولادت کے ساتویں دن وہ بچہ مر گیا۔ میں نے یہ واقعہ خدمتِ مبارک میں لکھ بھیجا ارشاد ہوا کہ غمگین نہ ہو۔ خدائے سبحانہ و تعالیٰ تمہیں بہت جلد دو بیٹے عنایت فرمائیگا جو انشاء اللہ المستعان تمہارے بعد تمہارا نام و نشان بنکر دنیا میں قائم رہینگے۔ اُن میں سے بڑے کا نام احمد اور چھوٹے کا جعفر رکھنا۔ چنانچہ حسب الارشاد میرے ہاں دو لڑکوں کی ولادت واقع ہوئی اور میں نے ایک کا نام احمد اور دوسرے کا جعفر رکھا۔ اور بفضلہ تعالیٰ دونوں زندہ و سلامت رہے۔

(۳) اِس واقعہ کے بعد وہی راوی بیان کرتے ہیں کہ اِن بچوں کی ولادت کے بعد میں نے حج بیت اللہ کا قصد کیا اور اِس قصد سے اپنے اہل و عیال کو وداع کیا۔ اِسی اثناء میں بغیر تحریک ایک توقیع مقدس میرے نام برآمد ہوئی۔ جس میں تحریر تھا کہ میرے نزدیک تمہارا یہ سفر قرینِ مصلحت نہیں ہے۔ مگر تمہیں اختیار ہے چاہے جاؤ چاہے نہ جاؤ۔ یہ حکم دیکھکر خلاف حکم کرنیکی تو کسی طرح جرأت نہ کر سکا مگر شرفِ حج سے محروم رہ جانیکا بھی سخت صدمہ ہر دم و ہر لحظہ لگا رہتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک دوسری توقیع وارد ہوئی جس میں تحریر تھا کہ تم غمگین و ملول نہ ہو۔ انشاء اللہ المستعان سالِ آئندہ تم حج بیت اللہ سے مشرف ہوگے۔ سالِ آئندہ جب حج کا زمانہ قریب آیا تو میں نے پھر خدمتِ مبارک میں اِس امر کی اطلاع کی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ ضرور جاؤ۔ پھر میں نے عرض کی کہ اس سفر میں میں نے محمد ابن عباس کو اپنا ہم سفر قرار دیا ہے کیونکہ مجھے اُن کی رفاقت اور امانت پر پورا اعتماد ہے۔ جواب میں حکم آیا کہ اگر محمد ابن عباس کی جگہ ابو الحسین اسدی تمہیں ملجائیں تو بہتر ہے تم اُن کو اپنا رفیق اور ہم طریق بنانا۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے جملہ امور کو حسب الارشاد تعمیل کیا۔ مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا پہنچا تو معلوم ہوا کہ سالِ گذشتہ بدوؤں کے ظلم سے بہت سے حجاج کی جانیں تلف ہوئیں۔ اور قافلوں کو اُن کے ہاتھوں بڑی بڑی مصیبتیں پیش آئیں۔ بخلاف سالِ گذشتہ کے سالِ موجودہ میں کوئی تردد اور فکر نہ تھی ہر شخص نے باآرام و اطمینان حج بیت اللہ کے تمام ارکان ادا کئے اور میں بھی مناسک حج ادا کرکے صحیح و سلامت اپنے مقام کو واپس آیا۔

(۴) حضرت قسم ابن علاء رضی اللہ عنہ جو جناب امام علی نقی علیہ السلام کے وقت سے لیکر آپکے موجودہ زمانۂ امامت تک وکالت و سفارت کے عہدے پر مامور تھے اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک امر کے لئے آپکی خدمت میں استدعا کی جس میں ایک حاجت یہ بھی تھی کہ میں بوڑھا ہو گیا اور اِس وقت تک میری کوئی اولاد نہیں ہے جو بعد میں میری یادگار ہو سکے۔ اِس کے ساتھ ہی میری دو اور بھی حاجتیں تھیں۔ چنانچہ میری اُن دونوں حاجتوں کے تو مفصل جواب دئے گئے۔ مگر اولاد والی حاجت کی بابت کچھ نہ تحریر فرمایا گیا۔

جس کی وجہ سے مجھ کو سخت اندیشہ اور فکر دامنگیر ہوئی۔ بارِ دیگر میں نے اِس امرِ خاص کے لیے عریضہ لکھا۔ اب کی بار مجھے جواب میں لکھا گیا کہ میں نے تمہاری استدعا کا جواب نہ دیا اس لیے کہ میں نے اس مادہ خاص میں خداوند تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ وہ تمہیں فرزند عطا فرمائے اور جو تمہارے گھر میں لڑکی کا حمل ہے اُس کو اپنی قدرتِ کاملہ سے لڑکے کی شکل میں مبدّل فرماوے۔ یہ خط پڑھ کر مجھے سخت تعجب ہوا۔ کیونکہ مجھ کو اپنی زوجہ کے حاملہ ہونے کا مطلق علم نہیں تھا۔ میں نے اپنی زوجہ سے اس امر کو دریافت کیا تو اُس نے اس کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ جو بیماری امتناعِ حمل کی مجھ عرصہ سے لاحق تھی وہ بالکل زائل ہو گئی چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔

(۵) علی ابنِ محمد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک توقیعِ مبارک عام شیعہ گروہ کے نام برآمد ہوئی جس میں تحریر فرمایا تھا کہ اِن ایام میں کوئی شخص عتباتِ عالیات کاظمین شریفین۔ کربلائے معلّٰی۔ نجفِ اشرف اور سائرِ مشاہدِ مقدسہ کی زیارت کو نہ جائے۔ اِس حکم سے تمام شیعہ پبلک میں ایک عام بےچینی اور انتشار پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ دو چار مہینے گزرنے کے بعد وزیرِ بغداد نے باقطائی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی خلوت میں بلا کر کہا کہ شیعیانِ بنی فرات اور اہلِ برس کو بلا کر کہو کہ مقابرِ مقدسہ کی زیارت کو نہ جائیں کیونکہ مجھ کو حکمِ سلطانی ہوا ہے کہ ایسے لوگوں کی تلاش اور تفحصِ احوال کر کے گرفتار کروں۔ عنقریب وہ لوگ گرفتار ہو کر بادامِ الحیات قید میں رکھے جائیں گے۔

اِسی ایک واقعہ سے آپ کے نظامِ امامت کے فوائد اور منافع علیٰ رؤس الاشہاد معلوم ہو جاتے ہیں۔ جو حضرات کہ اپنی کوتاہ اندیشیوں کے باعث آپ کے نظامِ امامت کو دنیاوی مصالح کے لئے ضروری اور مفید نہیں سمجھتے وہ تنہا اسی واقعہ کو دیکھ کر سمجھ لیں اور یقین کر لیں کہ آپ کے موجودہ احکام نے شیعہ گروہ کی کتنی غریب جانوں کو ضائع اور برباد ہونے سے بچایا۔ اور انکو ایک ایسی آنیوالی بلا سے مطلع فرمایا جسکی انہیں مطلق اطلاع اور خبر نہیں تھی اور وہ اپنی لاعلمی کے باعث بہت جلد سخت سے سخت مہلکہ میں یکبارگی پھنس جاتے۔

(۶) غالبِ رازی کا بیان ہے کہ میں اپنے چند رفیقوں کے ہمراہ حضرت ابی روح رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ انہوں نے میرے رفیقوں میں سے ایک صاحب کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ انہوں نے میری نسبت معرفاً یہ عرض کی کہ یہ زرارہ ابن اعین کی اولاد سے ہیں۔ پھر وہ خود مجھ سے مخاطب ہوئے اور میرے حسب و نسب کی تحقیق مجھ سے دریافت فرمانے لگے۔ میں نے عرض کی کہ اے سیّد! میں بکر ابن اعین کی اولاد سے ہوں جو زرارہ کے برادرِ عینی تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اِس میں کلام نہیں آپ خاندانِ اعلیٰ اور دودمان والا سے ہیں۔ آپ کے پدر بزرگوار بہت بڑے نامور اور باا‌ثر گزرے ہیں۔ اِس اثنائے گفتگو میں میرے رفیق نے انجم سے عرض کی کہ اے سیّد! اسوقت مجھے آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ آپ میری طرف سے ایک امرِ خاص کے متعلق امام علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں ایک عریضہ لکھ دیں۔ انہوں نے کہا بہتر۔ میں ابھی لکھے دیتا ہوں۔ یہ سُن کر مجھے بھی یہ خیال ہوا کہ میں بھی اپنے ایک امرِ خاص کے لیے خدمتِ امام علیہ السلام میں عرض کروں۔ اور وہ امر ایسا رازِ مخفی تھا جسکو سوائے میرے اور کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں تھا۔ اور وہ راز یہ تھا کہ میری زوجہ (ابو العباس کی ماں) ہمیشہ سے میری سخت مخالف تھی۔ اور اُس کے سلوک میرے ساتھ اچھے نہیں رہتے تھے۔ لیکن باوجود مخالفت کے اُس کی محبت میرے دل سے سطح کم نہیں ہوتی تھی۔ اور میں ہمیشہ اُس کا گرویدہ بنا رہتا تھا۔ اسی راز کو اپنے دل میں مخفی رکھ کر میں نے اُسے خدمتِ امام علیہ السلام میں پیش کرنے اور فیمابین رسمِ اتحاد قائم ہونے کے لیے دعا فرمائی جانے کے لیے استدعا کی۔ اور یہ نیت دل میں کر کے میں نے حضرت ابی روح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے بھی

خدمتِ امام علیہ السلام میں کچھ عرض کرتا ہے۔ مگر اُسے لکھ کر افشا کرنا نہیں چاہتا۔ صرف حاجت خاص لکھکر خدمتِ بابرکت میں مستدعی ہوتا ہوں۔ چنانچہ صرف اتنا ہی لکھکر میں نے اپنا اور اپنے رفیق کا عریضہ خدمتِ امام علیہ السلام میں بھیجدینے جانے کے لئے حضرت ابی رَوح رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردیا۔ اُنہوں نے وہ دونوں رقعے اپنے پاس رکھ لیے۔ پھر ہم لوگ اُن کے پاس سے اُٹھ آئے۔ جب اِس واقعہ کو تھوڑا زمانہ ہوگیا تو ہم لوگ دریافتِ احوال کی غرض سے پھر حضرت ابی رَوح علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہی اُنہوں نے ایک رقعہ بحیدہ نکالا اور ہم لوگوں کے پاس رکھدیا۔ ہم لوگوں نے اُس توقیعِ مبارک کو پڑھا تو اُس میں پہلے ہمارے رفیق کے مدعا کا حسب دلخواہ جواب مندرج تھا۔ جسے پڑھکر وہ بہت خوش ہوئے۔ اِس کے بعد میری استدعا کا جواب تحریر تھا اور اُسکی عبارت سراپا ہدایت یہ تھی کہ سوالِ رازی کے متعلق خدائے سبحانہ و تعالیٰ سے دعا کردی گئی ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اُسکے اور اُسکی زوجہ کے فیمابین اصلاح جاری اور قائم فرمادے۔ یہ تحریر پڑھکر میں بہت مسرور ہوا اور آپ کا رعب عظیم مجھ پر مستولی ہوا۔ اِس کے بعد میں اور میرا رفیق دونوں وہاں سے واپس ہوئے۔ اثنائے راہ میں میرے رفیق نے مجھ سے کہا کہ تم نے بھی تو اپنی استدعا کا جواب پالیا۔ میں نے کہا ہاں۔ اور اُسکے ساتھ مجھے سخت حیرت اور تعجب لاحق ہے۔ میرے رفیق نے کہا کہ مجھے خود تعجب ہوتا ہے کہ تم اِن معاملات میں حیرت کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ معاذ اللہ۔ میرے تعجب کا خدا گواہ ہے اور کوئی مطلب نہیں ہے۔ صرف اسی قدر کہ یہ ایک ایسا راز تھا جس سے سوا میرے کوئی دوسرا اِس وقت تک آگاہ نہیں تھا۔ میرے رفیق نے کہا سبحان اللہ اتم ناحیۂ مقدسہ کے نظام میں شک کرتے ہو۔ غرض اس گفتگو کے بعد پھر ہم لوگ اپنے اپنے مکان واپس چلے آئے۔ مجھے کوفہ جانیکا اتفاق ہوا۔ اور میں اپنی سسرال کو نہ گیا جہاں میری زوجہ مجھ سے ناراض ہوکر اور میرے گھر سے اٹھکر جا رہی تھی مگر میں اپنے گھر گیا۔ خلاف معمول میرے واپس آنیکی خبر سُنکر میری زوجہ خود بخود میرے گھر واپس آئی اور آتے ہی مجھ سے اپنی بدسلوکی۔ بیرحمی اور کج خلقی کی نسبت بہت معذرت کی اور اس کے عوض میں میری اتنی دلجوئی عظمت و خدمت کی۔ اور اُسی دن سے موافقت۔ مرافقت اور اخلاص و اتحاد کے باہمانہ تمام طریقے جاری کئے۔ اور مخالفت و نفار کے قدیم دستور درمیان سے اٹھادیے۔ یہاں تک کہ اجلِ موعود نے ہمارے اور اُس عفیفہ کے درمیان دائمی مفارقت کردی۔ خدائے ارحم الراحمین اُسکی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

(۷) ایسا ہی واقعہ ابوالفرج محمد ابن مظفر کی زبانی نقل ہے۔ وہ شہر کوفہ کے بازار ابی غالب کے رہنے والے تھے اُنہوں نے اِس واقعہ کو پانچویں ذیقعدہ روز یکشنبہ ۳۵۶ھ کو بیان کیا۔ اِس طرح کہ میں نے ایک عورت سے عقد کیا۔ اور وہ پہلی عورت تھی جس کے ساتھ میں نے نکاح کیا تھا۔ میں ان دنوں اپنی پوری جوانی پر تھا۔ اور تخمیناً بیس برس کی عمر کا تھا اور شادی کی بعد کئی برس تک اپنی سسرال میں مہمان رہا۔ اور اِس اثناء میں برابر اِس فکر میں رہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح میں اپنی زوجہ کو اپنے گھر رخصت کرا لیجاؤں۔ مگر جب اِس امر کا اظہار اپنی سسرال والوں سے کرتا تھا وہ برابر انکار کرتے تھے۔ اسی مدت میں اُسے حمل ہوگیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد لڑکی پیدا بھی ہوئی اور مر بھی گئی۔ اتفاقاً میں نہ اُسکی ولادت کے وقت موجود تھا اور نہ اُسکی وفات کے وقت۔ اور اُسکی وجہ یہ تھی کہ میری زوجہ کے نہ رخصت کردینے کے سبب میں ناراض ہوکر سسرال سے اپنے گھر چلا آیا تھا۔ لڑکی کے مرجانیکے بعد ہم میں اور سسرال والوں میں اس امر کا تصفیہ ہوگیا کہ وہ لوگ میری زوجہ کو رخصت کردیں۔ یہ وعدہ وعید کرکے میں اپنے گھر چلا آیا اور وعدہ کے دن اپنی بی بی کو لانیکے لیئے گیا تو اُن لوگوں نے بدستور سابق پھر ویسے ہی انکار و ممانعت پیش کی۔ اتفاق وقت سے پھر وہ اِن ایام میں حاملہ ہوگئی۔ غرضکہ پھر کہنے سننے سے آپس میں مصالحت ہوگئی۔ مگر یہ مصالحت بھی دیر پا نہ رہی تھوڑے ہی دن کے بعد پھر ویسے ہی فتنہ و فساد کے دروازے

کھل گئے۔ پھر میری موجودہ غیبت کے زمانہ میں میری دوسری لڑکی پیدا ہوئی اور اُسکی ولادت سے کامل دو برس تک فیمابین عداوت اور مخاصمت قائم رہی۔ اِس حالت میں شہر بغداد میں داخل ہوا۔ اور چونکہ اہالیان کوفہ کے ملجاؤ ماوا فی زمانہا ابوجعفر محمد ابن احمد تھے اور قرابت میں وہ بمنزلہ میرے باپ اور چچا کے ہوتے تھے اور وہ اُس وقت تک بغداد ہی میں مقیم تھے۔ اس لیئے میں نے انہی کے پاس قیام کیا اور اپنے اسی قیام کے زمانہ میں جو جو فسادات اور عداوت کہ فیما بین ہمارے اور ہماری سسرال والوں کے قائم تھی وہ ایک ایک کر کے اُن سے بیان کردی۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہ حالات و واقعات لکھکر خدمتِ امام علیہ السلام سے اس اپنے معاملۂ خاص میں دعائے فرج کی استدعا کرو۔ چنانچہ اُن کے ارشاد کے مطابق میں نے ایک عریضہ کی صورت میں اپنے تمام ماجرے کی مفصل اور مسلسل صورتِ حال قلمبند کی اور اُسکو خدمتِ فیضدرجت میں پہنچادیئے جانیکی غرض سے ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کردیا۔ انہوں نے اسکو محمد ابن علی علیہ الرحمہ کے سپرد فرمادیا اور انہوں نے جناب حسین ابن روح رضی اللہ عنہ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچادیا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں وکیلِ خاص کے عہدہ پر وہی فائز تھے۔ اور یہ تمام اُمور انہی کے توسل سے آستانہ مقدس تک پہنچائے جاتے تھے۔ اِن معاملات کو عرصہ ہوگیا۔ بالآخر ایک بار میں حسین ابن روح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استفسارِ حقیقت کی غرض سے گیا۔ انہوں نے میری عرضِ حال سُنکر جواب دیا کہ میرے نزدیک تاخیرِ جواب تمہارے حق میں زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ عجلت میری طرف سے ہوگی اور تاخیر امام علیہ السلام کی طرف سے۔ یہ سُنکر میں اُنکی خدمت سے اُٹھ آیا۔ جب اس گفتگو کو بھی عرصہ گزر گیا اور پھر بھی کچھ حقیقتِ احوال نہ معلوم ہوئی۔ یہانتک کہ میں نے اسکا خیال بھی بھلا دیا تو ایک دن حسین ابن روح رضی اللہ عنہ نے خود مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو مجھے ایک مجیدہ رقعہ دیکر ارشاد فرمایا کہ یہی تمہاری استدعا کا جواب ہے۔ اگر تم چاہو تو اسکی نقل لیلو میں نے پڑھا تو اُس میں تحریر تھا کہ خداوند عالم نے زن و شوہر کے معاملات میں اصلاح فرمادی۔ اور مخالفت فیما بین سے اُٹھا دی۔ یہ پڑھکر میں نے اُس توقیع مبارک کی ایک نقل لیکر اپنے ہمراہ رکھ لی اور اصل تحریرِ مقدس اُنکو واپس دیدی۔ پھر میں کوفہ آیا تو میں نے اپنی زوجہ کو اپنا نہایت مطیع اور فرمانبردار پایا اور پھر وہ مادام الحیات میری اطاعت و فرمانبرداری کی تمام خدمات نہایت خوبی سے بجالاتی رہی۔ اُس کے بطن سے میری متعدد اولادیں وجود میں آئیں۔ جو میرے بعد دنیا میں میری یادگار ہیں حالانکہ میں نے اُس کے ساتھ مختلف اقسام کی بدسلوکیاں اور سختیاں ایسی ایسی کی تھیں جن کو عام طور سے عورتیں برداشت نہیں کرسکتیں۔ لیکن باوجود اِن تمام اُمور کے کبھی اس عورت کا منہ میری طرف سے میلا نہوا۔ اور نہ اُس کے گھر والوں نے کبھی سابق شکایتوں کے متعلق مجھ سے اشارۃً یا کنایۃً ذکر کیا۔ یہاں تک کہ اجلِ موجود نے ہمارے اور اُس کے درمیان دائمی مفارقت پیدا کردی۔

(۸) یہی ابی غالب اپنا ایک دوسرا واقعہ اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ اِس واقعہ سے پہلے میں نے ایک عریضہ اِس مضمون کا خدمتِ امام علیہ السلام میں روانہ کیا کہ میں اپنی اراضی خدمتِ امام علیہ السلام میں نذر کرتا ہوں۔ قبول فرمائی جائے۔ اُس وقت اِس سے میری نیت تقربِ خدا حاصل کرنیکی مطلق نہیں تھی۔ بلکہ میرا تمام مقصود یہ تھا کہ میں طائفہ نوبخت سے سازش کر کے دولت دنیاوی اور آرام و عشرت حاصل کروں۔ میرے اِس عریضہ کا ایک مدت تک جواب نہیں آیا۔ میں نے جواب حاصل کرنیکے لیے بار بار عریضے پر عریضہ لکھا اور شرف جواب عطا فرمائے جانیکے لیے اصرار پر اصرار کیا تو تب کہیں مجھے یہ جواب عنایت ہوا کہ جس شخص کی امانت و دیانت پر تمہیں پورا اعتماد ہو اُس کے نام اپنی اراضی لکھدو۔ کیونکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر تم کو اسی اراضی کی ضرورتِ شدید پیش آنیوالی ہے۔ یہ حکم پاکر میں نے وہ اراضی موسٰے ابن حسن زجوجی رئیس کوفہ کے نام لکھدی کیونکہ مجھکو انکی امانت و دیانت پر پورا اعتماد تھا۔ اِس تحریر کو لکھے ہوئے ابھی کوئی زمانہ نہیں ہوا تھا کہ عرب کی ایک راہزن قوم میرے گھر پر چھاپہ مارا اور نقدیات وغیرہ سے جو کچھ میرے گھر میں تھا اُٹھا لے گئے۔ اور مال و اسباب کے متعلق

میرے تمام گھر میں ایسی جھاڑو پھیر دی کہ ایک تنکا تک بھی باقی نہیں چھوڑا۔ انہوں نے اس پر بھی اکتفا نہیں کی۔ مجھکو مقید بھی کر لیا۔ میری تمام جائداد جو تلف کر دیگئی وہ چار ہزار کامل کی مالیت تھی۔ غرضکہ میں اُنکی اسیری میں ایک مدت تک رہا۔ اور انواع و اقسام کے مصائب و شدائد دن رات اٹھاتا رہا۔ آخرِ کار میں نے اپنی آزادی کو پندرہ سو درہم دیکر بار دیگر خرید کر لیا۔ اور ہمارے اُنکے درمیان یہ معاملہ طے پایا کہ رقم موعودہ کی کامل ادا کاری کے بعد وہ ہم کو سابق بدستور آزاد کر دینگے۔ اور پھر ہم سے کوئی واسطہ اور سروکار نہ رکھینگے۔ مگر یہ سب کچھ تو ہو گیا۔ اتنا روپیہ کس کے پاس تھا جو یہ انتظام کئے جاتے۔ میں نے اپنی آزادی پانے کی تمنا میں اس رقم کی اپنے تمام احباب سے منت و سماجت کی مگر کہیں سے کوئی انتظام نہو سکا۔ اور کسی نے مجھ کو ایک حبہ نہ دیا۔ میں نے اُسکے لیے اتنی کوشش کی کہ مختلف مقامات پر متفرق قاصد متواتر بھیجے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور الٹے اِن بندوبستوں میں میرے پانچسو روپیہ اور صرف ہو گئے۔ آخرِ کار ایک شخص سے میں نے اتنی رقم قرض لی کہ قید رہزناں سے مخلصی پا کر اپنے شہر کوفہ میں پہنچ گیا۔ پھر اُسی اراضی کو بیچا اور یہ دین ادا کیا۔ اور مجھ کو اسی وقت قول امام علیہ السّلام کی کامل تصدیق و توثیق ثابت اور معلوم ہو گئی۔

(۹) ابن نوحؒ کی زبانی علی ابن حسین ابن یوسف قمی کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ علی ابن حسین قمیؒ نے اپنی چچیری بہن کے ساتھ جو محمدؔ ابن موسےٰ کی صاحبزادی تھیں عقد کیا۔ لیکن ایک زمانہ تک اُن سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ تب نے حضرت ابن قسم کے ذریعہ سے خدمتِ امام علیہ السّلام میں یہ استدعا کی کہ عطائے اولاد کے لیئے درگاہِ قاضی الحاجات میں دعا فرمائی جائے۔ اِس کے جواب میں مجھے تحریر فرمایا گیا کہ اس بی بی سے تمہاری کوئی اولاد ہونیوالی نہیں مقدر کیگئی ہے ہاں تمہاری کنیز دیلمیہ سے تمہارے بیٹے ہونگے۔ جو صاحب علم و فقیہ مشہور ہونگے۔ انشاء اللہ المستعان۔ چنانچہ میعادِ مقررہ کے بعد اُسی کنیز دیلمیہ سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام محمدؔ۔ حسنؔ و حسینؔ رکھے۔ جن میں سے محمدؔ اور حسینؔ بہت بڑے عالم۔ فقیہ اور محدث نکلے۔ دونوں دینیات میں اپنا عدیم و نظیر نہیں رکھتے تھے۔ باقی حسنؔ۔ جو اُنکے برادر اوسط تھے۔ وہ علوم ظاہری میں تو چنداں معرفت پیدا نہ کر سکے۔ ہاں زہد و عبادت میں البتہ اِس قدر محو تھے کہ اُنکو دنیا کے ایک کام سے بھی کوئی واسطہ اور سروکار نہیں تھا۔ محمدؔ و حسینؔ (رحمہما اللہ تعالےٰ) کی جامعیت۔ قابلیت اور استحفاظِ احکامِ شریعت وغیرہ کی یہ کیفیت تھی کہ ذکرِ حدیث اور بیانِ وعظ وغیرہ کے خاص اوقات میں اُنکے حسن تقریر۔ فصاحت و بلاغت اور کلام کی سلاست کو سُن سُنکر تمام لوگ حیران اور انگشت بدنداں رہکر خاموش رہجاتے تھے اور کسیکو یارائے کلام نہیں ہوتا تھا اور اُنکے آگے کوئی بول نہیں سکتا تھا اور نہ اپنے لبہائے تقریر کھول سکتا تھا۔ بلکہ بکمال اعتراف ہر شخص یہی کہتا تھا کہ یہ تمام فضل و کمال دعائے امام علیہ السّلام کے باعث ہے۔ ورنہ ساداتِ قم میں صاحب علم و استعداد بہت سے حضرات موجود ہیں مگر اِن کے ایسا کسی کو فروغ حاصل تھا نہ شہرت۔

(۱۰) کتاب اکمال الدین میں حسنؔ ابن فضل یمانی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں شہر سرمن رائے میں مقیم تھا کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کی خدمت سے ایک کیسۂ سربستہ میرے لیے آیا جس میں چند دینار تھے اور اسکے ساتھ دو کپڑوں کے طاقے بھی تھے۔ میں نے اِس تحفۂ مبارک کو لینا پسند نہ کیا اور واپس کیا اور اپنے دل میں یہ سوچا کہ میری موجودہ حیثیت ایسی نہیں ہے کہ میں ایسا چھوٹا اور بےمقدار تحفہ قبول کروں اِن اشیاء کا قبول کرنا میرے موجودہ اقتدار کے خلاف اور بدنامی کا باعث ہوگا۔ مگر میں جب اِن چیزوں کو واپس کر چکا تو پھر مجھے سخت ندامت اور حیرانی بھی لاحقِ حال ہوئی۔ اور بالآخر میں نے اپنی اِس گستاخی کی خاص معذرت میں ایک عریضہ بھی لکھا اور خدمتِ بابرکت میں بھیجدیا اور اسی وقت یہ نیت کر لی کہ اگر وہ اشیاء پھر آپکی طرف سے مجھے واپس ملینگی تو انشاء اللہ المستعان میں انہیں بغیر دیکھے اور بغیر کھولے ویسے ہی اپنے باپ کے پاس لیجاؤنگا۔ اور انہی کو دیدونگا۔ اور وہ جس مصرف میں چاہینگے اُسے لائینگے۔ اِس عریضہ کے جواب میں مجھے تحریر

فرمایا گیا کہ حقیقۃً تم نے اس کیسہ کے بھیج دینے میں خطا کی ہے کیا تمہیں آج تک معلوم نہیں کہ میں اپنے انفاق و ایثار کے ایسے معاملات خاصکر اپنے انہی احباب کے ساتھ کیا کرتا ہوں جو میرے نزدیک کامل الایمان اور خالص الاعتقاد ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ اُن لوگوں نے اِن ہدایا اور تحائف کو بحسن و برکت کے خیال سے خود مجھ سے مانگا ہے۔ اور میں نے بھی اپنی نہایت مسرت سے اُنکی مطلوبہ چیزیں انکو بھیجدی ہیں۔ لیکن اسوقت بخلاف اُن لوگوں کے تم نے خاصکر میرے الطاف و احسان کو خفیف و حقیر سمجھا اور واپس کر دیا۔ مگر اب چونکہ تم خدائے سبحانہ و تعالےٰ سے عفو تقصیر کے خواستگار ہوئے۔ اِس لیے اُس غفور و رحیم نے تمہاری تقصیر کو معاف فرمایا۔ مگر چونکہ اب تمہارا یہ قصد ہے کہ وہ رقم خود تم اپنے مصرف میں نہ لاؤ اس لیے وہ رقم تو تمہیں نہیں بھیجی جاتی ہے۔ ہاں وہ دونوں طاقے کپڑے کے البتہ پھر بھیجے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ تم انہی کپڑوں میں احرام باندھو اور حج بیت اللہ زاد اللہ شرفہا کو چلے جاؤ۔

(۱۱) ابو محمد اوجنانی رحمہا اللہ تعالےٰ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے شہر کے احوال میں سخت بدامنی اور بے چینی پیدا ہوگئی۔ اور عموماً کوچہ و بازار میں فتنہ و فساد برپا ہوگیا۔ آخرکار ہم اپنے شہر سے نکلکر بغداد میں چلے آئے اور یہاں ہنوز تک مقیم رہے۔ اسی اثناء میں ایک بزرگ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اب تم اپنے شہر کو واپس جاؤ۔ اُن کا یہ ارشاد سنکر مجھے سرتابی کی مجال تو نہیں ہوئی مگر بغداد سے نکلنے کے لیے کسی طرح ابھی طبیعت نہیں چاہتی تھی۔ بہرحال ہم طوعاً و کرہاً اُسی حالت میں شہر بغداد سے نکلے اور شہر سامرہ میں پہنچے اور قصد کیا کہ چندے یہاں قیام کیا جائے مگر پھر اپنے گھر کی پریشانی اور عدم اطمینانی کی وجہ سے یہاں بھی طبیعت نہیں لگی اور گھر واپس جانیکی پوری نیت ہوگئی۔ الغرض وہاں سے چلا راہ ہی پر تھا کہ پھر وہی بزرگ میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے ایک خط نکالکر مجھے دیا جو میرے اہل و عیال نے لکھا تھا۔ اُسکی عبارت یہ تھی۔ "الحمد للہ اب شہر میں امن و امان ہوگیا اب تم چلے آؤ۔"

(۱۲) راویان سابقین رحمہا اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ مال امام علیہ السلام میں سے ایک ہزار دینار جو حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے بھیجے تھے وہ میرے پاس امانتاً جمع تھے میں نے قصد کیا کہ وہ تمام و کمال رقم خدمت امام علیہ السلام سے پہنچا دی جائے۔ اس لیے ہم لوگ بمعیت ابوالحسین اور اسحٰق ابن جنید روانہ ہوئے۔ ابوالحسین نے وہ خرجین (تھیلی) جس میں وہ مال رکھا تھا اٹھا لی۔ جب ہم لوگ اُس محلہ میں جو قبر ابوحنیفہ سے قریب ہے پہنچے تو ہم لوگوں نے اُن گدھوں کو تلاش کرنا شروع کیا جن کو ہم قبل سے کرایہ کر چکے تھے انہی تجسس و تلاش میں جب ہم قریہ ناحول کے قریب پہنچے تو ہم نے آخرکار ابوالحسین سے کہا کہ تم خرجین کو لیے ہوئے دوڑ کر قافلہ سے ملجاؤ۔ اور ہم یہاں کرایہ کا ایک گدھا ابن اسحٰق کیواسطے پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بوڑھا آدمی ہے۔ بغیر سواری کے پیدل نہیں جا سکتا۔ اور نہ کبھی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے نہایت دقت سے کرایہ کا ایک خچر پیدا کیا اور اُس پر اسحٰق کو سوار کرا کے قریہ حیرہ کے قریب قافلہ کو آلیا۔ اور پھر وہاں سے ہم لوگ ہمراہی قافلہ روانہ ہوئے راستہ میں میں نے ابوالحسین کو خرجین اٹھائے ہوئے دیکھکر کہا کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ اُس نے یہ منصب عالی تمہیں عطا فرمایا۔ اُس نے جواب میں کہا البتہ میں خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی اس عنایت خاص کے لیے شکر بجا لاتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ یہ مبارک خدمات مجھ لیا کرے۔ الغرض تھوڑے عرصہ کے بعد ہم لوگ بخیر و عافیت شہر سامرہ میں داخل ہوگئے۔ اور وہ تمام و کمال مال وکیل امام کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وکیل نے وہ رقم ایک رومال میں باندھکر ایک غلام حبشی کی معرفت آپکی خدمت میں بھیجدی۔ عصر کیوقت ابوالحسین وہ خالی بقچہ میرے پاس اٹھا لائے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت ابوالقسم وکیل امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ وہ غلام حبشی جو رومال میں تمہارا مرسلہ مال لیکر پہنچا گیا تھا یہ روپیہ لایا ہے۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں یہ روپیہ اُس شخص کو دیدوں جو یہ مال اپنی پشت پر اٹھا کر لایا ہے۔ اور وہ ابوالحسین اسدی تھے ہم لوگوں نے وہ روپے اُن سے لے لیے۔ ابوالحسین اہری اسوقت ہمارے پاس موجود نہیں تھے۔ کچھ دیر کے بعد آنے

تو بغیر ہماری کسی تحریک کے کہنے لگے کہ اثنائے سفر میں جب تم بمقام حیرہ ہم سے آملے تو ہم نے اپنے دل میں اُس وقت یہ آرزو کی تھی کہ کیا اچھا ہوتا اگر جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے حضور سے کچھ روپئے مجھے عنایت فرمائے جاتے تو میں انہیں تبرک سمجھکر اپنے پاس رکھتا۔ ایک مرتبہ میں نے اور ایسی ہی تمنا کی تھی جس وقت ہم تم دونوں فوج میں نوکر تھے۔ اُن سے یہ روئداد سنکر فرطِ مسرت کے مارے مجھ سے تحمل اور ضبط نہ ہو سکا اور بیساختہ ابوالحسین کو گلے سے لگا کر کہنے لگا کہ لو جو خدائے واہب العطایا نے تمہاری استدعا کے مطابق تمہیں عطا فرمایا ہے۔ ابوالحسین اسدی نے بکمال مسرت وہ روپئے مجھ سے لیلئے اور الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی محمد و آلہ الطیبین والطاہرین کہکر اپنے پاس رکھ لیے۔

بہرحال۔ ہم نے اتنے واقعات اپنے بیان کی تصدیق میں لکھدیے جو ہمارے مدعائے تالیف کو پورے طور سے ثابت کرتے ہیں۔ اِن مشاہدات اور خاص معاملات کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ غیبتِ صغریٰ کے ایام میں آپ کے باطنی نظام تمام لوگوں کے انجاحِ مطالب اور رفعِ حوائج کے لیے ویسے ہی مؤید۔ معاون اور مفید ثابت ہوتے ہیں جیسے اور ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی ظاہری امامت کے نصاب۔ اِن تمام واقعات کو غور سے پڑھکر بخوبی یہ تصفیہ کر لیا جا سکتا ہے کہ تفقدِ احوال النّاس یا فلاح و صلاحِ عامہ کی بابت وہ کونسے امور رہ گئے ہیں جو آپ کے موجودہ نظام میں داخل نہیں پائے جاتے۔ ہمارا ذاتی خیال جہانتک کام کرتا ہے ہمیں یہ امر پورے طور سے ثابت ہوتا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام اِن مطالب و مقاصد کے متعلق نہیں چھوڑا گیا ہے۔ اور تمام لوگوں کی استدعا۔ تمنا اور حاجت انکی خواہشوں کے مطابق پوری فرما دی گئی ہیں۔ جس نے جیسی خواہش جس وقت کی یا جیسی درخواست اور جیسی استدعا آپکی خدمت بابرکت میں کی ویسی ہی پوری فرما دی گئی۔ جیسا کہ اوپر کے واقعات سے مفصل اور مسلسل طور پر ظاہر ہو گیا۔

آپ کے اِن اقسامِ نظام کو تمام کر کے اب ہم آپ کے وہ مخصوص احکام بیان کرنیکا شرف حاصل کرتے ہیں جو خاص طور پر اجرائے احکام شریعت اور احیائے سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق نافذ فرمائے گئے ہیں۔

اجرائے شریعت اور احیائے سنّت

(۱) چند مسائل کی تحقیق میں بعض فریب پیشہ حضرات کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے جواب نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارے کمالِ استعداد اور جامعیت کے خاص نمونے ہیں۔ یہ دعویدار شلمغانی حضرت تھے جن کی عالم فریبی کی پوری حقیقت ہم ایک جداگانہ بحث میں عنقریب لکھیں گے۔ انشاء اللہ المستعان۔

بہرحال یہ مسائل اور اِنکے جواب لکھکر ناحیہ مقدسہ میں بھیجے گئے۔ اُن کے جواب میں جو توقیع حضراتِ سائلین کے نام برآمد ہوئی اس کی عبارت یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَدْ وَقَفْنَا عَلٰى هٰذِهِ الرُّقْعَةِ وَمَا تَضَمَّنَهٗ فَجَمِيْعُهٗ جَوَابُنَا وَلَا مَدْخَلَ لِلْمَخْذُوْلِ الضَّالِّ الْمُضِلِّ الْمَعْرُوْفِ بِالْعَزَاقِرِيِّ لَعَنَهُ اللّٰهُ فِيْ حَرْفٍ مِنْهُ وَقَدْ كَانَتْ اَشْيَاءُ خَرَجَتْ اِلَيْكُمْ عَلٰى يَدَيْ اَحْمَدَ بْنِ بِلَالٍ وَغَيْرِهٖ مِنْ نُظَرَائِهٖ وَكَانَ مِنِ ارْتِدَادِهِمْ عَنِ الْاِسْلَامِ مِثْلُ مَا كَانَ مِنْ هٰذَا عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَغَضَبُهٗ ـ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تمہارے خط کے مضامین سے میں مطلع اور آگاہ ہوا۔ تم نے اُن سوالات کے متعلق جن کو اپنے خط میں لکھا ہے۔ مجھ سے پوچھا ہے۔ میں تم لوگوں کو مطلع کرتا ہوں کہ وہ تمام میرے ہی جواب ہیں اور اُن میں اُس گمراہ اور گمراہ کنندۂ خلائق جسکو عزاقری کہتے ہیں۔ خدا کی اسپر لعنت ہو۔ اُسکا ایک حرف بھی داخل نہیں ہے۔ اور اِس سے قبل جناب احمد ابن بلال وغیرہ کی معرفت جا چکا ہے جو اُسکے ارتداد عن الاسلام سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ خدا کی لعنت اور غضب اُن سب پر ہو۔

(۲) اِن توقیعاتِ مبارکہ کی نسبت جو دائرہ مومنین میں آپ کی طرف منسوب کیجاتی تھیں پوچھا گیا تو ذیل کی عبارت میں صدورِ حکم فرمایا گیا۔

إِلَّا مَا اسْتَبَنْتَ فَإِنَّهُ لَا ضَرَرَ فِي خُرُوجِ عَلَى أَيْدِيهِمْ وَإِنَّ ذَلِكَ لَصَحِيحَهُ یعنی جن احکام کی بابت یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص معتمد کی معرفت یہ حکم نافذ ہوا ہے تو اسکے صحیح مانے جانے میں کوئی ضرر نہیں ہے

(۳) ایک بار ایسا ہی واقعہ اور پیش ہوا تھا جس میں پوری صراحت کے ساتھ ذیل کے احکام صادر فرمائے گئے تھے۔

اَلْعِلْمُ عِلْمُنَا وَلَا شَيْءَ عَلَيْكُمْ مِنْ كُفْرِ مَنْ كَفَرَ فَمَا صَحَّ لَكُمْ مِمَّا خَرَجَ عَلَى يَدِهِ بِرِوَايَةِ غَيْرِهِ مِنَ الثِّقَاةِ رَحِمَهُمُ اللهُ فَاحْمَدُوا اللهَ وَاقْبَلُوا وَمَا شَكَكْتُمْ فِيهِ أَوْ لَمْ يَخْرُجْ إِلَيْكُمْ فِي ذَلِكَ إِلَّا عَلَى يَدِهِ فَرُدُّوهُ إِلَيْنَا لِنُصَحِّحَهُ أَوْ نُبْطِلَهُ وَاللهُ تَقَدَّسَتْ أَسْمَائُهُ وَجَلَّ ثَنَاؤُهُ وَلِيُّ تَوْفِيقِكُمْ وَحَسْبُنَا فِي أُمُورِنَا كُلِّهَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔

یعنی۔ اصل علم ہمارا علم ہے۔ اور جو شخص کہ کافر ہو گیا اسکے کفر سے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ پس اگر کوئی حکم (توقیع) کسی ایسے شخص کے ذریعہ سے تمہیں معلوم ہوا ہو اور اسکی صحت علمائے ثقہ رحمہم اللہ تعالے نے بھی کر دی ہو تو تم اُس وقت اپنے پروردگار کا شکر بجالاؤ اور اُس میرے حکم کو قبول کرلو۔ اور ایسے احکام جن کے لیے کوئی توقیع برآمد نہیں ہوئی اور تم نے اسکی نسبت کسی گمراہ یا غیر معتبر شخص کی زبانی کوئی حکم سُنا ہے اور اب اسکے کرنے اور نہ کرنے میں تمہیں تامل ہے تو تم اُس حکم کو فوراً ہماری طرف رجوع کردو۔ ہم تمکو اُسکے صحیح حکم سے آگاہ کر دینگے اور بتلا دینگے کہ یہ حکم صحیح ہے یا نہیں۔ اور خدا تعالے کا اسمِ مقدس پاک ہے اور وہی قابلِ ستائش ہے اور وہی تمہارا توفیق دہندہ ہے اور ہر امر میں تمہارا کفایت کرنے والا۔ اور وہی سب سے اچھا ہمارا وکیل اور کفیل ہے۔

(۴) حضرت قسم ابن علاء رضی اللہ عنہ نے ایک طول و طویل اور پر تفصیل عریضہ خدمت اقدس میں تحریر فرمایا اور یہ مضمون اُس میں قلمبند کیا کہ "میرے شہر میں ایک جماعت کے لوگ ہیں جو استطلاق کے خواہاں ہیں۔ ان لوگوں کے نام جو گرامی نامہ حمایتِ دین کے متعلق تحریر ہوا تھا پہنچا۔ علی ابن محمد ابن حسین ابن مالک مشہور بہ ابن بادولہ جو ص کے داماد ہیں۔ انکا نام اس گرامی نامہ میں درج نہیں ہے۔ اپنا نام تحریر نہ پا کر وہ نہایت محزون و ملول ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی تائید آپ کے امور میں نازل فرمائے۔ اب علی ابن محمد نے مجھ سے اس امرِ خاص میں خواستگاری کی ہے کہ آپکی خدمت میں انکی طرف سے عفوِ تقصیر کے لیے استدعا کیجائے کہ آپ اپنے اخلاق کریمانہ سے اُن کے قصور کو معاف فرمائیں اور اُنکے نام نہ لکھے جانیکی وجہ تحریر فرمادیں۔ اگر حقیقت میں اُن سے خطا واقع ہوئی ہے تو وہ اُس سے توبہ و انابت کریں اور اگر کوئی ایسا امر لاحق نہیں ہوا تو اپنی تحریرِ گرامی سے اُن کی تسکینِ خاطر فرما دی جائے"۔ اس طولانی عرضداشت کا جواب اِن مختصر لفظوں میں مرحمت ہوا۔

لَمْ نُكَاتِبْ إِلَّا مَنْ كَاتَبَنَا۔

میں نے انہی کو خط لکھے جنہوں نے مجھے خط لکھے تھے۔

(۵) ابو العباس احمد ابن خضر کا بیان ہے کہ میں ایامِ غیبتِ صغریٰ میں آپکی رؤیت اور زیارت کی تمنا میں ازحد بیچین تھا۔ اِسی اثناء میں بغیر کسی تحریک کے ایک توقیع مبارک میرے نام برآمد ہوئی جس کی عبارت یہ تھی۔

مَنْ بَحَثَ فَقَدْ طَلَبَ وَمَنْ طَلَبَ فَقَدْ دَلَّ وَمَنْ دَلَّ فَقَدْ أَشَاطَ وَمَنْ أَشَاطَ فَقَدْ أَشْرَكَ۔

جس شخص نے میری جستجو کی وہ حقیقتاً میری تلاش میں میرے پیچھے پڑ گیا۔ اور جو شخص میری تلاش میں میرے پیچھے پڑ گیا وہ ضرور تمام خلائق کو میرا نشان بتلاویگا۔ اور جس شخص نے خلائق کو میرا نشان بتلا دیا وہ میرے قتل و ہلاکت کا باعث ہوا۔ اور جو شخص میرے قتل و ہلاکت کا باعث ہوا وہ مشرک بھی ہوا اور کافر بھی۔

ابو العباس کا بیان ہے کہ اِس توقیعِ مقدس کے پڑھتے ہی جسکے لفظ لفظ اور حرف حرف سے آپکے حسن تدبیر اور نظام امامت کے اعلیٰ جوہر نمایاں ہوتے تھے۔ میرے تمام اشتیاق اور برسوں کی تمناؤں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اسرارِ مشیت کی سطوت و عظمت مجھپر اسطرح طاری ہو گئی کہ میں نے یہ قصد اور یہ خیال ہمیشہ کے لیے اپنے دل سے نکال ڈالا۔ اور پھر کبھی اسکی طرف کوئی خیال نہیں کیا۔

(۶) سائل نے نمازِ جناب جعفرِ طیار علیہ السلام کی نسبت استفسار کیا کہ حالتِ قیام میں یا رکوع و سجود کی حالتوں میں ذکرِ تسبیح اُس سے سہو ہو گیا۔ اور نماز تمام ہونے سے پہلے اُسکو ذکرِ سہو شدہ کا اُسکو خیال آگیا تو ایسی حالت میں وہ اپنے سہو کردہ ذکر تسبیح کو ادا

کرے یا نماز کو تمام کرلے۔ بعد اسکے ذکرِ تسبیح کو ادا کرے؟ سائل کے سوال کا جواب توقیعِ خاص کے ذریعے اِس عبارت میں عنایت فرمایا گیا

اِذَا هُوَ سَهَا فِي حَالَةٍ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ ذَكَرَ فِي حَالَةٍ اُخْرٰى قَضٰى مَا فَاتَهٗ فِي حَالَةِ الَّتِيْ ذَكَرَ۔

جب ایسی حالتوں میں سے کسی حالت میں سہو واقع ہو اور وقت گزر جانیکے بعد وہ یاد آئے تو جو چیز کہ اُس سے فوت ہوئی ہے ادا کر سکتا ہے اسی حال میں جسمیں یاد آجائے۔

(۷) زن و شوہر کے معاملات میں پوچھا گیا کہ آیا عورت اپنے شوہر کی مشایعتِ جنازہ میں شریک ہو سکتی ہے۔ جواب میں ارشاد ہوا۔

تَخْرُجُ فِي جَنَازَتِهٖ۔

مشایعتِ جنازہ کر سکتی ہے۔

(۸) پھر دریافت کیا گیا کہ بیوہ کو ایامِ عدت میں اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرمایا گیا۔

تَزُوْرُ قَبْرَ زَوْجِهَا وَلَا تَبِيْتُ عَنْ بَيْتِهَا۔

شوہر کی قبر کی زیارت کر سکتی ہے مگر رات کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلنا اُسے جائز نہیں ہے۔

(۹) پھر استفسار کیا گیا کہ وہ اپنے کارِ ضروری کے لیے بھی ایسی حالت میں باہر جا سکتی ہے؟ حکم ہوا۔

اِذَا كَانَ لَهَا حَقٌّ خَرَجَتْ قَضَتْهُ وَاِذَا كَانَتْ لَهَا حَاجَةٌ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مَنْ يَنْظُرُ فِيْهَا خَرَجَتْ لَهَا حَتّٰى تَقْضِيَ وَلَا تَبِيْتُ عَنْ مَنْزِلِهَا۔

اگر اسکو کسی شخص غیر سے اپنا کوئی حق لینا ہے تو وہ اُس سے لے سکتی ہے اور اُس کے لیے باہر جا سکتی ہے۔ اور اگر اسکے علاوہ کوئی کام ہو اور کوئی دوسرا کام کرنیوالا اُس کے عوض میں موجود نہ ہو تو وہ باہر جا سکتی ہے۔ مگر رات کے وقت البتہ اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتی۔

(۱۰) دریافت کیا گیا کہ کتبِ اعمال مثل "ثواب القرآن فی الفرائض" وغیرہا میں وارد ہے کہ آپکی خدمت سے حکم ہوا ہے کہ مجھے سخت تعجب ہوتا ہے اُس شخص کی غفلت پر جو اپنی نماز میں سورۂ انا انزلناہ کی تلاوت اور قرأت کو ترک کرتا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ اُسکی نماز کیسے مقبولِ بارگاہِ احدیت ہوتی ہے پھر دوسری جگہ حکم ہوا ہے کہ وہ نماز کسی طرح خیر و بہتر نہیں کہی جا سکتی جس میں سورۂ قل ہو اللہ احد کی تلاوت نہیں کیجاتی۔ پھر تیسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں سورۂ ہمزہ کی تلاوت کرتا ہے وہ دولتِ دنیا پر فائز ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جائز ہے کہ سورہائے انا انزلناہ اور قل ہو اللہ کو ترک کرکے سورۂ ہمزہ کی تلاوت کیجائے۔ اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ اِن دونوں سوروں کے ترک کرنے میں اجابت و قبولیتِ نماز میں احتمال واقع ہوتا ہے۔ اِسکا جواب توقیعِ مبارک کی مفصلۂ ذیل عبارت میں تحریر فرمایا گیا۔

توقیع۔ اَلثَّوَابُ فِي السُّوَرِ عَلٰى مَا قَدْ رُوِيَ وَاِذَا تَرَكَ سُوْرَةً مِمَّا فِيْهَا الثَّوَابُ وَقَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَاِنَّا اَنْزَلْنَاهُ لِفَضْلِهِمَا اُعْطِيَ ثَوَابَ مَا قَرَءَ وَثَوَابَ السُّوْرَةِ الَّتِيْ تَرَكَ وَيَجُوْزُ اَنْ يَقْرَءَ غَيْرَهَا تَيْنِ السُّوْرَتَيْنِ وَتَكُوْنُ صَلٰوتُهٗ تَامَّةً وَلٰكِنْ يَكُوْنُ تَرَكَ الْفَضْلَ۔

ثواب اُن سوروں کی تلاوت کا ایسا ہی ہے جیسا کہ وارد کیا گیا ہے اگر کوئی سورہ اِن سوروں میں سے جنکا ثواب لکھا ہے ترک کر دے اور بجائے اُسکے سورۂ قل ہو اللہ احد اور سورہ انا انزلناہ اُنکی فضیلت کی وجہ سے پڑھے تو ثواب اُن سوروں کا جو اُسنے پڑھے اور اُن سوروں کا بھی جو اُسنے ترک کر دئے دونوں اُسکو عطا کئے جائینگے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اِن دونوں سوروں کے سوا دوسرے سورے بھی پڑھے جائیں۔ اُن کی نماز تمام ہو جائیگی۔ لیکن فضیلت کا ثواب اُسے نہیں ملیگا۔

(۱۱) وداعِ رمضان المبارک کی نسبت پوچھا گیا کہ عموماً وداعِ ماہِ مبارک رمضان شبِ آخر میں پڑھی جاتی ہے اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ روزِ آخر جب ہلالِ عید نمودار ہو پڑھنا چاہیے۔ اِن دونوں صورتوں میں کون صورت اختیار کیجائے۔ جواب میں ارشاد ہوا۔

اَلْعَمَلُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ لَيَالِهٖ وَالْوَدَاعُ يَقَعُ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ مِنْهُ فَاِنْ خَافَ اَنْ يَنْقُصَ جَعَلَهٗ فِيْ لَيْلَتَيْنِ۔

اعمالِ ماہِ مبارکِ رمضان تمام تر رات کو کیے جاتے ہیں اس لیے وداع بھی آخر شب میں کرنی چاہیے۔ اگر کمی ایام کا خیال

ہے تو دونوں راتوں (انتیس ۲۹ اور تیس ۳۰) کو وداع کریں۔

(۱۲) نماز کے بارے میں پوچھا گیا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ جب تشہد اول سے فارغ ہوا اور تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہوا تو اسکے لیے تکبیر کہنا واجب ہے یا نہیں۔ بعضے اسکے وجوب کے قائل نہیں۔ صرف بِحَوْلِ اللهِ تَعَالٰی وَقُوَّتِهٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ کے ذکر کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کے جواب میں ارشاد ہوا۔

حَدِیْثَیْنِ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَاِنَّهٗ اِذَا انْتَقَلَ مِنْ حَالَةٍ اِلٰی اُخْرٰی فَعَلَیْهِ تَكْبِیْرٌ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاِنَّهٗ رُوِیَ اَنَّهٗ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِیَةِ فَكَبَّرَ ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ قَامَ فَلَیْسَ عَلَیْهِ لِلْقِیَامِ بَعْدَ الْقُعُوْدِ تَكْبِیْرٌ وَكَذٰلِكَ التَّشَهُّدُ الْاَوَّلُ یَجْرِیْ هٰذَا الْمَجْرٰی وَبِاَیِّهِمَا اَخَذْتَ مِنْ جِهَةِ التَّسْلِیْمِ كَانَ صَوَابًا۔

اس میں دو حدیثیں وارد ہیں ایک یہ ہے کہ جب مصلّی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو تو اسوقت اس کو تکبیر کہنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور دوسری یہ ہے کہ سجدۂ دوم سے سر اٹھایا تو تکبیر کہنا واجب ہو گیا۔ پھر بیٹھ جائے۔ پھر اٹھے۔ پس بیٹھنے کے بعد اٹھنے کے لیے اسے تکبیر کہنا واجب نہیں ہے۔ اور اسی طرح تشہد اول کی بھی صورت ہے اور ان دونوں صورتوں میں سے جس پر عمل کیا جائے وہ صحیح ہو گا۔

(۱۳) قربانی کے متعلق سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا کہ اس کے ہدیٰ کے لیے اونٹ مول لیکر اسکی طرف سے منٰے میں نحر کر دے۔ چنانچہ اس شخص نے اونٹ تو خرید لیے مگر قربانی کرتے وقت اسکا نام لینا بھول گیا جب ذبح کر چکا تو نام یاد آیا۔ تو ایسی قربانی اس شخص اصلی کی طرف سے صحیح ہو گی یا نہیں؟ جواباً قلمی ہوا۔

لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ وَقَدْ اَجْزٰی عَنْ صَاحِبِهٖ

اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اسکے دوست کی طرف سے جائز ہے۔

(۱۴) ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ ایک شخص کو تحصیل اموال موقوفات کا عہدہ سپرد ہے اور وہ ان اموال کو جو اس کے قبضہ میں ہیں اپنے لیے حلال جانتا ہے اور اموال موقوفات کے لے لینے سے کوئی پرہیز نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں مجھکو اکثر ان دیہات میں جانیکا اتفاق ہوا جو اس کے زیر انتظام ہیں اور اسکو میں اکثر وہاں پاتا ہوں اور مجھے اسکے پاس جانیکا بھی اتفاق ہوتا ہے اور اکثر کھانے کا وقت بھی ہو جاتا ہے۔ وہ مجھے کھانے کی تکلیف دیتا ہے۔ اگر میں اسکے کھانے سے انکار کرتا ہوں تو وہ مجھ سے سخت عداوت کرتا ہے اور اسکی موجودہ عداوت میری مختلف اقسام کی مضرت کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی خاص حالت میں مجھے اسکا کھانا کھانا جائز ہو گا یا نہیں۔ اور اگر میں اسکے کفارہ میں تصدق کرنا چاہوں تو اس تصدق کی کیا مقدار ہونی چاہیے۔ اور اگر یہ وکیل موقوفات کسی شخص کے پاس کوئی شے کھانے کی ہدیہ کے طور پر بھیجتا ہو اور اتفاق وقت سے میں بھی اسکے پاس موجود ہوں اور وہ مجھ سے کہے کہ اس میں سے کچھ کھالو یا اپنے گھر لیجاؤ حالانکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ فرستندۂ ہدیہ۔ وکیل موقوفات۔ ان اموال موقوفات کے تصرف میں کوئی خوف نہیں کرتا ہے تو اگر وہ ہدیہ میں لے لوں یا اس میں سے کچھ اپنے گھر لیجاؤں تو میرے اس عمل سے خاص میرے لیے کوئی حرج ہو گا یا نہیں؟ اس کا جواب ذیل کی عبارت میں مرحمت کیا گیا۔

اِنْ كَانَ لِهٰذَا الرَّجُلِ مَالٌ اَوْ مَعَاشٌ غَیْرُ مَا فِیْ یَدِهٖ فَكُلْ طَعَامَهٗ وَاقْبَلْ بِرَّهٗ وَاِلَّا فَلَا۔

اگر اس شخص کی کوئی جائداد یا آمدنی سوائے اموال موقوفات کے اسکے اختیار میں ہے تو اس کا کھانا بھی کھایا جا سکتا ہے اور تحفہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ اور اگر دوسری معاش نہیں ہے تو جائز نہیں ہو گا۔

(۱۵) ارکان نماز واجب و سنت اور سجدۂ شکر کی نسبت استفسار کیا گیا کہ نماز واجب میں مصلّی قنوت کی دعا پڑھکر اپنے ہاتھ اپنے منہ اور سینہ کی طرف سیدھا کر لیتا ہے مطابق اس روایت کے کہ وارد ہوا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ بزرگ ہے کہ وہ اپنے بندے کے ہاتھوں کو دعا کرنے کے بعد خالی پھیر دے بلکہ وہ اپنی رحمت سے اس کے ہاتھوں کو لبریز کر دیتا ہے اور دوسری روایت کی رو سے ہاتھوں کو منہ پر پھیرنا منقول ہوا ہے آیا یہ

عمل جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء سے مروی ہے کہ نماز میں دونوں صورتوں میں سے صرف ایک ہی پر عمل جائز ہو سکتا ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا گیا۔

رَدُّ الْيَدَيْنِ مِنَ الْقُنُوْتِ عَلَى الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ غَيْرُ جَائِزٍ فِي الْفَرَائِضِ وَالَّذِيْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ فِيْهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ قُنُوْتِ الْفَرِيْضَةِ وَفَرَغَ مِنَ الدُّعَاءِ أَنْ يَرُدَّ بُطْنَ رَاحَتِهِ مَعَ صَدْرِهِ تِلْقَاءَ رُكْبَتَيْهِ عَلَى تَمَهُّلٍ وَيُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ وَالْخَبَرُ وَهُوَ فِيْ نَوَافِلِ النَّهَارِ وَاللَّيْلِ دُوْنَ الْفَرَائِضِ وَالْعَمَلُ بِهِ فِيْهِمَا أَفْضَلُ۔

نمازِ واجبی میں ہاتھوں کو سر اور منہ پر پھیرنا جائز نہیں ہے اور جس طریقہ کے ساتھ نمازِ واجبی میں عمل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب مصلّی قنوت پڑھ چکے تو وہ اپنے ہاتھوں کو آہستگی اور سہولت کے ساتھ اپنے سینہ کے مقابل لا کر اپنے زانو تک پہنچائے اور تکبیر کہے اور پھر رکوع میں جلد چلا جائے۔ منہ پر ہاتھ پھیر لینے کی خبر بھی صحیح ہے مگر نوافلِ شب و روز میں۔ نہ کہ نمازہائے واجب میں۔ اور نوافل میں اُس عمل کے ساتھ بجا لانا۔ یعنی ہاتھوں کو منہ پر پھیر لینا افضل ہے۔

(۱۶) سجدۂ شکر کے بارے میں پوچھا گیا کہ نمازِ واجبی کے ساتھ سجدۂ شکر واجب ہے یا نہیں۔ کیونکہ بعض اسکو بدعت بتلاتے ہیں تو نظر براں نمازِ فرائض میں واجب نہیں اور اگر واجب بھی ہے تو اس کا وجوب صرف نمازِ مغرب اور اُسکے بعد کی چار رکعتہائے نوافل تک محدود و مخصوص ہوگا۔ آیا۔ حکم صحیح ہے اور اس پر عمل جائز ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کا جواب ذیل کی عبارت میں صادر ہوا۔

سَجْدَةُ الشُّكْرِ مِنْ أَلْزَمِ السُّنَنِ وَأَوْجَبِهَا وَلَمْ يَقُلْ أَنَّ هٰذِهِ السَّجْدَةَ بِدْعَةٌ إِلَّا مَنْ أَرَادَ أَنْ يُحْدِثَ فِيْ دِيْنِ اللهِ بِدْعَةً وَأَمَّا الْخَبَرُ مَرْوِيٌّ فِيْهَا بَعْدَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ وَالْاِخْتِلَافُ فِيْ أَنَّهَا بَعْدَ الثَّلَاثِ أَوْ بَعْدَ الْأَرْبَعِ فَإِنَّ الدُّعَاءَ وَالتَّسْبِيْحَ بَعْدَ الْفَرَائِضِ عَلَى الدُّعَاءِ تَعْقِيْبَ النَّوَافِلِ كَفَضْلِ الْفَرَائِضِ عَلَى النَّوَافِلِ وَالسَّجْدَةُ دُعَاءٌ وَتَسْبِيْحٌ وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ الْفَرْضِ فَإِنْ جَعَلْتَ بَعْدَ النَّوَافِلِ أَيْضًا جَازَ۔

یعنی سجدۂ شکر لازم ترین سنتوں میں سے ہے اور کبھی کسی نے اسکو بدعت نہیں بتلایا۔ مگر اس شخص نے جس نے خود دینِ خدا میں احداث و اختراع کیا ہوگا۔ اب اس امر کا جواب کہ سجدۂ شکر خصوصاً بعد از نمازِ مغرب و قبل از چہار رکعت نوافلِ مغرب کے ساتھ لازم ہے یہ ہے کہ دعا اور تسبیحات کی فضیلت جو بعد فرائض بجا لائی جائیں اُن دعاؤں پر جو نوافل کے ساتھ ادا کی جائیں بعینہ ایسی ہی ہیں جیسا کہ فرائض کے فضائل نوافل پر ثابت ہیں اور سجدہ اصل میں دعا و تسبیح ہے اور افضل یہی ہے کہ فرائض کے بعد بجا لایا جائے اور اگر بعدِ نوافل بجا لائیں تو بھی جائز ہوگا۔

(۱۷) بیع و شراء کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ ہمارے چند برادرانِ ایمانی ایسے ہیں جنہیں ہم پہچانتے ہیں۔ ایک قطعۂ زمین نوآباد قیدخانۂ شاہی سے ملحق ہے جس میں حاکمِ وقت کا بھی حصہ ہے۔ اور قبضہ۔ مگر جابرانہ اور محض غاصبانہ۔ اکثر اوقات بعضے اہلِ شہر اُسے بغیر اجازت جوت بو لیتے ہیں اور اسکی وجہ سے عمالِ شاہی انکو سزا بھی دیتے ہیں۔ اور حتی الامکان ملازمینِ سلطانی اسکی پیداوار پر قابض و متصرف ہونے سے اہلِ شہر کو باز رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ زمین بوجہ ویران رہنے کے کچھ ایسی قیمت بھی نہیں رکھتی اس لیے کہ کامل بیس برس سے محض افتادہ پڑی ہوئی ہے۔ یہ مذکورۂ بالا برادرانِ ایمانی اس کے خریدنے سے انکارِ محض کرتے ہیں اس لیے کہ انکو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ قطعۂ زمین کسی زمانہ میں کسی شخصِ خاص نے وقف کیا تھا جسکو سلطانِ وقت نے جبراً لے لیا ہے۔ پس صورتِ مسطورہ میں اگر زمینِ مذکورہ کی بیع سلطانِ وقت کی طرف سے جائز ہے اور اُس میں کوئی حرج شرعی نہیں ہے تو اس کا خرید لینا ہمارے برادرانِ مومنین کے لیے نہایت مفید اور نافع ثابت ہوگا۔ اور زمینِ مذکورہ بھی شاداب و آباد ہو جائیگی۔ اور وہ حصۂ زمین ایسا ہے کہ آسانی سے سیراب ہو سکتا ہے اور عمدہ پیداوار دے سکتا ہے۔ اور اگر اُسکی بیع سلطانِ وقت کی جانب سے حلال نہیں ہے تو حکمِ امتناع جاری فرمایا جائے۔ جواب یہ آیا

اَلضَّيْعَةُ لَا يَجُوْزُ ابْتِيَاعُهَا إِلَّا مِنْ مَالِكِهَا أَوْ بِأَمْرِهِ بِرِضًا مِنْهُ۔ سوائے مالکِ زمینِ مذکورہ کے بیع کیے ہوئے یا کم سے کم اُس کا حکم یا اُسکی رضا و استمزاج لیے ہوئے معاملۂ مسطورہ صحیح و جائز نہیں ہوگا۔

(۱۸) کنیز اور غلام کے متعلق پوچھا گیا کہ ایک شخص نے

اپنی ایک کنیز کو اپنے ایک غلام کے لیے حلال کر دیا۔ وہ کنیز بچہ جنی۔ اِس مردِ غلام کو اس کنیز کے بچہ دینے پر شک گورا۔ مگر اس بچہ کو اپنا بچہ کہدینے کے سوا اس مردِ غلام کو کوئی دوسرا چارہ نہیں ہوا۔ آخر اُس نے قبول کر لیا۔ مگر اُسکے دل میں یہ شک ہمیشہ بنا رہا کہ یہ بچہ اُس کا نہیں ہے اِس وجہ سے اُس بچہ کو کبھی اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔ اور نہ اُسکو اپنی اولاد و اعقاب میں داخل اور شامل سمجھتا ہے۔ پس اگر وہ بچہ بھی مثل اُن بچوں کے ہے جو اِس مرد سے پوری نسبت رکھتے ہیں تو اسکے لیے ضروری ہے کہ اُسکو بھی اپنی طرف مثل اپنی دوسری اولادوں کے منسوب کرے۔ یا اگر یہ بچہ اُسکی اور اولاد سے حسب و نسب میں کمتر ہو تو وہ اپنی جائداد و اموال میں بمقابلہ دیگر اولاد کے اُسکو کچھ کم حصہ دے۔

اِس سوال کے جواب میں ذیل کی توقیعِ مبارک صادر فرمائی گئی۔

اَلْاِسْتِحْلَالُ الْمَرْءَۃِ تَقَعُ عَلَی الْوُجُوْہِ وَالْجَوَابُ یَخْتَلِفُ فِیْھَا فَلْیَذْکُرِ الْوَجْہَ الَّذِیْ وَقَعَ الْاِسْتِحْلَالُ بِہٖ مَشْرُوْحًا لِیُعْرَفَ الْجَوَابُ فِیْمَا یُسْئَلُ عَنْہُ مِنْ اَمْرِ الْوَلَدِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ۔

ایک عورت کا حلال کیا جانا کئی وجہ سے واقع ہوتا ہے اُسکی مختلف صورتیں ہوتی ہیں سائل کو صورتِ تحلیل پہلے لکھنی چاہئیے تاکہ بچہ کی پوری حقیقت سے جواب دیا جائے۔ انشاء اللہ المستعان

(۱۹) ۳۰۸ھ ہجری میں محمد ابنِ عبد اللہ حمیری نے آپکی خدمت میں ایک بہت بڑا عریضہ لکھا اور یہ بیان کیا کہ ہماری قوم و ملت کے بعض اربابِ علم و یقین اور اکثر خواتین با تمکین آج ۲۲ برس سے ماہ رجب کے روزے رکھتی ہیں اور اپنے اُن روزوں کو علی التسلسل شعبان و رمضان کے روزوں سے ملا دیتی ہیں بخلاف اِس سیرت کے ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ روزے معصیت میں داخل ہیں۔ اس مسئلہ کے جواب میں ذیل کی عبارت تحریر فرمائی گئی۔

یَصُوْمُ مِنْہُ اَیَّامًا اِلٰی خَمْسَۃَ عَشَرَ یَوْمًا ثُمَّ یَقْطَعُہٗ اِلَّا اَنْ یَّصُوْمَہٗ عَنِ الثَّلٰثَۃِ الْفَائِتَۃِ لِلْحَدِیْثِ اَنْ نِّعْمَ شَھْرُ الْقَضَاءِ رَجَبُ۔

ماہ رجب میں پندرہ روز تک تو روزہ رکھیں پھر منقطع کر دیں مگر اپنے قضا کردہ روزوں میں سے تین روزے اِس مہینہ میں ضرور رکھ لیں کیونکہ اِس امر میں حدیث خاص وارد ہے اور اُسکے الفاظ یہ ہیں کہ ماہ رجب قضا روزوں کے ادا کرنیکے لیے سب سے اچھا مہینہ ہے۔

(۲۰) دریافت کیا گیا کہ ماموم اُس وقت شریکِ جماعت ہو جب امام ذکرِ رکوع میں مشغول تھا۔ وہ اپنے موجودہ الحاق بالجماعت اور ذکرِ رکوع کو جو اُس نے امام کے ساتھ کیا ہے رکعتِ فوت شدہ کے برابر جانتا ہے۔ بخلاف اِسکے بعض اصحاب کا خیال ہے کہ تاوقتیکہ یہ شخص اس تکبیر کی آواز کو جو امام پیش از رکوع کہتا ہے نہ سُن لے اپنے صرف ذکرِ رکوع یا محض اقتدائے امامِ جماعت کو ایک رکعتِ فوت شدہ کی جگہ نہیں شمار کر سکتا۔ اِس مسئلہ کا جواب ان لفظوں میں قلمی ہوا۔

اِذَا لَحِقَ بِالْاِمَامِ مِنْ تَسْبِیْحِ الرُّکُوْعِ تَسْبِیْحَۃً وَّاحِدَۃً اِعْتَدَّ بِتِلْکَ الرَّکْعَۃِ وَاِنْ لَّمْ یَسْمَعْ تَکْبِیْرَۃَ الرُّکُوْعِ۔

اگر وہ شخص ایسی حالت میں بھی امامِ جماعت سے ملجاوے کہ جب اُسکو ذکرِ رکوع میں صرف ایک بار سبحان اللہ کہنے کو اور رہگیا ہو تاہم اُسکی ایک رکعت شمار میں آئیگی۔ خواہ اُس نے امامِ جماعت کی تکبیر قبل از رکوع کی آواز کو سُنا ہو یا نہیں۔

(۲۱) دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے نمازِ ظہر کے بعد نمازِ عصر پڑھی جب نمازِ عصر کی دو رکعت پڑھ چکا تو اُسے خیال آیا کہ اُس نے نمازِ ظہر کی کُل دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایسی صورت میں اُسے کیا کرنا چاہئیے جواب میں تحریر فرمایا گیا۔

اِنْ کَانَ اَحْدَثَ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ حَادِثَۃً یَقْطَعُ بِھَا الصَّلٰوۃَ اَعَادَ الصَّلٰوتَیْنِ وَاِذَا لَمْ یَکُنْ اَحْدَثَ حَادِثَۃً جَعَلَ الرَّکْعَتَیْنِ الْاَخِیْرَتَیْنِ تَتِمَّۃً لِّصَلٰوۃِ الظُّھْرِ وَصَلَّی الْعَصْرَ۔

اگر اُس نے درمیان نماز کے کوئی ایسا امر کیا ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو اُسے دونوں نمازوں کا اعادہ کرنا چاہیے اور اگر ایسا امر کوئی اُس سے سرزد نہیں ہوا ہے تو اُن دونوں رکعتوں کو جو اُس نے نمازِ عصر کے حساب میں پڑھی ہیں نمازِ ظہر کے تتمہ میں محسوب کرے بعد اُس کے نمازِ عصر پڑھ لے۔

(۲۲) سوال ہوا کہ آیا اہلِ بہشت کے لیے توالد و تناسل بھی لازم آسکتا ہے یا نہیں؟ ناحیۂ مقدسہ سے اس مسئلہ کا جواب اِس عبارت میں مرحمت فرمایا گیا۔

اِنَّ الْجَنَّۃَ لَا حَمْلَ فِیْھَا لِلنِّسَاءِ وَلَا وِلَادَۃَ وَلَا طَمْثَ وَ

لا نِفَاسَ وَلَا سُهَادَ بِالطُّفُوْلِيَّةِ وَفِيْهِمَا مَا اشْتَهِي الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ فَاِذَا اشْتَهَي الْمُؤْمِنُ وَلَدًا خَلَقَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِغَيْرِ حَمْلٍ وَّلَا وِلَادَةٍ عَلَي الصُّوْرَةِ الَّتِيْ يُرِيْدُ كَمَا خَلَقَ اٰدَمَ عِبْرَةً۔

عورتوں کو بہشت میں ولادت حیض۔ نفاس اور تمام نسائی ضرورتوں کی کوئی حاجت نہیں ہوگی اور وہ تمام تکلیف و محنت جو ابتدائے طفولیت سے لیکر سنِ رشد تک اٹھانی ہوتی ہے وہ بھی ایک نہ ہوگی مگر چونکہ بہشت میں وہ تمام چیزیں فراہم ہونگی جن کی خواہشیں دلہائے مومنین کو ہوا کرتی ہیں اور جن کے نظارے اور سیر کی ضرورت عموماً آنکھوں کو ہوا کرتی ہے چنانچہ خدائے سبحانہ و تعالی قرآنِ مجید میں خود فرماتا ہے کہ مومن کو جس شئے کی خواہش جس طرح اُس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اُسی صورت اور اُسی حالت کے مطابق خداوند تعالے اُس شئے مطلوبہ کو اُس بندۂ مومن کے لیے پیدا کردیتا ہے اور عورتوں کو بہشت میں حمل ہونے اور بچہ جننے وغیرہ کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اور تمام اشیاء وہاں ایسی ہی مخلوق ہونگی جیسے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کو اُس نے عبرت اور تنبیہِ خلائق کے لیے خاص طور پر بغیر ان معمولی ضرورتوں کے خلق فرمایا ہے

(۲۳) استفسار کیا گیا کہ ایک آدمی نے دوسرے سے مبلغ ایک ہزار روپیہ قرض لیا۔ اُسکے اِس دعوٰی کے ثبوت میں اُسکے پاس شاہدِ کامل اور معارفِ صادق موجود ہیں۔ مگر اُس کو ابھی اِسکا دعوٰے رجوع کرنیکی ضرورت نہیں ہوئی تھی کہ اُس نے پھر اُسی شخص کو ایک دوسرے تمسک کے ذریعہ سے پانچسو روپے قرض دیئے۔ اور اِس کے بھی کافی ثبوت اُسکے پاس موجود ہیں۔ اِسکے بعد اُس نے تیسرے تمسک کی رو سے اُسکو تین سو روپے اور دیئے اور اِسکا ثبوت بھی تیار ہے۔ غرضکہ ان دونوں رقوم تمسکات کے علاوہ وہ ایک ہزار ہے جسکا دعوے اُس نے رجوع کیا ہے۔ مدعا علیہ بجواب دعوئے مدعی بیان کرتا ہے کہ ان تمام تمسکات کا کل روپیہ ایک ہزار ہے۔ جس کا دعوٰی پیش ہو چکا ہے۔ مدعی کو اِس جواب مدعا علیہ سے قطعی انکار ہے۔ صورتِ مرقومہ میں وہ ہزار درہم ایک بار ادا کردیا جائے یا بار بار کرکے سب تمسکاتِ مقیدہ کی ادا کاری لازم ہے۔ اور حقیقت میں یہ تمام و کمال رقم وہی ایک ہزار رقم مدعا بہا ہے یا علیحدہ علیحدہ ہزار۔ پانسو اور تین سو۔ توقیعِ مبارک کے ذریعہ سے سائل کو اِس مسئلہ کا جواب اِن الفاظ میں تحریر فرمایا گیا۔

يُؤْخَذُ مِنَ الْمُدَّعٰي عَلَيْهِ اَلْفُ دِرْهَمٍ وَهِيَ الَّتِيْ لَا شُبْهَةَ فِيْهَا وَتُرَدُّ الْيَمِيْنُ فِي الْاَلْفِ الْبَاقِيْ عَلَي الْمُدَّعِيْ فَاِنْ نَّكَلَ فَلَا حَقَّ لَهٗ مدعا علیہ سے ایک ہزار روپیہ لینا چاہیے اور یہ وہی ایک ہزار کی رقم ہے جسکی نسبت فریقین سے کسی کو بھی کوئی عذر اور کلام نہیں ہے۔ باقی ہزار درہم کے لیے مدعی سے شرعی قسم لیجاوے۔ اگر وہ حلفِ شرعیہ سے انکار کرے تو حقیقت میں اُسکو مدعا علیہ سے اِس رقم کی وصولی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے

(۲۴) پوچھا گیا کہ خاکِ تربتِ جنابِ امام حسین علیہ السلام میت کیساتھ قبر میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں تحریر فرمایا گیا۔

تُوْضَعُ مَعَ الْمَيِّتِ فِيْ قَبْرِهٖ وَتُخْلَطُ بِحُنُوْطِهٖ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تعالے خاکِ مرقدِ منورِ جنابِ امام علیہ السلام کو میت کی قبر میں رکھنا اور اُس کے حنوط کے ساتھ شامل کرنا جائز ہے انشاء اللہ تعالیٰ

(۲۵) استفسار کیا گیا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے فرزندِ گرامی حضرت اسمٰعیلؑ کے کفن پر اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرما دیا تھا اِسْمٰعِيْلُ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آیا ہم لوگوں کے لیے بھی اپنی میت کے پارچہائے کفن پر اِس کا لکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور آیا ہم اِن فقرات کو خاکِ تربتِ امام حسین علیہ السلام سے لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب میں تحریر ہوا۔

يَجُوْزُ ذٰلِكَ جائز ہے۔

(۲۶) پوچھا گیا کہ خاکِ تربتِ حضرت امام حسین علیہ السلام سے تسبیح تیار کرکے اُس پر سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو اِس میں کوئی فضیلتِ خاص بھی ہے یا نہیں؟ جواب میں حکم ہوا۔

تسبیح بہ فما من شیءٍ من التسبیح افضل منہ ومن
فضلہ ان الرجل ینسی التسبیح ویدیر السبحۃ
فیکتب لہ التسبیح۔

تسبیح خاکِ شفا پر ذکر جائز ہے۔ کسی دوسری شئے پر
ذکرِ تسبیح کو وہ فضیلت حاصل نہیں ہے جو اس پر۔ اور جو فضیلتِ
مخصوصہ اسکو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ذکرِ تسبیح کو
بھول جائے اور صرف اسکے دانوں کو گردش دیا کرے تو اُس کو
ذکرِ تسبیح کا پورا ثواب دیا جائیگا۔

(۲۷) پوچھا گیا کہ خاکِ پاک پر سجدہ صحیح ہے۔ اور اس
میں بھی کوئی فضیلتِ خاص ہے؟ حکم ہوا۔
یجوز ذٰلک وفضل فیہ۔ جائز ہے اور اسمیں فضیلت بھی ہے۔

(۲۸) استفسار کیا گیا کہ ایک شخص زیارتِ قبورِ پر انوار حضرات
ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے لیے جایا کرتا ہے۔ اُس کو
اُن قبورِ مطہرہ کے آگے سجدہ جائز ہے یا نہیں۔ آیا یہ بھی اُس کے
لیے جائز ہے کہ وہ قبر مطہرات کے نزدیک نماز پڑھے اور اگر نماز
پڑھے تو قبرِ مطہر کی پشت پر کھڑا ہو۔ اور مزارِ خالص الانوار کو قبلہ کی
طرف آگے لیلے۔ یا سرِ مطہر کی جانب استادہ ہو۔ یا بائیں جانب
کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ آیا جائز ہے کہ قبرِ منور کو اپنی پشت پر لیکر
اسکے آگے قبلہ کی طرف اس طرح کھڑا ہو کہ قبرِ مطہر اسکی پس پشت
واقع ہو۔ ناحیۂ مقدسہ سے اسکا جواب اس عبارت میں صادر ہوا۔
اما السجود علی القبر لا یجوز فی نافلۃ ولا فریضۃ ولا
زیارۃ والذی علیہ العمل ان تضع خدہ الایمن
علی القبر واما الصلوٰۃ فانھا خلفہ ویجعل
القبر امامہ ولا یجوز ان یصلی بین یدیہ ولا
عن یمینہ ولا عن یسارہ لان الامام صلی اللّٰہ
علیہ لا یتقدم علیہ ولا یساوی۔

قبور پر سجدہ کرنا کسی صورت میں عام اس سے کہ بقصدِ
زیارت ہو یا نوافل یا فرائض جائز نہیں ہے۔ باقی رہا جس امر پر
عمل ہو سکتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ سیدھے رخسارے کو قبرِ مطہر پر رکھو
اور نماز بہر قبرِ منور کی پشت پر اس طرح ادا کرے کہ قبرِ منور کو اپنے منہ کے
آگے رکھے۔ اور قبرِ مطہر کے آگے کھڑے ہو کر یا بالائے سر یا پائین یا
نماز کا ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ امام علیہ السلام کے آگے کھڑا ہونا
یا اُن کے برابر کھڑا ہونا یا انکے یمین و یسار کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔

(۲۹) پوچھا گیا کہ دو رکعتِ آخرِ نماز میں بہت سی حدیثیں وارد
ہوئی ہیں۔ بعض میں وارد ہے کہ ان رکعات میں تنہا سورۂ حمد
پڑھنا چاہیے اور یہی کافی فضیلت رکھتا ہے اور بعض کے نزدیک
تسبیح اربعہ کا پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہوتا ہے۔ ان دونوں
میں جس کو فضیلت ہو تحریر فرمایا جائے۔ جواب میں ارشاد ہوا۔
قد نسخت قراءۃ ام الکتاب فی ھاتین الرکعتین التسبیح
والذی نسخ التسبیح قول العالم علیہ السلام کل
صلوٰۃ لا قراءۃ فیھا فھی خداج الا للعلیل او من یکثر
علیہ السھو فیتخوف بطلان الصلوٰۃ علیہ۔

ان دونوں رکعتوں میں سورۂ حمد کا پڑھنا تسبیحاتِ اربعہ
کی قراءت کو منسوخ کر دیتا ہے اور وہ چیز کہ جس نے تسبیحات
اربعہ کی قراءت کو منسوخ کر دیا ہے وہ قول امام علیہ السلام
ہے کہ جو نماز بغیر سورۂ حمد پڑھی جاتی ہے وہ منقطع اور خالی از
خیر ہے۔ مگر ہاں وہ شخص البتہ پڑھ سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہے
کہ اگر ہم سورۂ حمد پڑھیں گے تو ہم کو سہو ہو جائیگا۔ یا ہمارا
مرض بڑھ جائے گا۔

(۳۰) استفسار کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے مال میں
سے کچھ نذرِ خدا نکالا اور نیت کی کہ اپنے اس مال کو اپنے
کسی برادر مومن پر ایثار کرے گا مگر اس نیت کے بعد وہ اپنے
عزیز و اقارب میں سے خاص ایک شخص کو محتاج پاتا ہے۔
تو کیا ہو سکتا ہے کہ بخلافِ نیتِ سابق وہ اپنے اس مال کو
بجائے عام برادرانِ ایمانی کے اپنے اس عزیز اور قریب برادر
کو حوالہ کر دے۔ ناحیۂ مقدسہ سے یہ جواب عنایت کیا گیا
یصرفہ الی ادناھما واقربھما من مذھبہ فان ذھب
الی قول العالم علیہ السلام لا یقبل اللّٰہ الصدقۃ
وبین اقربائہ ذو رحم ومحتاج فلیقسم بین القرابۃ
وبین الذی نوی حتی یکون قد اخذ بالفضل کلہ
اس مال کو ایسے شخصوں میں سے اسی کو دینا چاہیے
جو اس کی قرابت میں عزیز تر اور قریب تر ہو۔ اگر چاہے تو

اِس قولِ امام علیہ السّلام پر عمل کرسکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے شخص کا صدقہ ہرگز قبول نہیں کرتا جو ایسی حالت میں صدقہ دوسروں کو دیتا ہے جب اُسکی قرابت اور عزیزداری میں فقیر اور محتاج خود موجود ہوتے ہیں۔ تحقیق کہ اُسے لازم ہے کہ اپنے اُس مال کو اپنے عزیز محتاج اور اُس غیر شخص محتاج کے فیمابین تقسیم کردے جسکی نسبت وہ پہلے نیت کرچکا ہے تاکہ اسکو دونوں فضیلتیں اور دونوں ثواب بیک وقت حاصل ہوجائیں۔

(۳۱) دریافت کیا گیا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام سے پوچھا گیا تھا کہ آیا لباس خز میں جو بالکل خرگوش کے بالوں سے تیار کیا جاتا ہے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ ارشاد ہوا تھا کہ نہیں۔ مگر حضور کی خدمتِ بابرکت سے ایک توقیعِ مقدس برآمد ہوئی ہے جس میں حکم جواز نافذ فرمایا گیا ہے۔ اب اِن دونوں احکامِ مطہرہ میں سے کس ایک پر عمل کرنیکی اجازت دی جاتی ہے؟ اس مسئلہ کا یہ جواب عنایت فرمایا گیا۔

اِنَّمَا حُرِّمَ فِيْ هٰذِهِ الْاَوْبَارُ وَالْجُلُوْدُ فَاَمَّا الْاَوْبَارُ وَحْدَهَا فَلَا وَقَدْ سُئِلَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يُصَلِّيْ فِي الثَّعْلَبِ وَلَا بِالثَّوْبِ لَصِقَ بَدَنَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا عَنٰى بِالْجُلُوْدِ دُوْنَ غَيْرِهَا۔

اِن پشموں میں مع پوست کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اور تنہا پشم والے کپڑے میں نماز پڑھنا حلال ہے اور بعضے علما جو قولِ حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السّلام نقل کرتے ہیں اُسکے یہ معنی ہیں کہ پوست روباہ میں جو مصلّی کے بدن سے ملصق ہو نماز جائز نہیں ہے سوائے اِس کے کوئی دوسری مراد نہیں ہوسکتی ہے۔

واضح ہو کہ اوپر کے یہ چند سوالات وہ ہیں جن کو محمد ابن عبداللہ حمیری رضی اللہ عنہ نے جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کی خدمت میں لکھکر استفسار کیا تھا۔ اِن کے جوابات کے آخر میں جو عبارت خاص دستِ مبارک سے اُنکو لکھی گئی تھی وہ یہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَا لِاَمْرِ اللّٰهِ تَعْقِلُوْنَ وَلَا مِنْ اَوْلِيَآئِهٖ تَقْبَلُوْنَ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِهِ الصّٰلِحِيْنَ اِذَا اَرَدْتُّمُ التَّوَجُّهَ بِنَا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِلَيْنَا فَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى سَلَامٌ عَلٰى اٰلِ يٰسِيْنَ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ احکام خدا و ائمہ سلام اللہ علیہم کو نہ خود تم لوگ سمجھتے ہو اور نہ اُس پر کوئی غور کرتے ہو اور نہ اولیاء اللہ علیہم السلام کے سمجھانے سے سمجھتے ہو اور نہ انکے احکام کو قبول کرتے ہو اور اسمیں بھی خدا کی حکمت بالغہ مضمر ہے کیونکہ اُن قوموں کو حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام کا بتلانا اور سمجھانا کوئی نفع نہیں بخشتا۔ سلام خدا ہو ہم پر اور اُن بندوں پر جو صالح اور نیکو کار ہیں جب تم کو منظور ہو کہ ہم تمہاری طرف متوجہ ہوں اور تم اللہ تعالیٰ کیطرف وسیلہ ہمارا پیدا کر کے توجہ کرو تو جیسا کہ خدائے حمید نے قرآن مجید میں ہم پر اِن لفظوں کے ساتھ سلام فرمایا ہے تم بھی یوں کہا کرو سلام ہو آلِ یٰسین پر۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و آلِ محمد۔

بہرحال۔ ہم نے اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں آپ کے چند ایسے احکام جو صرف ہدایتِ عام اور تعلیمِ اُمت کے تنہا اصول پر نافذ فرمائے گئے ہیں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج کئے ہیں جو ہمارے مدعائے تالیف کو پورے طور سے ثابت کردیتے ہیں اور سمجھا دیتے ہیں۔ اِن احکام کو پڑھکر اور اُنکی مختلف صورت اور ضروریات پر کامل غور کرکے ہر شخص نہایت آسانی اور سہولت سے خود سمجھ سکتا ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے ایامِ امامت میں بھی جن کی ظاہری صورت غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں بھی قطعی طور پر حالتِ اختفا میں رہی۔ یہ فرائض اور شرائطِ امامت کامل طور سے ادا ہوتے رہے۔ یہ مسائل عموماً وہی ہیں جنکی ضرورت سب کو ہوا کرتی ہے۔ اِن تمام مندرجۂ بالا سوالات کے جواب کا پہنچانا امامِ وقت کا کام تھا۔ جو باوجود اُن تمام دشواریوں کے جو آپ کے دورانِ امامت میں پیش نظر تھیں پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ اہلِ ایمان کو پہنچائے گئے۔ اور اِن تمام مطالب و مقاصد میں اُن کی کافی تسکین اور کامل تشفی فرما دی گئی۔ ہم نے جہاں تک آپ کی موقعت اور دشواریوں پر غور کیا ہے یہ امر ہم کو اچھی طرح ثابت ہوچکا ہے کہ آپ کے زمانہ کی دشواریاں اور سختیاں کچھ ایسی شدید اور ناقابلِ برداشت تھیں جو اور اماموں کو اپنے زمانۂ امامت میں نہیں اُٹھانی پڑی تھیں۔ ہم اُن کی کامل تفصیل ایک

علیحدہ باب میں انشاء اللہ المستعان عنقریب درج کرتے ہیں۔ ابھی ہم کو اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں جو پہلے بیان کر دینا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا یہ دعوےٰ کہ آپ کی امامت اگرچہ بالکل باطنی مخفی اور اُس کے تمام احکام بالکل اسرارِ الٰہی کی صورت میں ہوتے تھے لیکن اُن کا نفاذ اور اُن کے طریقے ظاہری طور پر محسوس ہوتے تھے اور ہر شخص بقاعدہ مشاہدات اُن کا قائل اور اُن پر عامل ہوتا تھا۔ آپ کے امامت کے نظام بھی اعلےٰ تدبر سے خالی نہیں تھے۔ بلکہ احکامِ شرعیہ اور نصاب دینیہ کے اجرا کا نفاذ تو اُسی طرح فرمایا جاتا تھا جیسا کہ اور امامتِ ظاہری کے ایام میں۔

جن لوگوں نے ہمارے مرقومۂ بالا واقعات اور مشاہدات کو پڑھا ہے وہ جہالِ زمانہ کے اُن فضول اعتراضات کی حقیقت کو پورے طور سے سمجھ گئے ہونگے جو اپنے واہی خیالوں میں یہ دعوے کرتے ہیں کہ ایسے امام کی امامت سے جو خلائق کی نظروں سے قطعی طور پر پوشیدہ بتلایا جاتا ہو عامۃ الناس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو دنیا جانتی ہے کہ کچھ جناب قائم آل محمد علیہ السلام تک محدود و موقوف نہیں ہے۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہی کے بعد سے ان تمام حضرات کو امورِ ملکی سے کوئی واسطہ اور تعلق باقی نہیں رہا تھا بلکہ فرمانروایانِ عصر اور حکمرانانِ وقت نے ان کے رہے سہے اقتدار اور اعتبار کو بھی ساری دنیا سے اُٹھا دینا چاہا۔ بلکہ قریب قریب اُٹھا ہی دیا۔ اور آگی وہ حالت پہنچا دی کہ اس مقدس دائرہ اور عام لوگوں کے طبقہ میں مشکل سے امتیاز کیا جا سکتا تھا دنیا کے عام اور تمام فقراء بھی کسی قدر فراغت اور اطمینان سے بسر کرتے تھے۔ مگر یہ نہیں ہم اپنی موجودہ تالیف کے ہر نمبر میں اس مضمون کو ہر بزرگوار کے حال کے ساتھ مسلسل اور مفصل طور پر برابر لکھتے آئے ہیں جب بے سروکاری اور ترکِ تعلق کی یہاں تک حالت پہنچی ہوئی ہو تو پھر حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثناء کے زمانہ میں وہ ملکی واقعات جو آپ سے تعلق رکھتے ہوں کیسے پائے جا سکتے ہیں یا لکھے جا سکتے ہیں۔ تو آپ سوائے احیائے سنت حفظانِ شریعت وغیرہ وغیرہ اور دیگر امورِ شرعیہ جو نظام نیابت کے متعلق منجانب اللہ آپ کی امامت کے فرائضِ منصبی قرار پا چکے تھے۔ اور وہ کون دوسرے امور تھے جو آپ کے احوال کے ساتھ بیان کیے جاتے۔

ہمارے موجودہ سلسلۂ تالیف سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے بعد ان تمام حضرات علیہم السلام کے متعلق سوائے اُن امورِ شرعیہ کے جن کا ذکر اوپر ابھی ابھی ہو چکا ہے اور کوئی دوسرے امور نہیں تھے۔ اور جسطرح اُن بزرگواروں نے اپنی ظاہری امامت کے ایام میں اپنے اپنے فرائض کو پوری ہوشیاری اور حسنِ تدبیر سے انجام دیا اُسی طرح جناب قائم آل محمد علیہ السلام نے بھی اِن امور کو اُسی احتیاط۔ بیداری اور پاداری کے ساتھ ادا فرمایا۔ جو ہر وقت و ہر زمانہ میں مصلحتِ خداوندی کا عین مقصود قرار پا چکا تھا۔ جیسا کہ مندرجۂ بالا واقعات سے ظاہر اور ثابت ہو چکا۔ اور ان سب سے آپ کی امامت کے فیوض اور استفاوات تامشاہدات سب پورے معیار پر پہنچ چکے۔

اب اسی سے بہ آسانی سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ امامت اور اُس کے نفاذِ احکام کو عام اس سے کہ وہ ظاہری ہوں یا مخفی کبھی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ تائیدِ ربانی اور مشیتِ یزدانی اپنے تمام افعال اور خدمات کو ان حضرات سے اُسی طرح انجام اور تمام و کمال کرا لیتی ہے جس طرح ازل سے اُس کی مشیت اور ارادے میں آ چکا ہے۔ لہٰذا انتظامِ ظاہری کے نہ ہونے کے سبب تدابیرِ باطنی کے وجود سے انکار کرنا شعارِ عقل نہیں کہا جا سکتا۔

بہرحال اس بحث کے متعلق صرف اتنا ہی لکھکر ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور یعنی آیندہ بیان میں وہ واقعات اور اُن کے اسباب درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہو جائیگا کہ سلاطین عصر کے ہاتھوں سے جناب

فاطمہ آلِ محمد علیہ السلام کو اپنے امور میں کیسی کیسی دشواریاں اور تھیں اٹھانی پڑی ہیں۔ اور اپنے پدر عالیمقدار جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے روزِ وفات سے لیکر آیامِ غیبت تک کیسے آپ کے تجسس و تلاش و آپ کے قتل و ہلاکت کے کیا کیا سامان فراہم کیے گئے ہیں۔ اور شریعتِ اہلبیت علیہم السلام کے احکام اور اُن کے اجرا اور انکی متابعت کی وجہ سے شیعہ فرقہ کے لوگوں کو متواتر کتنی اور کیسی مصیبتیں پیش آئی ہیں۔ اور اُن کو اپنے کتنے جانی اور مالی نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں۔ اپنے اسی بیان کے مقدمہ میں ہم موجودہ خلفائے عباسیہ اور انکی سلطنت کی موجودہ کیفیت کو بھی نہایت اختصار کے ساتھ خلاصہ کے طور پر دکھلا کر اپنے ناظرین کو اُن لوگوں کے اعمال و افعال سے آگاہ کیے دیتے ہیں جو اپنی دولت و ثروت اور حکومت و سیاست کے ظاہری اقتدار کے اعتبار پر اپنے آپ کو حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ہمسر اور مساوی سمجھتے تھے۔ اور تمام دنیا کو اسی کا سبق دیتے تھے۔ جن حضرات نے ہمارے موجودہ سلسلہ کے تمام نمبروں کو مسلسل اور بالاستیعاب دیکھا ہے انکو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم نے کچھ اسی کتاب میں خاصکر یہ التزام تالیف اور انتظام ترتیب تنہا قائم نہیں کیا ہے۔ بلکہ اپنی تمام کتابوں میں اُن لوگوں کے طور و اطوار اور اصولِ حکمرانی دکھلا کر پورے طور پر ثابت کر دیا ہے کہ انکی اخلاقی کمزوریاں ہرگز اس قابل نہیں تھیں جو ان خاصانِ خدا اور ذواتِ مقدسہ سے کسی محاسن اور محامد میں مقابلہ کر سکیں۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ ہم کو یہ اعتراف بھی ضرور ہے کہ ان حکمرانانِ عصر اور فرمانروایانِ زمانہ کا یہ خیال بھی اس وقت کچھ نیا اور اُن کا خاص ایجادی نہیں تھا۔ بلکہ یہ اُن کی قدیم جہالت تھی۔ اور ایسا پرانا اور لاعلاج جنون تھا جو کسی وقت اُن کے سر سے نہیں اترتا تھا۔ اور غور سے کام لیا جائے اور کامل طور پر تحقیق کیجائے تو معلوم ہو جائیگا کہ بیرونی لوگوں میں امرِ خلافت کے جاتے ہی جسکی ابتدا سن گیارہ ہجری کے تیسرے مہینہ سے قائم ہوتی ہے۔ اہلبیت علیہم السلام سے ہمسری کے وجوہ پیدا ہو گئے مگر مساوات کے خیالات اُسوقت صرف اُسی شخص کے دماغ تک محدود پائے جاتے تھے جو تختِ خلافت پر متمکن ہوتا تھا۔ مگر چھبیس ۲۶ برس کے بعد یہ خیال یکایک اتنی ترقی پکڑ گیا۔ اتنا عام ہو گیا کہ خلافتِ چہارم میں مختلف قوم و قبیلہ کے لوگ خلیفۂ عصر کے مقابلہ میں اپنے آپکو ہر طرح سے خلافتِ نبوی اور حاکم شرع ہونے کے لیے پورا سزاوار سمجھنے لگے۔ اگرچہ ان خیال والوں کی پیدائش بھی تیسری خلافت کے آخر زمانہ سے ثابت ہوتی ہے مگر اس وقت تک اُن کے ان مخالفانہ خیالوں پر مروان ابن الحکم کی بد سلوکیوں کا پردہ حائل تھا۔ اور خلیفۂ عصر سے مقابلہ اور مقاتلہ کے جواب میں یہ دکھلایا جاتا تھا کہ مروان کی حرکات نے ان لوگوں کو خلیفۂ عصر کے ساتھ گستاخانہ طور پر پیش آنے کے لیے مجبور بنا دیا۔

بخلاف اسکے چوتھی خلافت کے زمانہ میں جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی مدتِ حکومت میں تو مروان یا کسی دوسرے کی وزارت۔ مشورت یا مداخلت وغیرہ کی کوئی شکایت نہیں تھی۔ پھر آپ کے خلاف جو دنیا کی دنیا اٹھ کھڑی ہوئی اور تمام بلادِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے ہل من مبارز کی صدائیں بلند ہونے لگیں اسکی کیا وجہ بتائی جائیگی۔ اسکی وجہ اور اسکے اسباب وہی تھے جنکو ہم اپنے سلسلہ کے نمبر اول میں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلا آئے ہیں کہ اس زمانہ میں ہر شخص اپنے آپکو خلافت کا دعویدار اور حکومت کا سزاوار شایاں تصور کرتا تھا۔ اور خلیفۂ عصر سے مساوات اور موازنہ تو درکنار مقابلہ اور مقاتلہ پر ہمہ دم و ہر لحظہ تلا رہتا تھا۔ چنانچہ ۳۶ھ ہجری سے لیکر ۴۰ھ ہجری کے ماہ رمضان تک اس کی متواتر کوششیں ہوتی رہیں۔

بہرحال ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ خلفائے عباسیہ نے بھی ابتدا سے لیکر اس وقت تک جو جو مخالفانہ کارروائیاں اپنے معاصر رئیس اہلبیت علیہ السلام سے پیش کیں وہ سب اسی مساوات و ہمسری کے غلط اصول پر مبنی تھیں۔ کیونکہ محض امرِ حکومت کے ہاتھ میں آتے ہی عام اس سے کہ وہ قہر و غلبہ۔ غضب و جبر۔ یا کسی اور حکمتِ عملی اور حیلۂ دنیا داری سے حاصل ہوا ہو۔ وہ اپنے آپ کو اسلام اور اہلِ اسلام کے تمام دنیاوی۔ روحانی اور ایمانی امور کا پیشوا اور مقتدا سمجھنے لگے تھے اور یہی سارے زمانہ کو بھی سمجھانے لگے تھے۔ اور سلاطین

بنی امیہ کی طرح انکا خیال یہی تھا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُن کے تمام کمالات اور فضائل و مراتب ومدارج میں انہی کو ملے ہیں۔ اور کسی دوسرے کو نہیں۔ بہرحال اپنے موجودہ تمہیدی مضامین کو یہانتک پہنچا کر ہم اُن سلاطین عباسیہ کے حالات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جو جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے ہمعصر واقع ہوئے تھے ؀

معتمد کی سلطنت کا زمانہ

یہاں تک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام نے آٹھویں ربیع الاوّل ۲۶۰؁ہجری کو انتقال فرمایا۔ وہ معتمد کی حکومت کا زمانہ تھا۔ معتمد کی حکومت کا حال کسی قدر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسی کے وقت کا بہت بڑا واقعہ صاحب الزنج کا خروج ہے جو ۲۵۵؁ہجری سے شروع ہو کر معتمد کی سلطنت کو ڈانواڈول کیے ہوئے تھا۔ اور آئے دن نئی نئی مصیبتیں۔ طرح طرح کی دقتیں تمام کاروبارِ ملکی میں برابر پیش لا رہا تھا۔ معتمد کی عمر تمام ہو گئی مگر صاحب الزنج کے ساتھیوں کے حملات کم نہ ہوئے بلکہ اور ترقی کرتے گئے

معتمد نے اپنے مرنے سے چند روز پیشتر اپنے بیٹے مفوض باللہ کو اپنی ولیعہدی سے معزول ہونے کے لیے مجبور کیا گیا۔ اور اُس نے تمام صلحا و علمائے شہر اور امرا و ارا کین سلطنت کے بہت بڑے مجمع میں حکم سلطانی کے مطابق اپنی معزولی کے ننگ و عار کو قبول کر لیا۔ جب مفوض اپنے عہدہ سے خارج اور کنارے کر دیا گیا تو معتمد نے اسکی جگہ اپنے بھانجے معتضد کو اپنے بعد اپنا ولیعہد اور قائم مقام قرار دیا۔ اسکے علاوہ معتمد نے تمام مساجد میں وعظ کہنے کی عام ممانعت کر دی۔ اُسکے وقت میں منجم اور کہانت پیشہ لوگوں کو بہت بڑا عروج ہوا۔ اور تمام شاہدو۔ بازار اور مجمع کے خاص خاص محلوں میں انکی نشست اور مجلس قائم ہونے لگی۔ معتمد نے بغداد کے تمام صحافوں اور کتب فروشوں کو بلا کر حکم عام دیدیا کہ علم مناظرہ اور فلسفہ و حکمت کی کتابوں کو نہ کوئی خریدے اور نہ بیچے اور نہ کوئی جلد بند ان کتابوں کی جلد باندھے۔

معتمد کے خاص اطوار اور کردار و رفتار کی نسبت ابن اثیر اور روضۃ الصفا اسلام کے مشہور مورخین کا بیان ہے کہ معتمد عموماً عیاش مزاج اور عیش پسند تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے اوقات کو انواع و اقسام کے لہو و لعب اور نشاط و طرب میں گزارتا تھا۔ اور کاروبار خلافت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ جملہ کاروبار موفق کے سپرد تھے۔ جیسا وہ چاہتا تھا کرتا تھا۔ کسی کو اسکی تجویز میں مداخلت کی مجال باقی نہیں تھی۔ اسکی صحبت کے بیٹھنے والے نانک اور قوال تھے اور وہی اُسکے جملہ امور میں پیش پیش تھے۔ معتمد اپنے تمام امور میں انہی لوگوں کی صلاح و مشورت سے کام لیتا تھا۔ اور انہی کی ہدایت کے مطابق وہ اپنی صحبت و عیش کی ترتیب۔ محفلِ عیش و نشاط کی زیب و زینت اور جلسۂ شراب و کباب کی آرائش میں ہمہ دم و ہر لحظہ مصروف و مستغرق رہتا تھا۔ اور انہی سامانوں کے ساتھ انواع و اقسام کے الوانِ نعمت مطبخ سلطانی سے تیار ہو کر آیا کرتے تھے۔ اور یہی جھوٹوں سے چاٹے جایا کرتے تھے۔ معتمد نے اپنی سلطنت کا تمام زمانہ انہی سامانوں میں صرف کر ڈالا۔

یہ تھے معتمد کے ذاتی حالات اور یہ تھے اسکی حیات کے روزانہ مشاغل۔ مگر باایں ہمہ کہ وہ اپنے ذاتی عیش و عشرت میں سراپا مستغرق تھا۔ مگر تاہم وہ اپنے معاصر بنی فاطمہ علیہا السّلام کی ایذا رسانی کے خیال اور ارادے سے کبھی باز نہ آیا۔ اسکی ذات خاص سے جیسے جیسے ظلم اور جیسی جیسی ایذائیں جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کو اٹھانی ہوئیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ اس سے پہلی کتاب میں لکھدی گئی ہیں۔ اور انہی حالات کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے قتل کرنے میں معتمد کو کون شے مجبور کر رہی تھی۔ ان واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ معتمد کی تمام کوششیں رائگاں گئیں۔ اور اُسکے تمام مخالفانہ حملات سے حضرت امامِ حسن عسکری علیہ السّلام محفوظ و مصئون رہکر اپنے بعد اس ودیعتِ الٰہی کو منصبِ امامت پر فائز فرما گئے۔ جسکے منصوص کرنے کے لیے خدائے سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔ بہرحال۔ معتمد نے جو کچھ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے ساتھ اپنے زمانۂ سلطنت میں کیا وہ ہم اس سے پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں۔ اب ہم حسب وعدہ وہ واقعات ذیل میں

لکھتے ہیں جنکو معتمد آپکی وفات کے بعد جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے تجسس و تلاش اور تفحصِ احوال میں اپنی مخالفت سے کام میں لایا اور کیسے کیسے جابرانہ اور ظالمانہ حکم و احکام اسکے متعلق جاری کیے۔

ہم اپنی پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ معتمد کو آپ کا وجود تو اُسی وقت ثابت ہو گیا تھا جس وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی نمازِ جنازہ کی کیفیت اسکو معلوم ہوئی تھی۔ اس اسرارِ ربانی اور قدرتِ یزدانی کو دیکھکر اُسکے حواس مختل ہو گئے۔ مگر تاہم کسی قدر خودداری کو راہ دیکر اُس نے اپنی تشویش کا اظہار نہ ہونے دیا اور عیسیٰ کو بارِ دیگر امامتِ نماز کا حکم دیکر اس راز کو فوراً مخفی کر دیا۔ مگر پھر آگے چلکر اُس نے اپنے تفحصِ احوال کیلئے پوری مستعدی اور سرگرمی سے تحقیق کرنیکی بلیغ کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں اُس نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے جعفر کو اپنی طرف ملا لیا۔ مگر اس خوابیدہ بخت (معتمد) کو یہ خبر کہاں تھی کہ مشیّت کے نظام اس سے پانچ برس پہلے اپنا کام پورا کر چکے ہیں۔ اور آپکی ولادت کی خبر اُس وقت تک جعفر کو کانوں کان نہ تھی۔ معتمد نے اِس وقت جعفر سے جو سازباز کی یا جعفر نے معتمد سے جو میل جول بڑھایا۔ اُس کی وجہ جانبین کی خود غرضی کے سوا کچھ اور ثابت نہیں ہوتی۔ معتمد کی تو یہ خواہش تھی کہ اُسکو جعفر کے ذریعہ سے آپ کا رتی رتی حال ملجایا کریگا اور جعفر کی یہ تمنا تھی کہ معتمد کے وسیلہ سے حصولِ ثروت اور دولت ہوگا۔ اور علاوہ بریں سلطانِ عصر اور حاکمِ وقت کے نوازش و الطاف دکھلا کر شیعہ گروہ سے اپنی امامت کا باسانی اقرار کرا لیا جاویگا چونکہ فیمابین خود غرضی حائل تھی اس لیے اُن میں سے ایک دوسرے کا فوراً رفیق اور شریک بنگیا۔ مگر حقیقت میں جعفر بھی جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے حالات سے ویسے ہی لاعلم اور بےخبر تھے جیسا معتمد۔ اِس لیے یہ بھی مسئلۂ وجود کے ویسے ہی منکر ہوئے جیسا کہ معتمد۔ حالانکہ واقعۂ امامتِ نمازِ جنازہ سے اِنکو پوری حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ مگر چونکہ انکا کام بھی اسوقت انکار ہی سے نکلتا نظر آتا تھا۔ اِس لیے انہوں نے بھی معتمد کے ساتھ اِن واقعات کو بالکل چھپا ڈالا۔ اور آپ کی ولادت اور وجود کے مسئلہ سے قطعی انکار کر دیا۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ معتمد کو ان کے (جعفر کے) چھپانے اور انکار کرنے سے کیا فائدہ ہونیوالا تھا۔ اور ایسے ہی جعفر کو ان حرکات سے کونسے نفعے پہنچنے کی امید تھی۔ جن لوگوں نے اُسوقت کے حالات کو بالاستیعاب دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ معتمد اگر واقعاتِ نمازِ جنازہ کو نہ چھپاتا تو پھر آپکا وجود تمام دنیا کے لوگوں کو اُسی وقت ثابت ہو جاتا۔ اور پھر اِس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا اور وجودِ بجود کے چھپانے۔ مٹانے اور اُس کے متعلق اسلام کی تمام پیشین گوئیوں کو جو عند الفریقین اسنادِ صحیحہ اور معتبرہ سے ثابت ہوتی ہیں محض وہم اور گمانِ غلط بتلانے میں اُسکی تمام کوششیں جنکو وہ اپنے باپ متوکل کی وفات کے بعد ہی سے برابر اور متواتر عمل میں لا رہا تھا صرف سے بیکار اور رائگاں چلی جاتیں۔ اور پھر طالبانِ حق اور سالکانِ طریقۂ قادرِ مطلق۔ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بشارتوں کے مطابق اُسی ودیعتِ الٰہی اور وصی رسالت پناہی صلوٰۃ علیہ وآلہٖ کی اقتدا کو اپنا افتخار اور شعار بناتے۔ جو قائم برحق۔ امام الزمان اور صاحب العصر علیہ السلام کے گرانمایہ خطاب و القاب سے سرفراز و ممتاز فرمایا گیا ہے۔ پھر ایسے برگزیدۂ ربانی کے مقابلہ میں معتمد کے عارضی اور فانی ثروت و اقتدارِ سلطانی کی کیا ہستی تھی۔ اور عام نگاہوں میں اُسکی کیا وقعت تھی۔

معتمد کو تو اِسکے اختفا اور انکار سے یہ مطلب تھا جعفر کو جو اِس سے حاصل ہونیوالا تھا وہ یہ تھا کہ اگر وہ اپنے خاص مشاہدۂ نماز کو نہ چھپاتے اور آپکے مسئلۂ ولادت سے نہ انکار فرماتے تو کہاں جاتے۔ ایسی دلیلِ واضح اور حجتِ روشن کے مقابلہ میں اُنکی امامت کا کون قائل ہوتا۔ اور ایسے اعجاز و کرامت کے سامنے اُن کے زبانی دعووں کی کیا سماعت ہو سکتی تھی۔ اِن وجوہ سے جعفر کو بھی معتمد کا ہمکلام اور ہمزبان ہونا ضرور تھا۔

بہرحال۔ جہانتک تاریخی طور سے اِسکی تلاش کیجاتی ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اِن دونوں آدمیوں نے ملکر اس مسئلۂ خاص میں اپنی متحدہ کوششوں سے کام لیا اور اپنی کج فہمی کے تقاضے سے اسکے متعلق سب سے پہلے جو فساد اور غلط گمانی تمام دنیا میں پھیلانی چاہی وہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام

کو قطعی لاولد مشہور کرتا تھا۔ اِس کا بہت بڑا ثبوت جعفر کا خاص اقرار تھا جو بحیثیت بھائی ہونیکے عوام کے ظاہری اطمینان و تشفی کے لیے پورے طور سے کافی ہوگیا۔ اگرچہ اسکا اثر دیرپا اور ہمیشہ کے لیے نہیں ہوا۔ مگر تاہم ان ابلہ فریبیوں نے اہلِ اسلام کے عقائد میں بخلافِ بشارتِ حضرتِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انواع و اقسام کے اختلاف اور فسادات پیدا کردیے۔ مگر بمصداق الحق یعلو ولا یعلی تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ غلط فہمی رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی اور جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے احکام سفراؤ وکلاء کے ذریعہ سے گروہِ مومنین میں چاروں طرف نافذ ہونے لگے جیساکہ پوری تفصیل کے ساتھ ایک جداگانہ باب میں اوپر بیان ہوچکے ہیں۔ انہی احکام اور دیگر نظام کے نفاذ اور دوسرے مشاہدات کے طریقوں سے مومنین کو آپ کے وجودِ ذی جود کا پورا یقین ہوگیا اور معتمد کی وہ تمام سوءِ تدبیریاں جو اُس نے آپکے خلاف میں کوشش کی تھیں بالکل رائگاں اور بے سود ثابت ہوئیں۔ اور اخیر میں تقدیرِ ربانی کے سامنے تدبیرِ انسانی کچھ بھی کام نہ کرسکی۔

بہرحال معتمد نے ان امور میں جس امر سے ابتدا کی وہ جنابِ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری تھی۔ کیونکہ اسکی خبر اُسکو تحقیق ہوچکی تھی کہ وہ مولودِ مسعود آپ ہی کے بطنِ مبارک سے وجود میں آیا ہے +

جنابِ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری

معتمد نے سب سے پہلے حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اُس کے اِس ظالمانہ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور حضرت موصوفہ ظالم معتمد کے سامنے لائی گئیں۔ جہاں تک میری تحقیق کام کرتی ہے مجھ کو اسلام کی تاریخ میں یہ دوسری مثال ثابت ہوتی ہے کہ اِس خاندانِ اعلےٰ اور دودمانِ والا کی مخدراتِ عظمےٰ حاکمِ وقت اور فرمانروائے زمانہ کے دربارِ عام میں جائزہ سلطانی کے لیے لائی گئیں اور اسلام کے سلاطین جبابرین کی فہرست میں یزید ابن معاویہ کے بعد معتمد ابن متوکل کا دوسرا نمبر خصوصیت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے جس نے پاسِ شریعت کے ساتھ ہی عرب ہونے کی عزت اور قوم قریش ہونے کی حیثیت بھی ہمیشہ کے لیے ضائع کردی۔ اور دنیا میں اپنے لیے وہ ننگ و عار اختیار کی جو اُسکی پیشانی کا سیاہ داغ بن کر قیامت تک اُس کی بد افعالی اور شامتِ اعمالی کا یادگار بنا رہیگا۔

بہرحال علیا مکرمہ حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا جیساکہ ابھی ابھی بیان ہوچکا ہے اُس شقی القلب کے سامنے لائی گئیں تو اُس نے جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کی نسبت استفسار کیا تو آپ نے نہایت ہوشیاری اور عاقبت اندیشی سے اپنی حفاظتِ جانی اور اسرارِ خداوندی کے اختفا اور کتمان کی خاص غرض سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے اِس وقت تک کوئی ولادت نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ میں ابھی تک حاملہ ہوں اور میرے وضع کے ایام پورے نہیں ہوئے ہیں۔

خدا کی قدرت اور خدا کی شان۔ ان کے بیان پر معتمد کو فوراً یقین ہوگیا اور اُس نے اپنے موجودہ اضطراب کی فکر میں اسکو ہزار غنیمت سمجھ کر کہ جب ولادت ہوگی تو مولود فوراً قتل کردیا جائیگا۔ علیا مکرمہ جنابِ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کو قاضی ابوشوراب کی حراست میں قید کردیا۔ اور قاضی کو سخت تاکید کردی کہ وہ اُن کی حفاظت و نگرانی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ اور جس وقت ولادت واقع ہو فوراً خبر کی جائے کہ وہ اپنی آئندہ تجویزوں کو اِس کے متعلق فوراً عملی صورت میں لائے +

حجاز و یمن میں صاحب الزنج کے حملات

وَاللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

معتمد کی کیا بساط تھی جو اُس کے ظاہری نظام پر کوئی اعتماد کیا جاسکتا۔ اور اُس کا کیا منہ جو احکامِ مشیت سے اپنے نفسانی سیاست کو بڑھا لیجاتا۔ اِدھر جنابِ نرجس علیہا السلام کو قاضی ابوشوراب کی حراست میں آئے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ احکامِ مشیت نے دنیا کا رنگ ہی بدل دیا۔ اور حکومت بغداد میں وہ انقلابِ عظیم پیدا ہوا جس نے یکایک معتمد کے ہوش و حواس کھو دیے۔ وہ کیا تھا؟ صاحب الزنج کا حملہ۔

اور اطرافِ یمن میں یکایک حملہ تھا۔ جس نے چاروں طرف سے بلادِ سلطانی میں تاخت و تاراج مچادی۔ اور نظامِ عباسیہ کو درہم و برہم کر ڈالا۔ اور حجاز و یمن کے تمام علاقوں میں اپنا پورا تسلط ایسا جمالیا کہ اُن کے مقابلے کی سلطنتِ بغداد کو کوئی حوصلہ اور جراٗت باقی نہیں رہی۔ معتمد کے یکبارگی ایسے کمزور ہو جانے اور ہمت ہار بیٹھنے کی بہت بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنی قوت آلِ صفار کے مقابلہ میں بالکل صرف کر چکا تھا۔ اُسکا خزانہ اور لشکر اس مہم میں بالکل خرچ ہو چکا تھا۔ اور پھر آخر اُسکی ان ہفت سالہ کوششوں کا جو نتیجہ بھی نکلا وہ یہی تھا کہ معتمد کو آخر ایک گوشہ ایرانی علاقہ کا صفاریوں کے لیے خالی کر دینا ہوا جیسا کہ تاریخوں سے ظاہر ہے

ابھی یہ بلا کسی نہ کسی طرح اُسکے سر سے ٹلی تھی کہ صاحب الزنج کی دوسری آفت اُسکے سر آدھمکی۔ جو چیزیں کہ غنیم کی مدافعت اور مقابلہ کے لیے ضروری تھیں اُنکی کمزوریاں تو ظاہر تھیں۔ پھر معتمد کے کامیاب ہونے اور اس بلائے عظیم سے نجات پانے کی کیا امید کیجا سکتی ہے۔ مگر تاہم معتمد نے اپنی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور اُسکے بھائی موفق نے بھی اُسکا خوب ساتھ دیا اور سردارِ فوج ہونیکی حیثیت سے اپنے فرمانروا بھائی کی خدمات بڑی وفاداری اور جاں نثاری کے ساتھ ادا کیں۔ جسکے کسی قدر تفصیلی حالات اس سے پہلی کتاب میں بیان ہو چکے ہیں۔ موفق کی کوششیں ضرور اُسکے مقاصد کے موافق ہوئیں۔ اور اُس نے اپنے مخالف سردار کا سر کاٹکر بھائی کے پاس بھیجدیا۔ اور اُسکی باقی ماندہ جماعت کو جو سر دست عراق کے تمام علاقوں میں بدامنی کا باعث ہو رہی تھی پسپا اور منتشر کر دیا۔ اور عام ملکی فساد میں کسی قدر اطمینان ضرور پیدا کر دیا۔ مگر افسوس کہ وہ اس کے بعد فوراً ہی مر گیا۔ اُس کے مرتے ہی فرقہ مخالف نے اپنی مخالفت کو از سرِ نو پھر تازہ کر دیا۔ اور غنیم سے میدان خالی پا کر اپنی تاخت و تاراج کے ویسے ہی سر بفلک طوفان اٹھائے۔ معتمد کو وہی دقتیں اٹھانی ہوئیں جو اس سے پہلے وہ اٹھا چکا تھا۔ اور وہ اسی کشمکش میں چودہ برس تک مصروف رہا۔ اگرچہ یہ کوششیں بھی معتمد کی ذاتی نہیں تھیں۔ بلکہ یہ احمد ابن موفق کی کارگزاریاں تھیں۔ جو ابو العباس لابیہ کے معنوں میں ہو کر اپنے چچا کے حقوق کو نہایت خوبی سے انجام دے رہا تھا۔ کیونکہ معتمد کی عیش پسندی۔ آرام طلبی اور تن آسانی اتنے مہماتِ ملکی اور شدائدِ جنگی کی برداشت لانے کی کہاں طاقت رکھتی تھی۔

غرض بہر حال یہ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کے معاملات کی طرف سے اُسکی غفلت اور چشم پوشی کا ایک تو یہی باعث ہوا اور علاوہ اسکے دوسرا باعث جو معتمد کی چشم پوشی کا محرک ہوا وہ موفق کا اہلبیت کرام علیہم السلام کی طرف سے کسیقدر بزرگی پیش آنا تھا جیسا کہ عنقریب موفق کے خاص حالات میں بیان کیا جائیگا۔ انشاء اللہ المستعان۔

بہر حال۔ معتمد کی ان مجبوریوں کے حالات کو یہاں تک پہنچا کر ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتمد حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا سے یہ معلوم کر کے کہ ابھی تک ولادت سے فراغت نہیں ہوئی مطمئن ہو گیا۔ اور انکو اسی وقت قاضی ابو الشوارب کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ صاحبِ زنج اور صفاریوں کے معاملات میں خود ایسا گرفتار و مبتلا ہو گیا کہ اپنے سر و پا کی بھی مطلق خبر نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے معتمد کی جگہ موفق نے بھی کچھ تو ان امور کی مشغولیت اور کچھ اپنی طبعی ملائمت کی وجہ سے آپکے معاملات کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ آپ چھ مہینے تک قاضی صاحب کی حراست میں رہکر پھر اپنی عصمت سرا کی طرف واپس کر دی گئیں۔ اور اس کے بعد پھر آپ سے حمل و ولادت کے بارے میں کوئی خاص سوال نہیں کیا گیا۔ اور یہ خاص مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا۔ اور سلطنت کی طرف سے پھر کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

یہ تو معتمد کی کارروائیاں تھیں جو اُس نے حضرت امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد فوراً ہی شروع کر دیں اور جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی سراغ رسانی اور تفحصِ احوال کی غرض سے عمل میں لائی گئیں +

حضرت جعفر تواب کی غلط فہمی کے حالات

اب معتمد کے ساتھ ہم کو جعفر تواب کی غلط فہمیاں بھی

لکھدینی ضروری ہیں۔ اگرچہ جناب نرجس علیہا السلام کی گرفتاری بھی جعفر کی تحریک سے بتلائی جاتی ہے اور اسکی مثال بالکل ویسی ہی پائی جاتی ہے جیسی محمد بن اسمٰعیل ابن جعفر صادق علیہ السلام کی رو ئداد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خلاف ہارون رشید کے زمانہ میں واقع ہوئی جس کو ہم پوری تفصیل کے علوم کاظمیہ میں قلمبند کر چکے ہیں۔

بہرحال۔ حضرت جعفر تواب نے اپنی پہلی غلط فہمی کی ابتدا یوں کی کہ اہالیانِ قم کی ادائے خمس والی شرائط اور امتحان میں جب ان کا نقص فی الامامت ثابت ہوگیا تو یہ غریب ایسے خفیف ہوئے کہ اپنی اسی شرم اور غصہ کی جھنجلاہٹ میں اُٹھے اور معتمد کے پاس پہنچے۔ اور اس موذی کو اپنے پدر بزرگوار جناب امام علی نقی علیہ السلام اور اپنے برادر عالی مقدار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایام میں ان اموال کی تحصیل کے متعلق جیسے جیسے خفیہ اور پوشیدہ انتظام تھے یا اُن کے جو جو مخفی ذرائع قائم تھے۔ ایک ایک کر کے سب بتلادیے۔ اور اپنے اس معروضہ کے اخیر میں غرض یہ ظاہر کی کہ ان لوگوں سے یہ مال مجھ کو دلا دیا جائے۔ معتمد کے یہ اُن دنوں معتمد علیہ تو ضرور ہی تھے۔ اِن کا بیان سُنکر اُسنے شیعیانِ قم کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو اُن سے کہا کہ تم اپنے ہمراہی اموال جعفر کے حوالہ کردو۔ اُن خالص الاعتقادوں نے خلیفہ کو دعائے دولت دیکر نہایت صفائی اور متانت سے جواب دیا کہ حقیقتِ حال یوں ہے کہ ہم وہ جماعت ہیں جو ہمارے ملک اور زبان میں اجیر (اجرت پر کام کرنے والے) کہے جاتے ہیں۔ ہم لوگ بذاتِ خاص اِن اموال کے مالک نہیں ہیں بلکہ اُن کے اصلی مالکوں کی طرف سے صرف وکیل اور امین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور اُن لوگوں نے ہم لوگوں کو اپنے یہ اموال اس شرط و عہد پر حوالے کیے ہیں کہ ہم انکی یہ امانت اُس شخص کو دیدیں جو ہم کو اعجاز و کرامات کے پورے دلائل دکھلا کر اپنی ذات کو اس مال کے لینے کا پورا مستحق ثابت کر دے۔ چنانچہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی حیات کے زمانہ میں ہم لوگ برابر اُن کی ذات سے ایسے ہی اعجاز و کرامات دیکھتے رہے۔ آپ ہم کو اُن اموال کی اقسام تعداد۔ اوزان اور اُن کے جملہ اوصاف و اوضاع سے پوری خبر دیدیتے تھے۔ اور اُن کے مالکوں کے نام اور اُن کے بھیجنے والوں کے پتے اور نشان کامل طور سے بتلا دیتے تھے۔ جب اُن کی زبان معجز بیان سے ہم اُنکی یہ تفصیل اپنے خاطر خواہ سُن لیتے تھے تب اموال ہمراہی انکے حوالے کردیتے تھے۔ جبتک آپ اس دار فانی میں بقید زندگانی رہے ہم لوگ برابر آپ کی خدمت سے شرف اندوز ہوتے رہے اور برابر ایسے ہی مشاہدات آپ کی ذات سے ظاہر ہوتے رہے۔ اے امیر! اب اُن کے مرجانے کے بعد اگر یہ شخص بھی اُنہی اوصافِ مشہودہ اور مخصوصہ کے ساتھ موصوف ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہی اعجاز و کرامات جو ہمارے امورِ خاص کے ساتھ متعلق ہیں ہم کو دکھلائے۔ تب ہم لوگوں کو البتہ اُن امور کے مشاہدات کے بعد اسکو یہ مال دینے میں کوئی عذر اور کوئی کلام نہیں ہوگا۔ اور تاوقتیکہ یہ مشاہدات ہم نہ دیکھ لیں ہم کسی کو یہ مال نہیں دینگے۔ بلکہ انکو اپنے ہمراہ لیجا کر اُن کے مالکوں کو واپس کر دینگے۔

اُن کے یہ بیانات سُن کر جعفر نے معتمد سے کہا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اور ہمارے بھائی پر بیرون از عقل محض جھوٹی جھوٹی باتوں کی تہمت لگاتے ہیں۔ اور اُن پر علم غیب رکھنے کا پورا الزام اور اتہام باندھتے ہیں جس کو خدائے عالم الغیب کے سوا کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ معتمد نے جعفر کی اس تعریض پر کوئی توجہ نہیں کی۔ بلکہ بخلافِ امید اُن کو یہ جواب دیا کہ حقیقت میں یہ لوگ اِن اموال کی نسبت دوسروں کی طرف سے امین ہیں اور رسول اور وہ ادائے رسالت کے سوا اور کسی امر کے مجاز نہیں ہو سکتے۔ ایسی حالت میں تاوقتیکہ جو شرائط ادا کاری اِن لوگوں کو بتلائے گئے ہیں وہ تم میں نہ پائے جائیں یہ اپنے ہمراہی مال تمہیں کیسے دے سکتے ہیں؟ معتمد کا یہ جواب سُنکر جعفر کی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں اور سوائے خاموشی کے اُن سے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑا۔ اسی اثنا میں

اُن خالص الاعتقادوں نے معتمد سے پھر درخواست کی کہ چونکہ ہم لوگ مسافر اور غریب الوطن اور یہاں کے راستوں سے ناواقف ہیں اس لیے مستدعی ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ کر دیا جائے کہ ہمیں اصل راستے سے لگا دے۔

معتمد نے اپنا ایک خاص ملازم اُن لوگوں کے ہمراہ کر دیا اور وہ اس رہبر سلطانی کے ساتھ واپس ہوئے۔ جوں ہی بیرونِ شہر پہنچے تھے کہ ایک طرف سے آواز آنی شروع ہوئی کہ اے فلاں ابنِ فلاں اور اے فلاں ابنِ فلاں شہرِ قم کے رہنے والو! تمہارے مولا تمہیں بلاتے ہیں تم اُن کے حکم کو مانو اور اُن کی متابعت اختیار کرو۔ یہ لوگ آواز پر چلے تو اُنہوں نے ایک غلام زنگی کو یہ آواز دیتے ہوئے پایا۔ اُس کے قریب پہنچکر اُس سے پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے مولا اور امام ہو؟ وہ یہ سُنکر کانپنے لگا اور کہنے لگا کہ توبہ! توبہ! (استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ) میں تمہارے مولا کا ایک غلام ہوں اور تمہاری ہی طرح اُن کے حکموں کا مطیع و منقاد آؤ۔ تم سب کے سب ہمارے ساتھ اپنے امام علیہ السلام کی خدمت میں چلے چلو۔ چنانچہ اہلِ قم کا بیان ہے کہ ہم اُس غلام حبشی کے ساتھ چلے اور خانہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام میں داخل ہو کر ہم نے حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک پُرتکلف تخت پر باشان و شوکت بیٹھے ہیں۔ آپ کا جمالِ جہاں آرا ماہ شب چہاردہم کو مات کر رہا تھا آپ اُس وقت لباس سبز زیب تن فرمائے تھے۔ ہم نے حاضرِ خدمت ہوتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا اور آپ نے نہایت خوش اخلاقی سے ہمارے سلام کا جواب دیا۔ اور پھر ہمارے تمام مال و اسبابِ ہمراہی کے اقسام۔ اوضاع اور اوزان پوری طرح سے بتلا دیے۔ آپ کے کلام صداقت التیام کو سُنکر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا وقت اور آپ کے ذاتی اوصاف ہماری آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اور ہم لوگوں نے اسی وقت سے آپ کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا وارثِ اصلی اور قائم مقامِ حقیقی یقینی طور پر تسلیم کر لیا اور وہ تمام و کمال مال جو ہمارے ساتھ تھا خدمتِ مبارک میں حاضر کر دیا۔

اس کے بعد اُن لوگوں نے اپنے اپنے مسائل جو مختلف احکامِ شرعیہ اور نصاب و جنس کے متعلق انکو پوچھنے ضروری تھے آپ سے پوچھے اور خاطر خواہ جواب آپکی خدمت مطہرہ سے حاصل کیے۔ اہلِ قم کہتے ہیں کہ جب ہمارے سوالوں کے جواب ہمیں عنایت فرما چکے تو ارشاد کیا کہ اب آپ حضرات کو ہمارے پاس آنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس آمد و رفت سے ہمارے موجودہ نظام میں بہت بڑا فساد ہونیکا خطرہ ہے۔ بلکہ ہماری مضرتِ جسمانی اور نقصانِ جانی کا بھی پورا یقین ہوتا ہے۔ اِن وجوہات سے اب تم کو نہ ہمارے پاس آنیکی ضرورت ہے اور نہ کسی مال و اسباب لانے کی۔ ان امور کے لیے سفراء و وکلاء اور اُنکے معتمد تابعین تمام قبائل و بلادِ مومنین میں ہماری طرف سے مامور ہیں جو ہماری طرف سے اِن خدمات کو انجام دینگے۔ اتنا ارشاد فرما کر آپ ہم لوگوں میں سے ابو العباس محمد ابن جعفر قمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ خدائے ارحم الراحمین تجھکو تیری وفات کی مشکلات اور شدائد میں صبر عطا فرمائے اور اجرِ عظیم کے مدارج عالی پر پہنچائے۔ یہ فرما کر قدرے حنوط بھی انہیں مرحمت فرمایا۔ پھر ہم لوگ آپ کی خدمتِ قدسی برکت سے رخصت ہوئے اور قریب شہر مدائن پہنچکر محمد ابن جعفر قمی نے رحلت فرمائی۔

اس واقعہ سے جعفر کا جو کچھ مرکوزِ خاطر تھا وہ یہی کہ انہوں نے بمقتضائے بشریت منصبِ امامت کو نعیم کے معمولی درجہ میں ڈالنا چاہا تھا اور معتمد کی قربت اور شرفِ صحبت کو اپنے حصولِ مقصود کا قوی ذریعہ سمجھا تھا۔ مگر انکو اپنے پہلے ہی ارادے میں شکست پہنچی۔ اور جس ذریعہ سے انکی تمام امیدیں وابستہ تھیں وہ انکی مطلق امداد نہ کر سکا۔ بالآخر جو جس کا حق تھا وہ اُسے پہنچ گیا۔ اور حقیقت میں اسی ایک واقعہ سے حق و باطل کا پورا امتیاز ہو گیا۔

جب جعفر کو اس ترکیب سے اپنی کشود کاری اور مقصد برآری کی کوئی صورت نہیں دکھلائی دی تو انہوں نے اپنی سوءِ تدبیری سے اپنی کامیابی کی ایک دوسری تجویز پیدا کی جو حقیقت میں پہلی ترکیب سے بھی زیادہ بیکار اور فضول ثابت ہوئی اور انکو سوائے حسرت و ندامت اور ذلت و پشیمانی کے اخیر میں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی چنانچہ ملا مجلسی علیہ الرحمہ جناب شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ کے اسناد سے

تحریر فرماتے ہیں کہ جعفر نے اسکے بعد بیس ہزار روپیہ کا نقد نذرانہ معتمد کی خدمت میں پیشکش گزرانا اور یہ استدعا کی کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اُن کے برادرِ مرحوم کا منصبِ امامت انکو عطا کیا جائے۔

حقیقت تو یوں ہے کہ جعفر کو اِس وقت تک منصبِ امامت کے اوصافِ مخصوصہ اور اُسکی معرفتِ کُلّی حاصل ہی نہیں تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اسی لاعلمی اور عدم واقفیت کی وجہ سے وہ اپنے برادرِ عالیمقدار علیہ السّلام کے منصبِ امامت کو منجانب اللہ نہیں جانتے تھے بلکہ اسکو بھی محض معمولی طور پر موجودہ سلطنت کا ایک عہدہ تجویز فرماتے تھے جو بالکلیہ حاکمِ وقت اور فرمانروائے عصر کے اختیار کی بات تھی۔ انہی وجہوں سے جعفر نے معتمد سے ایسی لایعنی درخواست کی۔ جس کے جواب میں معتمد نے نہایت آزادی اور صفائی سے جواب دیا کہ تمہارے برادرِ بزرگوار علیہ السّلام کا منصب میری طرف سے نہیں تھا بلکہ وہ حضرتِ واہب العطایا کی جانب سے تھا یہ عہدہ تفویض سلطانی نہیں تھا بلکہ عطائے ربّانی تھا مجھکو دیکھو کہ میں نے اپنی ابتدائی حکومت کے ایام اسی فکر و غور میں تمام کر دیئے کہ اپنی قوت و اقتدار کے ذریعہ سے انکے مدارج و مراتب میں کسیطرح کچھ کمی پیدا ہو۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے ان تمام کوششوں میں سے ایک میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ بخلاف اِسکے میں نے جون جون اُن کے استخفافِ مراتب کی فکر کی اُن کے مدارج میں اور ترقی پر نمایاں ترقی ہوتی چلی گئی۔ اور آخر میں میں اُن کا کچھ نہ کر سکا۔ اگر شیعوں کے نزدیک تمہاری ذات میں بھی وہی اوصاف پائے جاتے ہیں تو پھر تم کو ہم سے کسی استعانت و استمداد کی کوئی احتیاج اور ضرورت باقی نہیں ہے۔ اور اگر اِن لوگوں کے نزدیک تمہاری ذات میں وہ محامد و اوصاف پائے نہیں جاتے اور تم کو اُس قدر و منزلت کا نہیں سمجھتے اور تم میں وہ فضل و کمال اور علم و معرفت اور تقوی و عبادت نہیں دیکھی جاتی جو جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی ذات مجمع الحسنات میں پائی جاتی تھی تو پھر ایسی حالت میں اگر میں تمہارے برادرِ عالیمقدار کے منصبِ امامت پر مامور و منصوب بھی کر دوں تو تمہیں یہ مامور و منصوب کرنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

معتمد کی زبانی ایسا خشک جواب پاکر جعفر کی کشتِ امید پر کا یک ایسی بجلی گری کہ انکو بالکل سکتہ کا سا عالم ہو گیا۔ اور وہ بھی اپنے ہوا خیالوں میں ایسے ناامید ہو گئے کہ پھر فی عمرہ کبھی اسکی طرف بارِ دیگر کوئی خیال نہ کر سکے اور اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہکر اپنی حیات کے ایام بسر کرنے لگے۔

ہم نے جہانتک اِن بزرگ کے حالات دیکھے ہیں ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ اِن کے اطوار و اوضاع میں اتنی ہی باتیں تھیں جو اُن سے پہلے اکثر ذریتِ امام علیہ السّلام اور ساداتِ کرام میں پائی گئی ہیں۔ جن میں سے بعض حضرات کے ذکر ہم اُن کے خاص خاص مقامات پر اپنے موجودہ سلسلہ تالیف میں مفصّل اور مسلسل طریقہ سے قلمبند کر چکے ہیں ہمکو سمجھ لینا چاہیے کہ جسطرح ان تمام حضرات سے اپنے اپنے امور میں لغزشیں واقع ہوئیں اسی طرح اپنے زمانہ میں ان سے بھی۔ بات یہ ہے کہ انسان کی معمول پسند طبیعتیں ہر امر اور ہر مسئلہ کو اپنے اختیار کردہ اصول معمولی پر اندازہ کرنیکو تیار ہو جاتی ہیں اور ہر وقت وہ ہر دم اُسکو اپنے امکان۔ اپنی قوّت اور اختیار کے اندر یقین کرتی ہیں۔ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے بعد حضرت جعفر توّاب نے بھی بدقسمتی سے مسئلۂ امامت کو ایسا ہی سمجھا جو اُن کے غیر معصوم ہونے اور مقتضائے بشریت ثابت کرنیکے لیے پورے طور پر کافی ہے۔ بالآخر اُن کو اپنی موجودہ غلط فہمی پر انفعال ہوا اور توقیعِ مقدسہ کے ذریعہ سے انکی براءت ثابت ہوئی اور آپ کے تمام معاملات اخوانِ حضرت یوسف علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کے مقابل اور مماثل ٹھہرائے گئے۔

معتمد کے دیگر مظالم اور شیعوں کے مصائب

جعفرِ توّاب کے حالات کو خاتمہ تک پہنچا کر ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ معتمد سے خشک جواب پاکر حضرت جعفر توّاب تو گھر میں خاموش ہو بیٹھے۔ اور انہی کے ایسا معتمد بھی اپنی مقام پر خاموش ہو بیٹھا۔ اور اُن کے سکوت اختیار کرنیکا وہی باعث ہوا جسکو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ صفاریوں کی تاخت کے بعد صاحب الزّنج کے یلغاریوں نے انکو بالکل مجبور و لاچار بلکہ قریب قریب اُسکی تمام سیاسی تدابیر و تجاویز کو کامل چودہ برس تک فضول اور بیکار بنا دیا۔ اور وہ رات دن ان تردّدات اور تفکرات میں ایسا غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ اسکو کسی دوسرے ملکی معاملات کی کوئی فکر باقی نہیں تھی۔ اس سکوت اور خموشی سے جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے نظامِ ملکی اور آپ کے معتقدین کے گروہ نے

قدرے سکون تو ضرور پیدا ہو گیا۔ مگر تاہم وہ اپنے مراسم اور فرائض کو علانیہ طور پر ادا کرنے کی مطلق جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جس طرح سے متوکل کے ایام سلطنت سے خوفِ جان۔ تقیہ اور کتمانِ ایمان کی مجبوریوں میں گرفتار تھے اسی طرح تا ایندم مجبور رہے۔ اگرچہ حاکمِ وقت اور فرمانروائے عصر ان امور میں بذاتِ خاص کسی قدر ساکت ہو گیا تھا تو بھی اس کے وزراء اور دیگر اراکینِ سلطنت جو سراپا تعصب کے تیار مجسمے بنے رہتے تھے۔ وہ اپنی اشتعال انگیز اور مخالفت خیز حرکات سے کب باز آنیوالے تھے۔ وہ کچھ تو اپنی ذاتی مخالفت کے تقاضوں سے اور کچھ طمعِ دولت اور جلبِ منفعت کی غرضوں سے گروہِ شیعہ کے پیچھے پڑ گئے۔ اور ایسے کہ اس غریب اور نا پرسان گروہ کو ان کے پنجہ مخاصمت و مخالفت سے اپنا پیچھا چھڑانا دشوار ہو گیا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی کئی بار یہ مصیبتیں ان غریبوں کے سر پر پڑ چکی تھیں مگر ان تمام شدائد و مصائب سے اس وقت کے مظالم کہیں زیادہ تھے۔ ان مظالم کے ادنیٰ نتیجے یہ تھے کہ خاندان کے خاندان۔ قبیلے کے قبیلے اپنے گھر بار چھوڑ چھاڑ خانہ بدوشی کی غیر متحمل مصیبتوں کو برداشت کر کے دور و دراز ملکوں میں نکل گئے اور دوسرے لوگوں کی خدمت اور اطاعت پر اپنی زندگی کے ایام بسر کرنے لگے۔ ان میں سے جو کسی قدر مستطیع اور اہلِ مقدرت تھے وہ بیرونی ممالک میں نکل کر تجارت اور زراعت کے ذریعے سے اپنے دن گزارنے لگے۔ بعض ان میں سے ایسے دست و پا شکستہ تھے جو ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کی صلاحیت بھی نہ پیدا کر سکتے تھے۔ وہ غریب دامانِ صحرا اور درہائے جبال میں آوارہ اور پریشان و حیران پھر کر اپنی زندگی کے دن کاٹتے پھرتے تھے۔ ان آفت رسیدوں کے بالآخر یہ نتیجے نکلے کہ وہ سب کے سب جنکی کوئی تعداد اس وقت معلوم نہیں کیجا سکتی۔ ان ویران سنسان اور سنگلاخ زمینوں میں اپنی غربت اور مصیبت کیجا لئے ہوئے بلک بلک کر مر گئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ہم نے جہاں تک ان آفت زدوں اور مصیبت نصیبوں کے حالات و واقعات پر غور کی نگاہ کی ہے۔ ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدقسمت یہی تھے جو جلاء وطنی اور مسافرت و غربت کی سخت سے سخت مصیبتیں اٹھا اٹھا کر مر گئے ع

اس بیکسی کی موت کسی کو خدا نہ دے　　مٹی جسے عزیز نہ دے آشنا نہ دے

(مرزا دبیر مرحوم)

ان غریبوں کا لوحِ صفحۂ روزگار پر نہ کوئی نام لیوا باقی ہے اور نہ پانی دیوا۔ اور اگر کوئی پایا جاتا ہے تو ان کی غربت کے اوقات اور مصیبتوں کے حالات۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ زمانہ شیعوں کے لیے سخت مصیبت کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے اور عباسیوں کی سختیاں ان لوگوں پر بنی امیہ کی بے رحمیوں سے کبھی کم نہیں خیال کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کا ایک واقعہ نمونے کے طور پر ہم ذیل میں درج کرتے ہیں جس سے ان تمام حالات کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے موجودہ نظامِ امامت کو درہم و برہم کرنے میں سلطنت کی طرف سے کتنی سعی و کوشش کی گئی۔

حسن ابنِ حسن علوی کا بیان ہے کہ معتمد کے ندیموں میں سے کسی ندیم نے اسکو اطلاع کی کہ جناب قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کی طرف سے اطرافِ عالم میں سفرا اور وکلاء وصولِ خراج کے لیے مامور ہیں۔ اور وہ لوگ یہ رقوم ملک کی شیعہ رعایا سے وصول کر کے برابر آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچایا کرتے ہیں۔ ندیم صاحب کو نہیں معلوم کیسے صحیح اسناد اور قوی ذریعہ سے یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ انہوں نے تمامی سفراء اور وکلاء امام علیہ السلام کے نام بھی بتلا دیے۔ اس زمانہ میں عبید اللہ ابن سلیمان معتمد باللہ کا وزیر تھا۔ اس نے یہ روئداد سنکر خلیفۂ عصر کو ان لوگوں کے تفحص و تجسس کی صلاح دی۔ معتمد نے کہا کہ تجویز تو ضرور صحیح ہے مگر ہر چیز کسی طرح کی ہو اچھی یا بری کسی حجت اور دلیل کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اگر ایکبارگی یونہی ان کا تجسس۔ تلاش اور گرفتاری جاری کر دی جائیگی تو عام طور سے شکایت کا باعث ہو گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ کچھ لوگ مصنوعی طریقہ اور عیارانہ چال سے ان وکلاء اور سفراء کے پاس تھوڑا بہت مال دیکر بھیجے جائیں۔ وہ لوگ یہ رقم دکھلا کر ان سے کہیں کہ یہ مال امام علیہ السلام کا ہے اور تم لوگوں کی معرفت خدمت امام علیہ السلام میں بھیجنا چاہتے ہیں۔ آپ اسکو ہم سے لے لیں اور حسبِ دستور اس کی رسید ہمکو دیدیں۔ جب یہ جاسوس اس عیاری اور ہوشیاری سے وہ رقم ان لوگوں کو دیکر اسکی رسید لے لیں تو اس کے بعد ان ہی

رسیدوں کے ذریعہ سے ہم اُن لوگوں کو گرفتار کریں گے۔ اور
یہ طریقہ ہمارے لیے کسی شکایت کا باعث نہ ہوگا۔ یہ
ترکیب و تجویز سلطانی وزیر کو بہت پسند آئی اور اُس نے
اسی کے مطابق عملدرآمد شروع کر دیا۔ مگر قبل اس کے
کہ یہ کارروائیاں آغاز ہوں ناحیۂ مقدسہ سے تمام وکلاء
کے نام یہ حکمنامہ جاری ہوا جس میں یہ تحریر تھا کہ اسوقت
سے کوئی شخص کسی غریب الوطن اور تازہ وارد سے کوئی
مال نہ لے تاوقتیکہ وہ بذات خاص اُس سے پوری
واقفیت نہ رکھتا ہو۔

اس توقیعِ مبارک کی ہدایت سے تمام وکلاء اور سفراء جو
اس منصب پر مامور تھے آگاہ ہو گئے۔ اِس اثناء میں وزیر کی تدبیر
بھی ظاہری طور پر جاری ہوئی۔ اور طرح طرح کی عیاری اور مکاری کے
ساتھ دنیا کے ایمان فروش ایمان والوں کے مصنوعی لباس میں مومنین
کی گرفتاری اور دل آزاری کی غرض سے شہر در شہر، قریہ در قریہ اور گلی
در گلی تفحص کرنے اور سراغ لگانے لگے۔ مگر چونکہ انکی عیارانہ تدبیر سے
پہلے یہاں تمام سفراء اور وکلاء حقیقتِ احوال سے آگاہ ہو چکے تھے
اس لیے معتمد کی یہ سوچی ہوئی چال اور اُس کے وزیر کا پھیلایا ہوا دامِ
تزویر اِن خالص الاعتقاد لوگوں کا کچھ نہ کر سکا۔ اور بالکل بیکار اور
بے اثر ثابت ہوا۔ مگر اس پر بھی اِن لوگوں نے اپنی کوششوں کا سلسلہ
نہ چھوڑا۔ چنانچہ انہی جاسوسانِ شاہی میں سے ایک حضرت مالِ کثیر
لیکر محمد ابن احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ بزرگوار مشاہیر وکلاء میں
تھے اور عراق کی سرحدی شیعہ آبادیوں کے تمام اموال انہی کے پاس
جمع ہو کر خدمت امام علیہ السلام میں پہنچتے تھے۔ جب یہ جاسوس
مال لیکر اُن کی خدمت میں پہنچا اور اپنا ہمراہی مال دکھلا کر انکو اپنے
دام میں لانا چاہا تو انہوں نے صاف طور سے انکار کر کے کہدیا کہ تمہارا
یہ وہم بالکل غلط اور سراسر بیجا ہے۔ میں ان امور سے ذرا بھی واقف
نہیں ہوں۔ اور نہ یہ امور مجھ سے کوئی تعلق یا واسطہ رکھتے ہیں۔ اور
نہ اس بارۂ خاص میں کوئی ذاتی علم و اطلاع رکھتا ہوں۔ اتنا سنکر بھی
وہ حضرت ان بزرگ کی خدمت میں اظہارِ حال کی غرض سے بہت
دیر تک اصرار کرتے رہے۔ مگر اس کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد
بزرگوار کی پاسداری اور وفا شعاری ذرا بھی لغزش یا جنبش نہ کر سکی

نتیجہ یہ ہوا کہ جاسوس صاحب اپنی ترکیب و تدبیر میں بالکل محروم
و مایوس رہکر انکی خدمت سے واپس آ گئے۔

اِسی ایک واقعہ کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے
کہ سلطنت کی طرف سے کتنے لوگ اِس عیاری اور مکاری کے
لباس میں سفراء اور وکلاء کی فریبدہی اور اغوا کے لیے مقرر
ہوئے ہونگے۔ کیونکہ کچھ ایک ہی شخص تو وکیل اور سفیر تھا ہی
نہیں۔ ان بزرگواروں کی بھی آخر ایک معتدبہ جماعت تھی۔ جن میں چند
نفوس مقدسہ کے نامِ نامی اور ان کی ماموریت کے مقام ہم اِسی
کتاب میں اوپر لکھ چکے ہیں۔

اِس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ معتمد اور اُس کے امراء و ارکانِ
دولت نے نظامِ امامت کے درہم و برہم کرنے یا کم سے کم اُن کے
اسرار و اخبار پر پورا علم و اطلاع پا جانے کی کوششوں میں کوئی دقیقہ
اٹھا نہیں رکھا۔ اگر وہ اسرار حقیقت میں مشیتِ یزدانی سے کوئی
تعلق نہیں رکھتے تو ضرور تھا کہ یہ تلاش اور تجسسِ سلطانی جو تدبیرِ انسانی
کا اعلیٰ نظام کہا جاتا ہے اِن امور کا پورا سراغ اور کامل پتہ لگا لیتی۔
مگر چونکہ یہ تمام کلیتہً نظامِ مشیت ہی کے احکام تھے اس لیے انسان
کی تلاش اور تحقیق اسکے متعلق کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی تھی۔ بہرحال
معتمد کی ان مخالفانہ کارروائیوں سے جو کچھ انکا دلی مقصود تھا وہ
کسی طرح انکو حاصل نہ ہو سکا۔ اور جو فائدہ کہ انکی نظر میں مترتب
ہونیوالا تھا وہ ایک بھی نہ پہنچ سکا۔ مگر ہاں انکی اِن کارروائیوں نے
عام اہل اسلام کے عقائد میں جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے
وجود و ظہور کے مسئلہ کو ایک الجھا پیچیدہ اور اختلافی مسئلہ بنا دیا
جس نے انواع و اقسام کے فساد پیدا کر دیے۔ اور طرح طرح کے
اصول اور محض بے بنیاد اعتقاد اسلام میں پیدا کر دیے۔ جن سے
اسلام کے مذہبی افق میں مشرقی مذہبوں کی طرح اوہام پرستی کی
جھلک نمایاں ہونے لگی۔ ان تمام خرابیوں کی وجہ یہی تھی کہ جناب
قائم آلِ محمد علیہ السلام کے وجود و ظہور کے مسئلہ کو اُس عظمت اور
وقعت سے گرا دینے اور اسکی جانب قلوب سے مٹا دینے کی کوشش
کی گئی جس کے وہ منجانب اللہ بصورت نصوص فرمائے گئے
اور ان اوصاف و محامد کی بابت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے متعدد نصوص موجود تھے۔ مگر چونکہ فی الحال آپ کا وجود و ...

لوگوں کے مطلب و مقصود کے منافی اور مضر ثابت ہوتا تھا اس لیے اس سے انکار ضروری اور لازم تھا۔ اور اسی مجبوری اور دشواری کے خاص لحاظ سے مسئلۂ توحید کے خلاف میں ایسے بے دلیل، بے اصول اور بادر ہوا اخبار مشہور کر دیے گئے جس نے ایسے صاف اور واضح مسئلہ کو خواہ مخواہ اختلافی بنا کر تمام اسلامی امت میں گمراہی کے اعتقاد اور خیالات پیدا کر دیے۔

اسلام میں مہدویت کے دعویدار

اب ہم ان سو اعتقادیوں کی ایک مختصر سی تفصیل ذیل میں درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ اس مسئلہ کے متعلق اسلام میں کس کس قسم کے مختلف خیالات مختلف زمانوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام میں مہدی موعود سلام اللہ علیہ من رب الودود کے ظہور ہونے کا مسئلہ ایسا مقدس اور موقر تسلیم کیا گیا تھا کہ ہر شخص بہزار آرزو و تمنا اس کا منتظر و مشتاق تھا کہ یہ عظمت و جلالت اُس کی قوم و قبیلہ کی خوش نصیبی اور امتیاز کا تمغہ بنکر حاصل ہو۔ اس وجہ سے خلافت راشدہ کے ایام تمام ہوتے ہی مسلمانوں نے اسکو بھی خلافت کا ذریعہ بنا کر اپنا اپنا کر لینا چاہا۔ اُن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سب سے پہلے بعض اہل اسلام نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو مہدی موعود خیال کیا۔ کوفہ میں شہید ہونے کے بعد بصرے والوں نے آپ کی نسبت اپنی ان غلط فہمیوں کی بنا اس قیاس پر قائم کی کہ خلافت راشدہ یہی امامت حقہ تھی جس کا ختم کنندہ مہدی بتلایا گیا ہے۔ ایسے خیال والے وہی حضرات تھے جو حسن بصری کو آپ کا خلیفہ اور جانشین قرار دیتے ہیں اور یہ حضرات اُس زمانہ میں سبائیہ کے لقب سے مشہور تھے۔

(۲) اس کے بعد حضرت محمد حنفیہ رضہ کے طرفداروں نے ان اوصاف سے اُن کو مشہور و موصوف بتلایا مگر جناب امام زین العابدین علیہ السلام اور محمد ابن حنفیہ رضہ کے فیما بین حجر الاسود کے قدرتی محاکمہ نے اس غلط فہمی کی فوراً اصلاح کر دی۔

(۳) پہلی صدی کے ختم ہونے کے قریب بعضوں نے

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو مہدی بتلایا۔ مگر آپ نے خود اسکی تکذیب فرمائی اور اُن کو ایسی غلط فہمیوں سے روکا۔

(۴) بعضوں نے عبد اللہ۔ افطح کو مہدی خیال کیا۔

(۵) ابتدائے دوران حکومت عباسیہ میں عبد اللہ محض نے اپنے صاحبزادے نفس زکیہ کو اس لقب سے مشہور کرنا چاہا جس کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے خلاف بتلایا اور مقام ابوا کے خاص جلسۂ سادات میں ان کے اس دعویٰ کے جواب میں صاف صاف کہدیا کہ آپ کا بیٹا مہدی موعود نہیں ہو سکتا۔ اور مہدی موعود کے ظاہر ہونے کا یہ زمانہ ہے۔

(۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد بعض فرقہ نے حضرت اسمٰعیل ابن جعفر صادق علیہ السلام کو مہدی تجویز کیا

(۷) فرقۂ راجعیہ کے لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مہدی موعود خیال کیا۔

بہرحال اتنے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ابتداہی سے اسلام میں مختلف فیہ چلا آتا ہے مگر خیر اسی میں ہے کہ دعویدار مہدویت تمام تر سادات اور اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں۔ اور کوئی غیر نہیں۔ مگر ہم چونکہ ہر شخص ہمیشہ اس میں اپنے ذاتی قیاس سے کام لیتا تھا اور ہمیشہ اس کے متعلق اختراع و ایجاد کے مادے سب کے دماغ میں موجود اور تیار رہتے تھے۔ اس لیے زمانہ کی ذرا سی تحریک پر وہ تمام مردہ خیالات پھر از سر نو ایک نئی صورت میں پیدا ہو جایا کرتے تھے اور مخالفین کو اپنے مخالفانہ اور مغویانہ مشن کے کامیاب بنانے میں نہایت آسانی ہوتی تھی مگر باایں ہمہ اتنے مختلف عقائد جو مختلف زمانوں اور متفرق لوگوں میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے تھے وہ ایک میعاد خاص کے بعد فوراً زائل ہو جاتے تھے اور مٹتے جاتے تھے۔ اور اتنے غلط خیالات اور قیاسات میں ایک بھی صحیح اور درست نہیں ثابت ہوتا تھا۔ مگر اب اس نکبت اور شامت کا کیا علاج ہو سکتا ہے کہ باوجود اتنے مشاہدات متواترات کے بھی اُن کے خیال قطعی طور پر مستاصل اور ختم نہ ہوئے۔ بلکہ اُن کی اس غلط فہمی، سوء تدبیری اور کوتہ اندیشی کا لگاتار سلسلہ اُس زمانہ سے لیکر جناب خاتم آل عبا علیہ التحیۃ

والشنا کے خاص زمانہ تک چلا گیا۔ چنانچہ اب ہم اُن لوگوں کی تفصیل اور اُن کے عقائد ذیل میں لکھتے ہیں جنہوں نے آپ کی موجودگی میں دوسروں کو آپ کی جگہ مہدیِ موعود قرار دیا۔

(۱) ان لوگوں میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو مہدی موعود اور حیِّ القائم سمجھتا ہے۔ ان کے عقائد میں آپ کی وفات ثابت ہی نہیں۔ بلکہ وفات فرمانے کی جگہ وہ آپ کے غائب ہو جانیکو تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) بعض محمد ابنِ علیؑ کو اپنا مہدی مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ایک مقام میں اب تک محفوظ و مصئون ہیں۔

(۳) بعض جعفر ابن علیؑ (جعفر تواب) کو مہدی مانتے ہیں۔

(۴) بعض کا یہ خیال تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بعد اپنا کوئی فرزند جو آپ کے بعد آپ کا قائم مقام اور جانشین ہو عقب میں نہیں چھوڑا۔ اس لیے امر امامت ہمیشہ کے لیے موقوف اور منقطع ہو گیا۔ اب جس طرح منظورِ مشیت ہو گا ظہور پذیر ہو گا۔

(۵) اکثر لوگ اسی مسلک کو اتنے اضافہ کے ساتھ تسلیم کرتے تھے کہ سلسلۂ امامت ایک میعادِ مقررہ تک ضرور منقطع رہے گا۔ مگر قریب قیامت حسبِ نصوصِ محکمہ اسکا سلسلہ از سرِ نو شروع ہو گا۔ مہدی موعود کی ولادت ہوگی اور وہ تمام حجت و براہین آپ سے ظاہر و ثابت ہونگے جو مطابق نصوص آپ کے متعلق بتلائے جاتے ہیں۔ یہ وہی فرقہ ہے جو اُس وقت تمام فرقوں سے زیادہ خلفائے عباسیہ کے زیرِ اثر تھا۔ اور باعتبار تعداد و شمار کے سب سے بڑا فرقہ تھا۔ کیونکہ موجودہ حکومت کے بھی یہی عقائد تھے۔

بہر حال جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے مسئلۂ امامت میں اتنے ظاہری اختلاف پیش تھے جو عام اہل اسلام کے اعتقادات میں طرح طرح کے فساد پھیلا رہے تھے۔ اور انوارِ حقیقت کو دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی کر رہے تھے۔ جب تمام واقعات ایک منصف مزاج اور عدالت پسند انسان کے سامنے پیش کیے جائیں گے تو وہ تھوڑے ہی غور کے بعد اس امر کو فوراً تسلیم کر یگا کہ ان تمام اختلافات اور فسادات کا باعث سلطنت کی خود غرضی اور نفسانیت ہے۔

حقیقت تو یوں ہے کہ اس مسئلہ میں سلطنت کی طرف سے مخالفانہ کارروائیاں نہ پیش کیجاتیں تو پھر یہ مردہ خیالات جو سو ڈیڑھ سو برس سے قریب زوال پہنچ گئے تھے۔ پھر از سرِ نو زندہ نہ ہوتے۔ مگر چونکہ اس مادۂ خاص سے سلطنت نے جلبِ منفعت کے خاص اغراض قائم کر لیے تھے۔ اس لیے ان لوگوں نے پھر ان خیالات کے منتشر کرنے اور اسکو پورے اعلان کی حدود تک قائم کرنے میں اپنی کوششوں کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس صورت میں ہمارا یہ سمجھ لینا اور لکھدینا ضرور صحیح ہو گا کہ خلفائے عباسیہ نے آپ کی مخالفت کا وبالِ آخرت تو اپنے سر لیا ہی تھا۔ اب اہلِ اسلام کے عقائد میں بھی اختلاف و فساد پھیلانے کا دوسرا عذاب اپنی گردن پر اٹھا لیا۔ اور اپنے آپ کو دنیا و عقبےٰ میں خدا کا گنہگار اور اسکی عقوبت و عذاب کا مستحق اور سزاوار بنا لیا۔

اب ان تمام بیانات کے ساتھ ہمارے لیے یہ لکھدینا بھی نہایت ضروری ہے کہ آخر ان تمام اختلافات اور فسادات کا نتیجہ کیا نکلا۔ ہم نے جہانتک اس کے نتیجہ کی تحقیق کی ہے ان تمام قیاسی اور وہمی طریقوں کا بھی آخر میں وہی نتیجہ ثابت ہوا ہے جو اس سے قبل ایسے بے اصول اور بے بنیاد عقائد والوں کا نتیجہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تھوڑے دنوں تک تو ان کا اور ان کے عقائد کا دنیا میں وجود معلوم ہوتا رہا مگر پھر آگے چل کر ان تمام فرقوں کا نام و نشان باستثنائے فرقہ اخیرہ کے۔ تمام دنیا سے مٹ گیا۔ اور یہ تمام فرقے رفتہ رفتہ اپنی غلط فہمیوں کی حقیقت معلوم کر کے اپنے عقائد باطلہ سے رجوع کر کے مسالکِ حقہ پر قائم ہو گئے۔ لیکن اب کی بار انکی غلط فہمیوں کا ایسا کامل استیصال ہوا کہ پھر روئے زمین پر آج تک ان فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ کا نام بھی سننے میں نہیں آتا۔

معتمد آپکی ولادت کا قائل تھا

ہمارے اوپر کے بیانات سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ معتمد نے آپ کے انکارِ ولادت کے مسئلہ میں اپنے ساتھ قریب قریب تمام اہلِ اسلام کو اپنا شریک اور ہمخیال بنا لیا۔

اس کے بعد ہم اُسکے آئندہ حالات کو بیان کرتے ہیں۔

معتمد نے عام طور سے مشہور کر رکھا تھا کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے لاولد انتقال فرمایا ہے اور آپکی کوئی اولاد دنیا میں موجود نہیں ہے۔ جو آپکے املاک و مقبوضات وغیرہ کا مالک اور وارث سمجھا جائے۔ اس لیے آپکی تمام جائداد کے وارث جعفر تواب ہیں اور آپکی والدہ گرامیقدر جو اسوقت تک بقید حیات تھیں معتمد کا یہ حکم کیسا تھا اور کیونکر تھا؟ اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ولادت کا اُسکو مطلق علم ہی نہیں تھا حالانکہ اِسکی تردید و تکذیب خود اُسی کے کلام سے کماحقہ ثابت ہوئی ہے۔ جیسا کہ جعفر تواب کی درخواست عطائے عہدۂ امامت کے متعلق اُس نے کھُل کھُلا صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ تم اِس منصب کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر رکھتے ہو تو گروہ شیعہ خود تمہیں اپنا پیشوا اور مقتدا بنا لیگا۔ میری کسی تحریک یا تاکید کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتمد جعفر کو قابلِ امامت نہیں جانتا تھا۔ اور گیارھویں امامت تمام ہوجانیکے بعد بارھویں امامت کے لیے اُسکے نزدیک بھی کوئی شخص جعفر کے سوا ضرور ہونا چاہیے تھا۔ اور جسکو ہونا چاہیے تھا اُسکی حالت اُسکو خود جعفر اور اپنے دیگر عمائد اور ارکانِ دولت کی زبانی نمازِ جنازہ کی امامت کے متعلق معلوم ہو چکی تھی۔ پھر اتنے ذاتی علم ہونیکے بعد بھی معتمد نے جس ضرورت سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی تمام جائداد جعفر کو وراثت میں دلوا دی۔ اُسی ضرورت نے آپ کے اقرارِ ولادت کے بعد پھر اُس سے انکار بھی کرا دیا اور وہ وہی ضرورت تھی جو بالکل ظاہر ہے اور نہایت واضح۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتمد حقیقت میں آپکی ولادت کے مسئلہ کا پوری طرح سے قائل تھا۔ مگر اسکا اقرار اُسکے ذاتی مطالب و مقاصد کے لیے نہایت مضر تھا۔ اِس وجہ سے وہ اپنے اقرار کو کسی طرح اپنی زبان سے کہنا نہیں چاہتا تھا۔

کچھ معتمد ہی پر موقوف نہیں۔ ہم نے جہاں تک حضراتِ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف و محامد اور فضائل و مناقب کے منکرین کے حالات و واقعات دیکھے ہیں ہمکو اُن سب کے حالات یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ مخالف اِن ذواتِ مقدسہ کے تمام فضل و کمال کے پورے معترف ہوتے تھے اُن کے مدارج و مراتب کی دل میں ہمیشہ تصدیق کرتے تھے مگر باانیہمہ اپنے منہ سے کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔

جن لوگوں نے ہمارے موجودہ سلسلۂ تالیف سیرت اہل بیت علیہم السلام کو ترتیب کے ساتھ ملاحظہ کیا ہے وہ معاویہ ابن ابوسفیان سے لیکر معتمد اور معتضد تک سب کو اسی اصول کا پابند پائیں گے۔ اس میں بھی بہت بڑی مصلحتِ خداوندی مضمر تھی۔ کیونکہ بمصداق اَلْفَضْلُ مَا شَہِدَتْ بِہِ الْاَعْدَاءُ ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف اُن کے مخالفین اور منکرین تک کرتے تھے۔ اب اِس سے بڑھ کر انکی حقانیت کی اور دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن ان کی فضیلت کا قائل ہے تمام اس سے کہ وہ اپنی خودغرضی اور نفسانیت کی خاص وجوں سے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے اس سے کوئی بحث نہیں۔

بہرحال اس وقت معتمد کی بھی بجنسہٖ یہی حالت ہے اور آپ کے مسئلۂ ولادت کے متعلق اس کے اقوال بھی یہی صورت۔ حقیقت میں جن لوگوں کے قلوب خلوص و عقیدت سے خالی ہوتے ہیں۔ اُن کی ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔

بہرحال۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد جب جعفر نے وراثت کا معاملہ پیش کیا۔ معتمد نے اُن کی دلجوئی اور اشک شوئی کی غرض سے اُن کے تنازعہ کو اُن کے خاطرخواہ فیصل کر دیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ظاہری شریعت کے فتویٰ سے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو لاولد قرار دیکر آپ کے متروکات کو آپ کے بھائی اور والدۂ گرامی کے درمیان حسبِ سہامِ شرعیہ تقسیم کر دیے جانے کا حکم دیدیا۔ اس کی رو سے جعفر کو آپ کی جائداد میں تین ثلث سے زیادہ کا حصہ ملا۔ اور آپ کی والدہ مقدسہ بحساب سدس کے ایک ثلث سے بھی کم کی سہیم ٹھیرائی گئیں۔ معتمد کی جیسی کچھ حق تلفی اور ناانصافی تھی وہ اس کے اِس فیصلہ سے ظاہر ہے جناب قائم آل محمد علیہ السلام نے اپنے کمالِ حسن اندیشی اور مآل بینی سے اس ظلم اور اپنی محرومُ الارثی کی مصیبتوں پر

صبر و تحمل فرمایا۔ اور نظامِ مشیت نے اُسکے اِس کردار کی فوری سزا کو مصلحت نہ سمجھا۔ کیونکہ ان امور کی تلاش اور تحقیق اُسوقت بہت سے اسرارِ مشیت کو افشا کر دیتی۔۔۔۔۔ معتمد کے شدید سے شدید ظلم و تعدی اور سخت سے سخت جور و جفائے آپکے ستانے اور ہلاک کرنیکے متعلق جیسے جیسے انتظام کیئے تھے وہ کسی طرح سے شمار میں نہیں آسکتے ہیں۔ یہانتک تو نوبت پہنچا دی تھی کہ باوجود اتنی بیداری اور ہوشیاری کے بھی۔ شیعہ گروہ کے وہ اشخاص جو مختلف مقامات سے خمس کے اموال و اسباب لیکر بغداد میں سفراء اور وکلائے امام علیہ السلام کے پاس آتے تھے انکو اتنی رازداری کی موجودہ حالتوں پر مزید احتیاط کا یہ حکم دیدیا گیا تھا کہ وہ سفیروں اور وکیلوں کو اپنے نام نہ بتلائیں۔ اور نہ اموال و اسباب کے بھیجنے والوں کے نام و نشان سے کوئی خبر دیں۔ اور نہ اموال و اسباب کے انواع و اقسام سے انکو مطلع اور آگاہ کریں۔ اور اسی طرح توقیعاتِ مقدسہ کے ذریعہ سے تمام شیعوں کو حکمِ عام دیدیا گیا تھا کہ وہ اِن لوگوں میں بھی جسکو مالِ خمس ادا کریں نہ اپنا نام و نشان بتلائیں اور نہ اپنی سپرد کردہ اشیاء کے انواع و اقسام سے مطلع کریں۔ ان لوگوں سے صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ اِس مال کو فلاں مقام پر لیجا کر پہنچا دو۔ یا فلاں شخص کے حوالے کر دو۔ اور اِس سے زائد ایک حرف اُس سے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں کیوں تھیں؟ صرف اِس لیے کہ اُس وقت میں شہر شہر۔ قریہ قریہ۔ گلی گلی۔ کوچہ کوچہ۔ ان تمام امور کے سُراغ لیے جاتے تھے۔ سلطنت کی طرف سے جاسوسوں کی کثیر التعداد جماعت رات دن گشت پر گشت لگاتی تھی۔ اور جس اجل نصیب پر انکو ذرا بھی شبہ ہوتا اسکی بلاتامل اُسی وقت گردن اڑا دی جاتی تھی اُسکی جان لینے میں ذرا بھی دریغ نہ کیا جاتا تھا غرضکہ چاروں طرف شیعہ گروہ کی غریب جانوں کا خون کیا جاتا تھا۔ اور دنیا کے وسیع اور چوڑے میدان میں بے خوف و خطر اُن کے خون کا سیلاب بہایا جاتا تھا۔ اُسوقت آپ کے نظامِ امامت بالکل اسرار ہی اسرار تھے۔ اور ایسے کہ کسی کو انکی مطلق خبر نہیں تھی۔ اور نہ کوئی شخص اُن سے واقف ہوتا تھا۔ معتمد کی یہ ظلم و تعدی روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھی اور شیعوں کی غریب جانوں پر یہ قیامت کی مصیبتیں انواع و اقسام کی صورتوں میں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ ملک میں نہ کوئی کاروبار کر سکتے تھے اور نہ اپنی گزرانِ اوقات کے واسطے کوئی روزگار۔ نہ بازار کو میں جا سکتے تھے۔ خوفِ جان کی وجہ سے کسی کے پاس آجا سکتے تھے۔ دوست آشنا۔ عزیز و اقارب سے ملنا جلنا کیسا۔ باپ بیٹے کے ساتھ۔ بیٹا باپ کے ساتھ۔ آقا غلام کے ساتھ۔ غلام آقا کے ساتھ اپنا کوئی راز نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور اگر اِن امور کی اشد ضرورت واقع ہوتی تو فیمابین شرعی حلف اور عہد و پیمان قائم ہو لیتے تھے تو ایک دوسرے کے سامنے زبان تقریر کھولتا تھا۔ اور مُنہ سے بولتا تھا۔ اِس احتیاط پر بھی اُن کی غریب جانوں کی مخلصی نہوئی پر نہ ہوئی۔ تو آخر کار اِن بیچاروں نے محض خانہ بدوشی کی مصیبتیں اختیار کر لیں۔ یہ وہی حالات ہیں جن کو ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات میں قلمبند کر آئے ہیں +

شیعوں کی بربادی اور جنابِ صاحب الامر علیہ السلام کی مزید احتیاط

غریب شیعوں کی تو یہ کیفیت ہو رہی تھی۔ اب جناب صاحب الامر علیہ السلام کے نظامِ اُمت اور اجرائے احکامِ امامت کی عموماً اُسوقت کیا حالت ہو رہی تھی۔ اسکی کیفیت یہ ہے کہ جب ایک قوم اور فرقے تمام قومی۔ تمدنی اور سیاسی امور سے اِسقدر تنفر اور بیزاری ظاہر کیجاتی ہے تو اُن کی مذہبی رسوم اور دینی امور سے تو بدرجۂ اولے اتنفر کا اظہار کیا جاتا ہوگا۔ یہ ایک ایسا مسلمہ اور یقینی امر ہے کہ ہر شخص اس سے پوری واقفیت رکھتا ہے۔ پھر شیعوں کی ایسی عام پریشانی اور بے سر و سامانی میں اُن کی تعلیم و تلقین کے کیا سامان ہو سکتے ہیں۔ یا اُن کی حفاظتِ جان و مال کی ہمہ دم فکروں سے اتنی فرصت اور فراغت کہاں تھی جو از خود اپنی دینیات کی ضرورتوں کی نسبت کوئی فکر کرتے۔ مگر تاہم اُن کے بے نظیر استقلال نے موجودہ انتشار و اضطرار کی خاص حالتوں میں بھی اپنی تعلیم و تلقین کے فرائض جس اخلاص سے ادا کیے وہ ابھی ابھی پوری تفصیل کے ساتھ ایک طول و طویل بحث میں بیان ہو چکے ہیں۔ دنیا کی مختلف تاریخیں دیکھنے والے مشکل سے اسوقت کے شیعوں کے استقلال و استحکام کی مثال دنیا کے کسی دوسری قوم کے حالات میں دکھلا سکتے ہیں۔ حقیقت میں ان کی راسخ الاعتقادی اور خالص الایمانی ایسی ہی بے نظیر بے عدیل اور لاثانی ثابت ہوتی ہے کہ نفسِ قرآنی اور احکامِ ربانی نے

اِن لوگوں کو کاتبِ تقدیر نے اِنہی مخصوص کے گرانمایہ القاب سے مخاطب فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو محض اتفاقی طور پر ہمارے موجودہ سلسلۂ بیان میں حائل ہوگیا۔ ہم اُس کے متعلق یہاں تک بیان کرکے اپنے موجودہ تالیفی مضامین کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر بیان ہوچکا ہے کہ جب شیعہ گروہ کی غریب جانیں تقیہ کی حالت میں بھی تباہی و بربادی سے نہ بچ سکیں تو آخرکار ان کی قوم بالاتر قبیلے کے قبیلے دور دراز ملکوں میں جلا وطن ہوگئے۔ ترکِ وطن۔ مفارقتِ احباب۔ اور فرقتِ اہل و عیال گوارا کرکے ممالکِ غیر میں چلے گئے۔ اِن غریبوں کے سر تو یہ بیتی۔ نظامِ امامت کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی شخص جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کا نام بھی اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا تھا۔ اور اس امرِ خاص کے متعلق نہایت سخت تاکید کے ساتھ توقیع مبارک کے ذریعہ سے حکمِ امتناعی نافذ ہوگیا تھا کہ کسی وقت اور کسی حالت میں اگرچہ وہ کیسا ہی ضروری کیوں نہ ہو ہمارا نام نہ لیا جائے بلکہ اپنے مقصود و مفہوم کو اشارۃً دوسرے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ اِس اہتمام کی ضرورت اور مصلحت کو اکثر شیعوں نے نہ سمجھا۔ اتنی مجال۔ اتنی آزادی اور جرأت کہاں کہ خدمتِ مقدس میں اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہوکر اسکا سبب دریافت کرتے۔ مگر ہاں بعض نے اپنے وکلاء اور سفراء سے اسکی وجہ دریافت کی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ ہمارے بیان پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

ابوعمر عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ سے جو آپ کے اول نواب ہیں دریافت کیا گیا کہ آپ کے اسم مبارک نہ لیے جانے کی کیا وجہ قائم کی جاسکتی ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ تمہارے سوال کرنے سے پہلے ہم کو تمہارے سوال کا جواب خدمتِ امام علیہ السلام سے تعلیم ہوچکا ہے اور یہ حکم ہوا ہے کہ ہم اچھی طرح سے تمام گروہ شیعہ کو بتلادیں اور سمجھادیں کہ جو جو اوصاف و محامد ہماری ذات کے متعلق وہ دریافت کریں بتلانا مگر اس کے ساتھ ہی اگر وہ میرا نام تم سے پوچھیں تو نہ بتلانا۔ بلکہ اس سوال کے جواب میں اُن سے کہہ دینا کہ زمانہ موجودہ میں ہمارا نام لینا ہمارے شیعوں پر حرام کیا گیا ہے۔ اگر اس پر بھی وہ نہ مانیں اور تم سے اس کی وجہ دریافت کرنے پر اصرار کرتے رہیں تو تم اُن کو میرا یہ حکم پڑھ کر سنا دینا۔

چونکہ حاکمِ وقت کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بعد کوئی فرزند عقب میں نہیں چھوڑا ہے۔ اور اسی غلط قیاس پر اُس نے آپ کے کل متروکات ظاہری کو اُن ہی لوگوں پر تقسیم کردیا ہے جو کسی طرح اس تقسیم کے مستحق و سزاوار نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن ان تمام امور پر بھی میں نے اس وقت تک صبر کیا اور کچھ نہ کہا بلکہ بالکل خاموش رہا اور اسی وجہ سے اُن کے وارث اور جائز وصی کی حالت زمانۂ موجودہ میں ایسی ہورہی ہے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری جگہ سے تیسری جگہ سخت پریشان اور بے سرو سامان پھر رہے ہیں اور کسی سے اپنا صحیح نام و نشان جتلانے اور معرفت کرانے کی جرأت نہیں کرسکتے۔ ایسی حالت میں اگر تم لوگ میرا نام اُسی طرح سے لیا کروگے جس طرح تم دنیا کے اور لوگوں کے نام لیا کرتے ہو تو پھر ہماری جستجو اور تلاش کرنے والے ہمارے پیچھے پڑجائیں گے اور پھر ہم کو تم سے زیادہ ستائیں گے۔ اور آزار پر آزار پہنچائیں گے جس کی وجہ سے نظامِ امامت اور اجرائے احکامِ شریعت میں سخت نقصان اور خلل واقع ہوگا۔"

ایسی واضح اور روشن عبارت میں خود جناب صاحب الامر علیہ السلام نے اپنی غایت درجہ کی مجبوری اور معذوری کی حالت کو بیان کردیا ہے جسے دیکھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اُن ایام میں تنہا شیعوں ہی پر سلطنت کی طرف سے یہ مظالم اور شدائد قائم نہیں تھے بلکہ شیعوں پر اور شیعوں کے امام پر سلطنت اور اُس کے تمام اراکین کی طرف سے مخالفت کی یکساں صورت تھی۔ آپ کے بیان صداقت توامان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ انہی مخالفین کے خوف سے اس زمانہ میں ترکِ سکونت اور مہاجرت کی تمام زحمتوں پر مجبور تھے

جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ یہ اُس کے اہل و عیال ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ پریشان حال پھرتے ہیں۔ اس فقرہ سے ثابت ہوگیا کہ آپ شہر سامرہ میں فی الحال نہیں رہ سکتے تھے بلکہ اُن اسبابِ خاص کی وجہ سے جو اوپر تحریر کیے گئے۔ غیر متعارف مقامات میں تشریف فرما رہتے تھے۔ اور وہاں بھی آپ قطعی مختفا کی حالت میں بسر کرتے تھے اور کسی شخص کو اپنی معرفت سے آگاہ نہیں فرماتے تھے۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس عالمِ پریشانی اور بے سروسامانی میں آپ تنہا ہی نہیں تھے بلکہ آپ کے ساتھ آپ کی والدہ گرامیقدر علیا مکرمہ حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا بھی شریک و رفیق تھیں۔ اور خدمتِ مقدسہ کے ہمراہ رکھنے میں بہت بڑی مصلحت یہ بھی کہ آپ کے ہجرت فرمانے کے بعد حضرتِ موصوفہ کو مخالفین سے ایذا پہنچنے کا جو احتمال تھا وہ کسی طرح ہمراہ رکھنے میں باقی نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ ابھی چند روز پیشتر اُن بے شرموں نے جو کچھ بے ادبی کی تھی وہ پوری تفصیل کے ساتھ اوپر قلمبند ہو چکی ہے۔ اس خاص مصلحت کے باعث آپ کے تنہا چھوڑنے میں بہت سے امور کا خوف لگا ہوا تھا جو آپ کے موجودہ مصالح کے بالکل خلاف اور منافی ثابت ہوتے تھے۔

بہرحال ہم اتنا لکھ کر پھر اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے اس حکم عام سے آپ کی مجبوری، محرومی اور مظلومی اور آپ کے مخالفین کی ستمگاری اور دل آزاری کما حقہ ثابت ہو گئی جس کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آپ کو اپنی موجودہ امامت کے فرائض کے متعلق احیائے سنت اور اجرائے ہدایت کی خدمات ان ایام میں کیسی دشوار ہو رہی تھیں۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی حفاظتِ جان کے سامان بھی کیسے مشکل اور گویا خارج از امکان تھے۔ مگر واقعات کے دیکھنے والے اور حالات کے مطالعہ کرنے والے پر اچھی طرح روشن ہے کہ آپ کے حسن تدبیر نے اور مصلحت بینی نے ان تمام دقتوں کی موجودگی میں اپنی کامیابی کے لیے نہایت آہستگی اور سہولت سے راستہ پیدا کر لیا اور پھر ایسا کہ دنیا کی دنیا آپ کے سراغ۔ آپ کے تجسس اور آپ کی تلاش میں اپنا سر ٹکراتی رہی۔ مگر اُن میں سے کسی ایک کو بھی آپ کے کسی امر کا کوئی پتہ اور نشان نہ ملا پر نہ ملا۔ اسی کا نام تائید ربانی ہے۔ اور یہی خاصانِ یزدانی کی مخصوص علامت اور نشانی ہے۔

بہرحال آپ کی پریشانی۔ بے سروسامانی اور حیرانی و سرگردانی کی تو یہ کیفیت تھی اور دشمنوں کے مخالفانہ تجسس اور تلاش کی شبانہ روز کوشش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ بلکہ اُن کی کوششِ جاروں طرف عام طور سے شورشیں پیدا کر رہی تھی اور شیعوں کا قتل۔ شیعوں کی گرفتاری۔ شیعوں کی بربادی اور تباہی کے علاوہ آپ کی خاص پریشانی اور حیرانی کی نسبت جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہم کو ثابت ہوا ہے کہ سامرہ مقدسہ سے ترکِ سکونت فرمانے کے بعد خانۂ اطہر میں اُس وقت کوئی شخص آپ کی جدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا کے سوا موجود نہیں تھا۔

والدہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام

جناب صاحب الامر علیہ السلام نے اپنی جدۂ معظمہ کو اس سفر میں اپنے ہمراہ نہ لیا۔ اس میں جو مصلحت خاص طور پر مضمر تھی وہ یہ تھی کہ حضرتِ مقدسہ اپنے زمانہ کی بہت بڑی صاحبِ علم و فضل۔ بہت بڑی مجتہدہ اور مقدسہ مشہور تھیں اور جملہ احکام شرعیہ اور امور دینیہ کا کامل علم و عبور رکھتی تھیں مومنین کی کثیر التعداد جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استماعِ حدیث اور اخذِ حدیث کی تحصیل کیا کرتی تھی۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی شش سالہ قید و حراست کے زمانہ میں آپ نے یہ تمام خدمات نہایت آسانی اور اطمینان سے کامل طور پر انجام فرمائی تھیں۔

موجودہ انتشار و اضطرار کی حالت میں ارکانِ شریعت شکستہ اور شیعوں کے لیے ابوابِ ہدایت بند ہو رہے تھے۔ اور خوف ہلاکت کی وجہ سے کوئی شخص اس کے اقدام پر جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے حضرتِ مقدسہ کا ان امور کی انجام دہی کے لیے سامرہ میں موجود رہنا ضروری سمجھا گیا۔ کیونکہ مخالفین کو آپ کی نسبت ان امور کے متعلق

اور شبہات دُشکل سے ہو سکتے تھے۔ جناب صاحب الامر علیہ السلام کی تشریف بری کے بعد آپ تمام مؤمنین کو احکام دینِ مبین کی تعلیم و تلقین فرمایا کرتی تھیں چنانچہ وہ لوگ جو پہلے سے حضرتِ مطہرہ کے فضل و کمال اور استعداد و جامعیت سے واقف تھے۔ وہ بغیر کسی تحریک کے آپ کی خدمت مبارک میں حاضر آکر اخذِ مسائلِ شرعیہ کیا کرتے تھے۔

بعض کو اس میں تامل ہوا اور بنظرِ استفسار حضرت ابو سعید عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حقیقتِ حال اور اس کے اصلی باعث اور اسباب اُن سے بیان کر دیئے۔ مگر تاہم آپ کے جواب سے اُن لوگوں کی تشفی نہیں ہوئی۔ وہ یہاں سے اُٹھ کر جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کی خدمت میں آئے اور مفسرِ حالات ہوئے چنانچہ ہم اس واقعہ کو بحار الانوار کی جلد سیزدہم صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ تبریز۔ ایران سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

احمد ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ سنہ ۲۶۲ ہجری میں جناب حکیمہ دختر امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں ہم لوگ حاضر ہوئے ہمارے آپ کے درمیان ایک پردہ حائل تھا ہم اس پردہ کے باہر سے باتیں کرتے تھے۔ میں نے اُس وقت کی عام ضرورت کی وجہ سے اصول تقیہ کے مطابق مخفی طور پر عقائد کی بابت پوچھ سوال کیا۔ اس کے جواب میں آپ نے تمام امورِ خدائے وحدہٗ لاشریک کے اسماء و صفات سے لیکر نبوت و امامت کی معرفتِ کلی تک جو جو ضروری احکام تھے بیان فرمائے۔ گیارہ اماموں (سلام اللہ علیہم) کے سلسلہ وار نام لیکر ارشاد فرمایا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد امرِ امامت آپ کے فرزند کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور اُن ہی کی ذاتِ ستودہ صفات پر امرِ امامت کی تمام خدمات ختم ہو گئیں۔

ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ اثنائے گفتگو میں نے خاص کر تجاہلِ عارفانہ کیا اور جناب موصوفہ سے پوچھا کہ کیا واقعی جناب امامِ حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بعد اپنا کوئی فرزند عقب میں چھوڑا ہے جو اس زمانہ میں امرِ امامت کا متکفل ہے؟ حضرتِ موصوفہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد ہمارا امام اُن کا فرزندِ رشید اور خلفِ صالح ہے جس کو حجت کہتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ حجت ابن حسن علیہما السلام کو آپ نے برای العین دیکھا ہے اور اُن کی ولادت باسعادت کی خبر آپ کو محقق ہوئی ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ اور مجھے جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف سے اُس کی امامت کے متعلق نصِ صریح و صحیح پہنچ چکی ہے۔ میرے نام آپ کا ایک مفاخرت نامہ بھی صادر ہوا تھا جس میں مرقوم فرمایا گیا تھا کہ میرے بعد امامت حجت علیہ السلام کی ہوگی۔ آپ کی وفات کے بعد میں نے آپ کی والدہ مقدسہ (علیا مکرمہ زوجۂ جناب علی نقی علیہ السلام) سے اُس مولود کی نسبت دریافت کیا تو حضرتِ موصوفہ نے جواب دیا کہ وہ مخفی ہیں۔ احمد کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے حکیمہ خاتون سے دریافت کیا کہ حجت علیہ السلام کے ایامِ غیبت میں لوگ اپنی ضروریاتِ دینی کو کس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کون شخص اُن کے مسائل کا جواب دیتا ہے۔ اور اُن کے شبہات و تشکیکات کو زائل کر کے اُن کے عقائد کو درست کرتا ہے۔ حضرتِ موصوفہ نے ارشاد فرمایا کہ جناب حجت علیہ السلام کی جدۂ ماجدہ جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی والدۂ معظمہ ہیں۔ تمام شیعوں کو لازم ہے کہ اپنے امور کو انکی طرف رجوع کریں۔ اور اُن ہی کی تقلید اختیار کریں۔ یہ سنکر میں نے عرض کی کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اس حکم کے صدور میں کہ جمیع مؤمنین کو ایک عورت کی تقلید اختیار کرنے کا حکم دیا کس کی تاسی فرمائی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس امرِ خاص میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی تاسی سے کام لیا ہے یعنی جیسا کہ آپ نے بوقتِ شہادت اپنے باقی ماندہ اہلبیت علیہم السلام کو تا صحتِ حضرتِ زین العابدین علیہ السلام اپنی خواہر معظمہ علیا مکرمہ جنابِ زینب خاتون سلام اللہ علیہا کی تقلید

اختیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ آپ کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی اپنی خانہ نشینی اور عزلت گزینی کے ایام میں جناب زینب صلوات اللہ علیہا کو اِس امر کا مجاز فرما دیا تھا۔ ایک عرصہ تک سلاطین بنی امیہ کے خوف سے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے تمام احکام حضرت زینب علیہا السلام کی طرف منسوب کیے جاتے تھے یہی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے موجودہ نظام کی بھی صورت ہے۔ احمد ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کا یہ مدلّل اور مفصل جواب سُن کر مجھ کو آئندہ یارائے تقریر بالکل باقی نہ رہا۔ اور میں نے اپنی موجودہ حالت میں حضرت واہب العطایا کا مخصوص شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ذات موصوفہ کے ذریعہ سے میری ارشاد و ہدایت کے ایسے سامان فراہم فرمائے جن سے میرے موجودہ عقائد میں تازہ استحکام و استقلال پیدا ہو گیا۔

بہرحال۔ جناب حکیمہ خاتون کی اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ اُس وقت ہدایتِ مومنین کے امور میں کیسی دشواری اور دقت واقع تھی۔ اور یہ زمانہ جماعتِ مومنین کے لیے کیسی آفت مصیبت اور قیامت کا تھا۔ نہ حفاظت جان کی کوئی صورت ہو سکتی تھی اور نہ ہدایتِ ایمان کی کوئی ترکیب کارگر ہو سکتی تھی۔ اُن کی مجبوری تھی تو نہایت درجہ کی اور معذوری تھی تو پرلے سرے کی۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ علمِ تاریخ کے وسیع عالم میں اس سے (شیعہ قوم سے) بڑھ کر کسی قوم۔ کسی قبیلہ یا کسی طریقہ کی مجبوری اور معذوری اور کیا ثابت کی جا سکتی ہے اور ان کے مقابلہ میں کسی اور قوم و ملت کی ذلت اور رسوائی پیش کیجا سکتی ہے

بہرحال جناب ریحانہ زوجہ مقدسہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اِن ایام میں وہی کیفیت تھی جو حضرت حمیدہ مصفّٰے رضی اللہ عنہا زوجہ مطہرہ جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حالت۔ حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام کے آغازِ امامت میں پائی جاتی ہے کیونکہ تاریخ و سیر کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام کے آغاز امامت میں منصور کی شدتِ مخالفت کی وجہ سے جناب حمیدہ مصفّٰے ارشاد و ہدایت کے احکام اور تعلیم و تلقین مومنین کے اجرا کے لیے عام طور پر ماذون تھیں اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اُس وصیت نامہ میں جو آپ نے اپنی وفات کے بالکل قریب تحریر فرمایا تھا اُس کی عبارت میں آپ کے بعد آپ کے ورثا اور قائم مقاموں کے سلسلہ میں اُن خاتونِ مقدسہ کا نام نامی بھی خاص طور پر داخل فرما دیا گیا تھا۔ اُن ایام میں جو حکم و احکام خاتون مطہرہ کی خدمت سے نافذ فرمائے جاتے تھے وہ بالکل حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام امام عصر اور حجتِ زمانہ کے عین حکم یقین کیے جاتے تھے۔ اُسی طرح اِن ایام میں بھی جو احکامِ تعلیم و ارشاد مومنین اور احیائے شرع مبین کے متعلق حضرت علیا مکرمہ جناب ریحانہ علیہا السلام کی خدمت سے نافذ ہوتے تھے وہ بعینہٖ قائم آل محمد علیہ السلام کے احکام سمجھے جاتے تھے (دیکھو بحار الانوار)

بہرحال۔ جن لوگوں نے حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات و واقعات کے مطالعہ کی توفیق پائی ہے وہ جانتے ہیں کہ نظام امامت کے متعلق امامت کی تاریخ میں یہ تیسری مثال ہے۔ اس سے پہلے اسکی ایسی دو مثالیں اور قائم ہو چکی ہیں اور جناب زینب و حضرت حمیدہ مصفّٰے سلام اللہ علیہما نے ارشاد و ہدایت کی خدمات کو اپنے اپنے ایام میں مخالفین کی یورش اور عام شورش کی وجہ سے اور نیز امامِ عصر اور حجت اللہ زمانہ کے مصالح اور اسرار مخصوصہ کے محفوظ فرمانے اور اس کی مقدس جان کو قتل و ہلاکت سے بچانے کی خاص غرض سے نہایت اطمینان و فراغت سے کامل طور پر انجام دیا ہے۔ دنیا کی کم بیں نگاہوں میں اگر مشاہدۂ حقیقت کے لیے کچھ بھی نور اور اُن کے ارتداد پسند دماغوں میں عقل و شعور باقی ہو تو اب بھی وہ اِن ہی مخدراتِ عُلیہ اور پردگیانِ عصمت سرا کے حالات و واقعات کو پڑھ کر اس خانۂ کرامت نشانہ کی عظمت و جلال اور فضل و کمال کی حقیقت

کا پورے طور پر نہایت آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ اور خود بغیر کسی تحریک کے سمجھ سکتے ہیں کہ جس خاندان اعلیٰ اور دودمانِ والا کی مخدرات کی استعداد و جامعیت اور کمال و قابلیت کا یہ حال ہے تو اُس خانوادۂ مقدس کے مردوں کے جوہر ذاتی اور محامدِ صفاتی کی کیا حالت ہوگی جو بحکم اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ اِن مخدرات سے فضل و کمال میں بدرجۂ اولےٰ سمجھے جاتے ہیں۔

بہرحال اتنا تحریر کرکے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ والدۂ مقدسہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام جن کے مبارک حالات ابھی ابھی اوپر لکھے گئے ہیں آپ کے ابتدائی ایامِ غیبت میں برابر تعلیم و ارشاد کی خدمات نہایت قابلیت اور جامعیت کے ساتھ انجام فرماتی تھیں۔ مخالفین کو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اِس زمانہ میں آپ کی تعلیم و تلقین کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور اِس کی وجہ یہی تھی کہ آپ کی خدمات ستودہ آیات پر اجتہاد یا تعلیم و ارشاد کے امور کا مخالفین کو کسی وقت کوئی شبہہ یا گمان نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلکِ حقۂ اثنا عشریہ میں عورتیں عموماً اجتہاد کے قابل نہیں سمجھی جاتیں۔ اور یہ امر فی نفس الامر ایسا ہی تھا۔ ان ایامِ مخصوصہ میں بحالتِ مجبوری اِن ذواتِ مقدسہ اور مخدراتِ مطہرہ سے اِن امور کی بابت جو کچھ عمل میں آیا وہ اُن کا خاص اجتہاد نہیں تھا۔ بلکہ وہی احکام تھے جو انہوں نے ائمۂ سابق یا لاحق علیہم السلام سے مسموع فرمائے تھے۔ اس لیے اُن کے جو احکام پائے جائیں گے وہ اُن ہی حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کیے جائیں گے۔

بہرحال جناب ریحانہؑ مادرِ گرامی قدر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اُس وقت تک برابر تعلیم و ہدایت مومنین کی خدمات انجام دیتی رہیں جس وقت تک کہ جناب قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا نے موفق باللہ کے زمانۂ سلطنت میں پھر سامرۂ شریفہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور آپ کے معاودت فرمانے کے تھوڑے ہی دن کے بعد یہ خاتونِ مکرمہ دیگر رائے عالمِ بقا ہوگئیں۔ سلام اللہ علیہا

اتنے دنوں کی ہجرت کے زمانہ میں جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کا قیام شہر حلّہ کے اطراف و جوانب میں خاص طور پر بتلایا جاتا ہے۔ چنانچہ شہر کے بیرون ایک خاص مقام اب تک آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور وہاں آپ کے قیام کی مبارک یادگار میں ایک خوش نما عمارت بنا کی گئی ہے جو اِس وقت تک قائم و برقرار ہے اور ہر سال مومنین مخلصین کی کثیر التعداد جماعت اُس مقام مطہر کی زیارت سے برابر شرف اندوز ہوتی ہے۔ مگر چونکہ آپ کا یہ سفر بھی بالکل امرِ اِذنِ مشیت کے متعلق تھا اِس لیے اُس کی نسبت بھی کوئی اخبار و آثار تفصیل کے ساتھ کسی کتاب میں پائے نہیں جاتے۔ اور حقیقت میں اِن امور کے متعلق انسان کا زیادہ تفحص و تلاش۔ کدّ و کاوش اور فکر و محنت نظامِ قدرت اور احکامِ مشیت میں صاف صاف تصرف اور کُھلّم کُھلّی مداخلت تصور کی جائے گی۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو یہاں تک پہنچا کر آیندہ واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے اوپر کے بیان سے کما حقہٗ ثابت ہوگیا کہ جناب امامِ زمان علیہ السلام کو اپنی امامت کے آغاز ایام میں معتمد کی مخالفت کی وجہ سے کیسی کیسی دشواریاں پیش آئیں۔ ہدایت و ارشاد کے تمام ابواب مسدود ہوگئے اور احیائے شریعت و اجرائے ہدایت کے طریقے مفقود۔ عامۃ المومنین کی تعلیم و تلقین کے لیے کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔ عقائدِ حقہ کا اعلان ہلاکتِ جان کا باعث ہوگیا۔ ہزاروں بے گناہ بندگانِ خدا کا خون بہا دیا گیا۔ اُن کے اموال۔ اُن کی جائداد تباہ و برباد کر دی گئی اس پر بھی بس نہیں کی گئی۔ مخصوص جناب صاحب الامر علیہ السلام کی گرفتاری کے لیے جاسوسوں کی کثیر التعداد جماعت سلطنت کی طرف سے مقرر کی گئی جو شہر بشہر۔ قریہ بقریہ کوچہ بکوچہ۔ گلی گلی۔ رات دن آپ کی تلاش۔ آپ کا سراغ اور آپ کا پتہ لگاتی رہتی تھی۔ آبادی کو چھوڑ کر

غیر آباد مقاموں میں۔ میدانوں میں اور پہاڑوں میں آپ کو برابر ڈھونڈھتی رہتی تھیں۔

کیا کوئی شخص معتمد کے اِن سراغ رسانی کے انتظامات کو پڑھ کر کسی دوسرے شخص کے ایسے تجسّس و تلاش کی مثال پیش کر سکتا ہے۔ نہیں کوئی نہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ عرب کی تاریخ میں واقعۂ ہجرت کے بعد یہ دوسری مثال ثابت ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرکین مکہ نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتاری کی فکریں کی تھیں اور پھر آپ کے ہجرت فرمانے کے بعد جس طرح آپ کے تجسّس و تلاش میں تمام میدانوں اور ریگستانوں کی خاک پھانکی تھی۔ اُسی طرح دو سو ساٹھ برس کے بعد معتمد نے بھی جناب قائم آلِ محمد کی گرفتاری اور سراغ یابی کی لاانتہا کوششوں میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر اُس حافظِ حقیقی نے جس طرح اُس وقت اپنی ودیعت کو اپنی حفاظت و امانت میں رکھا اسی طرح اس وقت بھی اُس حکیم برحق اور مدبرِ مطلق نے اپنی موجودہ حجتِ زمان اور حامیِ شریعت و ناصرِ ایمان کو دشمنانِ دین اور عام مخالفین کے پنجۂ عقوبت سے محفوظ و مصئون رکھا ع دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

اگر خیرہ چشمانِ زمانہ کے دیدۂ بصیرت وا ہوں تو وہ انہی دونوں واقعات کی مشابہت و مماثلت سے آپ کے اُس اتحاد فی الخلقت والذات کو پورے طور سے سمجھ سکتے ہیں جو جناب صاحب الامر علیہ السلام کو حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے حاصل تھا۔

بہرحال ان امور کے ساتھ ہی ان حالات اور واقعات میں نظامِ مشیت کی اُن خاموش تدبیرات اور نرم مصالح کے عمدہ نتائج بھی کماحقہٗ ظاہر ہو گئے جو مخالفین کے پُرزور اور قوی حملات کے مقابلہ میں اختیار فرمائے گئے تھے۔ اور ہر شخص نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ لیا کہ معتمد کے ایسے ظالم و جابر خلیفہ کی سخت اور شدید کارروائیوں کے مقابلہ میں ہجرت اور ترک سکونت کی نرم اور خاموش تدابیر اختیار کی گئیں۔ پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد اِن تمام امور میں وقت اور پریشانی کی جگہ کسی قدر سہولت اور آسانی پیدا ہو گئی۔ یہ سب کیا تھے؟ قدرت کے تصرفات اور مشیت کے خاص معاملات جن کے فہم سے عقلِ انسان بالکل مجبور اور قطعی معذور ہے ❋

المعتضد باللہ کی سلطنت

یہاں تک تو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتمد نے اپنے بیٹے کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بھتیجے احمد بن موفق کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ اس لیے معتمد کے مرتے ہی احمد اُسکی جگہ پر بغداد کا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ احمد بن موفق نے تختِ خلافت پر بیٹھ کر المعتضد کا لقب اپنے لیے تجویز کیا۔ اور دفتر و دیوان کے تمام صیغوں میں حکم و احکام اسی لقب اور نام سے نافذ ہونے لگے۔

معتضد نے اپنے آغازِ حکومت میں سیاست۔ حکمرانی اور جہانبانی کے متعلق اپنی ایسی اچھی لیاقت اور مہارت دکھلائی کہ ہر شخص کو سلطنتِ بغداد کی گزشتہ عظمت و جلال اور شوکت و اقبال کے پھر بہت جلد لوٹ آنیکا کسی قدر یقین ہو چلا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلامی تاریخیں شہادت دے رہی ہیں کہ معتضد کے تختِ سلطنت پر بیٹھتے ہی وہ عام فتنہ و فساد جو مُلک کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے بالکلیہ فرو ہو گئے۔ اور عام پریشانی اور بدامنی جو رعایا کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں عالمگیر ہو رہی تھی تسکین اور عام تشفی سے مبدل ہو گئی۔ خراجِ سلطانی اور دیگر ابوابِ مُلکی و مالی جو بدامنی کی وجہ سے اکثر علاقوں میں بند تھے وہ سب کھل گئے۔ اور بدستورِ قدیم جاری ہو گئے۔ غرضکہ وہ تمام و کمال قرائن جو ایک فرمانروا کے تسلّط اور مُلک کے اطمینان اور عام امن و امان کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ وہ سب معتضد باللہ کے ایام سلطنت میں ظاہر ہونے لگے۔ اور انہی آثار و احوال کو مشاہدہ کر کے ہر شخص آسانی سے یقین کرنے لگا کہ معتضد کی سلطنت اگر ایک میعاد خاص تک قائم اور دیرپا رہ گئی۔ اور اُس کے اصولِ جہاندانی اگر اسی صورت سے جاری رہے تو اس میں پھر کوئی شبہ نہیں

کہ خلافتِ عباسیہ کی گزشتہ سطوت وعظمت و دولت و ثروت جو منصور ہارون اور مامون کے ایام میں حاصل تھی پھر اپنی قدیم حالت پر آجائے گی ؎

مگر افسوس ؏ ’’خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم‘‘۔ تھوڑے ہی دن آگے چلکر ایسا خیال کرنیوالوں کو معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں اُن کے یہ گمان خواب و خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اور جو کچھ کہ اس کے ظاہری اور ابتدائی عنوان سے امید کیجاتی تھی وہ محض نقش برآب تھی۔ بہرحال۔ جیسا ہوا اور جو کچھ ہو۔ اُسکی سلطنت کے پہلے دس برس نہایت خوبی سے گزرے۔ مگر اتنی مدت کے سکون و آرام کے بعد اُسکو اپنے معاملات میں پہلے پہل جس مشکل سے سامنا ہوا وہ قرامطہ کا عروج تھا اور خروج۔ قبل اسکے کہ ہم اُنکے حالات کو اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں قلمبند کریں ہم تمہید کے طور پر ان کے مختصر حالات معرفی کی ضرورت سے ہدیۂ ناظرین کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں ؎

قرامطہ کے حالات اور اُن کے عروج کی کیفیت

قرامطہ ظاہری طور پر بالکل عابد اور تارک الدنیا معلوم ہوتے تھے مگر حقیقت میں وہ سب کے سب بڑے جفاکش۔ محنتی اور جری تھے۔ سخت سے سخت معرکوں میں قائم رہنا اور بڑی بڑی مصیبتوں میں اپنی جانوں پر کھیل جانا اُن کے لیے بالکل سہل اور آسان تھا۔ وہ کسی امر میں اپنی ہمت نہیں ہارتے تھے اور مشکل سے مشکل وقتوں میں کبھی بیدل اور برداشتہ خاطر نہیں ہوتے تھے اسلام میں اُن کے عقائد تصوف اور علم الاشراق کے اصول پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر تاہم اُن لوگوں کو ہم کامل صوفی بھی نہیں کہہ سکتے۔ ہمکو چونکہ موجودہ مقام پر اُنکے عقائد سے خاص طور پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لیے ہم اُنکے عقائد کی تفصیل کو اسلام کی تاریخ و سیر کی کتابوں کے مطالعہ پر حوالہ کرتے ہیں جس کو ضرورت ہو وہ اُن کتابوں میں اُن کے طریقے کے اصول عقائد کو مفصل طور پر دیکھ سکتا ہے۔ مگر ہاں آخر میں ہم اتنا ضرور لکھدینگے کہ اُنکے اصول اور عقائد پر غور کرنے سے اشراقیین اور کاملینِ علمِ تصوف کے مسالک اور عقائد کی جھلک ضرور معلوم ہوتی ہے۔ خصوصیاتِ اعمال و ترکیبِ ریاضت کے احکام و تدارک وغیرہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے دکھلائی دیتے ہیں۔

جن لوگوں نے اِن ایام کے حالات کو غور سے دیکھا ہے اور تفصیل سے پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اسوقت علمِ تصوف اور اشراق کی عام گرم بازاری اور شہرت تھی اور مختلف اصول و عقائد کی بنا پر نئے نئے فرقے۔ نئے نئے طریقے اپنے اپنے جداگانہ عقائد کے ساتھ اسلام میں پیدا ہوتے چلے جاتے تھے۔ اِن تمام فرقوں کا مرکزِ شہر بغداد تھا۔ جہاں سے یہ تمام طریقے ابتدا پاکر اپنی نشو و نما پاتے تھے۔

بہرحال۔ فرقۂ قرامطہ کے لوگ بھی اگر حقیقی طور پر اِن لوگوں میں داخل نہیں تھے تو اِن عقائد اور اصول کے زیر اثر تو ضرور تھے۔ اِن کے موجودہ رئیسِ طائفہ اور سردارِ قوم کا نام ابو سعید جبائی قرمطی تھا۔ اِس شخص نے اپنی موجودہ جماعت کے ساتھ بصرہ کے اطراف و جوانب میں خروج کیا۔ اور وہاں کے لوگوں کو اپنے اصول اور عقائد کی طرف دعوت کی۔ تھوڑے ہی دنوں میں اِن کی مشن کو پوری کامیابی ہوئی اور بصرہ سے لیکر … ورا الجزائر کے تمام باشندے اِن کے عقائد میں شریک ہو گئے۔ اور اُس اطراف میں ان کا پورا تسلط ہو گیا۔ اِس میں شک نہیں کہ ابتدائی حالتوں میں قرامطہ کے اغراض و مطالب بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ اُن کی دعوت امن پسندی کے نرم اور خاموش طریقہ سے کیجاتی تھی۔ مگر جیسے جیسے اُنکا تسلط ہوتا گیا۔ اور ملک و قوم پر اثر پڑتا گیا۔ اُن کے اقتدار میں وزن اور اُن کے اختیار میں قوت آتی گئی۔ اور رفتہ رفتہ وہ سادگی اور خاموشی عام یورش اور پرجوشی سے مبدل ہو گئی۔ اور وہ امن کی جگہ ملک میں بدامنی اور اطمینان کی جگہ غیر اطمینانی اور بے چینی پھیلانے لگے۔ اور زہد و اتقا کے ظاہری لباس کو تہ کرکے حکمرانی اور جہانبانی کی پوری شان دکھلانے لگے اس صورت و حالت میں اُن کے موجودہ افعال اشراقیین اور صوفیانِ گوشہ نشین کے اشغال سے بالکل خلاف اور منافی ثابت ہونے لگے۔

بہرحال۔ جب اُن کی عام شورش اور فتنہ و فساد کی خبر ملک میں عام اور شہرت از بام ہو گئی اور معتضد کو بھی اسکی طرف سے

خاص تعلق پیدا ہو گیا تو اُس نے عمر ابن عباس غنوی کو اِن کی سرکوبی کے لیے دار الخلافت بغداد سے روانہ کیا۔ اہل قرامطہ اِس وقت بصرہ سے بڑھتے ہوئے قطیف تک پہنچ گئے تھے۔ اور بصرہ کا عامل جو سلطنت کی طرف سے اِن اطراف کا حکمران تھا اِن کے بڑھتے ہوئے پاؤں کو پیچھے نہ ہٹا سکا۔ معتضد کا فرستادہ لشکر یلغاروں پر یلغاریں کرتا ہوا معرکہ کارزار میں پہنچا اور قطیف کی شرقی جانب سے قرامطہ پر حملہ آور ہوا۔ مگر قرامطہ نے لشکرِ سلطانی کی ہیبت و سطوت کا کوئی خیال نہیں کیا بلکہ بخلاف اِسکے بڑی پامردی اور ہمت و دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا اور اپنی شجاعت۔ قوت اور استقلال کے ایسے جوہر دکھائے کہ بغداد کی شاہی فوج اُنکے مقابلہ کی تاب نہ لائی اور شکستِ فاش اٹھا کر اِدھر اُدھر تمام منتشر ہو گئی۔ سپہ سالار سلطانی عمر ابنِ عباس غنوی اپنے سات سو ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور ابو سعید جبائی رئیسِ قرامطہ کے سامنے لایا گیا۔ ابو سعید نے سوائے عمر ابنِ عباس کے بقیہ تمام فوجِ سلطانی کے اسیروں کو اُسی وقت قتل کرا دیا۔ اِس واقعہ سے قرامطہ کی ہیبت اور سطوت شرقی عرب اور ساحل کے تمام علاقجات پر پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اور اُن کے تسلّط کے سامنے معتضد خلیفہ عباسی کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اُن کے تمام امور میں روز بروز استحکام اور استقلال آتا گیا۔ جب اِس شکست کی خبر معتضد کو معلوم ہوئی تو وہ یکایک قرامطہ کی اِس نمایاں فتحیابی سے کچھ ایسا متاثر اور مخوف ہوا کہ پھر عرصہ تک اُس سے کسی قسم کی تحریک یا مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا۔ قرامطہ نے پھر جو چاہا تمام ملک میں کر لیا اور حکومتِ بغداد کی طرف سے اُن کی ممانعت اور مدافعت کا کوئی سامان نہ ہو سکا۔ اتنا بیان کر کے اب ہم عمر ابن عباس الغنوی کے بقیہ حالات کو جسے ہم قرامطہ کی قید میں چھوڑ آئے ہیں قلمبند کرتے ہیں۔

عمر ابن عباس عرصہ تک قرامطہ کی حراست میں مقید رہا

عبد الواحد ہاشمی خود عمر ابنِ عباس غنوی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب اُنکو ایک مدت قرامطہ کی قید میں گزر چکی اور اپنی نجات و مخلصی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو میں نے اپنی موت اور جان دینے کا پورا قصد کر لیا۔ اِسی اثناء میں ایک دن ابو سعید جبائی رئیس قرامطہ کا ایک غلام میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ پاؤں کی زنجیرِ آہنی نکال کر مجھے حمام میں لے گیا۔ نہلا دھلا کر میرے کپڑے بدلوائے اور بعد ازاں مجھے اپنے رئیس کے سامنے لایا۔

ابو سعید جبائی رئیس قرامطہ کی عمر بن عباس کی رہائی دینے کے وقت تقریر

عمر ابن عباس غنوی کا بیان ہے کہ جب میں اِس ہیئت سے ابو سعید کے پاس لایا گیا تو اُس نے مجھے سر سے پاؤں تک نہایت غور و تامل سے دیکھا۔ پھر مجھ سے کہا کہ میں نے ہر چند تمہارے قتل کے بارے میں غور کیا مگر مجھکو تمہاری ہلاکت میں کوئی نفع نہیں معلوم ہوا۔ بلکہ اِسکی بجگہ میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ میں تمہاری معرفت معتضد خلیفہ بغداد کے پاس اپنا ایک پیام بھیجوں۔ کیونکہ میں اِس رسالت کے لیے تمہارے سوا اور کسی دوسرے کو موزوں نہیں سمجھتا۔ اگر میرے پیام کو بلا تغیرِ الفاظ بجنسہ و بلفظہ ویسا ہی جیسا کہ میں تم سے کہتا ہوں معتضد تک پہنچا دینے کا وعدہ اور اقرار کرلو تو البتہ میں تمہیں اسی وقت رہا کردوں۔ اور اگر تم سے ایسا ہونا ممکن نہو سکے تو مجھے صاف صاف جواب دیدو:-

عمر کہتے ہیں کہ ابو سعید کی یہ تقریر سُنکر میں تو اپنی مخلصی کی خوشی میں شادی مرگ ہو جانیکے قریب پہنچ گیا۔ مگر میں نے نہایت استقلال اور متانت سے اپنے اِس قلبی اور دلی جوش کو روکا اور ضبط کیا۔ اور کسی طرح اِسکا اظہار نہونے دیا۔ اور نہایت آہستگی سے ابو سعید کے سوال کا جواب دیا کہ میں بسر و چشم آپکے پیام کو اُنکی خدمت میں بحرفہ و بلفظہ اُسی طرح جس طرح آپ فرمائینگے پہنچاؤنگا۔ یہ سُنکر اُس نے مجھ سے اِس بیان پر حلفِ شرعی لیا اور پھر دیر تک سکوت کے عالم میں سوچتا رہا۔ اِسکے بعد مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ تم معتضد کے پاس جاکر میری طرف سے کہدینا کہ تم اپنی موجودہ حیثیت اور دولت کی تباہی و بربادی کی خود اپنی طرف سے کیوں کوشش کر رہے ہو۔ اور اپنی آبروریزی کے ساتھ خلافتِ اسلامی کی ہتکِ حرمت کر رہے ہو۔ اور اپنے دشمنوں کو اپنے اوپر غالب کر رہے ہو۔ یقین کرلو کہ میں مردِ صحرائی ہوں۔ ایسا کہ جس کے لیے نہ کوئی شغل ہے نہ کار۔ نہ جسکا کوئی متاع ہے اور نہ روزگار۔ خود اپنی جان کے خوف سے میں نے ایسی تلخ اور ناگوار زندگی اختیار کی ہے۔ نہ میں نے تمہارا کوئی شہر لے لیا ہے اور نہ تمہاری حکومت میں کوئی نقص پیدا کیا ہے۔

خدا کی قسم اگر تم اپنا تمام ملک میرے مقابلہ کے لیے لاؤ گے تاہم مجھ پر غلبہ نہ پاؤ گے۔ کیونکہ میرے لشکر کی اور میری عادت سخت سے سخت مصائب برداشت کرنیکی ہو گئی ہے۔ تمہارا آرام طلب اور عیش پسند لشکر جس نے زیادہ تر باغستانِ بغداد میں پرورش پائی ہے۔ اب تمہارے حکم سے مجبور ہو کر جنگل اور پہاڑوں کی صعوبت اٹھا کر اگر مجھ تک زندہ اور صحیح وسلامت پہنچا بھی۔ اور شہر باشری کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے مقابل ہوا بھی تو اس ہیبت سے دیکھ لینا کہ نتیجہ کیا نکلنے والا ہے کہ میرے مقابلہ میں اپنی ہزیمت اور گریز کو ہزار غنیمت سمجھینگے۔ اور ان میں سے ہزاروں ہمارے ہاتھ سے مارے جاوینگے۔ یہ حالت تو اُس وقت ہوگی جب تھوڑا سا لشکر میرے مقابلہ میں بھیجا جاویگا۔ اور اگر کوئی لشکر عظیم روانہ کروگے تو ایسی حالت میں میں پہلے تو ان سے بھاگ جاؤنگا اور پھر بیس پچیس فرسخ تک دور نکل جاؤنگا۔ لیکن جب موقع اور فرصت پاؤنگا ان کی غفلت۔ آرام اور اخت کے عین وقتوں میں یکبار اُن پر شبخون ماروںگا۔ اور ایک بار اُن سے اپنے تمام نقصانات کا انتقام لیلونگا۔ اور اگر مجھے اُن پر شبخون مارنے اور اُن سے اپنا بدلہ اور انتقام لینے کا موقع نہ ملیگا تاہم تمہاری مرسلہ فوج کو ہم پر کوئی دسترس اور قابو نہیں ملیگا۔ اور وہ کبھی میرے قریب نہیں پھٹکنے پائینگے۔ غرضکہ ان تمام امور میں سوائے ذلت وحقارت کے اور کچھ تم کو نصیب ہونے والا نہیں ہے۔ اب آیندہ امور کا فیصلہ میں تمہاری ہی تجویز پر چھوڑتا ہوں۔ اگر تم اپنی بھلائی اور مصلحت لشکر کشی ہی میں دیکھو تو لڑائی کرو اور اگر نہیں تو میرے تعرض احوال اور تلاش معاملات سے آیندہ دست بردار ہو جاؤ۔ اور میرے متعلق کوئی تعرض اور مداخلت نہ کرو۔

عمر ابن عباس غنوی کا بیان ہے کہ میں جس وقت ابو سعید کا یہ پیغام لیکر معتضد کے پاس پہنچا تو اسکو میرے زندہ بچ آنے پر سخت تعجب ہوا۔ میں نے اپنی روئداد اس سے کہدی۔ پھر اس سے ابو سعید کا پیام حرفاً حرفاً کہدیا۔ مجھ سے وہ تمام وکمال سنکر ایسا سخت طیش میں آیا کہ میں نے اسکی حالت سے قیاس کیا کہ وہ اپنا ایک جرار لشکر قرامطہ کے استیصال کے لیے فوراً روانہ کریگا۔ مگر میرا یہ خیال بالکل غلط تھا۔ بلکہ بخلاف اسکے معتضد کے دل میں ابو سعید کی ایسی ہیبت سمائی کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں مطلق نہ رہا اور پھر ابو سعید کی ہدایت کے مطابق

قرامطہ کے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرسکا۔ اس خوف کے لوگوں نے اسلامی ممالک میں کیا کچھ نہ کر ڈالا۔ اور انکی رعایا نے کیسے کیسے استغاثے اسکے دربار میں قرامطہ کی بیداد ستمبر اور تصرفات کے متعلق پیش کیے مگر معتضد نے لب تک نہ ہلایا۔ اور یا تو یا شوراشوری یا بالیسمائی کچھ ایسی چپ سادھ لی کہ پھر دم تک نہ مارا۔ معتضد کے ایسے جابر بادشاہ کی ایسی یکبارگی خاموش ہو جانیکی وجہ سوائے دشمن کی ہیبت اور سطوت کے کچھ اور معلوم نہیں ہوتی۔

تھوڑے دنوں کے بعد معتضد کی باسی کڑھی میں پھر اُبال آیا اور اُس نے قرامطہ کے مقابلہ کا پھر قصد کیا۔ اسکی کیفیت یہ ہے کہ اہلِ قرامطہ نے اپنی رفتار میں ترقی کرنے کرتے کوفہ تک اپنی رسائی اور اپنا تسلط پیدا کرلیا۔ یہ خبر پاکر معتضد کو پھر اپنی مردمی کی غیرت آئی اور وہ اپنے آپے میں نہ رہا۔ اُس نے فوراً اپنے ایک جرار رسالہ فوج کو ایک فوجِ گراں کے ساتھ قرامطہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ حقیقتِ حال اتنی ہے کہ قرامطہ کے تھوڑے سے لوگ سوادِ کوفہ میں ادھر اُدھر اپنی دعوت کے اعلان کی غرض سے نکل آئے تھے۔ وہ کوئی انکی فوج کے باقاعدہ لوگ نہیں تھے اور نہ اُن کے خاص لشکر کے آدمی۔ بغداد کے فرستادہ لشکر نے آتے ہی ان لوگوں کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ یہ درویش منش اور فقیر روش جماعت فوجِ سلطانی سے کیا مقابلہ کرتی۔ مگر تاہم ان لوگوں نے اپنی فطرتی جرأت وہمت سے حریف کو اپنی دلیرانہ مدافعت کے خوب خوب جوہر دکھلائے۔ مگر انکی قلیل جماعت اُس کثیر التعداد گروہ کے متواتر حملات کی کہاں تک تاب لاتی۔ آخر کار اُن کے پائے استقامت میں لغزش آگئی۔ اور وہ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے اُن کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ باقی سب ادھر اُدھر بھاگ گئے اُن میں سے ایک آدمی گرفتار ہوکے معتضد کے پاس لایا گیا۔ معتضد نے اُس شخص سے قرامطہ کے اعتقاد کی بابت دریافت کیا تو اُس نے نہایت آزادی سے جواب میں کہا کہ تم کو ان امور سے کیا غرض۔ تم اُن باتوں کو مجھ سے پوچھو جو تم سے تعلق رکھتی ہوں۔ معتضد نے کہا کہ وہ کونسی باتیں ہیں جو مجھ سے تعلق رکھتی ہیں۔ قرامطی نے جواب دیا کہ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو حضرت عباس ابن عبد المطلب بقید حیات تھے۔ مگر انہوں نے کبھی خلافت کا دعوے نہیں کیا۔ بلکہ عموماً لوگوں نے ابو بکر سے بیعت کی

اور بعد ابوبکر کے عمر سے حضرت عمر نے اپنے مرتے وقت امرِ خلافت کو چھ آدمیوں کے شوریٰ پر چھوڑ دیا۔ اور ان آدمیوں کی جماعت میں بھی حضرت عباسؓ کو داخل نہیں کیا ان وجوہ سے ہمارے طریقے والوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ امرِ خلافت میں خاص کر بنی عباس کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

اُس کا یہ دنداں شکن جواب سُنکر معتضد واقعی اپنے آپے میں نہ رہا۔ اُس نے حکم دیا کہ اُسکے سب دانت اُسکے منہ کے اندر توڑ دیے جائیں۔ اُسی وقت حکم سلطانی کی تعمیل کی گئی اور مجرم کے تمام دانت توڑ ڈالے گئے۔ مگر اُس نے اُف بھی نہ کی۔ پھر اُس کا ایک ہاتھ رسّی سے جکڑ کر دھوپ میں اُلٹا لٹکا دیا گیا۔ بعد ازآں قتل کر ڈالا گیا۔ اسلامی مؤرخین نے اس کے قتل کیے جانے کے وقت اِس کے بہت سے اعجاز و کرامات بھی لکھ مارے ہیں جن کو بقول صاحب روضۃ الصفا کبھی کسی آدمی کی عقل قبول نہیں کر سکتی۔

جن لوگوں نے اِن ایام میں اسلامی عقائد کے حالات اُن کے مختلف طریقے۔ متفرق مسالک اور متعدد عقائد بالاستیعاب دیکھے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام میں اس وقت بیشمار عقائد کے نئے نئے فرقے روز پیدا ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ یہ اپنے پیچ در پیچ مخصوصہ عقائد کے پوشیدہ ارکان سے لپٹے ہوئے تھے مگر تاہم اُن کو اسلام ہی کے مصدر سے ماخوذ بتلاتے تھے۔ اور حقیقت میں یہ امر ایسا ہی پایا جاتا ہے کہ اُن کے تمام اُصول اسلام کے ارکانِ خمسہ سے اخذ کیے گئے تھے۔ مگر اُن کی اصلی صورتوں میں قیاس اور ضرورت کی رنگ آمیزیاں ضرور کی گئی تھیں۔ اُن کے عملیات پر غور کیا جائے تو وہ بھی فروعِ ستّہ سے لیے گئے ہیں۔ مگر اُن میں بھی تجویز اور قیاس کی مختلف ترکیب ضرور داخل کر دی گئی تھی۔

اُس زمانہ میں اِن تمام فرقوں کے لوگ سلطنت کے کاروبار ملکی میں انواع و اقسام کے خلل پیدا کر رہے تھے۔ اور روزانہ مشاہدات سے ملک کی بدامنی اور عام بےچینی کے باعث سمجھے جاتے تھے۔ مگر کرنا کیا تھا۔ آنچہ از ماست بر ماست کا مضمون تھا۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ زمانہ موجودہ میں جو درویش پرستی نے اسلام میں پوری مداخلت اور تصرف پایا تھا وہ بالکلیہ انہی سلاطین عباسیہ کے ہاتھوں کی کرتوت تھی۔ کیونکہ اُسوقت اِن لوگوں کی استمداد و استعانت سے سلطنت کو جو غرض نکالنی تھی وہ اسی کی مقتضی تھی کہ حتی الامکان اس فرقہ کو قوت پہنچائی جائے اور اِن کے زہد و ورع۔ تقویٰ و تقدس اور جملہ محاسن اوصاف کو شہرت دیجائے۔ اب وہ کونسی ضرورت اور احتیاج تھی جس نے سلطنت عباسیہ کو اِن امور کی تعمیل پر خاصکر مجبور کر دیا تھا۔ واقعات تاریخی بتلا رہے ہیں کہ وہ مخالفتِ اہلبیت علیہم السلام کے سوا دوسری ضرورت اور احتیاج نہیں تھی۔ اِسکی ابتدا ہارون کے وقت سے ہوئی۔ اور ہارون ہی پہلا شخص تھا جس نے اپنے ہمعصر بنی فاطمہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فضل و کمال اور عظمت و جلال کے مقابل اور مساوی پیدا کرنے کی غلط تجویزوں میں پہلے پہل سفیان ثوری وغیرہ کے امور کو فروغ دیا۔ اور اُن کو طرح طرح کے گرانمایہ القابِ خاص سے معزز و ملقب فرمایا۔ اِن تمام عقیدوں، طریقوں اور مسالک کی ابتدا اُسی وقت سے شروع ہوئی۔ اور پھر لگاتار اسی طرح ہر ایک فرمانروا نے اپنے زمانہ حکومت میں اپنی اُسی ضرورت اور مجبوری کے خیال سے اس امر کو اپنے فرائض منصبی میں داخل کر لیا۔ اور برابر اس فرقہ کے کسی نہ کسی معاصر بزرگ کو خاص طور پر تمام فضل و کمال سے سرفراز و ممتاز فرمایا۔ خود بھی بہت بڑی تعظیم و تکریم کی اور رعایا نے بھی النّاس علیٰ دینِ ملوکہم کے غلط اصول پر اِن لوگوں کی اطاعت اور اخلاص و عقیدت کو اپنی سعادت کا باعث سمجھا۔ انہی حضرات سے علمِ تصوف اور علمِ اشراق کی ایجاد ہوئی۔ جسکو اِن لوگوں نے اہلِ اسلام کے آگے زہد و تقویٰ کے اصول پر مبنی بتلا کر طریقت کو شریعت سے ایک علیحدہ مسلک قرار دیا۔ اور پھر اس نے مختلف عملیات اور ترکیباتِ ریاضت کو اخذ کر کے تقربِ خدا اور نجاتِ عقبیٰ کا اصلی باعث اور محکم ذریعہ بتلایا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس فرقہ کے لوگ جو عموماً درویش۔ فقراء۔ صوفی اور اولیاء وغیرہ مختلف القاب و خطاب سے مشہور ہیں ابتدا میں امن پسند اور بالکل خاموش لوگ خیال کیے جاتے تھے۔ اِنکے ظاہری طریقوں سے دنیا کے امور میں

بالکل بے سروکاری اور ترک تعلق معلوم ہوتا تھا۔ زہد عبادت کے شبانہ روز اشتغال کے سوا ان کی معرفت کے لیے کوئی دوسرا معیار نہیں تھا۔ عبادت میں۔ ریاضت ہائے شاقہ اور زہد و اتقا میں غایت درجہ کی نفس کُشی۔ صبر۔ قناعت اور توکل میں اُن کی ضبط نفسی اور ثابت قدمی نے بہت جلد تمام اہل اسلام کو اُن کے خلوص و عقیدت کی طرف راغب اور مائل کر لیا تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ سلطنت کی جنبہ داری اور تمام اہل اسلام کی عقیدت شعاری نے سلاطین عباسیہ کی اُن تجویزوں میں کامیابی کی صورت پیدا کر دی جسکی وجہ سے سلطنت نے ان لوگوں کی نصرت و اعانت کو ضروری سمجھ لیا تھا۔ سلطنت کی کوششوں سے اتنا ہوا کہ قریب قریب اسلام کے تمام فرقوں نے احکام شریعت کے اختلافی اعتبار سے جو اس وقت چار حصوں میں حنفی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شافعی ہو گئے تھے۔ اور حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کی اطاعت و تقلید کو چھوڑ کر اُن کی عقیدت و متابعت میں در آئے تھے اور پھر اس استقلال و استحکام سے کہ ان کے مقابلہ میں سادات عظام اور اہلبیت کرام علیہم السلام کو کوئی ہستی یا وجود نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اکثر شوخ چشم اور دریدہ دہن تو لاپرواہی سے ان بزرگواروں کی ذوات بابرکات کو تعبیر کرنے لگے تھے اور محض بے سود اور بیکار سمجھنے لگے تھے اور سلطنت کا اصلی مقصود بھی یہی تھا اور وہ اسطرح لوگوں کو آسانی اور سہولت سے حاصل ہو گیا ان کی نصرت و اعانت میں جو مصالح سلطنت نے تجویز کیے تھے وہ یہی تھے کہ سادات کی متواتر فوجکشی نے خلافت عباسیہ کے نظام میں مہدی کے زمانہ سے لیکر متوکل کے شروع ایام تک جو جو فتنیں پیدا کر رکھی تھیں وہ عموماً سب کو معلوم ہیں۔ ان کے فرو کرنے میں سلطنت کو جو جو ترکیب و تدبیر عمل میں لانی ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کی قوت توڑنے اور انکے مستاصل کرنے میں سلطنت نے اپنی اور انکی جان ایک کر ڈالی۔ سادات کے بھرے پُرے خاندان کے خاندان تباہ و برباد کر ڈالے ہزاروں اور لاکھوں سادات کو قتل کر کے بغداد کی شاہراہوں گلیوں اور کوچوں میں انکے خون کے پرنالے بہا دیے جس دوام کی سزائیں دلوائیں۔ قلعوں میں۔ مکانوں میں۔ دیواروں اور دیواروں کی بنیادوں میں زندہ چنوا دیا۔ سولی پر سولی دیے گئے۔ درختوں میں لٹکا دیے گئے۔ جلتی آگ میں جلوائے گئے غرضکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ ایسے ظالمانہ سلوک نہیں کیے تھے جیسے کہ عباسیوں نے اپنے مظالم بنی فاطمہ علیہم السلام کے ساتھ جاری اور قائم رکھے۔ مگر باوجود ان ظالمانہ اور مخالفانہ کوششوں کے اُن میں ایک نہ ایک بندۂ خدا ایسا پیدا ہو ہی جاتا تھا جو اُن کے مقابلہ پر آمادہ و تیار ہو جاتا تھا جس کے سر کرنے میں ان لوگوں کو از سرِ نو محنت کرنی پڑتی تھی۔ مدبرانِ سلطنت جب چاروں طرف سے ان کی مدافعت کی تدبیروں میں مایوس ہو گئے اور بحکم محکم اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ اُن کا سلسلہ کسی طرح تمام ہوتا نظر نہ آیا تو آخر ان لوگوں نے بہت بڑے غور و فکر کے بعد یہ سوچا کہ اِن کے تمام فروغ قوت اور اقتدار کا باعث عام اہل اسلام کا خلوص اور عقیدت ہے جو خاندان نبوی اور دودمان مصطفوی میں داخل ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان کو حاصل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں تاوقتیکہ اس عام عقیدت اور اخلاص کے خیالات دور نہیں کیے جائیں گے سادات کے جوش میں کمی نہیں آنیوالی۔ انہی امور پر خیال اور غور کر کے سلطنت کی طرف سے فرقہائے درویش کی حمایت اور ازدیاد عظمت اور اشاعت و شہرت میں بلیغ اہتمام کیے گئے۔ مگر بمصداق آیہ وافی ہدایہ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ آگے چلکر یہی نظر کردہ لوگ اور ان ہی لوگوں کے مسالکِ طریق۔ امور ملکی کی سخت مضرت اور نقصان کے سخت باعث ثابت ہوئے۔ اور فرقۂ سادات کرام سے زیادہ اس طائفہ کے لوگ ممالکِ محروسہ میں بدامنی اور عام فتنہ و فساد پھیلانے لگے۔

بات یہ ہے کہ دنیا اور اہل دنیا کے روزانہ مشاہدات اور زمانہ کے تغیر پذیر انقلاب سے ثابت ہو چکا ہے کہ کسی قوم یا فرقہ کو یکبارگی ترقی یا فروغ نہیں ہو سکتا اور اُس کے نشو و نما کے روز ہی سے اسکے نظام میں ترتیب اور درستی نہیں حاصل کرتی ہے بلکہ رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ انکے تمام آثار

یس قوت آتی جاتی ہے۔ اسی معمول کو مدِنظر رکھکر ہمکو درویشوں کے حالات بھی سمجھ لینے چاہئیں۔ اِن میں بھی ایک بار گی تو قوت آ نہیں گئی۔ اور یہ لوگ بھی کچھ ایک ہی بار و سلطنت سے مقابلہ پر تیار ہو ہی نہیں گئے۔ بلکہ اُسی اصول اور دستور کے مطابق اِن میں بھی جیسے جیسے قوت آتی گئی اور زور ملتا گیا۔ یہ تمام بلادِ اسلامیہ میں اپنی شہرت اور عظمت کے آثار پھیلاتے گئے۔ اِن تمام فرقوں کی اُس وقت یہی حالت ہوئی۔ پہلے تو اپنے فرمانروائے عصر کے منظورِ نظر ٹھیرے پھر اپنے ظاہری تقدس اور اتقا کے باعث عام اہلِ اسلام کی عقیدت اور اخلاص کے سزاوار ٹھیرے۔ پھر رفتہ رفتہ دنیا میں ان کا یہ اوج موج ہوا کہ بادشاہِ وقت کی وقعت بھی اِن کے سامنے گرد ہوگئی۔ پھر جب ترقی اور عروج کے اِن درجوں تک پہنچ گئے تو شان و شوکت۔ دولت و ثروت۔ غرض تمام چیزوں کی ضرورت ہوئی۔ جب یہ نعمتیں بھی معتقدین اور متبعین کی خوش اعتقادی اور حسنِ اخلاص کے ذریعہ سے اکٹھی ہوگئیں تو اب حکمرانی اور جہانبانی کی سلسلہ جنبانی بھی شروع ہوگئی۔ سب مصالح تو موجود ہی تھے۔ ایک لشکر نہیں تھا۔ وہ مقلدین اور معتقدین کی بیقاعدہ جماعت سے پورا کر لیا گیا۔ اور اُن کی خوش عقیدگی اور اخلاص نے اپنی عزیز جانوں کو اپنے مرشد پر بھینٹ چڑھا دیے جانیکے لیے راضی کر لیا۔ پھر کیا تھا۔ ہزاروں جانیں فدا کر دی گئیں اور لاکھوں سر چڑھا دیے گئے۔ اور فنافی الشیخ کے اعزاز حاصل کر کے فنافی اللہ کے مدارج حاصل کیے گئے۔

بہرحال۔ قرامطہ یا اِن سے پہلے یا اِن کے بعد جن جن فرقوں نے سلطنت سے خلاف ورزی اختیار کی۔ اِن سب کی حالت یہی تھی۔ اور اُن کے تمام عروج و اقتدار کے یہی سامان تھے جو اوپر بیان کیے گئے۔ غرض اِن کے حالات کو ذیل کے مصرعہ کا خلاصہ تسلیم کرنا چاہیے ع کر دہلئے تو مارا کرد گستاخ۔ فی الحال اِن کے رنگ بیرنگ اور طور بیطور دیکھکر سلطنت نے بھی اِن کی طرف سے کان کھڑے کیے۔ اور اِن کی حرکات کو نظامِ ملکی کے انہدام کا باعث سمجھکر اِن کے پورے استیصال کی فکر کی۔ وہ عظمت و جلال اور شوکت و اقبال جو سلطنت کی قدردانی اور مہربانی کی وجہ سے اِن لوگوں کو حاصل تھا تھوڑے ہی عرصہ میں ذلت و حقارت سے متغیر اور مبدل کر دیا گیا۔ جب سلطنت کی نظر پھر گئی تو قاعدہ کی بات ہے۔ عام مرجوعہ میں بھی کمی آگئی۔ مگر اِس کمی کا زیادہ تر باعث اِن کی شریعت سے خلاف ورزی تھی انہوں نے سلطنت اور حکومت سے تو سرتابی اختیار کی ہی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی ساتھ یہ قیامت بھی کردی کہ شریعت سے روگردانی اختیار کر کے اپنے وہم و قیاس سے اپنے عقائد میں نئی نئی قسم کے اصول پیدا کر دیئے اور اسلام کے سچے اصول میں اپنی قیاسی اور بیجا تاویلوں کو داخل کر کے طرح طرح کے مخترعات قائم کیے۔ اور اِن کے اثبات میں نصوصِ الٰہی اور احکام حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ کے مفہوم کو غلط کر کے پیش کیا جسے وہ خود اپنے خود غرضانہ فہم و شعور کے مطابق صحیح اور درست سمجھتے تھے۔ قرامطہ سے اہلِ اسلام کی عام ناراضی کا یہی باعث ہوا۔ اور اسی وجہ سے اُنکے عام میلان اور رجحان میں بہت بڑا فرق اور بہت بڑی کمی واقع ہوگئی جو روز بروز اُن کے جملہ امور میں ضعف و اضمحلال پیدا کرتی گئی ✣

دوسرے درویشوں کے حالات

بہرحال۔ اِس زمانہ میں جن کے حالات اس وقت لکھے جا رہے ہیں قرامطہ کے ایسے اور دیگر فرقے بھی اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی کوششوں میں اپنی اپنی پوری سرگرمی سے کام لے رہے تھے۔ اور جنیدیہ۔ رفاعیہ۔ حبیبیہ۔ ادہمیہ۔ اور حلاجیہ فرقہ کے مختلف لوگ متعدد بلادِ اسلامیہ میں اپنے اپنے آثار پھیلا رہے تھے۔ اور تمام دنیا کو اپنے طریقہ کے مختلف اصول بتا رہے تھے اور محدود فہم و شعور والے لوگوں کو جنکی تعداد عموماً کثرت سے موجود تھی علم اشراق کے عجائب و غرائب دکھلا دکھلا کر اپنے کشف و کرامات کا قائل اور گرویدہ بنا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اِن لوگوں نے اپنی امید سے کہیں زیادہ اپنے امور میں فروغ پایا۔ اور اُن کے معتقدین اور متبعین نے اُن کے محامد و صفات اور فضائل و مناقب کو صفاتِ الوہیت کے نہایت درجہ تک بڑھا دیا۔ کارنامے کے کارنامے دفتر کے دفتر اِن کے حالات میں سیاہ کر ڈالے۔ ہزاروں لاکھوں تالیفات و تصنیفات۔ اِن کے معجزات اور

کشف و کرامات بھی لکھ کر بلاد اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں شائع کردیں۔ جو اس وقت تک بھی موجود ہیں۔ ہمکو ان فرقوں کے حالات اس وقت لکھنے منظور نہیں ہیں اور نہ ہمارا موجودہ مدعائے تالیفی ہم کو اس کے لیے مجبور کرتا ہے۔ مگر چونکہ ان فرقوں کا نام آگیا ہے اور جستہ جستہ حالات بیان ہو چکے ہیں اس لیے مشتے نمونہ از خروارے اگر کچھ اور تفصیل کردی جائیگی تو چنداں بیجا اور غیر ضروری نہیں کہلائیگی۔ ان میں سب سے پہلے قرامطہ کے رئیس طائفہ ابو سعید جبائی جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کسی اسلامی تاریخ یا صوفی تذکرے سے نہیں بلکہ مسٹر جان۔ پی براؤن صاحب سفیر مملکت امریکہ مقیم دار السلطنت قسطنطنیہ کی کتاب درویشز (اسلامی فقرا) سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ قابل مؤلف نے یہ کتاب ۱۸۶۶ء عیسوی میں فرقہائے درویش کے حالات میں قسطنطنیہ میں شروع ۱۸۶۹ء میں تالیف فرمائی تھی۔ اور مطبع اودھ اخبار کے ذی لیاقت پروپرائٹر نے ۱۸۸۱ء میں بزبان اردو ترجمہ کرکے اس کو کشاف اسرار المشائخ کے نام سے شائع کیا ہے۔ کتاب مذکور میں بذیل تذکرہ ابو سعید جبائی یہ عبارت مرقوم ہے۔

ابو سعید جبائی

ایک مرتبہ ابو سعید جبائی جب گرد و نواح دمشق میں لکڑیاں چن رہا تھا اس نے تین بڑے بڑے سانپ دیکھے اور ان پر کچھ اسم پڑھ کر پھونکے پھر بلا تامل ان تینوں سانپوں کو زندہ پکڑ لیا اور ان کی رسی بنا کر اپنی لکڑیوں کے گٹھے باندھ لیے اور چلتا ہوا۔ اسکے معتقدین کا یہ دعوٰی ہے کہ اس واردات کے وقوع کے باعث اس فرقہ کے تمام شیخوں اور درویشوں میں یہ صفت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ سانپوں کو تلاش کرتے ہیں اور بعض وقت انکو کھا بھی جاتے ہیں اور ان تمام عملیات سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا {کشاف صفحہ ۴۶}

فرقہ رفاعیہ

انہی کے ایسے فرقہ رفاعیہ کے مرشد و موجد کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ ایک دن احمد رفاعی نے جو اس فرقہ کے مرشد بتائے جاتے ہیں اور شیخ عبد القادر گیلانی کے بھانجے ہوتے ہیں اپنی حالت دیوانگی و جذب میں اپنی دونوں ٹانگیں جلتے برتن کے کوئلوں میں ڈالدیں جب اس واقعہ کی خبر شیخ عبد القادر گیلانی کو معلوم ہوئی تو انہوں نے ان کے اس مقام سوختہ پر کچھ دم کردیا اور لعاب دہن لگا دیا۔ اس عمل کے کرتے ہی انکی تمام تکلیف دور ہو گئی اور جلنے کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اس گروہ کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اس فرقہ کے بانی کو یہ عمل اور کرتب خدا کی طرف سے حاصل ہوا تھا اور اسنے اپنی وفات کے بعد اسکو اپنے جانشینوں کو بتلایا۔ اسی وجہ سے وہ ان تیز اور نوکدار آلات اور گرم اور سرخ دہکتے ہوئے لوہے اور ان کے مثل اور دیگر اشیاء کو اپنے جذب کی حالتوں میں بلا مضرت اٹھا لیتے ہیں (کشاف صفحہ ۲۶۹)

بہر حال۔ ان دونوں واقعات سے قرامطہ اور رفاعیہ کے مرشدوں کے کشف و کرامات اور معجزات کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ان ہی کے ایسے سینکڑوں فرقے ہیں جن کی بہت بہت سی بیرون از قیاس اور خلاف عقل باتیں مشہور کی جاتی ہیں اور ان سب سے بڑھکر فرقہ قادریہ کے مرشد شیخ عبد القادر جیلانی کی معجز نمائی اور مشکلکشائی اور فرقہ اویسیہ کے مرشد احمد ابن حمیر اویسی کے اعجاز اور فرقہ جنیدیہ کے مرشد شیخ جنید بغدادی کے مکاشفات اور فرقہ حبیبیہ کے مرشد حبیب عجمی کے مشاہدات اور فرقہ نظامیہ کے مرشد بایزید بسطامی کی کرامات۔ اور فرقہ حلاجیہ کے مرشد حسین ابن منصور حلاج کے معجزات ایکسے لاکھوں تک بتلائے جاتے ہیں۔ جنکا ذکر ہمارے موجودہ مدعائے تالیف سے بالکل زائد معلوم ہوتا ہے اس مقام پر ان لوگوں کے نام لکھدینے سے جو میرا مقصود تھا وہ یہی ثابت کرنا تھا کہ اس زمانہ میں درویشوں کے کثیر التعداد فرقے ممالک اسلامیہ عراق۔ حجاز۔ یمن۔ مصر۔ شام اور ایران میں چاروں طرف ہندوستان اور چین کے باشندوں کی طرح درویش پرستی کے نشے

نئے اصول اور اوہام پرستی کے انواع و اقسام کے قوانین پھیلا رہے تھے اور اس کے ساتھ جیسی جیسی قوت پاتے جاتے تھے حکومت اور سلطنت کے خلاف میں اپنے تصرف اور دستبرد کے ہاتھ بھی بڑھاتے جاتے تھے۔

اِن تمام بیانات سے ہمارا اصلی مقصود صرف اس امر کا دکھلانا تھا کہ عام طور سے شخصی مخالفت اور مخاصمت کے غلط اصول پر تمام دنیا کے غلط فہموں نے سمجھ لیا تھا کہ خلافتِ بغداد کے تنہا مخالف اور دشمن سادات ہی ہیں اور کوئی دوسرا نہیں۔ یہ خیال ایسا معمولی نہیں تھا کہ صرف عام لوگوں کے دائرہ تک محدود رہتا۔ مگر نہیں۔ جہانتک اس غلط فہمی اور کوتہ اندیشی کی بابت تحقیق کیجاتی ہے یہ بات پورے طور سے ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی جاہل اور ناواقف قوموں پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس زمانہ سے لیکر اِس وقت تک کے بڑے بڑے ذی استعداد اور صاحبِ قابلیت سمجھے ہوئے ہیں کہ خلافتِ عباسیہ کو جو دقتیں اٹھانی ہوئیں وہ انہی سادات کے ہاتھوں۔ اور اِن کے نظامِ حکومت اور احکامِ سیاست میں جو کچھ بدنظمی اور اضمحلال اور طبقۂ رعایا میں بدامنی اور اختلال پیدا ہوا ہے وہ انہی حضراتِ سادات کی بدولت۔ اب وہی حضرات اِن مختلف فرقوں کی مخالفانہ حرکات و معاملات کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیں اور بتلادیں کہ قرامطہ اور حلاجیہ فرقہ کے لوگوں نے یا اِن کے ایسے دوسرے فرقہ والوں نے اِن سے پہلے یا اِن سے بعد سلطنت سے خلاف ورزی اور حکومت سے سرتابی کے متعلق کیا اُٹھا رکھا ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی اکیلے ایک معتمد کے ایامِ سلطنت میں صاحب الزنج۔ قرامطہ اور صفاریوں۔ اِن تینوں فرقوں کی بغاوت کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اِن فرقہ والوں کو سادات سے کونسی خصوصیت اور تعلق ثابت کیا جائیگا۔ ایڈیٹر کرزن گزٹ نے کمال ناصبیت کے اظہار میں جہاں اور بہت سے ناصبانہ اور مخالفانہ دعوے کیے ہیں وہاں اپنی عالم فریبی کی خاص نیت سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو غلط ثابت کرنیکے بعد وہ باقیماندہ نو حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کو سلطنت کا باغی ثابت کریں گے۔

خدا اُن کو ہدایت نصیب کرے۔ ہمیں نے اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف سیرۃِ اہلبیتِ کرام علیہم السلام کے اکثر مقامات پر اِن بزرگواروں کی امن پسندی۔ سلامت روی اور نیک نفسی کے معاملات کو پورے ثبوت کے ساتھ دکھلا کر مرزا حیرت کے دعوائے زبانی اور صریح غلط بیانی کی پوری رَدّ اور تنقید کردی ہے اب اِس مقام خاص میں ہم اُن سے پھر پوچھتے ہیں کہ وہ اپنی تاریخ دانی کے اعتماد پر مہربانی کرکے ہمکو بتلادیں کہ آیا خلافتِ بغداد کے مخالف اُس وقت کس قوم اور قبیلہ کے لوگ تھے۔ کیا فرقۂ قرامطہ۔ رواجیہ۔ حلاجیہ۔ صاحب الزنج اور صفاریہ وغیرہ اشخاص سادات تھے اور بنی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) یا ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مطیع و منقاد۔ یا اُن کے طریقہ پر چلنے والے۔ اُن کی پوری معرفت اور خالص عقیدت رکھنے والے تھے۔ کیا اِن لوگوں کی موجودہ حرکات۔ سرتابی۔ سرکشی اور بغاوت سے تعبیر نہیں کیجائینگی۔ اور کیا انکی موجودہ روش اور رفتار سلطنت کی مخالف نہیں کہلائیگی۔ پھر اتنے واقعاتِ موجودہ کے مقابلہ میں فرقۂ سادات کو سلطنت اور حکومت کا تنہا مخالف ٹھیرانا انصاف و دیانت کا مقتضا اور شعار نہیں ہو سکتا۔ اور ایسی صریح غلط بیانی اور دریدہ زبانی کے اقدام پر سوائے فرقہائے منافق اور نواصب کے کوئی دوسرا جرأت نہیں کرسکتا۔

حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کی امن پسندی پر مفصّل بحث

جن لوگوں کو تاریخ و سیر کے مطالعہ سے خاص دلچسپی ہے وہ خوب واقف ہیں کہ جس زمانہ میں اِن فرقوں نے اپنے لباسِ درویشی میں سلطنت کی طرف اپنے لالچ کے ہاتھ بڑھائے اُس وقت تو غریب سادات کی قوتیں لوٹ چکی تھیں اور مظالمِ عباسیہ نے قریب قریب دنیا سے اُن کا نام ہی مٹا دیا تھا اور وہ شدائد و مصائب جو پوری تفصیل کے ساتھ اِس سے قبل کے نمبروں میں اور اجمال کے طور پر ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکے ہیں اُن کی غریب جانوں پر اور اُن کے مال و متاع پر گزر رہے ہیں۔ اگر پوری تحقیق سے کام لیا جائے

تو معلوم ہو جائیگا کہ عموماً تمام سادات عام اس سے کہ سادات علوی ہوں یا حسینی۔ زیدی ہوں یا حسنی۔ جو ہوں۔ وہ اپنے تمام جائز حقوق کے واپس لینے کی کوششوں میں ہرون کے زمانہ سے لیکر متوکل کے ابتدائی ایام حکومت تک اپنی اور اپنے حریف کی جان ایک کر چکے تھے۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنے رئیسِ خاندان اور حجتِ زمان سلام اللہ علیہم من رب المنان کی اُن مفید پیشین گوئی اور موعظت کے نتیجوں کو دیکھ چکے تھے جو اُن کی موجودہ قسمت آزمائیوں کے خلاف اور اُن کے موجودہ طرزِ عمل کے امتناع میں اُن کو ایک مرتبہ نہیں بلکہ متواتر اور بار بار پہنچائی گئی تھیں۔ اور ہر موقعہ پر صحبت میں۔ خلوت میں اور جلوت میں اُنکو بتلا دیا گیا تھا اور سمجھا دیا گیا تھا کہ نہ یہ زمانہ ہمارا زمانہ ہے اور نہ یہ خلافت ہماری خلافت۔

ثبوت کے لیے دیکھو۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور مختار علیہ الرحمہ کو نصائح (صحیفۃ العابدین)

جنابِ امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی مو عظت (مآثر الباقریہ)

عبد اللہ محض۔ محمد نفس زکیہ اور ابراہیم سے جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو (آثار جعفریہ)

عبد اللہ… افطس اور محمد ابن اسمٰعیل اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مکالمے (علوم کاظمیہ)

ابراہیم۔ زید اور عباس وغیرہ جنابِ امام رضا علیہ السلام کی تقریر (تحفۂ رضویہ)

حسن ابن علی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے معاملات (تحفۃ المتقین)

حسین ابن علی والیِ طبرستان اور امام علی نقی علیہ السلام کے حالات (سیرۃ النقی)

جب اتنے متعدد واقعات اور متواتر حالات حضراتِ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی بے سروکاری ثابت کر رہے ہیں تو پھر عام سادات کے معاملات کی بابت ان حضرات کی عام سادات کے مقابلہ میں عام سادات کے معاملات کی بابت ان حضرات کی جانبداری یا اعانت کی شرکت کا گمان کیسے گمان صحیح کہا جا سکتا ہے

یا اُن کو بھی ان کا رفیق کیونکر سمجھا جا سکتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ تمام سادات عزیز تھے قریب تھے ہم بطن تھے اور ہم صلب۔ اور ہر طرح سے صلۂ رحم کے ادا کیے جانے کے مستحق اور سزاوار۔ مگر یہ نکتہ بھی اس مقام پر ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ حضرات سادات باوجود اتنی قرابتِ قریبہ کے حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین سے خروج بالسیف کے خاص مسئلہ میں برابر ردّ و کد رہتے تھے اور باوجود متواتر ہدایتوں اور بار بار کوششوں کے جو اُن کو صلح پسندی اور امن عامہ کے متعلق کی جاتی تھیں۔ اِن بزرگواروں کی مطلق پیروی نہیں کرتے تھے۔ تو اگر بفرضِ محال اِن سادات نے سلطنت سے سرتابی یا سرکشی کی بھی تو اِن کے طرزِ عمل کے لیے یہ حضرات ملزم اور جواب دہ نہیں ہو سکتے۔ ہم کو اپنے موجودہ مسئلہ؟ تالیف میں جن حضرات کے حالات اور معاملات سے تعلق ہے وہ حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ہم کو اِن کی نسبت تمام شکایتوں کے جواب دینے کا استحقاق ہے اور بس۔ مگر الحمد للہ کہ ہم اپنے اِن فرائض کو نہایت استقلال اور پوری توضیح اور کامل تشریح کے ساتھ اپنے تمام نمبروں میں انجام دے چکے ہیں۔ یہاں اُن کے بارِ دیگر اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے اگر سادات اِن امور میں عام طور سے مجرم ہی ثابت ہوں تاہم اُن کے امور کے لیے عموماً جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہمکو تو صرف اُن حضرات کی عصمت سے بحث ہے جو از مہد تا لحد معصوم ثابت ہو چکے ہیں۔ اور اُنکی طہارت اور عصمت پر نصوصِ الٰہی و اخبارِ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ شاہد موجود ہیں نہ کہ اُن لوگوں سے جو کسی طرح معصوم اور محفوظ عن الخطا نہیں کہے جاتے۔ چونکہ بمقابلہ حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے عموماً تمام سادات کی عصمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے اگر سادات نے اپنے استحصالِ حقوق کی کوشش میں عمداً ان حضرات کے مفید نصائح کو نہ مانا اور سلطنت سے خلاف ورزی اختیار کی تو اس سے ہر سے دعوائے ہمارا علیحدگی فی نفسہ واقع نہیں ہوتا۔ اگر معترض کے زعم باطل میں سادات من جمیع الوجوہ برسرِ خطا تھے اور اُن سے ان

امور میں ضرور خطا واقع ہوئی تو کیا ہم اُن کو معصوم جانتے ہیں یا محفوظ عن الخطا سمجھتے ہیں جو ایسی ایسی لغزشوں کا اُن سے ظہور میں آنا امرِ محال سمجھا جائے۔

ہم اوپر تسلیم کر آئے ہیں کہ سادات نے ایک مدت تک خلافت کے خلاف کوشش کی اور اپنے جائز حقوق کے دلا لینے میں جس کی تمنا اور جس کی خواہش قدرتی طور پر انسان کے دل میں ودیعت ہوتی ہے ایک عرصہ تک قسمت آزمائی کرتے رہے۔ تاہم وہ اپنے ان امور کے لیے کوئی سبب اور کوئی علت ضرور رکھتے تھے۔ وہی سبب اور وہی علت اُن کا استحقاق فی الامارۃ تھا جو اگر تحقیق اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو کسی طرح بیجا اور بے اصل نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اُنکے دعوے جھوٹے اور اُن کی دعوت بے اصل ہوتی تو کبھی امامِ اعظم ابو حنیفہ سے ایسا فاضل حضرتِ زید رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیتا۔ اور ہشام بن عبد الملک کے عوض ان سے بیعت نہ کرتا۔ اور اسی طرح حجاز۔ یمن اور حضر موت کے اہلِ اسلام منصور دوانقی کے ہوتے نفسِ زکیہ کی رفاقت اور عراق الجزائر اور ساحلِ عرب کی مسلمان قومیں نفسِ زکیہ کے بھائی ابراہیم کی اطاعت نہ اختیار کرتیں۔ یہ اُن کے وہی جائز استحقاق تھے جنھوں نے خلافت کی سطوت اور سیاست کے تمام خوف و دہشت کو اُن کے دلوں سے یکبارگی نکالکر ان تمام لوگوں کو سادات کی فرمانبرداری اور جاں نثاری پر آمادہ اور تیار بنا دیا تھا۔

سادات کے معاملات میں تو یہ تلافی مافات پیش بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر بخلاف ان کے ہمیں کسی طرح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِن فرقہائے درویش کی سرتابی اور بغاوت کے لیے کیا عذر پیش کیے جائیں گے اور ان کے کونسے اصلی اور حقیقی باعث بتلائے جائیں گے۔ واقعاتِ تاریخی تو اِن معاملات میں اس فرقہ کی سلطنت کے ساتھ صریح کفرانِ نعمت اور محسن کُشی ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ہم ان کے اور سادات کے معاملات کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں۔ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں فرقوں کے لوگوں میں اگر اختلافِ سلطنت کی وجہ سے مساوات بھی قائم کی جائے اور سرتابی اور عام بغاوت کے جرم میں دونوں یکساں خیال کیے جائیں تاہم سادات کی مخالفت سے درویشوں کی مخالفت کا پلّہ کہیں بھاری رہتا ہے۔ کیونکہ سادات کے سروں پر سلطنت کا کوئی احسان قائم نہیں تھا بلکہ یہ فرقہ تو وہ تھا جس کو سلطنت نے ہمیشہ تنفر کی خاص نگاہوں سے دیکھا اور ہمیشہ ذلیل و خوار رکھا اُن کی رعایت ہمدردی اور اعانت کو بہت بڑا جرم قرار دیا۔ اگر بمقابلہ اِن امور کے سادات سے جواباً مخالفت کے امور ظاہر ہوئے تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی بلکہ روزانہ مشاہدات سے یہ امور تو ایک دوسرے کی مخالفت اور مخاصمت کے عام اور فطرتی نتائج ثابت کرتے ہیں۔ مگر بخلاف سادات کے درویشوں کا تو وہ فرقہ تھا جس نے دنیا کے وسیع آرامگاہ میں اپنے وجود کے روز سے مراحم خسروانی کے زیر سایہ رہ کر اس دم تک ہمیشہ پرورش اور برابر آسایش پائی تھی اور آج تک آغوشِ سلطنت میں ہزاروں الوانِ نعمت اور انواع واقسام کے اسبابِ راحت اور سامانِ عیش و عشرت کے ساتھ نشو ونما پاکر عروج کی راتیں اور ترقی کے دن دیکھے تھے۔ یہ وہی فرقہ تھا اور وہی طائفہ جسکو سلطنت نے حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کا مد مقابل بنایا تھا اور تمام روحانی برکات اور جسمانی اور اخلاقی اوصاف میں ان لوگوں کو ان حضرات کا مساوی اور ہمسر ٹھہرایا تھا اور اپنی خود غرضی کی خاص بنا پر ان کو تمام دنیا میں عظمت و جلالت کے اُس انتہائی درجہ پر پہنچایا تھا جس سے زیادہ رفعت اور قدر و منزلت کا گمان نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بہر حال فرقۂ درویش اور خرقۂ تصوف کے تمام حضرات اپنی ابتدا سے لیکر انتہا تک سلطنت کے زیر بارِ احسان تھے اور اُن کی ابتدائی خاموشی اور ظاہری سادگی نے کبھی ایسے خلاف امور کا سرزد ہونا کسی کے بھی خیال اور قیاس میں نہیں آسکتا تھا۔ لیکن ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ انھوں نے بھی اپنی نفسانیت اور طمع دولت کے نتیجہ میں گرفتار ہوکر

اِس جو وقت سلطنت نے مخالفت اختیار کی۔ اور پھر ایسی کہ ان کے نظامِ حکومت کو بالکلیہ درہم و برہم کر ڈالا۔ اور ملک و رعایا میں وہ بدامنی اور بے چینی پھیلائی کہ سلطنت کو ان کے استیصال کے بغیر کوئی دوسری تدبیر و ترکیب ان شکایتوں کے رفع کرنے کے لیے نہیں معلوم ہوئی۔ جیسا کہ واقعاتِ تاریخی سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو ایسی حالت میں دونوں فریق کے فرق و مابہ الامتیاز کو معلوم کر کے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ سادات کی مخالفت جو سلطنت کے خلاف ظہور میں آئی وہ کسی طرح خلافِ عادت اور بیوجہ نہیں ثابت ہوتی بخلاف ان کے درویشوں کی مخاصمت جو سلطنت کے ساتھ ظہور میں آئی وہ بالکل خلافِ مروت سراپا ظلم و شقاوت۔ محسن کشی۔ کفرانِ نعمت اور خارج از انسانیت ثابت ہوتی ہے۔ اور سیاسی جرم ثابت ہونے کے علاوہ خاص طور پر یہ امور ناقابلِ اصلاح اخلاقی اور روحانی معائب معلوم ہوتے ہیں جن کی تلافی اور معافی کے لیے کوئی عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال سادات کے حقوق کی خواستگاری تو بغاوت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اب ان فرقوں کی سرکشی سرتابی اور مخالفت کو کیا کہا جائیگا۔ اتنا لکھ کر ہم اپنے موجودہ مضمون کو تمام کرتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ ہمارے اس بیان میں معمول سے زیادہ طول ہو گیا ہے مگر چونکہ تلبیسات اور خودغرضی کی وجہ سے سادات اور فرقۂ درویشاں میں باہم مساوات کا ایک غلط خیال پیدا کیا جاتا ہے اور دونوں کو ہم وزن اور بالمقابل بتلایا جاتا ہے اس لیے اسکی تنقید و رد بھی ہمارے لیے نہایت ضروری اور لازم تھی۔ اور یہی ہماری موجودہ طوالت کا باعث ہوئی۔ مگر ابھی ان تمام امور کے بعد بھی ہمیں ان کے متعلق ایک امر کی تصریح و تنقیح کر دینا باقی ہے جو ذیل کے مضامین میں بیان کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السلام سے

فرقہائے درویشاں کی ارادت

واقعات و حالاتِ تاریخی سے جہاں تک دیکھے جاتے ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوجود انتہائی مخالفت اور مخاصمت کے بھی ان فرقوں نے دنیا کے رجوع کرنے اور اپنی طرف بلا لینے کی ضرورت سے آخرکار اپنے آپ کو انہی حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے فیضانِ تعلیم اور چشمۂ ہدایت سے فیضیاب و سیراب بتلایا ہے۔ اور اپنے تمام امور میں انہی حضرات کو اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کیا ہے۔ اور اپنے تمام مکاشفات و خرقِ عادات میں ان کی ذاتِ بابرکات کو اپنی نجات کا ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم اس کے متعلق ان تمام فرقوں کے دعووں کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات سے مروی اور ماخوذ انہی لوگوں کے اقوال اور کلام سے کتاب سراج المبین حصہ اول میں ثابت کر چکے ہیں۔ اس لیے ان تمام باتوں کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اپنے ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے اور نیز اپنے اوپر کے دعوے کی تصدیق کی ضرورت سے اس مقام پر ہم صرف ان درویشوں کے دو فرقوں کے عقائد اور ان کے تعلیمات کا نہایت مختصر خلاصہ ذیل میں اسی یورپین مؤلف کی تحقیقات سے درج کرتے ہیں۔

مؤلف مذکور روم کے مشہور و معروف فرقۂ درویشی بکتاشی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اس فرقہ کے لوگ اپنے شیخ کی خدمت میں اپنی خطا اور گناہ بخشوانے کے وقت جن الفاظ میں اپنی قصور اور گناہ کی معافی مانگتے ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔ "اے شیخ! مجھ سے بیشک خطا ضرور ہوئی۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے واسطے میری خطا معاف کر۔ اور حضرت شہید کربلا علیہ التحیۃ والثناء کے لیے میرے گناہ بخش دے"۔ کلاہ درویشی عنایت ہونے کے وقت ایک مرید کو یہ الفاظ کہنے ہوتے ہیں "میں اس کو خدا اور فنا فی ہے قنبر غلام علی عالی علیہ السلام کی اور رضا اور خاندانِ امام رضا علیہ السلام کی لیتا ہوں۔ اور آپ مجھے اس کلاہِ اقدس کے پہننے کی اجازت عنایت فرمائیں"۔ جس وقت ایک مرید کان میں اپنے شیخ کی اطاعت کا حلقہ (حلقہ اطاعت) پہنتا ہے تو یہ الفاظ

کہتا ہے "یہ حلقہ حقیقت میں اوج و ترقی کا نشان ہے اور بہشتی لوگوں کی خاص علامت ہے۔ یہ عطیہ ہے سرکار سید الشہدا جناب امام حسین علیہ السلام کا۔ خدا کی لعنت ہو یزید پر" جس وقت مرید خانقاہ میں چراغ (چراغ) روشن کرتا ہے تو اس عبارت کو دعا کے طور پر پڑھتا ہے۔ "ہم نے اس چراغ کو جلایا ہے۔ اور یہ چراغ تمام درویشوں کے عشقِ الٰہی کے متعلق فخر ہے۔ مالکانِ دارین کا محبوب ہے اور جمیع پیغمبران علیہم السلام کا عطیہ ہے۔ اور وہ تمام لوگ اس بزرگ کے محبوب ہیں جو حوضِ کوثر سے پانی دیگا۔ علی علیہ السلام برگزیدہ اور مقبولِ خدا ہیں۔ اور حضرت خدیجہ جو تمام عورتوں سے بہتر ہیں۔ میرے پیر کے پارۂ دل ہیں۔ اور سردارانِ اولیا فرزندانِ علی حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ الٰہی بحرمتِ چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین۔ اور قسم اور واسطہ اُنہی کا مجھکو حسن پیغمبرؐ کا اور کمالات علی علیہما السلام کے عنایت فرما"۔

ان عبارتوں سے ہمارے اوپر کے دعوے کی پورے طور پر تصدیق و توثیق ہو جاتی ہے۔ اور جو تعلق اور خصوصیت۔ خلوص و عقیدت۔ اگرچہ وہ کیسا ہی زبانی اور ظاہری اور مصنوعی ہی کیوں نہو۔ اُن کو حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حاصل تھا وہ پورے طور سے ظاہر ہوتا ہے اب اس کے بعد ہمکو یہ امر بھی دکھلانا نہایت ہی ضروری ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے خاص وجود کے متعلق ان کے عقائد کیا ہیں۔ کیونکہ ہماری موجودہ کتاب کا اصلی مدعا یہی ہے۔ چنانچہ یورپین مؤلف اپنی اُسی کتاب کے صفحہ ۵۰ میں تحریر کرتا ہے:

جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کی نسبت درویشوں کے عقائد

"اس فرقہ کے لوگ بالتخصیص اس بات کے قائل ہیں کہ "حضرت امام مہدی علیہ السلام فائدۂ مومنین کے لیے پھر روئے زمین پر آئینگے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام عجیب طور سے ایک غارِ کوہ میں غائب اور ناپید ہو گئے۔ اور وہ مع حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے اس لیے پھر موجود ہیں آئینگے کہ دشمنانِ دینِ مسیحی کو نیست و نابود کر کے مذہب عیسائی اور اسلام کو متفق اور ایک کر دیں"۔

پھر اُسی کتاب کے صفحہ ۱۹۱ میں قلمبند ہے "حضرت امام مہدی علیہ السلام امامِ دوازدہم ۱۵ شعبان سنہ ۲۶۶ ہجری کو عجیب طور سے بمقام سامرہ (سرمن رائے) غائب ہو گئے۔ اُس مقام پر ایک غار ہے جہاں سے کہا جاتا ہے کہ وہ پھر ظاہر ہونگے۔ تمام درویشوں اور تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ضرور پیدا ہونگے اور پردۂ زمین پر بطور بادشاہ سلطنت و حکومت فرمائینگے۔ دوازدہ امام علیہم السلام از اوّل تا دوازدہم۔ تمام جنابِ امام حسین علیہ السلام کے فرزند تھے سوا حضرت امام حسن علیہ السلام کے بھی کئی لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ حضرات حسنین علیہما السلام کی ذریات جو قتل سے محفوظ رہی اُنہی کی اولاد سے سید نکلے"۔

پھر اُسی کتاب کے صفحہ ۱۱۳ میں مندرج ہے کہ "فرقۂ بکتاشی مقیم قسطنطنیہ کے درویش حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کو **حضرت کبریٰ** کے خاص لقب سے یاد کرتے ہیں اور آپ کا نام لینے میں خاص طور پر آداب و عقیدت کا لحاظ رکھتے ہیں"۔

لائق مؤلف نے اپنی کتاب کے اخیر حصہ میں صفحہ ۴۴۷ سے لیکر ۴۷۳ تک ایک جداگانہ باب جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے حالات اور فضائل و مناقب میں خاص طور پر لکھا ہے۔ اُس میں آپ کے حالات روزِ ولادت سے لیکر یومِ وفات تک تفصیل و تشریح کی ایک خاص حد تک لکھے ہیں۔ لائق محقق نے یہ حالات خود قلمبند نہیں کیے ہیں بلکہ شیخ الاسلام قسطنطنیہ مولانا شمس الدین سوئیزی کی جامع و مانع کتاب **اصحاب اربعہ** کے باب رابع سے ترجمہ فرمائے ہیں۔ چونکہ ان حالات کو ہمارے موجودہ مدعائے تالیفی سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔ اس لیے ہم نے اُن کا قلمبند کرنا طول اور نیز ناظرین کی برخاستگی طبیعت کا باعث سمجھا اور انکو قطعی طور پر مرفوع القلم کر دیا۔

بہر حال۔ اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آ جاتے ہیں درویشوں کے حالات اور ان کے عقائد وغیرہ کے بیان کرنے سے جو کچھ ہمارا مدعا تھا وہ یہی کہ باوجودیکہ حضرات ائمہ طاہرین سلام

علیہم اجمعین کے تمام آثار و اقتدار مٹا دینے میں اور ان کے فضائل و مناقب اور مدارج و مراتب گھٹا دینے میں سلطنت کی طرف سے فرقہ وار یتش کے پیدا کرنے اور انکا مقابل و مماثل بنانے میں کیسی کوشش کی گئی اور اس خاص ضرورت کے اعتبار سے برابر اور ہمیشہ اُن کی پوری رعایت۔ حمایت اور اعانت عمل میں لائی گئی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مگر بااینہمہ اِن حضرات کو آخر میں اُنھی ذواتِ عالیہ اور انفاسِ مطہرہ کا دامن تھامنا پڑا اور اُنھی کو اپنے دین و دنیا کے تمام مقاصد و مطالب کا ذریعہ اور وسیلہ بنانا اور اُنھی کو درگاہِ الٰہی میں اپنی مغفرت و نجات کا باعث ٹھہرانا پڑا جیسا کہ اُن کے عقائد کی تفصیل میں ابھی ابھی پورے طور سے اوپر مسلسلبند ہو چکا ہے ؛

معتضد باللہ اور جناب قائم آلِ محمدؑ کے ساتھ مخالفانہ برتاؤ

اب ہم فقراء کے حالات کو تمام و کمال خاتمہ تک پہنچا کر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اور معتضد باللہ کے ایام سلطنت میں حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کی گرفتاری اور قتل و ہلاکت کی مخالفانہ کوششوں کے متعلق جو کچھ عمل میں لایا گیا وہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

بہرحال۔ باوجود اس کے کہ معتضد نے اپنے ایام سلطنت کے آغاز میں اپنے آپ کو حقوقِ اہلبیت کرام علیہم السلام کا ہمدرد و مؤید اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کا معتقد اور عموماً تمام ساداتِ عظام کے بہی خواہ ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تھوڑے دنوں تک وہ اپنے اِن ظاہری اور زبانی جمع خرچ پر عمل بھی کرتا رہا۔ اِس لیے معتضد کے شدائد اور مظالم کے بعد چھ برس تک شیعہ گروہ کے امور میں تھوڑی بہت اطمینانی حالت ضرور پیدا ہو گئی تھی۔ اور اسی باعث سے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام نے اپنے اوّل سفر کے بعد پھر سُر من رائے مقدس کی طرف توجہ فرمائی۔

معتضد نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ اپنے حُسنِ عقیدت اور آپ کے ارشاد و ہدایت کو خصوصیت کے ساتھ دو مختلف طریقوں سے بیان کیا تھا۔ اُن میں سے پہلی نقل یہ ہے کہ وہ بیان کرتا ہے کہ خلافت ملنے اور خلیفہ ہونے سے پہلے میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک مقدس بزرگ بیٹھے ہیں جب وہ اپنا دستِ مبارک دریا کی طرف بڑھاتے ہیں تو دریا کا تمام پانی آپ کی مٹھی میں آجاتا ہے۔ اور ایک لحظہ کے بعد جب مٹھی کھولتے ہیں تو دریا کا پانی پھر اپنی سابق حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ آخرکار میں نے اُس مردِ مقدس سے پوچھا کہ آپ کون بزرگ ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا کہ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں میں آپ کو نہیں جانتا ہوں۔ اُنھوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے معتضد! میں علی ابن ابیطالب (علیہما السلام) ہوں جب امرِ خلافت تمہارے سپرد ہو تو تم میری ذریت و اولاد کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اور اُن کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آنا۔ اِس خواب کا معتضد کے دل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اُسکو خلافت ملتے ہی اُس نے اس خواب پر اپنا طرزِ عمل پورا شروع کیا۔ اور سادات کے ساتھ رفق و مدارات قائم کی۔ اُن کی گرفتاری اور دل آزاری کے تمام احکام اُٹھوا دیے اور اُن کو سابق سے زیادہ اپنے جملہ امور میں آزاد کر دیا۔ چنانچہ رعایتِ سادات کے متعلق معتضد کا یہ طرزِ سلوک ہمارے بیان کا کافی ثبوت دیتا ہے۔ وہو ہذا۔

حکامِ طبرستان میں ایک صاحب نے جنکا نام محمد ابن زید العلوی تھا اپنی یہ عادت قائم کر لی تھی کہ وہ ہر سال تیس ہزار دینار بغداد کے ایک مشہور و معتبر تاجر کے پاس اِس غرض سے بھیجا کرتے تھے کہ وہ اس تمام و کمال رقم کو اپنی طرف سے گردو نواح کے غریب سادات پر تقسیم کر دے۔ ایک بار بغداد کے کوتوال کو اُسکی اس رقمِ مرسلہ کی خبر لگی تو اُس نے معتضد کے قدیم فرمان اور حکمِ عام کے مطابق اُس رقم کو عین راستہ ہی سے ضبط کر کے معتضد کے پاس داخل کر دیا اور

حقیقتِ حال بے کم وکاست اُس سے عرض کردی۔ معتضد نے اُسکی امید و مدعا کے خلاف اس رقم ضبط کردہ کی واپسی کا فوراً حکم دیا۔ اور اسکے بعد وہ تمام مال ُمتاع سادات پر تقسیم کردیا۔

ارا کین دولت اور کوتوالِ دارالخلافت نے خصوصاً جب اس تغیرِ احکام کی وجہ دریافت کی تو معتضد نے اُن کے جواب میں اپنا دوسرا خواب اس طرح بیان کیا کہ مجھے ایک شب عالمِ رؤیا میں یہ معلوم ہوا کہ جیسے میں کہیں جارہا ہوں۔ ناگاہ میں ایک پُل پر گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی اُس پُل پر راہ روکے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے۔ میرے دِل میں یہ خیال ہوا کہ اِس شخص کی نیت اِس طرح نماز پڑھنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اِس پُل سے آنے جانیوالوں کی راہ بند کردی جائے۔ میں اپنے دل میں یہ سوچتا تھا کہ اُس شخص نے اپنی نماز تمام کی۔ میں فوراً اس کا سبب دریافت کرنے کے لیے اُس کے قریب پہنچا اور اُسکو سلام کیا۔ اُس نے ایک بیلچہ مجھے عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اس سے زمین پر تین ضربیں مارو۔ میں نے اُس کے ارشاد کے مطابق اس جگہ تین ضربیں لگائیں۔ اسی اثناء میں اُس بزرگ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں علی ابن ابیطالب (علیہ السلام) ہوں۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم جتنی ضربیں اس بیلچہ سے زمین پر ماروگے تمہاری نسل میں سے اتنے ہی خلیفہ اور فرمانروا اس سلطنت میں گزرینگے۔ میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ تم اپنے عہدِ حکومت میں میری اولاد کے ساتھ ظلم اور بدسلوکی نہ کرنا۔ اور اپنے بعد اپنی اولاد و ذریات کو بھی ان امور کے اتناع کے لیے خاص طور پر وصیت اور تاکید کرتے جانا۔ اتنا بیان فرماکر آپ نے مجھے اس پُل پر سے گزر جانے کی اجازت دیدی اور راہ خالی فرمادی۔ روضۃ الصفا جلد سوم

اس واقعہ سے پورے طور پر معلوم ہوگیا کہ معتضد اسوقت سادات کی ہمدردی اور اشفاق کے معاملات میں کیسا مستعد اور آمادہ تھا۔ مگر آگے چلکر ثابت ہوگیا کہ اُس کے یہ تمام وعدے وعید اور قول وقرار کوئی بھی اعتبار کے قابل نہیں تھے۔ بلکہ بخلاف ان باتوں کے وہ بھی سادات کے ستانے اور امامِ زمانہ کے مٹانے اور شمعِ ہدایت کے گُل کردینے میں ویسا ہی کوشاں اور ساعی تھا جیسے اُسکے قبل اُسکے اسلاف۔ معتضد نے اہلبیتِ کرام علیہم السلام کی ظاہری عقیدت تو ضرور کی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ تمام اسلامی تاریخوں میں درج ہے جو ہمارے بیان پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

۲۸۴ھ ہجری میں معتضد نے دارالخلافت کے تمام خطیبوں اور نقیبوں کو حکمِ عام دیدیا کہ وہ تمام مسجدوں اور منبروں پر معاویہ ابن ابوسفیان پر لعنت کیا کریں۔ وزیر نے اُس کے اس حکم کے نفاذ سے اسکو منع کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ اس حکم کے اعلان و نفاذ سے تمام ممالکِ محروسہ میں بدامنی اور انواع و اقسام کے فتنہ و فساد کے پھیل جانے کا قوی احتمال ہے۔ لیکن معتضد نے اُسکی اس عرض پر توجہ نہیں کی اور حکم دیا کہ وہ کتاب جو مامون کے حکم سے اُسکے زمانہ حکومت میں معاویہ ابنِ ابوسفیان کے معائب میں خاص طور پر تالیف کیگئی تھی نکالی جائے اور اُسکا خلاصہ کیا جائے اور وہی خلاصہ تمام ممالکِ محروسہ میں عام اشاعت کی غرض سے شائع کیا جائے۔ چنانچہ معتضد نے تھوڑے عرصہ میں اُس کتاب کا ایک معقول خلاصہ تیار کرایا۔

چونکہ اس امر کا انتظام معتضد نے خاص طور پر اپنے ہی ہاتھ میں لیا تھا اس لیے اُسکے موجودہ وزیر کو اُسکی تجویز و تدبیر میں مداخلت کی جرأت نہوسکی۔ مگر چونکہ وہ ذاتی طور پر ناصبیت اور عداوتِ اہلبیتِ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین میں سخت متعصب تھا اِس لیے اُس سے اِس امر میں خاموش بھی نہ رہا گیا۔ آپ تو خلیفہ کی خدمت میں کچھ نہ کہہ سکا مگر ہاں اُس نے دارالخلافت کے قاضی یوسف ابنِ یعقوب کو اپنا ہمکلام اور ہمزبان بنایا ۔

قاضی یوسف اور معتضد کو فہمائش

وزیر کی تحریک و تاکید سے قاضی یوسف ایک دن معتضد کی خلوت میں حاضر ہوئے اور اُس سے کہنے لگے کہ اُس خلاصہ کے مشتہر کیے جانے سے بلادِ اسلامیہ کی تمام رعایا میں ایک سخت اشتعال اور جوش کے پیدا ہو جانیکا پورا اندیشہ ہے کیونکہ معاویہ کے خلافِ سلطنت کے عقائد معلوم کرکے رعایا کے ہر طبقہ میں سخت انقلاب واقع ہوگا جو نظام ملکی کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوگا۔ معتضد نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ جو شخص اس امر میں مجھ سے خلاف ہوگا میں اُسکی مخالفت کو نوکِ شمشیر سے

زائل کردونگا۔ قاضی نے کہا کہ اچھا آپ کی نوکِ شمشیر یا حسنِ تدبیر بنی امیہ اور بہی خواہانِ بنی امیہ کی اصلاح سیاست کے آئین سے کرلیتی لیکن آلِ ابیطالب علیہ السلام اور اُن کے ہواخواہوں کی طرف سے اطمینان و تشفی کے لیے کیا انتظام سوچا گیا ہے جو ہر وقت و ہمہ دم خلافت کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ جہاں تک میں نے اس معاملہ میں غور کیا ہے مجھے اس بات کے مان لینے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اُس کتاب کے مضامین میں جس کا خلاصہ تمام ممالک میں مشتہر کرایا جاتا ہے اُس میں اگر بنی امیہ کے معائب بھرے پڑے ہیں تو آلِ ابیطالب علیہ السلام کے فضائل و مناقب بھی موجود ہیں۔ اور یہ بھی مشاہدات سے ثابت ہے کہ یہ قوم کی قوم ہمیشہ سلطنت کی مخالف بنی رہی۔ اس لیے سلطنت بھی برابر ان کے آثار و اقتدار مٹاتی رہی۔ اب وہی سلطنت ان کے ایسے مخالف قوم کے فضائل و مراتب کا تمام ممالکِ محروسہ میں اشتہار دیگی تو یہ اُلٹا دریا کس کو بہا لیجائیگا اور اسکا برعکس نتیجہ کیا قیامت دکھلائیگا۔ ایک تو دنیا کو ان کے ساتھ جو عقیدت و خلوص ہے وہ ظاہر ہی ہے۔ اس پر سلطنت کا یہ اعلان اور بھی ان کے معاملات میں پورا اشتعال اور کامل استقلال پیدا کر دیگا۔ اور پھر اُنکے معتقدین اور متبعین کی مخالفانہ حرکات سے سلطنت کو جو صدمات اُٹھانے ہونگے اُن کا اندازہ کرنا اسوقت سخت دشوار ہے۔ خیریت ہی کہ متوکل اور معتضد کی متواتر کوششوں کے بعد ان مفسدوں میں کچھ دنوں سے سکون اور کمی آگئی ہے اور کچھ عرصہ سے ان کی بغاوت کم ہوگئی مگر سلطنت کے موجودہ تجویزی اعلان سے اُن تمام بلاؤں کے عود کر آنے کا قوی اندیشہ ہے۔

الغرض قاضی صاحب نے معتضد کو اپنے طور پر خوب سمجھا دیا۔ اُن کی اس مدبرانہ فہمائش نے معتضد کی تمام ظاہرداریوں کی کایا پلٹ کر دی اور معتضد بھی سلطنت کی حفاظت اور استحکام میں خلل پڑنے کے خوف سے جس کا پورا اور قوی احتمال قاضی صاحب نے اپنی تقریر میں ظاہر فرمایا تھا اپنے جامہ میں نہ رہا اور آخر کار وہ بالکلیہ اپنے ظاہری خلوص و عقیدت کے اظہار سے دست بردار ہو کر اپنے اسلاف کے اُن قدیم طریقوں پر آگیا جن اصول پر وہ سلطنت کے کام چلاتے تھے۔ وہ کیا تھے؟ استیصالِ ساداتِ عظام اور مخالفتِ اہلبیتِ کرام علیہم السلام اور کچھ بھی نہیں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ موجودہ معاملات میں معتضد نے قاضی صاحب سے اپنی وزارت کا پورا کام لیا۔ اور قاضی صاحب نے بھی مخالفت اہلبیت علیہم السلام کے متعلق اپنے تعصب کے خوب خوب جوہر دکھلائے۔ معتضد کی طبیعت چونکہ ان اجزاء سے فطرتی طور پر مترتب ہوئی تھی اُس میں جو کچھ تغیر اتفاقی طور پر واقع ہو گیا تھا۔ وہ صرف اُس کے اُن دونوں خوابوں کا اثر تھا۔ اور کچھ بھی نہیں ورنہ حقیقۃً ان امور میں معتضد بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ متوکل اور معتمد۔ یا یوں سمجھ لینا چاہیے کہ مادہ ہر طرح سے تیار تھا صرف ذرا سی اشتعال کی درکار تھی۔ وہ قاضی صاحب کی تقریر نے ضرورت سے زیادہ پیدا ہی کر دی تھی۔ اُسکے سنتے ہی معتضد کی مخالفانہ حرکتوں میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور آخر کار معتضد بھی اپنے اسلاف کے ایسا ساداتِ عظام کا دشمن نکلا جیسا کہ بہت جلد ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہو جائے گا

معتضد سے ان امور کے ظاہر ہونے پر ہمکو کوئی حیرت اور استعجاب نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے نہ ہونے سے البتہ متعجب ہونا چاہیے کیونکہ دنیا کے عام اصول کے مطابق کسی امر کا خلافِ فطرت واقع ہونا مشکل سے قبول کیا جاتا ہے۔ اس لیے معتضد قاضی کی تقریر سے ڈر کر سادات کی مخالفت پر پھر آمادہ اور سرگرم ہو گیا۔ اور حفاظتِ سلطنت کے قدیم اصول کے مطابق اُس نے ان امور میں ساداتِ عظام کے ساتھ مخالفت اور شیعہ پبلک کے ساتھ شقاوت برتنے کو اپنا فرض منصبی سمجھ لیا۔ اور اُسی کے مطابق کام کرنے لگا۔ قرامطہ کے واقعات سے ابھی ابھی اُسکی طبیعت کا جبن ثابت ہو چکا ہے۔ کہاں تو وہ قرامطہ کے پیچھے پڑا تھا اور کہاں ابو سعید کی ذرا سی دھمکی پر اس کی طرف سے بالکل

سناٹا کھینچ گیا۔ پھر ایسی بودی طبیعت والے آدمی میں۔ اتنی جرأت کہاں کہ وہ قاضی صاحب کے ان زبانی دعووں کی اصلیت کی کوئی تحقیق کرتا۔ یا غور سے کام لیتا۔ اسکو توجو سمجھا دیا گیا وہ سمجھ گیا۔ اور کورانہ تقلید کے اصول پر عمل کرنے لگا۔ اُس کی ذات سے بیدار مغزی اور آزادانہ کام کرنے کی جیسی کچھ امید کی جاسکتی تھی وہ اوپر کے واقعات بخوبی بتلا رہے ہیں اور اُسی کے ساتھ اُس کی تلوّن مزاجی عدم استقلال اور خام طبعی کما حقہٗ ثابت ہو رہی ہے۔

قاضی صاحب کی تقریر نے معتضد کے قلب پر پوری تاثیر کی اور اُس نے قاضی کی ہدایت کے بموجب اپنے ان احکام کو فوراً واپس لیا جو اُس نے اُس کتاب کی اشاعت کے متعلق نافذ کیے تھے۔ مگر باایں ہمہ کیا وہ مضامین صفحۂ روزگار سے مٹ گئے؟ ارباب بصیرت پر روشن ہے کہ قاضی صاحب یا معتضد کی موجودہ کوششوں کے خلاف وہ کتاب یا اُسکا خلاصہ دفترِ عالم اور تاریخ دنیا میں تا ایندم محفوظ و موجود ہے اُن میں حقانیت تھی۔ وہ سچے تھے۔ اس لیے وہ مٹنے والے نہیں تھے اور نہ مٹے۔ بلکہ اس وقت تک قائم اور موجود ہیں۔ اور انشاء اللہ المستعان تا قیامِ قیامت قائم اور برقرار رہیں گے۔ چنانچہ اسلام کی تمام بڑی بڑی تاریخوں میں معتضد کے زمانہ کا وہ خلاصہ جو اُس کے حکم سے تیار کیا گیا تھا اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے بجنسہٖ مندرج ہے۔ ابو الفدا اور روضۃ الصفا نے صرف اس حکم کو لکھتے ہوئے اُس کتاب مامونی کے خلاصہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر تاریخ مسعودی اور ابن اثیر نے اپنی اپنی تاریخوں میں اُس کی عبارت نقل کی ہے اور عالی جناب شیخ احمد حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس بریانواں نے اپنی کتاب فیصل المبین میں اس خلاصہ کو ابن اثیر سے نقل کر کے اردو میں ترجمہ بھی کر دیا ہے جو اس وقت ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں میں تمام ذائع و شائع ہے۔ ہم اُس کی نقل کو اپنے مدعائے تالیفی سے بالکل زائد اور غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں۔ ناظرین معاف فرمائیں گے ٭

جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ساتھ معتضد کی مخالفت

معتضد نے حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ساتھ جو مخالفانہ کارروائیاں شروع کیں اور جس میں اُسنے اپنی بقیہ عمر بھی تمام کردی اور سوائے مخالفت و عداوت کے پھر کبھی اخلاص عقیدت اور ہمدردی و مروّت کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ وہ آپکی سراغ رسانی اور قتل و گرفتاری تھی۔ مگر اس میں بھی اُسکو سوائے پریشانی اور ذلت و پشیمانی کے اور کچھ بھی حاصل نہوا۔ اس سے قبل معتمد کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ قوی دلائل اور معتبر مشاہد کی رو سے پورے طور پر آپکے وجودِ ذیجود کے مسئلہ کا قائل ہو چکا تھا۔ اور جعفر کے جواب میں جو اُس نے کہا تھا اُس سے اُسکی معرفت ثابت ہوتی ہے۔ مگر وہی استحکام سلطنت اور استحفاظ حکومت کے غلط خیال اور قیاسی وہم و گمان کے باعث وہ ان کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ علمائے اہلسنت والجماعت تو ابھی کنارے ہیں۔ علمائے رضوان اللہ علیہم نے وجودِ حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق اسکے اعتراف کو قبول کیا ہے۔ چنانچہ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمۃ والغفران جعفر کی داستان لکھکر اپنی رائے یوں قائم فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ معتمد جناب صاحب الامر علیہ السلام کے وجودِ ذیجود کا قائل ہو چکا تھا۔ اور آپکے مراتب و مدارج سے بھی خوب واقف تھا۔ اور آپ کے نظامِ امامت کو بھی جانتا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ مال و متاع کو جو شیعہ خدمتِ امام علیہ السلام میں نذر کے لیے بھیجتے تھے نہ خود ضبط کر سکا اور نہ جعفر کو اُن کی استدعا کے مطابق دلوا سکا۔ بلکہ بجنسہٖ اسی طرح اُن لوگوں کو واپس دیا۔ ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ کے امور کے پوشیدہ اور مخفی رہنے کو از خود پسند کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ شیعہ گروہ جعفر کی فریب دہی سے محفوظ رہے۔ اور امام علیہ السلام کے امور بھی دنیا میں طشت از بام نہونے پائیں۔ اور عام طور سے ہر شخص آپکے مقامِ قیامت سے واقف نہو سکے اور آپ تک پہنچنے پر کسی طرح قادر نہو سکے جس کے باعث سے آپکے موجودہ نظام میں خلل واقع ہو (بحار الانوار جلد ۱۳ ص ۱۹۴)

"اس کے بعد علامۂ موصوف نور اللہ ضریحہٗ نے اُسی کتاب میں جعفر سے معتمد کی وہ تقریر بھی قلمبند فرمائی ہے جس کو اُس نے فہمایش اور ہدایت کے طور پر جعفر سے کیا تھا اور وہ یہ تھی کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے جعفر نے بیس ہزار دینار رشوت دیکر معتمد کی معرفت منصبِ امامت حاصل کرنا چاہا تو اس نے جعفر سے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ یہ سمجھ لو کہ منصبِ امامت ہمارا اختیاری امر نہیں ہے بلکہ خدائے کارساز کی طرف سے ہے۔ ہم لوگوں نے ہرچند اُن کے فضائل و مناقب اور مدارج و مراتب کے گھٹانے اور مٹانے کی لاکھ لاکھ فکر کی مگر اُن میں سے کوئی مفید کار نہ ہوئی اور شروع سے آخر تک بے کار اور فضول ثابت ہوئی اور ہماری تمام کوششوں کے خلاف اُن کی جلالت اور عظمت میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی۔ اور یہی امر اُن کے محاسنِ اخلاق۔ تقدس۔ زہد اور ورع کو تمام دنیا میں پھیلا کر اُن کے ازدیادِ شہرت۔ توسیعِ عظمت کے قوی اور کامل باعث ثابت ہوئے (صفحہ ۱۹۴)۔

معتمد کی اس تقریر سے اُس کا اعتراف ثابت ہو گیا دنیا کے دیدۂ بصیرت اگر وا ہوں تو وہ دیکھ لے کہ معتمد کے ایسا مخالف اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے ایسے صاف اور واضح اعتراف۔ خدا کی شان حقانیتِ ایمان نہیں تو کیا ہے!

بہرحال ع با آلِ نبی ہر کہ در افتاد برافتاد۔

معتمد کے ایسا معتضد کا بھی حال ہوا۔ اُس نے بھی جیسا کہ ابتدا میں لکھا گیا ہے آپ کی سراغ رسانی اور گرفتاری کا حکم دیا۔ حالانکہ معتمد کی کوششوں کے نتیجے اُس کے مشاہدات میں آچکے تھے۔ اور اُس سے کسی قدر متاثر بھی ہو چکا تھا۔ مگر طمعِ سلطنت۔ استحکامِ ثروت۔ اور استحفاظِ دولت کی تمناؤں نے بہت جلد اُن تمام تاثیروں کو اس وقت اُسکے دل سے زائل کر دیا۔ اور اُسکو بھی اِن امور میں سخت اور شدید بنا دیا۔ معتضد چونکہ معتمد کے زمانہ ہی سے آپ کے وجود کے کا قائل ہو چکا تھا اس لیے اُسکو آپ کی ولادت وغیرہ سے خاص تحقیق حالات کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ اُس نے ایامِ مخالفت میں آپ کی گرفتاری اور ہلاکت کی تدبیر و تجویز کو اپنے آگے رکھ لیا اور انہی امور کی تعمیل کی فکریں کرنے لگا۔

اِس زمانہ میں جناب صاحب الامر علیہ السّلام کے قیام کی حالت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آخر وقت میں معتمد کی ان شدید کارروائیوں اور جعفر کی نافہمیوں کے باعث آپ نے سرمن رائے کے قیام کو ترک کر دیا تھا اور اپنی جدۂ ماجدہ سلام اللہ علیہا کو عصمت سرا میں تنہا چھوڑ کر اور اپنی والدۂ مطہرہ جناب نرجس خاتون علیہا السلام کو اپنے ہمراہ لیکر بلادِ مغرب کا سفر اختیار فرمایا۔ مگر پھر معتمد کے مر جانے کے بعد معتضد نے تختِ خلافت پر متمکن ہو کر جب کسی قدر آپ کے امور میں ظاہری نرمی اور ملائمت دکھلائی اور حقیقت میں قرامطہ وغیرہ کی شورش کی وجہ سے فرصت ہی نہیں پائی۔ تو آپ نے بھی ان امور پر ظاہراً اعتبار فرما کر پھر سرمن رائے کی طرف مراجعت فرمائی مگر یہ مراجعت بھی نہایت احتیاط سے مخفی رکھی گئی اور اس کی اطلاع سفراء اور نائبین کو بھی نہیں کی گئی۔ جب آپ تشریف فرمائے عصمت سرا ہو چکے تو اُس وقت سفرا اور مخصوصین کو مطلع فرمایا گیا اور نظامِ امامت اور احکامِ شریعت کے نفاذ و اجرا ویسی ہی رازداری اور احتیاط سے عمل میں لائے جانے لگے کیونکہ اگرچہ سلطنت کی طرف سے ایک سکونی حالت ضرور تھی مگر وہ یقین کے قابل نہیں تھی۔

بہرحال۔ ابھی زمانہ اور زمانہ کا رنگ ایسا ہی تھا کہ معتضد کی تلوّنِ مزاجی نے پھر رنگ بدلا اور اُس سے عطوفت اور ہمدردی کے خیالوں میں مخالفت اور دشمنی کے اثر پیدا ہو گئے اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے حفاظِ سلطنت کی غلط پالیسی کی قدیم تجویزوں پر قائم ہو کر اُس نے (معتضد نے) آپ کی سُراغ رسانی کا انتظام کیا۔ شاہی ہرکارے۔ جاسوس اور بہت سے خفیہ لوگ۔ معتمد کے وقت کے ایسا اُس وقت بھی۔ آپ کا

سُراغ لگانے لگے۔ آپ کو بھی معتضد کی اِن مخالفانہ کارروائیوں کی خبر لگ گئی تو آپ نے بھی اپنی حُسنِ تدبیر سے اپنی حفاظت کے وہی اصول قائم فرمائے جو پہلے بھی اختیار فرمائے گئے تھے۔

یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی شخص کسی وقت آپ کو علانیہ دیکھ سکے۔ عموماً کوئی حالت ہو آپ کی رُویت منجانب اللہ قطعی ممنوع ہو چکی تھی۔ اِس لیے مقام قیام تک سے بھی کوئی متنفس مطلع نہیں تھا۔ یہ شاہی جاسوس اور معتضد کے سراغ رساں جہاں جہاں اپنے وہم وگمان سے آپ کے قیام فرمانے کا خیال وقیاس کرتے تھے اُن تمام مقامات کو چھان ڈالتے تھے۔ اور اِن لوگوں نے اِن تمام مقاموں کی ایک بار نہیں کئی بار خاک لے ڈالی مگر سوائے زحمت وپریشانی اور ذلت وپشیمانی کے کچھ ہاتھ نہ آنے والا تھا۔ نہ آیا۔ اور وہ گوہر نایاب دستیاب نہوا۔ عتباتِ عالیہ اور امکنۂ مشرفہ مثلاً نجف اشرف۔ کربلائے معلےٰ۔ کاظمین شریفین ودیگر معابدِ مقدسہ مثل مسجدِ جامع کوفہ۔ مسجد سہلہ وغیرہم خاص طور پر ڈھونڈھے گئے اور تلاش کیے گئے۔ کیونکہ یہ مقامات مخصوصہ از روئے اخبارِ شیعہ آپ کی عبادت کے لیے مخصوص تبلائے اور پائے جاتے تھے۔

اِن مقامات میں آپ کی حاضری کی نسبت شیعہ کے عقائد میں ذرا بھی تامل نہیں کیا جا سکتا مگر اس کیلیے کیا کیا جاویگا کہ کوئی حالت ہو نظامِ مشیت تو تبدیل ہو نہیں سکتا۔ اور بغیر اذنِ ربانی کوئی اس نورِ یزدانی کو چاہے وہ کسی مقام اور کسی حالت میں ہو نہیں دیکھ سکتا۔ تو پھر اُس نظامِ مسلمہ اور اصُولِ کلیہ کے مقابلہ میں ایک بار نہیں ہزار بار۔ ہزار بار نہیں لاکھ بار یہ مقامات دیکھے جائیں۔ ڈھونڈھے جائیں اور چھانے جائیں تو اس سے کیا یہ ممکن نہیں کہ بغیر حکمِ الٰہی اُس مخبرِ زمانہ تک نہ پہنچ سکے بہرحال معتضد کی یہ مشن کسی طرح کامیاب نہوئی تو اُس نے شہر سامرہ کے خاص خاص مقامات کی تلاشی کا حکم دیا جہاں آپ کے تشریف رکھنے کا خیال تھا۔

اُسکی خلاصہ کیفیت یہ ہے کہ معتضد کے رفیقِ خاص رشیق نامی کا بیان ہے۔

رشیق معتضد کا رفیق اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی گرفتاری

معتضد نے مجھ (رشیق) کو ایک دن اپنی خلوت میں بُلایا اور اپنے دو معتمد رفیقوں کو میرے ہمراہ کیا۔ اور ہم تینوں آدمیوں کو شاہی اصطبل سے تین بیش قیمت اور تیز رفتار گھوڑے منگوا کر حوالہ کیے اور کہا کہ اسی وقت بغداد سے شہر سامرہ کی طرف چلے جاؤ۔ راہ میں کہیں نہ ٹھیرنا۔ اور بگٹُٹ باگیں لیے چلے جانا اور وہاں پہنچکر تھوڑی دیر تک کاروانسرائے میں ٹھہر جانا اور ایک مکان خاص کا پُورا نشان تبلا کر کہا کہ اُسمیں چلے جانا۔ اُس کے دروازے پر تم کو ایک غلام ملیگا تم لوگ اُس کی ممانعت وغیرہ کا کوئی خیال نہ کرنا۔ بلکہ ایک بار ہجوم وحملہ کرکے اُس مکان کے اندر بلاخوف ہو کر گھس پڑنا اور جس شخص کو اندر پانا بلا عذر اُس کا سر قلم کرکے میرے پاس لے آنا رشیق کا بیان ہے کہ ہم تینوں آدمی حکمِ سلطانی پاکر نمازِ مغرب کے بعد بغداد سے روانہ ہوئے اور آدھی رات سے پہلے شہرِ سامرہ میں داخل ہو گئے اور معتضد کی ہدایت کے مطابق وہ تمام نشانات وعلامات جو اُس مکانِ مقدس کے متعلق اُس نے بتلائے تھے پائے گئے۔ یہاں تک کہ اُس مکان کے دروازے پر پہنچے۔ اُس غلام کو سُوتی ازار بند بنتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اِس مکان میں کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ مالکِ مکان۔ رشیق کا بیان ہے کہ اُس غلام نے ایسی ہی آزادی اور بے پروائی سے اُس کا جواب دیا کہ مجھ کو اُسکی بیخوفی اور جرأت پر سخت تعجب ہوا مجھ کو یقین تھا کہ سرہنگانِ سلطانی ہونے کے باعث وہ ہم لوگوں سے ڈرے گا اور خوف کریگا۔ مگر اُس نے اِن باتوں میں سے کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔ اور اپنے کمال استقلال سے جس کام میں مشغول تھا برابر مصروف رہا۔ اور جواب دینے کے بعد پھر ہماری طرف مطلق متوجہ نہیں ہوا۔ اس لیے ہمکو یقین

مرکز احیاء آثار برصغیر

MAAB 1431

کو عام خلائق کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی رکھے جس کے بہت سے مصالح ایسے ہیں جنہیں ہم خود سمجھنے کی پوری لیاقت رکھتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں ہم نہیں سمجھ سکتے

جن لوگوں نے اسلام کے ابتدائی حالات پڑھے ہیں وہ واقعہ ہجرت میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے مشرکین اور کفار قریش کی اُس صف اور جماعت سے نکل آنے کو بخوبی جانتے ہیں جو شام سے آپ کی دولتسرا کا محاصرہ کیے کھڑی تھی۔ آپ نکل بھی آئے اور چلے بھی گئے اور وہ کور باطن بدمست اپنی تدبیر و ترکیب کی دُھن میں اندھے کے اندھے بنے کے بنے کھڑے ہی رہ گئے۔ اُس حافظ حقیقی نے اپنی حجت اور ودیعت کو اُن کے درمیان سے صحیح و سلامت نکال ہی لیا۔ اور وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ کے انوار و آثار اِن تیرہ قلبوں کو دکھلا دیے اور سمجھا دیے

اِس واقعۂ ہجرت کو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے معاملات سے اگر ملایا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اِن دونوں مشاہدوں میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اُسوقت مخالفین کی جماعت محاصرہ کیے ہوئے تھے بالکل اُسی طرح اُسوقت معاندین بھی گھر گھیرے ہوئے تھے بلکہ شب ہجرت کے مخالفین اندر جانے کی جرأت نہ کر کے باہر ہی سے محاصرہ کیے رہے۔ اور اس وقت کے مخالفین بے خوف و خطر اس اندر گھس پڑے اور عین مقام قیام تک پہنچ گئے مقدس صاحب خانہ اور مالک مکان کی گرفتاری جیسا اُن کا مقصود دلی تھا ویسے ہی اِن سب لوگوں کا مطلب اور انھی امور کے ساتھ جس طرح اُس وقت مشیت یزدانی اُس ودیعتِ الٰہی کے بچانے میں مؤید نکلی اُسی طرح اِسوقت بھی مصلحت خداوندی اِس خاتم حجت اور قائم ذریتِ رسالت کے محفوظ رکھنے میں سرگرم اور مستعد ثابت ہوئی غرض ہر طرح سے دونوں کی صورت ایک۔ وقت ایک۔ موقعہ ایک۔ تو پھر حکم اور عمل ایک کیوں نہ ہوتا۔

بہرحال۔ ہماری کتاب کے ناظرین کو اس مختصر تشریح سے جو اوپر بیان کی گئی ہے ان دونوں واقعات عالیات کے معاملات کی باہمی مساوات پورے طور سے ثابت ہو گئی اور کیونکہ نطق نصوص الٰہی میں أَنْفُسَنَا کی تائید اور حدیث جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم أَنَا وَعَلِيٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ کی تائید موجود ہے تو ہم کو پھر اس سلسلہ میں کسی خاص توضیح اور تصریح کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بہرحال۔ مساوات باہمی کے مسئلہ سے قطع نظر کر کے اب ہم اُن واقعات کی تفصیل کے خاص اُس پہلو کی طرف رجوع کرتے ہیں جو فی الحال ہماری تالیف کا اصلی مدعا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اِن واقعات سے معتمد کو جو کچھ مقصود تھا اور جو کچھ اس نے اپنی امیدوں کے خلاف۔ اپنی تمناؤں کے برعکس اُن کا نتیجہ اُٹھایا۔ دونوں پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گئے۔ حقیقۃً نہ ہم کو معتضد کی مخالفت سے کوئی گلہ ہے اور نہ معتمد کی مخاصمت سے کوئی شکایت۔ ہم کو اِس کے متعلق اتنا ہی سمجھکر خوش ہو جانا چاہیے کہ یہ لوگ اپنی فطرتی حرکات سے مجبور تھے۔ اِن لوگوں نے اِسوقت تک جو کچھ کیا تھا وہ سب اِن کی فطرت کے تقاضے تھے۔ مگر آخر میں ہم اتنا ضرور کہینگے کہ معتمد کے مظالم نے اجرائے شریعت اور احیائے سنّت کے امور میں اتنے نقصان نہیں پہنچائے جتنے معتضد کی موجودہ کارروائیوں نے اسلامی دنیا میں اِن امور کو درہم برہم اور خراب و خستہ کر ڈالا اسی وجہ سے ہم کیا، ہر شخص جو منصف مزاج اور عدالت پسند ہوگا اس بات کے کہنے پر ضرور مجبور ہو گا کہ معتضد کی اِن مخالفانہ حرکات نے اپنے وقت اور اپنے زمانہ کی حجت اور امین شریعت اور محی سنّت سلام اللہ علیہ کو ہلاک کرنے اور اُس انوارِ ہدایت کے گل کر دینے میں پوری کوشش صرف کر دی اور پھر آخر میں اس کا نتیجہ بھی سوائے ذلت و پشیمانی کے اور کچھ نہ دیکھا۔ اُس نے دیکھ لیا کہ مدبّرانِ قدرت اور منتظمانِ مشیت الٰہی خاصانِ خدا و برگزیدگان رب اعلےٰ کو سلاطین جبار اور معاندین دل آزار کے پنجۂ عقوبت اور مخالفین کے شکنجۂ مصیبت سے اُن کی آنکھوں کے سامنے اس طرح نکال لیتے ہیں کہ وہ اِن امور کو آنکھوں سے دیکھتے

رہتے ہیں اور کچھ نہیں کرسکتے۔ سب کچھ تو وُرد ہوتا رہتا ہے مگر اُن کا کوئی بس نہیں چلتا جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خاص ذاتِ مبارک پر منحصر نہیں جن لوگوں نے انبیائے سابقین سلام اللہ علےٰ نبیّنا و آلہ وعلیہم السلام کے حالات کو بھی پڑھا ہے وہ کامل طور سے جانتے ہیں کہ حافظِ حقیقی نے انبیا و مرسلین کے مقدّس دائرے میں اکثر بزرگواروں کو دشمنوں کے سخت سے سخت محاصرے اور دشوار سے دشوار معرکوں کے وقت میں اُسی طرح بچایا اور محفوظ رکھا ہے۔ بہر حال زمانہ کے بعض نا سمجھ حضرات یہ حالات پڑھ کر اپنی غلط فہمی سے یہ گمان پیدا کرینگے کہ باوجود اتنے حزم واحتیاط کے کہ اپنے مومنین خالصین تک کو بھی زیارت سے مشرف کرنے کی اجازت نہیں تھی تو پھر اپنے مخالفین اور معاندین کو اتنے قریب سے زیارت کا کیونکر اذن دیا گیا؟ اس کے جواب میں اُنکو سمجھ لینا چاہیے کہ مخالفین ومعاندین کی ضلالت وشقاوت اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس لیے نظامِ مشیت نے اپنی اتمامِ حجت اور اظہارِ قدرت کے جملہ مراتب بھی طے کر دینے اس وقت ضروری سمجھے۔ اسی وجہ سے اُس شمعِ امامت اور راہ ہدایت کا جلوہ بالمشافہ اُنکو دکھلا دیا۔ اور انہوں نے بھی اپنی آنکھوں سے اس مشاہدۂ قدرت کو دیکھ کر پورے طور پر یقین کر لیا کہ انسانی تدارک سے مشیتِ ربانی کا کوئی فعل رُک نہیں سکتا۔ اس میں جتنی فکر کیجائیگی وہ سب محض بے سود اور بیکار ثابت ہوگی جیسا کہ پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

نظامِ امامت میں مزید احتیاط

بہر حال۔ ان واقعات کے بعد سے سرداب مقدّس کی مقررہ مجلسیں برخاست ہو گئیں اور وہ چند حضرات جو کہ کبھی شرفِ زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ حاضری سے ممنوع فرما دیئے گئے اور اب اُن چند کے عوض میں صرف ایک بزرگ کو کہ جب ایسا ہی سخت اور ناگزیر وقت آجائے تو کمال احتیاط اور رازداری سے اُس مقدس غار میں جو شہر سامرہ کی آبادی سے مغرب کی طرف پہاڑ میں واقع ہے حاضر ہو کر مشرف ہونے کی اجازت دی جاتی تھی۔ جہاں تک اُنکی زیارت اور حضوری کے حالات دریافت کیے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے حصول اور وقوع پذیر ہونے میں پہلے سے کہیں زیادہ دشواری تھی جو مصلحتِ خداوندی کے مطابق حزم واحتیاط کے اصول پر قائم تھی۔ جب وقت تک کہ نظامِ امامت میں اتنی دشواریاں اور موانع مخالفین کی طرف سے حائل نہیں کیے گئے تھے اُس وقت تک نائبین سفراء یا وکلاء کو بھی ضرورت کے وقت۔ زیارت اور حضوری کا شرف عطا فرمایا جاتا تھا اور یہ طریقے اور یہ اصول انعقادِ مجالس کے جو سرداب مبارک میں اجرائے احکامِ بہت اور احیائے نظامِ شریعت کی ضرورتوں سے منعقد ہوا کرتی تھیں قائم رہے۔ پھر اس کے بعد مخالفین کی طرف سے جیسے جیسے ان امور کی ممانعت میں سختی اور شدت ہوتی گئی اسیطرح نظامِ امامت کے امور میں بھی حزم واحتیاط کے حدود وقیود سخت اور شدید ہوتے گئے۔ اور مسئلہ رُویت میں سفراء ووکلاء کی تعمیم موقوف ہو کر ایک خاص بزرگ کی تخصیص مشروط کر دی گئی اور یہی انتظام اُس وقت سے لیکر غیبتِ کبریٰ کے وقت تک برابر قائم رہا۔ اور پھر حضرت محمد بن علی سمری رضی اللہ عنہ (جو ان مخصوص بزرگوں میں سب سے آخر تھے) کی وفات کے بعد یہ انتظام بھی جاتا رہا۔ انکی وفات ۳۲۹ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ توقیع مبارک کے ذریعہ سے سلسلۂ نوابین کے منقطع ہو جانے اور غیبتِ کبریٰ کے آغاز ہونے کا حکم عام اور اعلان تمام مومنین کی جماعت میں فرما دیا گیا۔ اس حساب سے کامل اُنسٹھ ۶۹ برس تک یہ انتظام قائم رہا۔ اور اس عرصہ میں آپ کے چار نوابین اس مبارک خدمت کو پوری امانت ودیانت کے ساتھ انجام دیتے رہے جنکے پورے احوال ہم ایک جداگانہ باب میں انشاء اللہ المستعان عنقریب بیان کرینگے۔

ان حضرات کی حضوری بھی دشواری سے خالی نہیں

تھی۔ ایسا ممکن نہیں تھا کہ جس وقت یہ حضرات چاہیں خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر عام طور سے اپنی عرض پیش کریں۔ یا نہیں تو روزانہ یا ہفتہ وار یا مہینہ پیچھے مؤمنین کے اغراض و مطالب سمعِ مبارک تک پہنچایا کریں۔ اور یہ بھی نہیں تو ایک وقتِ خاص پر جبکہ اُنکی کامل خبر اور پورا علم پہلے سے حاصل ہو اپنے اور مؤمنینِ قرب و جوار کے مطالب و مسائل عرض کیا کریں۔ بلکہ اِن تمام امور کے خلاف اُنکی حاضری اور باریابی خدمت کے لیے کوئی وقت یا کوئی مخصوص موقعہ نہیں تھا۔ اور نہ اُن کو اِس کے متعلق کوئی خبر یا اطلاع تھی۔ بلکہ یہ جملہ امور امامِ وقت اور حجتِ زمانہ علیہ السّلام سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ اور وہ اپنے حزم و احتیاط کے موجودہ اصول کی رُو سے جو وقت اور جس موقعہ پر اُنکی حاضری ضروری اور قرینِ مصلحت سمجھتے تھے اُن کو اپنے پاس بُلا لیتے تھے اور اُن کے امورِ متعلّقہ کا جواب دیدیتے تھے۔ اِن حضرات کے مخصوص انتظام یہ تھے کہ مؤمنین خود یا اپنے وکلاء اور سفراء کے ذریعہ سے اپنے معروضات اِن حضرات کی خدمات میں پہنچا جاتے تھے۔ اور یہ لوگ اُن کو اکٹھا جمع کرتے جاتے تھے یہانتک کہ اِن تمام معروضات مؤمنین کا کامل ذخیرہ جمع ہو جاتا تھا۔ موجودہ نظامِ امامت کی رُو سے اِس ذخیرہ کو تاوقتیکہ ناحیۂ مقدّسہ سے اُنکی طلبی اور حاضری کا فرمان نہ صادر ہوئے اپنے پاس امانت رکھے رہتے تھے۔ جب کبھی طلبی اور حاضری کا شرف دیا جاتا تھا۔ یہ حضرات اِن معروضات کو خدمتِ مبارک میں پیش کرکے حکم و احکام حاصل کرتے تھے۔ اور وہاں سے واپس آکر سائلین کو اُس سے مطلع کر دیا کرتے تھے۔ بعض موقعوں پر جواب تحریری دیے جاتے تھے اور بعض کے جواب زبانی بھی ارشاد فرمائے جاتے تھے جن کو نائبین اور سفراء و وکلاء اپنے دست و قلم سے حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً لکھ لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی عند الضرورت خاص دستِ مبارک سے بھی جواب تحریر فرما دیا جاتا تھا۔

اِن جوابات کے تقسیم کرنے میں بھی نہایت سخت احتیاط برتی جاتی تھی۔ جب کبھی اندیشہ یا خطرہ کا شبہہ ہوتا تھا تو اُن مقامات میں توقیعاتِ مبارکہ کے ارسال میں احتیاط کیجاتی تھی۔ بلکہ کسی نہ کسی طرح سائل کو بُلا لیا جاتا تھا۔ اور جو کچھ اُن کی استدعا اور معروضات کے جوابات ہوتے تھے اُن کو سُنا دیے جاتے تھے۔ یا اُس کی نقل کرادی جاتی تھی اور اصل توقیعِ مبارک اُن کو نہیں دی جاتی تھی۔ کیونکہ آگے چلکر انہی توقیعات کے برآمد ہونے پر مؤمنین کی گرفتاری سلطنت کی طرف سے عمل میں لائی جانے لگی جس کے پاس سے اِس کے اجزاء برآمد ہوئے وہ گرفتار کر لیا گیا اور سخت سے سخت مصائب و شدائد میں مبتلا کیا گیا۔ ہم اِن حالات کو غیبتِ کبریٰ کے قریب ایام میں انشاء اللہ المستعان پوری تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

معتضد کی وفات اور مکتفی باللہ کی حکومت

معتضد باللہ اپنی حکومت اور امامت کا پورا سال تمام کرکے اُنچاس برس کے سن میں ۲۰ ربیع الثانی ۲۸۹ھ ہجری کو مرگیا۔ مروج الذہب مسعودی میں تحریر ہے کہ وہ دلیر و شجاع تو تھا مگر اِس کے ساتھ ہی بخیل اور ممسک بھی ضرور تھا۔ اُسی قدر بیجا خونریزی اور بیگناہ قتل و ہلاکت میں دست کشادہ اور ہمیشہ مستعد اور آمادہ پایا جاتا تھا۔ قلّتِ رحم۔ بیدردی و شقاوت اُسکی فطرت کے خاص جوہر تھے۔ بدسلوکی۔ فحش زبانی اور تعزیرِ انسانی اُس کے اوصافِ مخصوصہ میں داخل تھے۔ اُس کے وحشیانہ اور ظالمانہ مسالک کی ادنیٰ مثال یہ تھی اور اُسکے خاصہ کے خدّام اور ملازمین میں سے جب کوئی بدقسمت ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی خطا یا فروگذاشت کا ملزم ہو جاتا تو وہ اُس کی پاداش میں اُس کو عام اِس سے کہ وہ کتنا ہی قدیم الخدمت اور خیر خواہِ مال و دولت کیوں نہ ثابت ہوا ہو۔ خود نصف قامت تک ایک گڑھا کھدوا کر اُس میں سر کے بل اوندھا گڑوا دیتا تھا۔ اور پھر اُس گڑھے کو مٹی سے بھروا دیتا تھا۔ اور اِس ترکیب سے غریب مجرم کو زندہ درگور ہونے کے معنوں تک پہنچا دیتا تھا۔ اور وہ اِس طرح تڑپ تڑپ کر اور پھڑک پھڑک کر اپنی جان دیدیتا تھا۔ کسی میں اتنی مجال اور قوّت نہیں ہوتی تھی جو اُس کے حیوانی غصّہ کو روک سکے۔ یا

آسکے اِس وحشیانہ طریقہ اور عمل میں کسی مداخلت یا ممانعت پر جرأت کرسکے۔ مجرمین کی سزا کی ترکیب بھی ایک طرح اور ایک صورت پر نہیں ہوتی تھی بلکہ اِن سزا و عقوبت کی عجیب و غریب اور انواع و اقسام کی تدبیریں اور ترکیبیں ہوا کرتی تھیں۔ جن کے محض سننے سے انسان کا دل بیچین ہو جاتا ہے۔

معتضد کو عمارت اور عورتوں سے بھی مفرط درجہ کا شوق و محبت تھی اِس لیے وہ اپنے بخل اور امساک کے ذریعہ سے جو کچھ بچاتا تھا وہ اِن اخراجات میں اُسکی کشادہ دلی اور فراخ دستی کی صورت بنکر نکل جایا کرتا تھا۔ اور سال بھر میں دونوں طرف کا جمع و خرچ برابر ہو جایا کرتا تھا۔ عمارت کے متعلق تو اُس نے اپنے دہ سالہ ایّام حکومت میں ایک قصرِ عالیشان تعمیر کیا تھا جسکا نام ثریا رکھا گیا تھا۔ اُس کے تعمیری اخراجات میں چار لاکھ اشرفیاں صرف کی گئی تھیں۔

یہ تو عمارت کا خرچ تھا۔ عورت کے مصارف کا اندازہ صرف اِسی سے کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے صرف اپنی ایک منکوحہ کا دَینِ مہر ایک کروڑ روپیہ دیا تھا اور اُسپر مختلف بلادِ ہندوستان مصر۔ عراق۔ فارس اور شام وغیرہ وغیرہ کے لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کے قیمتی اور عدیم المثال تحفے المضاعف تھے۔ صاحبِ روضۃ الصفا نے اِنہی معاملات کی بنیاد پر اُس کے بخل و امساک سے قطعی طور پر انکار کیا ہے اور اُسکو بخیل اور ممسک ہونیکی جگہ اوّل درجہ کا مُسرف بتلایا ہے اور اِس کے مرقومۂ بالا اخراجات کو اُس کے امتناعِ بخل اور اختیارِ اسراف کے ثبوت میں داخل کیا ہے اور ہم کو بھی اِس قابل مؤرخ کی رائے سے اتفاق کرنے میں کوئی عذر اور کلام نہیں ہے۔

یہ تھے معتضد باللہ کے ذاتی اوصاف اور محامد۔ جو قابل مؤرخ نے مروج الذہب مسعودی کی اسناد سے اپنی تاریخ کے تیسرے دفتر میں قلمبند کیے ہیں۔ اِن واقعات کو پڑھکر معتضد کی تمام اخلاقی کمزوریاں آئینہ ہو جاتی ہیں۔ اُسکی عیش پسندی۔ آرام طلبی اور نفس پرستی پورے طور سے تحقیق کے پایۂ کمال تک پہنچتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ شقاوت بیرحمی بدظلم و تعدی میں اپنی آپ مثال تھا۔ خونریزی قتل و ہلاکت۔ سخت سے سخت عقوبت۔ اور شدید سے شدید مصیبت پہنچانا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اپنے نفس اور اُسکی لذت کا بندہ تھا۔ آرام۔ عیش اور نشاط کا مطیع اور فرمانبردار بنا رہتا تھا۔ اپنی خواہشوں کا غلام تھا اور اُن کے ضبط و تحمّل پر ذرا بھی اختیار نہیں رکھتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہانتک معتضد کے ذاتی حالات کی بابت تحریر ہوا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتبار ترکیب کے اُسکی طبیعت کے اعمال و خواص بھی ویسے ہی تھے جو اُسکے خاندان کے وسیع دائرہ میں عام تھے۔ اُسکی طبیعت کے انداز۔ اُسکے مزاج کے طور۔ اُسکی حرکات۔ اُسکے افعال و اعمال ویسے ہی تھے جیسے اُسکے اسلاف کے۔ جن لوگوں نے اگر اور متفرق کتابوں میں نہیں۔ صرف ہمارے سلسلہ کے مختلف نمبروں میں عباسیوں کے حالات اور اُن کے اطوار و عادات کو بالاستیعاب دیکھا ہے وہ بتلاسکتے ہیں کہ عموماً یہ تمام باتیں عام طور سے سلسلۂ عباسیہ کے تمام سلاطین میں پائی جاتی ہیں۔ اور اُن میں کا ہر شخص اپنے اپنے مذاق کے موافق اپنی خواہش اور نفسانیت کا غلام اور بندۂ بیدام ضرور تھا۔ معتضد کے پہلے مہدی۔ ہادی۔ ہارون وغیرہ وغیرہ سب نفس پرستی اور مے پرستی میں مادام الحیات مستغرق تھے۔ شہرانجواری۔ دلآزاری۔ سفّاکی اور شقاوت تو منصور سے اسوقت تک اِن سلاطین کے ایک ایک فرمانروا اور تاجدار کا اصلی معیار قرار پا چکی تھی۔ پھر اِسوقت معتضد کی اخلاقی کمزوریوں سے خاصکر کسی تفصیل کے ساتھ بحث کرنا فضول اور بیکار ہے جسکو ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور لکھے دیتے ہیں کہ روزانہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص ابتدا سے اتنی بداخلاقیوں کا عادی اور خوگر رہتا ہے وہ آخر میں اکثر دیوانہ اور مجنون ہو جاتا ہے۔ انسانی ترکیب جسمانی کے خواص میں داخل ہے کہ جب کسی کے ایک عضو میں کوئی نقص اور عیب پیدا ہو تو وہ آخرکار بتدریج ترقی کرتا ہوا دوسرے عضو کو بھی بالکل بیکار کر دیتا ہے۔ اِس اصول کے اعتبار سے معتضد کی دماغی کمزوریاں بدمستی اور شہوت پرستی کی وجہ سے اتنی بڑھ گئی تھیں کہ آخر میں انھوں نے معتضد کے دماغ کو بالکل خراب اور بیکار

کر دیا۔ اور آخرِ کار وہ اسی عارضہ میں مر گیا چنانچہ اُسکے مرض الموت کی تفصیل میں لکھا گیا ہے۔

شروع ۲۸۳ہجری میں اُس کو خللِ دماغ شروع ہوا۔ اور وہ اس طرح شروع ہوا کہ اُسکو قصرِ شاہی میں جہاں وہ رہا کرتا تھا طرح طرح کی عجیب و غریب صورتیں نظر آنے لگیں۔ کبھی کسی پیرِ کہن سال کی صورت میں کبھی راہبوں کے لباس کے ساتھ دکھلائی دیتی تھیں۔ اور کبھی جوانِ رعنا کی تصویر اُس کی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتی تھی۔ اور کبھی وہ بشکل تجار اور عام روزگار پیشہ والوں کی صورت میں دکھلائی دیتی تھی۔ اور کبھی وہ تصویر سپاہیانہ وضع میں ہتھیار لگائے تلوار برہنہ کئے نمودار ہوتی تھی۔ یہ سب مشاہدات اُسکو خاصکر اُس وقت میں معلوم ہوا کرتے تھے جو وقت تمام قصرِ خلافت کے دروازے بند کر کے ملازمین سلطانی اپنے اپنے بسترِ راحت پر آرام کرنے کے لیے چلے جاتے اور معتضد خود بھی اپنے فرشِ استراحت پر جا چکتا تھا۔ اور اُسکو یہ مختلف اوضاع و قماش کی عجیب و غریب شکلیں قصرِ شاہی کے گوشہ گوشہ میں دکھلائی دیتی تھیں۔ اُس نے اُن کی حقیقتِ حال دریافت کرنے کے لیے تجربۃً کئی مقام تبدیل کیے اور اپنے ایک ایوان سے دوسرے ایوان میں اور دوسرے ایوان سے تیسرے ایوان میں بود و باش اختیار کی۔ مگر شکل و صورت کے مشاہدِ مختلفہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ جہاں گیا یہ طلسمی تصویریں ہر جگہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہیں۔ یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں یہ اخبار و آثار تمام شہر و دیار میں کامل طور سے اشتہار پا گئے۔ اور زبان زدِ خاص و عام ہو گئے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس واقعہ پر اپنی راے اور اپنا حکم لگانے لگے۔ اور اپنے اپنے مقام پر اس کے تدارک کی فکر کرنے لگے۔ بعض کی راے میں یہ حرکات شیطانی تھیں۔ جو معتضد کی ایذا رسانی کے لیے مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا کرتی تھیں۔ اکثر کے نزدیک جنات کے تصرف ثابت ہوے۔ اس لیے کہ معتضد ان مشاہدات عجیبہ کو دیکھ کر اپنی بدکرداری اور بداعتدالی سے توبہ و انابت اختیار کرے۔ اور چند لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ اُس غلام کے کرشمے ہیں جو معتضد کی کنیزوں میں سے ایک کے ساتھ آلودہ ہوا ہے۔ اور اُس نے حکما و عاملین کے ذریعہ سے ایسے ایسے نیرنگ اور طلسم پیدا کیے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلی ہیئت و صورت کو بدلکر مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر تا ہے یہ باتیں اور مختلف رائیں معتضد کے آگے جواس اور بھی کھوئے دیتی تھیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسی بے اصل و بے بنیاد باتیں سواے بازاری اور ادنے درجہ والوں کے اعلے طبقہ والوں میں تو ہوتی ہی نہیں تھیں۔ اس لیے اِن سب باتوں کا ذکر عموماً اُس کے خادموں کی جماعت میں ہوا کرتا تھا معتضد جب اُن لوگوں کے اس ذکر و چرچے کو سنتے سنتے عاجز آ گیا تو اُس نے آخرِ کار اپنے اکثر ملازمین کو اِس جرم میں قتل کروا دیا اور اُن کی لاشوں کو دفن کیے جانے کی بھی اجازت نہیں دی ویسے ہی اُن کے مردوں کو دجلہ میں ڈلوا دیا۔ اِن واقعات کے تھوڑے دنوں بعد معتضد خود بھی مر گیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے

تاریخ مسعودی میں معتضد کے اس عارضہ کی حقیقتِ حال یوں لکھی ہے وَقَدْ اَتَيْنَا عَلَى الْخَبَرِ فِي ذٰلِكَ وَالسَّبَبِ الْمُوْجِبِ لَهٗ وَالْحِيْلَةِ فِيْهِ وَمَا قَالَ الْفَلَاسِفَةُ وَمَا حُكِيَ عَنْ اَفْلَاطُوْنَ فِي هٰذَا الْمَعْنٰى۔ یعنی اِن امور کے اسباب اور اُن کے اعمال و خواص کی تحقیق میں فلاسفہ کے اقوال و احکام ہمارے پیش نظر ہیں اور افلاطون کی راے بھی موجود ہے جس کو اُس نے خاص کر انہی امور کے متعلق لکھا ہے۔

مکتفی باللہ کی حکومت

معتضد کے مرنے کے وقت اُس کا بڑا بیٹا اور ولیعہد علی ابن معتضد موجود نہیں تھا۔ وہ اُن دنوں شہر رقہ میں مقیم تھا۔ وزیر السلطنت قاسم ابن عبید اللہ نے اُسکو باپ کے واقعہ سے مطلع کیا۔ اور وہ اس واقعہ جانگزا و نیز اس خبرِ جانفزا کو سنکر لپہرعت تمام رقہ سے دار السلام بغداد میں داخل ہوا۔ نائب السلطنت قاسم ابن عبید اللہ نے اُسکی تخت نشینی کے تمام انتظام پہلے ہی سے ٹھیک کر رکھے تھے

ارکینِ سلطنت اور رعایائے مملکت نے اُس کے آتے ہی بلا عذر و مزاحمت اُس کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

مکتفی نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم جو صادر کیا وہ اُس عمارتِ شاہی کی مسماری اور بربادی سے متعلق تھا جو خاص طور سے خلائق کی ایذا رسانی۔ تعذیب و تعذیر اور قتل و ہلاکت کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے معتضد کے حکم سے تعمیر کی گئی تھی۔ یہ وہی مقام تھا جہاں جو شخص بدقسمتی سے قید کیا گیا وہ انواع و اقسام کے مختلف مصائب و شدائد اٹھا کر آخر کار قتل و ہلاکت کے اخیر نتیجوں تک ضرور پہنچایا گیا غرض اس عمارت میں آنا موت کے منہ میں جانا تھا۔ بہرحال مکتفی کے حکم سے یہ عمارت فوراً اسمار کر دی گئی۔ مکتفی نے رعایا کی دلجوئی اور خاطرداری کی ضرورت سے داد و دہش اور عطا و بخشش کے دروازے کھول دیے جس کی وجہ سے پریشان رعایا کی افسردگی اور پژمردگی میں قدرے تازگی اور قوت آ گئی ؂

ملکِ حجاز پر قرامطہ کی تاخت

مکتفی ابھی اندرونی معاملات کی درستی اور ترتیب میں مصروف تھا کہ یکبارگی بیرونی آفتیں اُس پر ٹوٹ پڑیں اور جیسا کہ ایک تازہ فرمانروا کی جدید تخت نشینی کبھی عام فتنہ و فساد سے خالی نہیں جاتی اُسی طرح مکتفی کے ابتدائی ایامِ سلطنت بھی فتنہ و فساد سے بھر گئے۔ مکتفی کو چاروں طرف سے بیرونی معاملات نے گھیر لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرقۂ قرامطہ کے لوگوں نے ممالکِ حجاز میں بسر کردگی یحییٰ بن ذکرویہ عام فتنہ و فساد کا عام طور سے بازار گرم کیا اور خلافتِ بغداد کے نظامِ ملکی میں انواع و اقسام کے خلل پیدا کیے۔ عرب کی متعینہ فوجِ شاہی نے اُن کی مدافعت میں معرکوں پر معرکے پیش کیے۔ کسی میں فوجِ سلطانی غالب رہی اور کسی میں قرامطہ کی جماعت۔ یہاں تک کہ اُنہی معرکوں میں یحییٰ موجودہ رئیسِ قرامطہ بھی مارا گیا۔ مگر تاہم قرامطہ کی شورش اور کوشش کم نہ ہوئی اور نہ فریقین میں سے کوئی صاف طور پر کامیاب ہو سکا۔ ادھر قرامطہ نے یحییٰ کے مارے جانے کے بعد اُس کے بھائی حسین کی امارت قبول کر لی۔ حسین بڑی پالیسی کا آدمی نکلا۔ اُس نے قرامطہ کی تنہا امارت کو اپنے استحقاق فی الامارت کے مستحکم اور مضبوط بنانے کے لیے کافی نہیں سمجھا۔ اور صرف اس سرداری کو اپنے حصولِ ثروت و عزت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ بلکہ بہت بڑی دوراندیشی اور عاقبت بینی کے خیال سے اُس نے تمام اہلِ اسلام کو اپنی طرف بلا مزاحمت اور بے عذر رجوع کرنے کے لیے یہ ترکیب نکالی کہ اُس نے اپنے اقرارِ امارت کے ساتھ دعوے امامت بھی کیا۔ غرضکہ اس بنا پر اُس نے اپنے آپ کو عبداللہ بن اسمٰعیل ابن جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد سے بتایا۔ حسین کے چہرے پر ایک بہت بڑا مسّا بھی تھا جس کو اُس نے اپنی امارت کی علامت قرار دے رکھا تھا اور اُسکو اپنی خلافت و امامت کا معیار بتلاتا تھا۔ اپنے چچازاد بھائی عیسیٰ نامی کو المدثر کے لقب سے پکارتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ قرآن میں المدثر کا مخاطب یہی عیسیٰ ہے۔ بہرحال حسین کی اِن مغویانہ تعلیمات نے دیارِ حجاز میں ایک قیامت کی تاثیر پیدا کر دی۔ عرب کے بہت سے جاہل قبائل اُس کی ان لغویات اور حشویات پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اموالِ غنیمت و حصولِ دولت کے پنجہ میں گرفتار ہو کر جو قدیم الایام سے اہلِ عرب کی فطرتِ ثانی ہو رہی تھی اپنے دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے جب ملکِ حجاز پر حسین کا کسی قدر تسلط ہو گیا اور اُس کے نظامِ امارت بھی تھوڑے بہت درست ہو چکے تو حسین نے تسخیرِ ممالک کے متعلق اپنی رفتار اور تیزی کی اور اپنے غلام مطوق نامی کو ممالکِ شام کی طرف بھیجا۔ اور اُسکو شام کے تمام مسلمانوں کے قتل و اسیر کرنے کا حکم عام دیدیا۔ مطوق اپنی جمعیت کے ساتھ شام میں پہنچا۔ بہت سے علاقے فتح کیے۔ قبائل کو خاندان تباہ و برباد اور اسیر کیے۔ اور اپنے اِن تمام جدید مقاماتِ مفتوحہ پر حسین ابن ذکرویہ کی حکومت قائم کر دی اور مساجد و منابر پر اُسی کے نام کا خطبہ پڑھوا دیا۔ اور مکتفی موجودہ خلیفۂ عباسی کا نام نکلوا کر حسین ابن ذکرویہ کا نام داخل کر دیا

اور اُس کو امیر المؤمنین کے لقب سے مشہور کرایا۔ اسلامی تاریخوں میں صاحب الشامۃ کے نام سے جو شخص مراد لیا جاتا ہے وہ یہی ...... حسین ابن ذکرویہ ہے۔ اس لقب کی خصوصیت سوائے اِس کے اور نہیں ہو سکتی کہ جسطرح قبل اس کے معتمد کے وقت میں صاحب الزنج کے نام سے ایک شخص بغاوت کے لیے مشہور ہو چکا ہے اسیطرح اس وقت یہ صاحب الشامۃ کے خاص نام سے مشہور و موسوم کیا گیا۔ مگر جہاں تک ابو سعید جبائی اول رئیسِ قرامطہ اور حسین ابن ذکرویہ موجودہ امیر قرامطہ کے باہمی حالات کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حسین کی کارروائیاں ابو سعید کی خدمات سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ اور جس طرح حسین کو اپنے مدعا میں کامیابی ہوئی ویسی ابو سعید کو نہیں۔ اس کا ظاہر ثبوت یہ ہے کہ ابو سعید باوجود متواتر فتحیابیوں کے معتمد کے مقابلہ میں اپنے آپ کو امیر المؤمنین کے لقب سے مشہور کرنے کی جرأت نہ کر سکا مگر حسین نے اپنا یہ ارمان پورا کر لیا۔ اور ممالک اسلامیہ میں اس قدر مقبوضات حاصل کیے اور ان مفتوحہ مقامات میں اپنی حکومت و سیاست کا ایسا کامل اور گہرا رنگ جمایا کہ معتضد کی موجودگی میں نہیں تو مکتفی کے وقت میں حجاز، یمن اور شام کے تمام مسلمان اسکو امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کرنے لگے۔

اتنے تسلط پیدا کرنے کے بعد بھی حسین اپنی کوششوں سے نہ تھکا بلکہ اپنی فتوحات کی رفتار کو روز بروز تیز کرتا گیا۔ اُس نے اپنے ایک دوسرے غلام کو جس کو اُس نے صاحب الخال کا خطاب دے رکھا تھا شہر بعلبک کی تسخیر پر تعینات کیا جو ممالکِ شام کے بہت بڑے زرخیز اور مشہور شہروں میں ہے اور یہاں بھی تمام مسلمانوں کے قتل و غارت کا ویسا ہی حکم صادر کیا۔ اُس شخص نے بھی موقع پر پہنچکر اپنے رئیس کی ہدایت کی پوری تعمیل کی۔ اور عباسیوں کی متعینہ فوج کو کامل ہزیمت پہنچا کر بلا مزاحمت شہر میں گھس پڑا۔ اور تمام شہر والوں کو اپنی تلوار کے نیچے رکھ لیا۔ اور بالخصوص مسلمانوں کو اپنے امیر کی ہدایت اور خواہش سے زیادہ قتل کیا اور اُن کے تمام مال و متاع کو لوٹ لیا۔ خاندان کے خاندان بے نام و نشان اور گھر کے گھر بے چراغ کر ڈالے۔ اور شہر کی بربادی کے بعد پھر اُس نے اُس کے انتظام کی طرف بھی توجہ کی۔ اہل شہر نے صاحب الخال سے اپنی جان و مال کی امان مانگی جس کو اُس نے منظور کر لیا مگر افسوس! شریعتِ اسلامی کے بالکل برخلاف اور سنتِ نبوی کے سراپا برعکس اُس نے رعایا کے ساتھ صلح کرنے کے بعد سخت دغا کی اور ابو ہاشم رئیسِ بعلبک کو جو رعایا کی طرف سے مصالحت اور استدعائے امان و عافیت میں پیش پیش تھا۔ دغا بازی سے اپنے گھر بلا کر قتل کر ڈالا۔ صاحب الخال کا یہ ظلم اور خونِ ناحق دیکھکر سارا شہر کانپ اُٹھا۔ اور کسی کو بھی حواس نہ رہا۔ اور اس بڑی ظالمانہ ترکیب سے اُس نے تمام علاقہ کی رعایا پر اپنا ایسا رعب جمایا اور وہ اثر پیدا کیا کہ اُس کے قبل کسی دوسرے حکمراں اور فرمانروا کو آجتک نصیب نہیں ہوا تھا۔

بہر حال صاحب الخال جب اِس طرف کے معاملات صاف کر چکا تو اُسکو طبرستان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا اور وہ حکم پاتے ہی بلا تامل اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ طبرستان میں جا پہنچا۔ اور یہاں بھی اُس نے اپنے مظالم بے رحمی اور شقاوت کے ویسے ہی معاملات پیش کیے جیسے وہ اس سے پہلے شہر بعلبک اور ممالکِ شام کے قریب قریب تمام علاقوں میں برپا کر چکا تھا۔ عموماً تمام مردوں کو مار ڈالا۔ عورتوں۔ بچوں کو پکڑ کر بازار میں کھڑے داموں بیچ ڈالا اور اپنے دام سید سے کر لیے۔ اس صورت میں جنگ و پیکار بھی ہوئی اور گھر بیٹھے کا بیوپار بھی ع

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔

قرامطہ کے اِن تمام فسادات کی خبر مکتفی کو پہنچی تو اُس نے شام اور طبرستان کے تمام امراء و رؤسائے ممالک محروسہ کو اُن صوبجات کی متعینہ فوجِ سلطانی کی مدد کرنے کے لیے لکھا اور تاکید کی۔ اس میں شک نہیں کہ اِن امراء و

رؤسائے ممالکِ محروسہ نے شقّہ سلطانی پاکر فوراً حکم شاہی کی تعمیل کی۔ اور اپنی جاں نثاری اور سرفروشی کے اظہار میں بڑی ہمت اور دلیری سے مقابلہ کیا۔ مگر اتفاقِ وقت سے اتنی متواتر کوششوں کے بعد بھی اُن کو شاہدِ مدعا سے کبھی ہمکنار ہونے کی نوبت نہ آئی بلکہ برعکس اس کے اُن کی جمعیت کے بڑے بڑے نمودار اور ذی عزو وقار بزرگوار قتل و گرفتار ہوئے۔ اور ان کی مدافعانہ کوششوں کا کوئی نتیجہ آخر میں نہ نکلا۔

اب مکتفی میں تحمل کی ذرا بھی قوت نہ رہی اور اس خبر وحشت اثر کے پاتے ہی ایک لاکھ فوج جرّار صاحب الشام اور صاحب الخال کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئی جسکی کمان مکتفی نے خود اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اور رقّہ پہنچکر اُس نے اپنے سپہ سالار فوج محمد ابن سلیمان کو مقدمۃ لشکر بناکر مخالف سے مقابلہ کرنے کو بھیجدیا۔ صاحب الشام رقّہ سے تھوڑے فاصلہ پر اپنی فوج کے پڑاو ڈالے پڑا تھا۔ محمد نے موقع پر پہنچتے ہی غنیم سے مقابلہ شروع کیدیا۔ جانبین سے دیر تک بازار حرب و ضرب گرم رہا۔ اور لوہے سے لوہا بجتا رہا آخر میں مکتفی کو فتح ہوئی۔ قرامطہ کی فوج میدان جنگ میں ہزیمت اٹھاکر منتشر ہو گئی۔ صاحب الشام ابن ذکرویہ مع اپنے معتمدین عیسے الملقب بہ المدثر اور مطوق ملقب بہ صاحب الخال کے تین سو ساٹھ رفقاء و انصار کے ساتھ گرفتار ہوا۔ اور مکتفی کے پاس حاضر کیا گیا۔ مکتفی ان اسیروں کو ہمراہ لے کر پوری کامیابی کے ساتھ اپنے دار الخلافت بغداد میں داخل ہوا۔ اور بغداد میں داخل ہوتے ہی اُس نے تمام اسیروں کے ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اُن کی گردنیں بھی قلم کروا ڈالیں۔

ذکرویہ رئیس قرامطہ اور غارتِ خانۂ کعبہ

یہ تھی صاحب الشام حسین ابن ذکرویہ اور اُس کے تمام عروج و ادبار کی کامل تفصیل جو عموماً تمام اسلامی تاریخوں میں مندرج ہے۔ مگر جابجا ہے اتنی عقوبت اور اتنی سزاؤ

سیاست کے بعد بھی قرامطہ نے اپنی کوششوں سے منہ پھیرا ہو۔ نہیں وہ اپنی موجودہ ہزیمت یا خستگی کی حالتوں میں بھی اپنی سلسلہ جنبانی اور عامۃ الخلائق کی ایذا رسانی سے باز نہ آئے۔ حسین ابن ذکرویہ کے تمام حالات اُسکی حیات تک تمام اور منقطع ہو گئے۔ مگر اُن کی تمنا اور آرزو ابھی تک تمام نہوئی۔ حسین کے بعد انھوں نے اُسکے باپ ذکرویہ کو اپنا سردار بنایا۔

گروہِ قرامطہ میں حقیقۃً جوش۔ استقلال اور ہمت ویسی ہی تھی جیسی کہ ابو سعید جبائی نے عمر ابن عباس کی زبانی معتمد کے پاس کہلا بھیجا تھا۔ اور وہ صرف اسی سے ظاہر ہے کہ باوجود اتنے مصائب و شدائد کے جو کہ ذکرویہ کو اپنی پیرانہ سالی اور شکستہ حالی کی موجودہ حالتوں میں اٹھانے پڑے۔ ایسے جوان اور مہیب الشان بیٹے کا داغ۔ خیر خواہ۔ وفادار اور دلیرِ روزگار اعوان و انصار کا قتل فوج ہمراہی کی شکست اور تباہی یہ سب ایسی آفتیں تھیں اور مصیبتیں جو ایک بار ہجوم کر کے اُس کے سر پر گر پڑی تھیں۔ مگر تاہم اُس نے اپنے استقلال اور پاداری کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بلکہ بخلاف اس کے نہایت مستعدی اور آمادگی سے اپنے فرقہ کی بگڑی ہوئی حالتوں کو درست کرنے۔ اُکی نموداری اور عزت قائم رکھنے اور اُن کی حالتوں کے سنبھالنے میں اپنی پوری کوشش صرف کردی۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حسین نے اپنی امارت کے زمانہ میں ممالکِ شام و ترکستان کی تسخیر میں اپنی جان قربان کر دی اُسی طرح ملکِ حجاز کے سر کرنے اور وہاں کی رعایا پر اپنا تسلط قائم رکھنے کی کوششوں میں ذکرویہ نے بھی اپنی حیات کا خاتمہ کر دیا۔ اپنی امارت کے روز اول سے وہ حجاز اور حجازیوں کے پیچھے پڑ گیا۔ اور ابتدا میں اُسنے معمولی رہزنی اور قزاقی کی صورت میں حجاج اور اُن کے قافلوں کا ستھراؤ کرنا شروع کیا۔ گروہ کے گروہ جو مختلف مقامات سے مراسم حج ادا کرنے کی نیت سے شہر مکہ معظمہ میں جاتے تھے۔ لوٹ لیے اور نہایت بے پروائی سے

بلا تامل اور بے مزاحمت اُن سب کو قتل کیا۔ اور اُن کے تمام ساز و سامان اور مال و متاع کو غارت کر کے تباہ و برباد کیا۔ جب ان کارروائیوں میں اُسکو برابر کامیابی ہوتی گئی اور اُسکو اپنے موجودہ مقاصد و مطالب میں پوری قوت ملتی گئی تو اُس نے اپنی موجودہ جمعیت کے ساتھ خانۂ کعبہ اور حرم محترم پر ایک بارگی چڑھائی کر دی۔ مکہ معظمہ زاد اللہ شرفا کا تسخیر کر لینا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ بلکہ سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل امر تھا۔ شہر مکہ مسلمانوں کی عبادت اور تمام روحانی عظمت کا مرکزی مقام ہے جس کو اسلام کا بچہ بچہ قدرتی طور پر بہت بڑی قدر و منزلت سے دیکھتا تھا۔ اور اسکی حفاظت کی خدمات کو فخر و مباہات سمجھتا تھا۔ اِن وجوہ سے ذکرویہ کو سلطنت کی مخالفت کے ساتھ ہی تمام اہل اسلام کی عام ناراضگی اور مزاحمت کا بھی پورا خیال لگا ہوا تھا۔ اِن امور کو ابتدا ہی سے ذکرویہ نے اپنے پیش نظر رکھا اور ان کی ضروریات کو اچھی طرح سمجھ بوجھکر اپنے ارادہ اور کوشش میں حد سے زیادہ سرگرمی اور مستعدی دکھائی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے موجودہ مطالب و مقاصد کے پورا کرنے میں رات دن ایسا مصروف و مشغول رہتا تھا کہ دو مہینے تک مطلق نہ سویا۔ رات دن میں کسی وقت آرام کرنے کے لیے اپنا سر اپنے تکیہ پر نہ رکھا۔ دو روٹیاں اور ایک کٹورے پانی کے علاوہ وہ بھی چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں ایک بار۔ اور کوئی دوسری غذا نہیں کی۔ رات دن وہ تھا اور تسخیر خانۂ مقدس اور حرم محترم کی فکریں۔ وہ تھا اور حجاز اور حجازیوں کی سرکوبی کی تدبیریں۔

الغرض ذکرویہ انہی کوششوں میں سراپا محو اور تہ تن مستغرق رہ کر اپنی رفتار کو تیز کرتا چلا گیا اور اپنے مقام سے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفا تک تمام منازل اور علاقجات پر اپنے تسلط اور تصرف بڑھاتا گیا۔ کسی قوم و قبیلہ کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اسکو روکے یا اُس کی تیز رفتاری کے عالم میں اُن کو آگے بڑھ کر دانستہ بیگ ٹوکے۔ ذکرویہ اپنی کمال آزادی اور خودمختاری کے جوش میں بڑھتا ہوا آگے چلا گیا اور اپنی پوری مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ اُس شہر مقدس میں داخل ہوا۔ اور اپنی دلیری اور وسعت کے ثبوت میں شہر کے وسط میں اپنے لشکر کے پڑاؤ ڈالدیے اور اُس کی اِس جرأت و ہمت نے تمام شہر والوں میں ہلچل ڈالدی اور ہر طبقہ اور ہر درجہ والوں کے دل دہلا دیے حجاج کے قافلوں کی سرگذشت اور اُن کے مصائب و شدائد کی تمام و کمال کیفیت اِن لوگوں کو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی اس لیے ان لوگوں کے دل پر اُس کی ہیبت اور سطوت کا دونا اثر پیدا ہوا۔ اور وہ اُس کی مدافعت اور مزاحمت میں پہلے ہی سے بالکل بیدل اور مضمحل ہو گئے۔ اور کچھ بھی نہ کر سکے۔ ذکرویہ نے اپنی سطوت اور صولت کے سکے شہر کی رعایا پر پورے طور سے جماکر شہر کی غارت اور حرم محترم کی عمارت کو خراب و مسمار کرنے کا حکم عام دیدیا۔ حکم کی دیر تھی۔ قرامطہ کی پُرجوش جماعت شہر میں گھس پڑی اور اپنی غارت و تباہی کے خوب خوب ہاتھ صاف کیے تجارت پیشہ اور معمولی لوگوں کو کوڑی کوڑی لوٹ لیا۔ شہر کی متعینہ فوج شاہی نے اگرچہ اُن کا مقابلہ کیا۔ اُن کی مدافعت میں پوری کوشش کی مگر کچھ مفید کارآمد ثابت نہ ہوئی۔ اور قرامطہ کے وسعت تصرفات بڑھتے ہی چلے گئے۔ اُن کی دست درازیوں کی آخرکار یہاں تک نوبت پہنچی کہ حجاج ابن یوسف ثقفی کے مظالم بھی فراموش ہو گئے۔ تمام شہر میں غدر مچ گیا بندگان خدا کا بلا امتیاز و بغیر استثنا خون مباح کیا گیا۔ جو جہاں پایا گیا۔ تلوار کے گھاٹ اُتارا گیا۔ حرم محترم اور مسجد الحرام کی عمارت بھی مسمار و خراب کر دی گئی۔ خاص کر وہ دیوار جسمیں حجر الاسود نصب تھا۔ الغرض ایک قیامت تھی جو چاروں طرف قائم تھی۔ ایک بلائے بے درماں تھی جو چاروں طرف سے محیط تھی۔

بہرحال۔ اِس قیامت اور اِس تہلکۂ عظیم کی خبر جس وقت دار الخلافت بغداد میں پہنچی تو مکتفی اس کے سنتے ہی پہلے سے بھی زیادہ تیاریوں کے ساتھ اُن کی سرکوبی کو

روانہ ہوا اور عین موقعہ پر پہنچتے ہی اُن کی مدافعت کی کوششوں میں مصروف ہوا۔ تمام شہر میں ناکہ بندی اور محاصرہ کا حکم دیدیا۔ سلطانی فوج جو اُسکے ہمراہ تھی شہرِ مقدس کے چاروں طرف پھیل گئی۔ اور آمد و رفت کے تمام راستوں پر اپنے پہرے بٹھلا دیے۔ طلایہ کے انتظام نہایت استحکام سے درست کر لیے۔ غرضکہ مکتفی کے اس انتظام نے قرامطہ کو شہر کے اندر ہی گھیر لیا۔ اور کسی طرف سے باہر نہ نکلنے دیا۔ قرامطہ مجبور ہو کر اپنی جان پر کھیل گئے اور دشمن کے مقابلہ میں اُنہوں نے اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر وہ بالکل مجبور تھے اور اپنی حفاظت اور جان بچا کر بھاگ جانے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے۔ مکتفی نے اسی حالت میں اُنکو کامل شکست پہنچائی اور دور دور تک تعاقب اکر کے جہاں تک اُس سے ہو سکا اُس نے قرامطہ کو قتل و گرفتار کرایا۔ اُسی ہنگامہ میں ذکرویہ بھی مارا گیا اور اُس کے تمام ہمراہی قتل و غارت کیے گئے۔ شاہی فوج نے تھوڑے روز میں شہرِ مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاً پر پھر اپنا تسلط اور قبضہ مستحکم کر لیا۔ گرد و نواح سے قرامطہ کو نکال دیا اور ان کے تمام انتظامات کو اُٹھا کر اپنے سابق بندوبست کر لیے۔ اور وہ بدامنی۔ بے چینی اور پریشانی جو عموماً ہر طبقہ اور ہر درجہ کی رعایا میں واقع ہو گئی تھی بالکل رفع ہو گئی۔

مرمتِ حرمِ محترم و نصبِ حجر الاسود

جب مکتفی کو ان تمام امور کی ترتیب سے فراغت ہو گئی تو اُس نے حرمِ محترم کی مرمت کا کام شروع کیا۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ ذکرویہ کے موجودہ مظالم و شدائد سے عمارتِ بیت اللہ کو اتنا ہی نقصان و گزند پہنچا تھا جتنا حجاج ابن یوسف کے سابق مفاسد سے۔ سقفِ مبارک سے لیکر دیواروں تک کو صدمہ پہنچا تھا۔ اور وہ جا بجا سے شق ہو ہو کر گر پڑی تھیں خصوصاً وہ دیوار پشت کی طرف سے بالکل زمین پر آ پڑی تھی جس میں حجر الاسود المقدس نصب تھا۔ دیوار کے گرنے سے وہ سنگِ مقدس بھی اندر کی طرف زمین پر گر پڑا تھا۔

چونکہ آیندہ ایامِ حج تک بیت اللہ مقدس کی مرمت نہایت ضروری تھی اس لیے اُس کی مرمت فوراً شروع کر دی گئی۔ اور تھوڑے عرصہ میں اُسکی مرمت کی تمام ضرورتیں پوری کر دی گئیں۔ چھت۔ دیواریں۔ ستون وغیرہ وغیرہ سابق بدستور درست اور مستحکم کر دیے گئے۔ اِن کے علاوہ صحنِ مقدس۔ زمزم اور حصارِ مطہر وغیرہ کے نقصان شدہ مقامات بھی از سرِ نو مرمت کر دیے گئے۔ الغرض جب اِن تمام امور سے فراغت ہو گئی تو اب حجر الاسود کے نصب کیے جانے کا وقت آیا ؏

جناب قائمِ آلِ محمد (علیہ السلام) اور نصبِ حجر الاسود

جن حضرات نے اہلِ عرب کے اخبار و آثار کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ حجر الاسود کے نصب کرنے کی رسم قدیم الایام سے عرب میں نہایت مہتم بالشان خیال کی جاتی تھی۔ اور جو شخص کہ اِس مقدس پتھر کو اُس کے مقامِ خاص پر نصب کرتا تھا وہ اُن لوگوں میں باعتبار شرافت و نجابت اور فضل و کمال کے افضل اور بہتر ہوتا تھا جب کبھی اس تقریب اور اس رسم کے ادا کرنے کا موقع آ جاتا تھا تو تمام اہلِ عرب عموماً اور مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفاً کے خواص و عوام خصوصاً جمع ہو کر اپنی تجویز سے اپنے لوگوں میں سے ایک ایسے شخص کو منتخب کرتے تھے جو اُن کے تمام اوصاف و محامد میں افضل ہوتا تھا جس دن اِس کے نصب کی رسم ادا کی جاتی تھی اُس دن تمام اہلِ عرب میں بڑی عید منائی جاتی تھی اور ہر قوم و قبیلہ کے لوگوں میں عام سرور اور مسرت کے مراسم پورے طور سے ادا کیے جاتے تھے۔ یہ تو وقوعِ اسلام سے قبل کے امور تھے جو حجر الاسود کے نصب کیے جانے کے متعلق تھے۔ اور جو عرب کے اخبار و آثار میں آج تک محفوظ پائے جاتے ہیں۔ ظہورِ اسلام کے وقت بھی اس کی یہی حالت قائم رہی اور شریعتِ اسلامی نے

اِس روز کسی عیدِ مخصوصہ کا دن تو قرار نہیں دیا اور اسکی نسبت خوشی کرنے۔ شادی مناھنے یا کسی خاص مراسم اور اعمال بجالانے کے لیے کوئی تاکیدی یا غیر تاکیدی حکم قولاً ہی نہیں مگر ہاں اس کے نصب کرنے کی خدمت کو بہت بڑی عظمت اور قدر و منزلت کا منصب تسلیم لیا۔ اور یہ منصب بھی انسانی اختیار و اقتدار سے نکل کر مشیتِ ایزدی اور احکام خداوندی سے تعلق رکھنے والا بتلایا گیا۔ اور ایسا ہی مشاہداتِ متواترہ سے ثابت ہوا۔ اور زمانۂ اسلام میں اُس خاصۂ خدا اور برگزیدۂ ربُّ العُلا کے سپرد ہوا جو منجانب اللہ اُس زمانہ کی حجت اور بندگانِ خدا میں خدا کی امانت اور ودیعت قرار پایا ہو۔ اور وہ بزرگوارِ مقدس یا تو نبی برحق ہوگا یا اُس کا وصیِ مطلق۔ سوائے اِن دونوں بزرگواروں کے دنیا میں کوئی دُوسرا شخص اِس مقدس خدمت کی بجاآوری کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا۔ اِس لیے یہ منصب بھی نبوّت اور امامت کی خدماتِ مخصوصہ میں داخل تھا۔ اور اُس کی شرائطِ مخصوصہ میں شامل۔ چونکہ فی الحال اکثر شرائطِ اسلامی سے غفلت اور بے پروائی تمام دنیا میں برتی جاتی تھی اور طمعِ دولت حصولِ ثروت اور زورِ حکومت کے جوش میں احکامِ شریعت کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاتا تھا اور نظامِ سیاست کی طرح اِن احکام کی ترمیم۔ تبدیل اور تنقیص بھی بالکلیۃ آسان اور معمولی امر سمجھی جاتی تھی اس لیے یہ مسئلہ بھی اس وقت بہت سے اہلِ اسلام کے نزدیک اعتبار کے لائق اور اعتماد و اعتقاد کے قابل نہیں تھا۔

بہرحال۔ اسی غلط قیاس کی بنا پر اور اسی بیجا تجویز کی رو سے جب اِس خاص منصب کے ادا کیے جانے کا وقت آیا تو مکتفی کی شاہی کونسل میں اِس کا مسئلہ پیش ہوا۔ مشرقی مذاہب کی طرح اُمرا پرستی تو اس وقت میں اسلام کا ایک جزو قرار پاچکی تھی۔ اس لیے تمام اہلِ اسلام نے فوراً خوشامد مکتفی کو اس منصب کے لیے تجویز کیا۔ اِس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے اور غور کرنے کے لائق ہے کہ اگرچہ یہ مسئلہ اہلِ اسلام میں اعتقاد و اعتماد کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ تاہم اُسکی ضرورت پیش ہونے کے وقت فضیلت اور ترجیح کو ضرور مدِ نظر رکھا جاتا تھا۔ اور کم سے کم اُسی شخص کو منتخب کرتے تھے جو عام بادی النظر میں اُن سب سے بہتر اور افضل ثابت ہوتا تھا جیسا کہ مکتفی کے موجودہ انتخاب میں اس کے بادشاہِ وقت اور حکمرانِ زماں ہونے کی خاص وجہوں سے ترجیح اور فضیلت کی دلیل اُس پر قائم کی گئی تھی ہمارے سمجھ لینے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جس امر کا ایک وقت انکار کیا گیا تھا اُسی کا دوسرے وقت میں۔ اگرچہ اصلی معنوں میں نہیں سہی تاہم دوسرے معنوں میں۔ اقرار کیا گیا۔ کیونکہ نبوّت ہو یا امامت۔ اِن دونوں منصبِ جلیلہ سے خاصکر ترجیح علی العموم ہی مراد ہے اور اخیر میں اس وقت آدمیوں کے انتخاب سے بھی وہی مراد ہے۔ فرق ہے تو یہی کہ وہ خدا کا انتخاب ہے۔ اور یہ آدمیوں کی پنچایت۔ اُس میں خطا و نسیان کی گنجایش نہیں اور اس میں تمام معائب اور نقائص کا قوی احتمال موجود ہے۔

بہرحال چونکہ مکتفی فرمانروائے عصر تھا اور بادشاہِ وقت اُمرا پرستی کے اصول سے قریب قریب تمام اہلِ اسلام کے نزدیک وصیِ رسول ص بھی تھا اور بندۂ مقبول بھی۔ اس وجہ سے وہی اس خدمت کے لیے تجویز کیا گیا۔ اور یہ قرار پایا کہ وہ ایک مبارک دن اور مبارک ساعت میں اپنی شاہی شان و شوکت کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے اِس مقدس خدمت کو تمام اہلِ اسلام کے مجمع میں انجام دے۔ چنانچہ یہ تجویز قرار پاکر اسلام کے بڑے بڑے علما و فضلا نے ایک تاریخِ سعید اُس کے لیے مقرر کی۔ جب وہ دن آیا اور وہ ساعت قریب پہنچی تو مکتفی اُس دن جو اُسکی تمام زندگی میں اُسکی مفاخرت اور مسرّت کا سب سے بڑا اور پہلا دن تھا اپنے پُورے تزک و احتشام اور انتظام و اہتمام سے اپنی قیامگاہ سے اِس مبارک خدمت کی انجام دہی کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں تک تو اُس کے ارادے اور اختیار کی بات تھی۔ مگر چاہیے کہ اُس کے موجودہ ارادے اور فعل سے نظامِ مشیت کے بنائے اور مقرر کیے ہوئے اصول میں جو خاصکر اِنھی مواقع کے لیے وضع کیے گئے تھے کوئی فرق ہوجاتا

کوئی کمی یا کوئی تغیر واقع ہوا نہیں کبھی نہیں۔ یہ کسی انسان کے امکان اور اختیار سے ممکن ہی نہیں تھا۔ کوئی حالت ہو کیسا ہی موقعہ اور ضرورت ہو۔ یہ مبارک خدمت اُسی برگزیدۂ الٰہی اور وصی حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس ہاتھوں سے تمام اور انجام ہونے والی تھی جو منجانب اللہ اس کے لیے مامور و منصوب ہو چکا تھا۔

چنانچہ ذیل کے واقعہ سے جسکو ہم ایک معتبر راوی کے خاص مشاہدے سے بہت جلد نقل کرتے ہیں۔ ثابت ہوتا ہے کہ ملکفی وہاں پہنچا تو ضرور مگر چونکہ اُس کا یہ ارادہ مشیت الٰہی کے خلاف تھا اس لیے صورت پذیر نہ ہوا۔ اور قبل اس کے کہ وہ اپنے ارادہ کو عملی صورت میں لائے اُس جمع غفیر اور مجمع کثیر میں سے ایک خاصۂ خدا اور برگزیدۂ درگاہِ رب العلاء یک بیک نمودار ہوا اور اُسی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر الاسود کو اُس کے اصلی مقام پر نصب کر دیا اور فوراً اُس مجمع سے علیحدہ ہو گیا۔ یہ برگزیدۂ خدا حجت العصر اور امام زمان سلام اللہ علیہ من رب المنان کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اور اس عہدۂ رفیعہ اور اس منصب عظیمہ کا انجام دینے والا سوائے جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے کوئی اور غیر شخص تعین نہیں کیا جا سکتا۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ۔

بہر حال جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ اس میں ایک نکتہ اور قابلِ لحاظ و غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اس امر خاص میں بھی جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ذات بابرکات کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پوری مماثلت اور مشابہت ثابت ہوتی ہے اور آپ کے عجیب واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجر الاسود کے ساتھ کامل اتحاد اور تشابہ حاصل ہے۔ جن لوگوں نے اسلام کے اخبار و آثار کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب علیہ السلام کے زمانۂ حیات میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمسن تھے۔ خانۂ کعبہ اور حرم محترم کی مرمت اور حجر الاسود کے از سر نو نصب کیے جانے کی ضرورت پیش ہوئی۔ کیونکہ ابرہہ کی غارتگری کی وجہ سے اُس وقت تک اس خانۂ مقدس کی عمارت خراب و برباد پڑی ہوئی تھی۔

بہر حال۔ جب عمائد و اکابر قریش جو اس وقت تک قریشی مشرک تھے اپنی باہمی رائے اور تجویز سے اسکی از سر نو تعمیر پر آمادہ اور مستعد ہو گئے تو تعمیر کا کام شروع ہوا۔ عمارت کے کام سے فارغ ہو کر نصب حجر الاسود کا وقت آیا تو پھر اسی ترجیح اور فضیلت کے قدیم اصول سے اُن میں سے ہر شخص اس شرف و اختصاص کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اور اس منصب کے عطا کیے جانے کے لیے ایک دوسرے سے مستدعی ہو ہونے لگا۔ دیر تک انتخاب کے مسئلہ پر صلاح و مشورے ہوتا رہا مگر کوئی تصفیہ کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ آخر کار صورت تصفیہ یوں قائم ہوئی اور آپس کے مشورے سے یہ طے پایا کہ صبح کو جو شخص سب سے پہلے حرم محترم کے دروازے سے داخلِ کعبۂ مقدس ہو وہی اس مبارک خدمت کو انجام دے۔ اس پر تمام قریش راضی ہو گئے سخت انتظار اور بے چینیوں میں تمام لوگوں نے وہ رات جوں توں کر کے کاٹی۔ صبح ہوتے ہی مدبران قدرت اور منتظمان مشیت نے اپنی حجت زمانہ۔ خاصۂ یزدان خلاصۂ دوران حبیب خدا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین قریش کی تمناؤں کے خلاف سب سے پہلے اُس خانۂ مقدس کے دروازے پر پہنچا دیا۔ اتنے میں تمام عمائد و اکابر قریش بھی بستر راحت سے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے اور موقعہ پر پہنچے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک کو دیکھتے ہی اُن کے رنگ فق ہو گئے۔ مگر تھے وہ وعدے کے سچے۔ زبان کے پکے۔ جو کہہ چکے تھے اُسکو کر گذرے اور اُسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے اس مقدس خدمت کو انجام کرایا۔ اور اس ترکیب سے مشیت ایزدی نے اپنے قدرت و

جبروت کا پورا اظہار کرا دیا۔ اور روزِ ازل سے جو نفسِ قدسی برکت اِس مقدس خدمت کے لیے مامور ہو چکا تھا اُسی کے ہاتھ سے اِن مراسم کو انجام و اتمام کرا دیا۔ ذٰلک اللہ یحکم ما یرید۔

ہمارے اِن دونوں واقعات کے مشاہدہ سے دونوں کی باہمی مماثلت اور مشابہت کا مسئلہ پورے طور سے تصدیق و توثیق کی حدود تک پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ ذیل کے واقعہ سے اِس مبارک خدمت کے متعلق اِس زمانہ میں موجودہ حجت العصر اور امام زمان سلام اللہ علیہ من رب المنان کی ذاتِ بابرکات سے جو خدمات اِس وقت عمل میں جلی تھیں اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

نصبِ حجر الاسود اور ابنِ ہشام کا چشم دید واقعہ

کتاب خرائج میں ابی قاسم جعفر ابن محمد ابن قولویہ کی زبانی منقول ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ جس سال غارتِ خانۂ کعبہ اور خرابی حجر الاسود کا واقعہ واقع ہوا اور پھر اُس کے بعد مرمتِ کعبہ اور نصبِ حجر الاسود کی ضرورت پیش آئی تو میرے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اُس وقت اور اُس موقعہ پر بذاتِ خاص خانۂ کعبہ میں حاضر رہ کر اس تقریبِ مبارک اور اس رسمِ مقدس کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور اِس ترکیب سے اُس خاصۂ درگاہِ ربانی اور برگزیدۂ بارگاہِ یزدانی کے جمالِ نورانی کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو روشن اور ٹھنڈا کروں۔ جو اپنے مبارک ہاتھوں سے اِس مقدس خدمت کو انجام کرے گا کہ از روئے عقائد وہی امام الزمانؑ ہے۔ اور وہی حجتِ دوران۔ سلام اللہ علیہ من رب المنانؑ جیسا کہ حجاج ابن یوسف کے وقت میں اِس مبارک خدمت کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے انجام فرمایا تھا اور آپکی موجودگی میں کوئی دوسرا اِس کے لائق نہ ٹھہرا تھا اور نہ کوئی دوسرا از خود اس کی بجا آوری پر جرأت کر سکا تھا۔ آدمی حدیث کا بیان ہے کہ اسی خیال سے میں نے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کا مصمم کیا اور اپنے وطن سے چلکر بغداد پہنچا۔ بدقسمتی سے یہاں پہنچکر علیل ہو گیا۔ اور علالت کی طوالت نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ مجھ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ آخر کار اسی مایوسی کی حالت میں مجھے خیال آیا کہ اگرچہ مجھ کو اِس مقصد کے پورا کرنے کی طاقت نہیں ہے تو کسی دوسرے کے ذریعہ سے اپنی اس تمنا کو پورا کر لینا چاہیے۔ مگر اس خیال کے ساتھ مجھے یہ خیال بھی فوراً پیدا ہوا کہ آخر اس شخص غیر کی صدق بیانی کی تصدیق کیسے ہوگی اس کی ترکیب میں نے یوں نکالی کہ اپنے ایک مقصد کو ایک عریضہ میں لکھکر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور یہ سوچا کہ اس شخص غیر کو یہ تحریر دیدی جائے اور یہ تاکید کر دی جائے کہ اسکو اُس بزرگ کی خدمت میں پیش کر کے جواب تحریری یا زبانی لائے جو حجر الاسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے دیوارِ کعبہ میں نصب فرمائے۔

بہرحال۔ اِن تمام امور کو ہر پہلو سے سوچ سمجھ کر میں نے ابنِ ہشام کو اپنی موجودہ رسالت اور نیابت کے لیے نہایت موزوں سمجھا اور اُسکو راحلہ اور زادِ راہ وغیرہ۔ غرض تمام ضروری ضروریاتِ سفر مہیا کر کے مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف روانہ کر دیا۔ اور رخصت کرتے وقت ایک خط اُسکو دیا اور کہدیا کہ اِس خط کو اُسی بزرگ کے ہاتھ میں دیکر جواب حاصل کرنا جو حجر الاسود کے نصب فرمانے کا منصب ادا فرمائے۔ میں نے اُسی عریضہ میں اپنی بیماری کے نتائج کی نسبت پوچھا تھا اور یہ دریافت کیا تھا کہ مرضِ موجودہ میں میری موت واقع ہوگی یا نہیں؟ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر بغداد سے روانہ ہوئے اور قافلۂ حجاج کے ہمراہ مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں بخیر و عافیت تمام داخل ہوئے۔ حسنِ اتفاق سے اُس صبح ہی کو نصبِ حجر الاسود کی مقدس رسم ادا کی جانے والی تھی۔ دُور دُور سے اہلِ اسلام کی بے شمار جماعت جوق جوق مکۂ معظمہ میں آ رہی تھی اور پہلے سے بھی آ چکی تھی۔ ہر شخص اپنے اشتیاق اور

تمنّائے زیارت کے غیر متحمل جوش میں سب سے پہلے حرم محترم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس زمانۂ مقدس میں مشتاقین اور زائرین کی کثرت اور جمعیت کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ ایک پر دوسرا گرا پڑتا تھا۔ تمام بے چینی اور اضطراب کا سخت عالم تھا۔ بیت الحرام کے مقدس خدام اور فوجِ سلطانی کے انسدادی حکام حفاظتِ جان کے بہت کچھ انتظام کر رہے تھے اور لوگوں کو اس ہجوم کثیر میں چوٹ کھانے زخمی ہونے اور پس جانے سے بچا رہے تھے۔ آخر کار یہ لوگ بھی اپنے موجودہ انتظاموں سے تھک کر عاجز آ گئے۔

ابنِ ہشام آیندہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ عالمِ رستخیز دیکھ کر علیحدہ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اور خدام کعبہ میں سے ایک صاحب کو اپنے پاس بلا کر اور ایک رقم معتد بہ دیکر اُن سے یہ استدعا کی کہ وہ اس رقم کے معاوضہ میں مجھ کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیں یا کم از کم وہاں کھڑا کر دیں جہاں سے میں بخوبی اُس بزرگوار کی زیارت کر سکوں جو حجر الاسود کو اپنے مقام پر نصب فرمائے۔ خادم نے میری درخواست کو بطیبِ خاطر قبول و منظور کر لیا اور فوراً مجھ کو حجر الاسود کے قریب لیجا کر کھڑا کر دیا۔ مگر مجھے خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ اس ہجوم کثیر اور جمِ غفیر میں میرے ایسے دوسرے مشتاقین اور زائرین پیدا ہو جائیں جو مجھ کو اس مقام سے اپنی قوت اور اپنا زور دکھلا کر ہٹا دیں تو میں اُنکا کیا کر سکوں گا؟ یہ سوچ کر میں نے آس پاس کے تمام خدام اور سرہنگانِ سلطانی کو اپنے پاس بلا کر جو وہاں پہرے کا انتظام کر رہے تھے۔ اُنکو بھی کچھ دیدیا اور راضی کر لیا۔ اِن تمام پیش بندیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خادم اول جہاں مجھے پہلے کھڑا کر گیا تھا اُس مقام سے از اول تا بآخر جب تک کہ تمام مراسم طے نہ ہو لیے کوئی شخص مجھ کو نہ ہٹا سکا۔ اس لیے میں نے کامل اطمینان اور پوری فراغت کے ساتھ اُس مقدس رسم کے تمام مراتب کو انجام دیتے ہوئے دیکھا۔

اسود اُٹھانے میں چاروں طرف سے بڑا شور و غل اُٹھا اور

اُس کثرت اور ہجوم میں ایک تازہ اضطراب و انتشار کا عالم پیدا ہوا کہ اُس کا بیان کرنا اِس وقت میرے امکان سے بالکل خارج ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مکتفی باللہ اپنے جاہ و حشم کے ساتھ اس متبرک مقام میں داخل ہوا۔ اور حجر الاسود کو اُسکے مرکزِ اصلی پر نصب کرنے لگا۔ مگر وہ اپنے مقام پر ذرا نہ ٹھیرا۔ اور فوراً زمین پر آ رہا۔ اُس نے پھر کوشش کی مگر کچھ مفید کار نہ ہوئی۔ پھر کوشش کی بیکار گئی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی کوششوں میں آخر عاجز آ گیا تو تھک کر اپنے ارادہ سے باز آیا۔ اُس نے پھر اپنی ذات کی مجبوری اور ناقابلیت ثابت کرنے کے بعد اپنے اعزّہ و اقارب سے اِسکے متعلق پوری کوشش کروائی مگر اِن لوگوں کا زور بھی کچھ مفید کار نہ ہوا اور وہ لوگ بھی اس سعادت سے محروم رہے۔ مکتفی جب اِن لوگوں کی طرف سے مایوس ہوا تو اپنے وزرا و اراکین سے اِس مبارک خدمت کو انجام کرانا چاہا۔ مگر اُن لوگوں کے لیے بھی ویسا ہی نتیجہ نکلا۔ جب اس جماعت کے لوگ بھی ناکامیاب رہے تو اُس نے مکۂ معظمہ کے علماء و فضلاء و عمائد و اکابر کو جو مہاجرین و انصار کی قدیم نسلوں کی یادگار بچے تھے۔ اِس امر خاص کی طرف دعوت کی۔ باری باری سے اِن طبقات کے لوگوں نے بھی اس مقدس پتھر کو اپنی مرکزِ اصلی پر قائم کرنا چاہا۔ مگر جب وہ زمین سے اُٹھا کر اپنے اصلی مقام پر رکھا گیا فوراً زمین پر آ رہا۔ اور کسی طرح دیوار کی سطح پر قائم نہ رہ سکا۔ آخر کار اس جماعت کے تمام لوگ بھی کوشش کرتے کرتے تھک گئے۔ اور اِس مبارک خدمت کے متعلق کچھ بھی نہ کر سکے تو سخت نادم اور پشیمان ہو کر اپنے مقام کو واپس گئے۔ اور اِن آثار و اسرارِ ربانی اور قدرت و اختیارِ یزدانی کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔

ابھی ان تمام لوگوں کی حیرانی اور پشیمانی کی یہی کیفیت تھی اور یہی عالم کہ اُس مجمع کثیر اور جمِ غفیر سے یکبارگی ایک جوانِ خوشرو۔ گندم گوں پیدا ہوا۔ اُس نے آ کر اس مقدس پتھر کو اُٹھایا اور فوراً اُس کے مقام اصلی پر رکھ دیا۔ اُس کے رکھتے ہی وہ پتھر اپنے مقام پر [illegible] تمام اور

مضبوطی سے قائم ہو گیا گویا کبھی اُس مقام سے علیحدہ ہوا ہی نہیں تھا۔ اور اُس نے کبھی اُس مقام سے گویا جنبش کی ہی نہیں تھی پھر کیا تھا۔ اِس قدرتی منظر کے دیکھتے ہی اُس قیامت کے ہجوم میں تحسین و آفرین کی بھی سر بفلک صدائیں بلند ہوئیں اور جیسا کچھ شور و غل بلند ہوا وہ ہرگز ایسا نہیں تھا کہ بیان کیا جائے۔ نہ دیکھنے والوں کے ہوش بجا تھے اور نہ سننے والوں کے حواس درست۔

وہ جوانِ رعنا اِس مبارک خدمت کو انجام دیکر فوراً اُس مقام سے روانہ ہو گیا۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ چونکہ میرا اولی مقصود اُس بزرگ کی زیارت سے تھا اور اسوقت تک جو شدائد و مصائب میں نے اتنے بڑے دور و دراز سفر کے عرصہ میں اُٹھائے تھے وہ سب اِسی حصولِ سعادت پر مبنی تھے اس لیے میں فوراً اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اور اُس جمِ غفیر میں گم ہو جانے یا سہوِ نظر واقع ہونے کے خیال سے میں اُس جوانِ رعنا کو ہر چہار طرف اپنی آنکھوں میں لیے رہا۔ اور برابر اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اور اُس ہجوم کثیر کو ہٹاتا اور چیرتا ہوا اُس کے پیچھے کسی نہ کسی طرح بہزار دقت و دشواری اِس عالم میں دروازۂ بیت الحرام تک پہنچا کہ میرے بدن کے تمام کپڑے پرزے پرزے ہو گئے تھے۔ اور میرے جسم کے چند مقامات زخمی بھی ہو گئے تھے مگر میں نے ان باتوں کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ اور اپنے شاہدِ مقصود کی طرف نگراں رہا۔ یہاں پہنچکر میں نے اُسکی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ دروازۂ مسجد الحرام سے کچھ دور نکل گیا ہے۔ یہ دیکھ کر میں فوراً اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اور میں نے ہر چند چاہا کہ اپنی رفتار کو بڑھا کر اُس سے ملجاؤں۔ اور اپنے منیب جعفر ابن محمد کا وہ رقعہ جو اُسی بزرگوار کو لکھا گیا ہے دیدوں۔ مگر میں نے دیکھا کہ باوجود اتنی تیز رفتاری کے میں کسی طرح اُن تک نہیں پہنچتا اِس مشاہدے سے میرے دل پر اُن کی عظمت اور جلالت کا نہایت سخت اور گہرا اثر پیدا ہوا۔

تاہم میں نے اُنکا تعاقب نہ چھوڑا۔ اور سایۂ قدم کی طرح پیچھے پیچھے چلا ہی گیا۔ یہاں تک کہ ہم اور آپ دونوں آبادی مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا سے باہر نکل گئے اور ایسے مقام پر پہنچے جہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی دوسرا شخص نہ رہا تو یکایک آپ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تم مجھے کیا دینا چاہتے ہو لاؤ۔ یہ سنتے ہی میں نے جعفر ابن محمد کا رقعہ نکال کر اُن کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ بغیر اس کے کہ اُسکو کھولیں اور اُس کے مضامین کو پڑھیں مجھ سے فرمانے لگے کہ کاتبِ رقعہ ہذا سے کہدینا کہ موجودہ علالت میں تمہارے لیے خوفِ ہلاکت نہیں ابھی تمہاری زندگی میں تیس برس اور باقی ہیں۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ اتنا سننا تھا کہ میں اپنے خلوص و عقیدت کے غیر متحمل جوش میں بے اختیار ہو کر رونے لگا اور کچھ ایسا بیتاب ہوا کہ مجھ میں حس و حرکت مطلق باقی نہیں رہی۔ آپ مجھ کو اُسی حالت میں چھوڑ کر نظروں سے غائب ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد میری حالت میں کچھ افاقہ ہوا تو میں نے آپ کو وہاں نہ پایا۔

بہرحال۔ ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ میں وہاں سے واپس ہو کر بغداد میں پہنچا اور جعفر ابنِ محمد سے ملکر سارا واقعہ بیان کر دیا۔ جعفر کے دل پر اِن واقعات کے سننے سے کچھ ایسا اثر پیدا ہوا کہ وہ میرے قلبی جذبات سے ہرگز کم نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ جعفر کو موجودہ مرض میں شفائے کلی حاصل ہو گئی۔ اور آپ کے ارشاد کے مطابق وہ تیس۳۰ برس تک زندہ رہے جب اُنتیس۲۹ برس تمام ہو گئے اور تیسواں سال آغاز ہوا تو اُنہوں نے عاقبت اندیشی اور مآل بینی کے لحاظ سے اپنے تمام مملوکات و مقبوضات کو اپنے ورثا اور عزیز و اقارب پر تقسیم کر دیا جن کو وہ اپنی وراثت کا جائز مستحق سمجھتے تھے۔ اِس انتظام کے بعد اُن کی طبیعت ایکبارگی پھر ناساز ہو گئی اور چونکہ وہ تیسواں سال تھا۔ اور وہی تھا جس میں اُن کے وفات کرنے کی خبر دی گئی تھی۔ اِس لیے وہ زیست سے بالکل مایوس ہو گئے۔ اور کہا جاتا ہے اِس کے اُن کے اعزا و اقارب اور تمام احباب [illegible]

اس غرض سے اُن کے پاس آتے تھے اُن سے مایوسانہ کلام
کو سن سن کر اُن کو سمجھاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم اس مرض
سے ضرور اچھے ہو جاؤ گے کیونکہ ضرور نہیں ہے کہ انسان کو
جو مرض لاحق ہو وہ خواہ مخواہ اُسے اپنا مرض الموت ہی یقین
کرلے۔ ان لوگوں کے جواب میں وہ یہی کہتے تھے کہ مجھ کو
کامل طور سے خبر دیگئی ہے کہ اس سال میں ضرور مر جاؤں گا
میرے عقیدے میں کبھی اس کے خلاف نہیں ہوگا۔
الغرض وہ اپنے اسی رسوخ فی الایمان اور خلوص فی العقیدۃ
کی کامل حالتوں میں اپنے موجودہ مرض کے ظاہری سبب
سے انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

(بحار الانوار جلد سیزدہم ص ۱۹۷ مطبوعہ ایران)

اس واقعہ سے جو ایک معتمد راوی کا معتبر مشاہدہ ہے
اور تصرفاتِ یزدانی اور اختیاراتِ ربانی کا کامل ذخیرہ۔
ہمارے ناظرین کتاب کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ انسان کی دی
ہوئی عزت اور خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی
عظمت و جلالت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ مکتفی نے
اس خدمتِ مخصوصہ کے انجام دینے کے لیے بذاتِ خاص
اور نیز اس کے تمام اعیان و ارکان نے کیسی کیسی کوششیں
کیں اور کیا کیا انتظام نہ کیے۔ سلطنت کے تمام زور لگائے
حکومت کی پوری شان دکھلائی۔ غرض کیا کچھ نہ کر ڈالا۔
مگر معاملہ جو ہمیشہ سے اس منصب عظیمہ کے متعلق ہوتا آیا
تھا۔ نہ زورِ زر کام آیا تھا نہ حکومت کا اثر۔ نہ قوت و اختیار
سے کچھ پیش چل سکتی ہے اور نہ ثروت و اقتدار سے کچھ
بن سکتا ہے۔ مکتفی ایک بار نہیں۔ چند بار۔ اس مقدس
خدمت کو اپنے ہاتھوں سے انجام دینے کی کوشش کرتا
رہا مگر چونکہ وہ منظورِ مشیت نہ تھی ہر بار رد ہو گئی۔ اور
ایک بار بھی برقرار اور قائم نہ رہ سکی۔ اس کے ساتھ اُس کے
تمام اعزا و اقارب اور اُن کی کوششیں بھی بیکار اور غیر مفید
ثابت ہوئیں۔ انسانی کوششوں کے بیکار اور غیر اثر ثابت
ہونے کے بعد اس مقدس خدمت اور مبارک عہدے کو
اگر پھر سر انجام دیا تو اُسی نفسِ قدسی کی برکت نے جو منجانب اللہ
اس خدمت کے لیے مامور ہو چکا تھا۔ اور آخر کار یہ شرف
یہ سعادت اور یہ فضیلت بھی پھر اُسی خاندان والا کے سرمایہ
ناز اور اُسی دودمانِ اعلیٰ کے باعثِ اعزاز یادگار کی خوش
قسمتی کا حصہ ٹھہری جو زمانہ موجودہ میں نسل ابراہیمی اور
سلسلۂ اسمٰعیلی سلام اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہما کا چشم و چراغ
ہونے کی خاص وجہوں سے بیت اللہ اعظم کا وارث تھا
جن لوگوں کے دیدۂ بصیرت وا اور چشمِ حقیقت کشادہ ہیں
وہ اس واقعہ کو غور سے پڑھ کر دیکھ لیں کہ اسی قدرتِ کاملہ
کے مشاہدہ سے مشیت کا کیا مدعا تھا اور اپنی اس حجت
زمانہ کو جسے وہ اتنی احتیاط اور اہتمام سے آج تک نگاہِ
خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھے تھی اس وقت عالم مشاہدہ
میں لانے سے اور اُس کی تعمیل فرائض کے دکھلانے سے
نظام مشیت کی کیا مراد تھی۔ ایک ذرا سے غور و تامل کے
بعد اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ چونکہ ابتدا سے لیکر اس وقت
تک آپ کے نظام امامت کے تمام امور بالکل باطنی طریقہ
پر چلائے جاتے تھے اور اس حزم و احتیاط کے ساتھ کہ
کسی کو اس کی مطلق خبر نہیں ہونے پاتی تھی۔ اس لیے آپکے
وجود کا مسئلہ بہت سے لوگوں کے نزدیک ابھی تک مشتبہ
تھا۔ ایک تو اس مشاہدہ سے عمدۃً اُن کی ان غلط فہمیوں
کی اصلاح ضروری تھی۔ دوسرے اُسی غلط اصول مساوات
اور قدیم قیاسات کی رد بھی لازم تھی جو سلاطینِ عباسیہ
اور اس سلسلۂ عالیہ کے فیما بین ہمیشہ سے متنازع فیہ چلی
آتی تھی۔ اور کچھ عباسیوں ہی پر موقوف نہیں۔ ان غلط
قیاسات کا آغاز سلاطینِ امویہ ہی کے وقت سے ظاہر
ہوا۔ چونکہ ہم اوپر اکثر مقامات پر اس غلط اصول کی تنقید
و تذکرہ کر چکے ہیں اس لیے اس کے بار دیگر اعادے کی
کوئی ضرورت نہیں۔

بہر حال۔ اس واقعہ کو پوری تفصیل اور تشریح کے
ساتھ لکھ کر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آ جاتے ہیں
جہاں تک دیکھا جاتا ہے مکتفی باللہ کے شش سالہ ایام
حکومت میں سوائے اس واقعہ کے کوئی دوسرا واقعہ

ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے جس کو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات سے کسی قسم کا تعلق ہونا ثابت ہوتا ہو۔ اس واقعہ کے بعد مکتفی کے باقی ایامِ حکومت سکوت اور خاموشی کے عالم میں صرف ہوئے اور جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے متعلق اُس نے یقین کر لیا کہ اُس کی مخالفانہ تحریک کارگر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُسکو تجربہ ہو چکا تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ معتمد کے وقت سے لیکر معتضد کے وقت تک برابر آپ کے تجسس و تلاش اور قتل و ہلاکت کے متعلق کوشش ہوتی رہی۔ طرح طرح کی تدبیریں۔ انواع و اقسام کی ترکیبیں عمل میں لائی گئیں۔ مگر اُن میں سے ایک بھی مفید کار ثابت نہ ہوئی۔ اور اِن تمام امور سے جو کچھ مقصود تھا اُس کے بالکل برخلاف اور برعکس ظہور میں آیا۔ چونکہ یہ تمام معاملات مکتفی کے آنکھوں کے سامنے پیش آ چکے تھے تو پھر وہ ایسا کیا تھا کہ پھر اِن امور میں اپنی طرف سے مداخلت کرنے کی جرأت کرتا۔ لہٰذا اُس نے اِن امور میں سکوت و خاموشی ہی کو مناسب سمجھا اور بالکل چُپ رہا۔

بہرحال۔ اس واقعہ کے بعد مکتفی ۱۲۔ ذیقعدہ ۲۹۵ھ ہجری میں مر گیا۔ اور تختِ خلافت مقتدر کے لیے جو معتضد باللہ کا بیٹا تھا خالی کر گیا۔ تاریخ مسعودی میں مکتفی کی عمر تینتیس ۳۳ برس چھ مہینے کی مسطور ہے۔ اور مدتِ سلطنت چھ ۶ برس چھ مہینے اور سولہ ۱۶ روز کی بتلائی جاتی ہے۔

مقتدر باللہ کی بارِ اوّل سلطنت

مقتدر تختِ سلطنت پر بٹھلایا گیا۔ اس غریب کو صبح سے ابھی شام بھی نہیں ہوئی تھی کہ مسندِ خلافت سے اُتر ا۔ سلطنت کے موجودہ مدبرین اور منتظمین نے جو اُس زمانہ کے خلیفہ گر مشہور تھے اور جو اُس کے پیچھے پڑ گئے آخرکار اُس سے رنجیدہ ہو کر بیچارے کو کھلونے کی طرح تخت سے اُتار کر جس طاق سے اُٹھا لائے تھے۔ پھر اُسی طاق میں بٹھلا دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مقتدر کو تختِ خلافت پر بیٹھے کچھ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ سلطنت کے دو وزیروں میں آپس میں اَن بن ہو گئی۔ حسن بن حمدان نے حسن ابن عباس کو مار ڈالا جو مقتدر کے مزاج پر پورے طور سے حاوی تھا۔ اس کا یہ سلوک اُس کے بھتیجوں سے دیکھا نہ گیا اور اُس کے قتل کا آخرکار باعث ہوا۔

حسن اپنے ہمنام حسن کو مار کر بھی نچلا نہ بیٹھا۔ اُس نے سوچا کہ مقتدر اپنے ایسے عزیز امیر اور وزیر کے انتقام میں مجھ کو بھی خراب و برباد کروا دیگا۔ اس خیال سے اُس نے تمام امرائے حکومت کو اپنی طرف ملا لیا اور سب نے مل کر مقتدر کے خلعِ خلافت پر اتفاق کر لیا جب آپس میں اِس امر پر اتفاق ہو چکا تو مقتدر کے پاس کہلا بھیجا گیا کہ تم قصرِ سلطانی کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں اُٹھ جاؤ۔ تم امارت سے معزول کیے گئے اور تمہاری جگہ عبداللہ ابن معتز خلیفہ تسلیم کیا گیا۔

المرتضٰے باللہ کی چندروزہ حکومت

مقتدر امرائے سلطنت کا یہ حکم پا کر جو اوپر لکھا گیا ہے فوراً مسندِ امارت سے علیحدہ ہو گیا اور اُس کی جگہ عبداللہ ابن معتز المرتضٰے باللہ کا لقب لیکر تخت نشین سلطنت ہوا۔ مگر جب مقتدر کے معزول اور المرتضٰے کے مامور ہونے کا حال مقتدر کے غلام مونس نامی کو معلوم ہوا تو وہ مخالفین سے مزاحم ہوا۔ اور اپنے اعوان و انصار کو اپنے ہمراہ لیکر اپنے مخالف کے ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ پر تیار ہو گیا۔ آخرکار فریقین سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ المرتضٰے باللہ اور اُسکے طرفداروں نے پوری شکست کھائی اور کامل ہزیمت اُٹھائی المرتضٰے اور اُس کے تمام ہی خواہ ابی الجصاص نامی ایک امیر کے گھر میں روپوش ہوئے۔ لیکن مونس نے بہت جلد اِن سب کا پتہ لگا لیا۔ تمام شہر بغداد میں عام طور سے لوٹ مچا دی۔ ہزاروں گھر لوٹ لیے۔ بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ پھر مرتضٰے کے ہمراہیوں کو بھی ابی الجصاص کے

گھر میں قتل کر دیا۔ المرتضٰے چلا تھا مگر پھر پکڑا گیا۔ اسکو پکڑ کر مقتدر کے پاس لیگئے۔ اور وہ اُس کے سامنے جاتے ہی مر گیا۔ اُس کی یکایک موت کیسے واقع ہوئی۔ ان واقعات پر بالکل پردہ پڑا ہے۔ صاحب روضۃ الصفا اسکے مرنے کے بعد کا صرف اتنا حال لکھتے ہیں کہ المرتضٰے کے مرجانے کے بعد اُس کی لاش کو ایک چادر میں باندھکر اُس کے اہل وعیال کے پاس بھیجدیا۔

مقتدر کی دوبارہ حکومت

ہمارے موجودہ بیان کو اوپر پڑھ کر ہمارے ناظرینِ کتاب کو خلافتِ عباسیہ کے بھی اس وقت وہی رنگ معلوم ہوگئے جو وہ عالمگیر کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں محمد شاہ رنگیلے کے وقت سے لیکر دہلی کے خاتم السلاطین بہادر شاہ کے وقت تک پاتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ بغداد کی خلافت اس وقت دہلی کی سلطنت کا پورا مزہ دے رہی تھی۔ بہر حال مونس کی کوشش سے غریب مقتدر کے پھر دن پھر گئے۔ اور وہ تختِ خلافت پر پھر متمکن ہوا۔ ٹھوکر کھا کر امید تھی کہ مقتدر سنبھل جائیگا اور اتنے مصائب اور شدائد اٹھا کر یقین تھا کہ اس کی آنکھ خوابِ غفلت سے کھل جائیگی۔ مگر یہ خیال ہی خیال تھا۔ وہ ویسے کا ویسا ہی رہا۔ سلطنت کے تمام کاروبار اپنے وزیر ابن ابی الفرات پر چھوڑ دیے اور خود عیش وعشرت اور معشوقانِ پری صورت کی صحبت میں مشغول ہوگیا۔ رات دن دادِ عشرت دینے لگا۔ مہماتِ ملکی سے فارغ البال ہوکر آرام و اطمینان سے اپنی شاہی حکمرانی کے مزے لینے لگا۔

خیریت اتنی تھی کہ ابن ابی الفرات اپنے وقت کا بہت بڑا مدبر اور ہوشیار تھا۔ وہ اس وقت مقتدر کے بہت کام آیا۔ اور اسکی مدہوشی اور بے خبری کے عالم میں بھی سلطنت کے تمام کل پرزے اپنے ہاتھوں میں لیے رہا۔ اور نظامِ ملکی کے شیرازے کو کسی طرح درہم و برہم نہ ہونے دیا اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے زمانہ خدمات کے اعتبار سے اپنے زمانہ کا بہت بڑا دانشمند اور تجربہ کار مدبر ثابت ہوا ہے۔ اسکی قابلیت۔ جامعیت اور صلاحیتِ طبعی نے خلافتِ بغداد میں وزارت ہی کا کام نہیں کیا بلکہ امارت کا بھی

منصور حلّاج کے حالات اور اُس کا قتل

مقتدر کے وقت میں دو بڑے واقعات پیش آئے۔ ایک تو ملکِ مصر میں اسماعیلیوں کا تسلط۔ دوسرا الحسین ابن منصور حلاج۔ رئیس اور موجد فرقۂ حلاجیہ کا قتل۔ سادات اسماعیلیہ کا ملکِ مصر پر تسلط کر لینے کے متعلق تو اتنا معلوم ہوچکا ہے کہ یہ لوگ متوکل کے وقت سے اپنی عملی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ اور ملکِ عراق سے دور ہٹ کر فارس کے علاقہ طبرستان میں سلطنت کے خلاف اپنی قسمت آزمائیاں کر رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حدودِ فارس میں ان کو ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اور شاہی لشکر نے ان کے جمے ہوئے رنگ کو اس علاقہ سے بالکل اکھاڑ پھینکا اگرچہ یہ لوگ بالکل کمزور ہوگئے تھے۔ اور بار دیگر کوششوں کی ان میں کوئی حلاوت باقی نہیں تھی مگر پھر بھی ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ ان لوگوں نے اپنی ہمت کو نہ ہارا۔ اور اپنے حوصلوں کو کسی طرح پست نہ ہونے دیا۔ حدودِ فارس سے چلکر دیارِ مغرب کی طرف نکل گئے۔ اور وہاں تھوڑے دنوں تک مقیم رہکر اپنی حالت کی درستی۔ ترتیب اور ترمیم کے سامان درست کرتے رہے جب کسی قدر ان لوگوں کی حالتوں میں درستی اور قوت آگئی تو ان لوگوں نے دیارِ مغرب سے اُٹھ کر سیدھا ملکِ مصر کا راستہ لیا۔

جن لوگوں نے مختلف ممالک کی تاریخوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کسی فرمانروا کی غفلت۔ عیش پسندی اور آرام طلبی کچھ اُسی کی ذات تک محدود نہیں رہتی ہے بلکہ اس کا اثر رفتہ رفتہ تمام ملک پر چھاتا ہے۔ اور الناس علیٰ دینِ ملوکہم کے مطابق اُس کے زیرِ اختیار اور ماتحت رعایا

بھی اُسی کے رنگ میں رنگ جاتی ہے اور ع تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری - کا پورا مصداق ہو جاتی ہے مصر کا عباسی گورنر بھی اسی بلا میں مبتلا تھا اور حد درجہ کا غافل اور عیش پسند - وہ سادات کی بڑھتی ہوئی رفتار کو کسی طرح روک نہ سکا - سادات نے بھی ایک بار اور ایک مقام پر اُس سے مقابلہ اور مقاتلہ نہیں کیا - بلکہ اُن میں جیسی جیسی قوت آتی گئی اور جہاں جہاں وہ مقابلہ کا مقام مناسب پاتے گئے حریف سے مقابلہ کرتے گئے - جب اُنکی جمعیت بھی درست ہو گئی - اور ان میں قوت بھی آ گئی تو ان لوگوں نے معاملاتِ ملکی میں بھی اپنی طرف سے مداخلت شروع کر دی - بات بننے والی تھی - بن گئی - اور ایک عرصہ کے بعد پھر اُن کے دن پھرنے والے تھے پھر گئے - اِن کے جملہ امور میں درستی اور ترتیب آ گئی - اور ان کی تمام تدبیریں نظامِ تقدیر کے مطابق واقع ہوتی گئیں - اور یہ لوگ پہلے اسیطرح چھوٹے چھوٹے مقامات پر قبضہ کرتے کرتے ملکِ مصر کے بڑے بڑے مقامات پر بھی قابض ہو گئے - اور پھر رفتہ رفتہ ایک دن پورے مصر اور اُس کے توابع اور مضافات کے حکمراں اور فرمانروا ہو گئے - مقتدر نام کا مقتدر بنا بیٹھا رہا - وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا مگر کچھ نہ کر سکا -

بہرحال یہ تو فرقۂ اسمٰعیلیہ کے حالات تھے - اب فرقۂ حلاجیہ اور اُس کے رئیس حسین ابنِ منصورِ حلاج کی سرگذشت یہ ہے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اِس زمانہ میں علمِ اشراق اور تصوف کو جیسا کچھ عروج حاصل ہوا تھا وہ سب کو معلوم ہے - فی الحال اِس فرقہ نے بھی ملکِ عراق میں بہت کچھ قوت پکڑی تھی اور رفتہ رفتہ ان کے معتقدین نے بھی اپنی معتد بہ جماعت تیار کر لی تھی - اِس فرقہ کا موجد یا شیخ الطائفہ حسین ابنِ منصور حلاج تھا - حسین نے ایک مدت تک سہل ابنِ عبداللہ تستری - ابو القاسم جنیدِ بغدادی اور ابو الحسین نوری جو فرقۂ اشراقیین اور تصوف کے اُس وقت مقتدا اور پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے اِن سبکی

خدمات میں حاضر رہ کر کسبِ علوم اور تحصیلِ فیوض کیا تھا اور اُن لوگوں کی صحبت سے مستفیض ہو کر اپنے فضل و کمال اور کشف و کرامات کے بڑے بڑے دعوے کیا کرتا تھا - غرضکہ حلاج کی شہرت اور عظمت کا ابھی یہی حالِ تھا کہ مقتدر نے کسی امر میں ناراض ہو کر اپنے وزیر ابن ابی الفرات کو وزارت سے معزول کر کے اسکی جگہہ حامد ابنِ عباس کو وزیر مقرر کیا - یہ شخص شریعت کا بڑا حامی تھا - اور تدبیر و سیاست کے اوصاف سے موصوف ہونے کے ساتھ ہی جنگجوئی اور درشت خوئی کے لیے بدنام بھی تھا - فرقۂ حلاجیہ کی حقیقت جب اسکے گوشگذار کی گئی تو وہ آگ ہو گیا - منصورِ حلاج کی نسبت جب اُس سے کہا گیا کہ وہ امامت و ولایت کا دعوےٰ کرتا ہے اقوامِ جنات اُسکے مطیع بتلائی جاتی ہیں - اور عالمِ روحانیت میں اُسکے پورے تصرف تسلیم کیے جاتے ہیں تو وہ اور بھی برہم ہوا اور اپنے آپے میں نہ رہا اور اسی وقت سے وہ حلاجیوں کے پیچھے پڑ گیا اور اُن کی گرفتاری اور ہلاکت کی فکر کرنے لگا حلاجیوں کو اسکی خبر لگ گئی اور وہ روپوش ہو کر اپنے اُمور میں حد درجہ کی احتیاط کرنے لگے بڑی تلاش اور بڑے تجسس کے بعد ان میں چند لوگ پکڑ گئے - جب ان لوگوں سے حقیقتِ حال پوچھی گئی اور سخت تشدد کیا گیا - تو ان لوگوں نے مرتا کیا نہ کرتا کے اصول پر صاف لفظوں میں کہدیا کہ ہم لوگ حسین ابنِ منصور حلاج کے معتقدین سے ہیں - ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہے - مُردوں کو زندہ کرتا ہے (نعوذ باللہ) اور ہم لوگ اُس کی طرف سے مخفی طور پر اُس کے طریقہ کی دعوت کرنے پر مامور ہیں - یہ سُنکر حامد نے حلاج کی گرفتاری کا حکم دیا - وہ پکڑا آیا - اُس سے اُس کے متبعین اور مقلدین کے عقائد دریافت کیے گئے تو اُس نے کہا کہ خدا کی پناہ ! میں ہرگز اپنی الوہیت کا دعوےٰ نہیں کرتا - میں تو ایک ایسا آدمی ہوں جو ہمیشہ روزہ رکھا کرتا ہے اور راتوں کو نمازیں پڑھتا رہتا ہے اور سوائے اعمالِ نیک کے بری چیزوں کی طرف کبھی نگاہ نہیں کرتا -

حامد نے بیان لیکر اُن کو نظربند رکھا اور اُس کی نسبت علماء سے فتوائے طلب کیا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ تا وقتیکہ اِن سے وہ امور سرزد نہوں جن سے شریعت میں قتل واجب ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ اس کے قتل کا فتوائے نہیں دے سکتے۔ جب اِن امور کی خبر حامد کے ذریعہ مقتدر تک پہنچی تو اُس نے علی ابنِ عیسٰے کو جو اُس وقت کے مشہور ترین علماء میں تھا حلّاج کے ساتھ مناظرہ کرنے کا حکم دیا۔ حسب الحکم سلطان علی ابنِ عیسٰے نے حلّاج کو نصر نامی حاجبِ سلطانی کے گھر سے جہاں وہ نظربند رکھا گیا تھا اپنی صحبت میں بُلایا۔ جب وہ آیا تو اُسکو بہت کلماتِ سخت سنائے۔ منصور حلّاج نے کہا کہ اگر تم ایک حرف بھی زیادہ اِس سے میرے حق میں کہوگے تو میں ابھی زمین کو حکم دونگا اور وہ تمھیں کھڑا نگلجاویگی۔ اتنا سُننا تھا کہ علی ابنِ عیسٰے کی روح فنا ہوگئی اور وہ فوراً اُس کے مناظرے کے خیال سے دست بردار ہوگیا۔ اور خود حلّاج سے اُلٹا معافی مانگنے لگا۔

اِس واقعہ نے منصور حلّاج کے امور کو بہت بڑی قوت پہنچائی۔ حامد نے حلّاج کو مقتدر کی خدمتِ خاص میں نظربند رکھے جانے کا حکم دیا۔ اور خلیفہ مقتدر نے اُس کو خاص طور پر زیرِ حراست رکھا۔ اسی اثناء میں ایک عورت پکڑی آئی اور بیان کیا گیا کہ ایک مدت تک یہ عورت حلّاج کی خدمت میں رہ چکی ہے اور اُس کے تمام طور و اطوار اور افعال و کردار سے بخوبی واقف ہے۔ یہ عورت بہت بڑی خوش لہجہ اور خوش بیان مشہور تھی۔ حامد نے اُس سے حلّاج کے متعلق پوچھا تو اُس نے نہایت خوش تقریری سے جواب دیا کہ حسین ابنِ منصور حلّاج نے اپنی خاص توجہ اور عنایت سے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے بڑے بیٹے سلیمان ابنِ حسین کو جو میرے تمام بیٹوں میں لائق تر ہے اور مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے عقد تیرے ساتھ کردونگا۔ اور امید ہے کہ تیرے اور اُس کے درمیان جیسا معاملاتِ زن و شو کا اصلی مقتضےٰ ہونا چاہیے کبھی کوئی اختلاف اور نزاع واقع نہ ہوگا اور اگر کوئی اختلاف کسی اتفاقی باعث سے واقع بھی ہو جائے تو تم دن بھر روزہ رکھکر جب رات آئے تو کوٹھے پر چلی جانا زمین پر بیٹھنا۔ نمک سے روزہ کھولنا۔ اور جو کچھ کہ سلیمان کی طرف سے تم پر گزرا ہو اُسکو اپنے دل میں خیال کرنا۔ میں اِن تمام امور کا دانا و بینا ہوں ہر چیز کا حاضر و ناظر اسی کے ایسا اس عورت نے ایک دوسرا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک دن منصور حلّاج کی لڑکی نے مجھ سے کہا کہ تو میرے باپ کو سجدہ کر۔ میں نے جواب دیا کہ سجدہ تو سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ اتفاق سے حلّاج ہماری اِن باتوں کو سُن رہا تھا فوراً میرے پاس چلا آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ ہے تو ایسا ہی جیسا تو بیان کرتی ہے مگر بات یہ ہے کہ ایک خدا آسمان پر ہے اور ایک خدا زمین پر ہے[ع]

پھر اس کے بعد اُسی عورت نے ایک تیسرا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک دن منصور حلّاج نے مجھے بُلایا۔ وہ اُس وقت ایک چٹائی بچھائے زمین پر بیٹھا تھا۔ جب میں اُس کے قریب پہنچی تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تمکو جتنے روپیہ کی ضرورت ہوا کرے۔ میرے اِس بوریے کے نیچے سے نکال لیا کرو چنانچہ میں نے اُس کا بوریا اُٹھایا تو اُس کے نیچے روپیوں کا اتنا ڈھیر دیکھا جتنا میں نے آج تک کبھی نہ دیکھا تھا۔

الغرض اُس عورت نے اِسکے ایسے بہت سے واقعات حلّاج کی نسبت بیان کیے مگر اِن امور پر بھی کسی نے اُسکے قتل کا فتوائے نہ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد چونکہ اُس کا قتل حامد کے دل سے لگا تھا حلّاج کے خاص ہاتھ کی لکھی ہوئی چند سطریں ایک کاغذ پر علماء کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ جن میں یہ مضامین درج تھے کہ "اگر کسی شخص کو حج کرنے کی ضرورت ہو اور وہ بیت اللہ معظم تک جانیکا مستطیع نہو

ع یہ آیۂ قرآنی ہے آیہ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ کی غلط تاویل ہے۔ بجنسہ ایسا ہی ایک منافق نے تعریضاً اس آیہ کے معنی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ جو خدا آسمان پر ہے وہی زمین پر۔ اللّٰھم صلِّ علٰی محمد و آلِ محمد۔

نہ ہو تو وہ اپنے مکان میں ایک مربع مقام علیحدہ تیار
کرے اور اُسکو تمام نجاسات وغیرہ سے پاک و صاف
رکھے اور اُس میں کسی کو آنے جانے کی اجازت نہ
دے۔ جب حج کے ایام آئیں تو اُس مقام مربع کا
طواف کرلے اور جس طرح حرم محترم کی زیارت کے آداب اور
دیگر مناسکات وغیرہ بجالاتا ہے اُسی طرح اُس مقام
پر بھی وہ تمام امور بجالائے۔ اس کے بعد یتیم بچوں کو
رات کے وقت اُس مکان کے اندر لیجائے اور سب
سے اچھی اور خوشگوار غذا ہو اُن کو کھلائے اور اُنکے
ہاتھوں کو چومے اور پھر اُن میں سے ہر ایک یتیم کو
اچھی اور نفیس پوشاک پہنائے اور سات سات یا
تین تین درہم اُن میں سے ہر ایک کو دے تو اس عمل کی
ترکیب سے وہ واجباتِ حج سے فارغ البال اور سبکدوش
ہو جائے گا۔

علماء کی جس صحبت میں یہ تحریر پیش ہوئی اُسمیں ابو عمرو
بھی تھے جو دار الخلافہ کے قاضی القضاۃ اور تمام بلادِ
اسلامیہ کے مفتی تھے۔ قاضی صاحب نے یہ احکام
دیکھ کر حلاج سے پوچھا کہ یہ تم نے کہاں سے لکھا ہے؟
اُس نے جواب دیا کہ حسن بصری کی کتاب اخلاص سے
اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حلاج نے حسن بصریؒ
کی کتاب اخلاص کی جگہ ابو عمرو اور عثمان مکی کی تالیفات
کا حوالہ دیا۔ یہ سنکر قاضی صاحب نے کہا کہ اے گشتنی! ہم
لوگوں نے خود ان کتابوں کو پڑھا ہے اور دیکھا ہے اُنمیں
تو یہ مضامین کہیں مندرج نہیں ہیں جیسا کہ تم نے لکھا ہے
یہ سنتے ہی حامد نے سبقت کر کے قاضی ابو بکر کو مخاطب کیا
اور کہا کہ جب آپ اپنی زبان سے اِسکو گشتنی کا خطاب دے
رہے ہیں تو پھر گیا آپ کی طرف سے اس کے گشتنی اور واجب
القتل ہونے کا اقرار ہو گیا۔ اب اِس کے قتل کا فتوے
جاری کر دیا جائے۔ قاضی صاحب نے ہر چند اس امر میں
پس و پیش کی اور مختلف قسم کی تاویلات سے اپنے حکم کو
نا قابلِ تعمیل ثابت کرنا چاہا۔ مگر حامد نے ایک نہ سنی۔ قاضی
صاحب بھی تھے جہاندیدہ اور سارے زمانہ کے سرد و گرم
چشیدہ۔ سمجھے کہ وزیر سلطنت اور دستورِ معظم سے بگاڑ اچھا
نہیں۔ آخر کار فتوے دینے پر مجبور ہو گئے۔ حامد تو تیار
ہی تھا۔ اُس نے فوراً منصور حلاج کے قتل کا فتوے
اُن کے مہر و دستخط سے مرتب اور مکمل کرا لیا۔ اُنکی تقلید
میں دیگر علماء و فضلائے صحبت نے بھی اپنے مہر و
دستخط کر دیئے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جنید بغدادی
نے بھی اس کے محضر نامۂ قتل پر دستخط کیے تھے۔ مگر یہ
خلافِ واقعہ ہے اس لیے کہ محمد پارسا اور دیگر علماء و غیرہم
نے پوری تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ اس واقعہ سے اُنیس
برس پہلے شیخ ابو القاسم جنید بغدادی کی رحلت ہو چکی تھی
بہر حال۔ جب یہ فتوے علماء اور فضلائے شہر کی مہر و
دستخط سے مرتب ہو گیا۔ تو اُسکو مقتدر کے پاس پیش کیا
اُس نے حکم دیا کہ شریعتِ مقدس کے مطابق حسین ابنِ
منصور حلاج کو قتل کریں۔ یہ حکم سُنکر حامد ابنِ عباس نے
کوتوالِ شہر کو بلا کر کہا کہ حلاج کو جسر بغداد پر لیجا کر پہلے
ایک ہزار تازیانے لگاؤ۔ اگر وہ اُن کی ضرب سے نہ
مرے تو اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو۔ پھر اُس کا سر کاٹ
کر عبرتِ عامہ کے لیے جسرِ بغداد پر لٹکا دو۔ اور اُس کے
جسم کو جلا کر اُس کے راکھ کو دریائے دجلہ میں ڈالدو۔ اور
اس درمیان میں وہ جو کچھ کلام کرے اُس پر کوئی اعتبار
نہ کرے۔ اور ہزار تازیانہ مارے جانے کی سزا میں ایک
تازیانہ کی تخفیف میں بھی رعایت نہ کیجائے۔ اگرچہ وہ
دریائے دجلہ میں پانی کی جگہ سونا اور چاندی بہا دینے
کا بھی یقین دلائے مگر اُس کی کسی بات پر اعتماد نہ کیا جائے۔

کوتوالِ شہر وزیر السلطنت کی ہدایتوں کو سُنکر دوسرے
دن منصور حلاج کو مقام جسر پر سیاست کے لیے لیگیا۔
خلائق کا وہ ہجوم ہوا کہ تل دھرنے کی کہیں جگہ نہیں ملتی تھی
جب کوتوالِ شہر ہزار تازیانوں میں سے چھ سو تازیانے لگا
چکا تو منصور حلاج نے اُسکو مخاطب کر کے کہا کہ میں تیرے
امیر کو ایک نصیحت کرتا ہوں اگر تو اُسے امیر کی خدمت میں

پہنچاویگا تو وہ اُس کے لیے فتحِ قسطنطنیہ سے بھی زیادہ عزیز ثابت ہوگی۔ کوتوال نے اُس کی اِن باتوں پر کوئی اعتنا نہیں کی۔ حلاج بھی چپ ہو رہا۔ تا اینکہ وہ ہزار تازیانے ایک ایک کرکے پورے ہو گئے۔ مگر اس درمیان میں حلاج نے اپنے منہ سے آہ بھی نہیں کی۔ پھر اس کے بعد جلاد آیا اور اُس نے وزیر کے حکم کے مطابق پہلے اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ پھر سر کاٹا۔ اُس کے مردے کو جلایا۔ اور جلا کر اُس کی راکھ کو دریائے دجلہ میں ڈالدیا۔ اتفاق سے اُسی سال دجلہ میں بڑی طغیانی آئی۔ مریدانِ حلاج پانی کی فراوانی کو حلاج کا معجزہ اور کراماتِ روحانی بتلانے لگے صاحب روضۃ الصفا منصور حلاج کے واقعات کو تمام کرکے لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مشائخ کبار نے منصور حلاج کی نسبت ردّ و قبول کے تصانیف میں بہت سے اقوال لکھے ہیں اور اُن کی ایک جماعت کثیر اُس کی عظمت و جلالت کی قائل ہوئی ہے اور اِن لوگوں نے اُن اقوال کو جو اُس کے ارشاد و کلام میں خلاف اور نقیضِ شریعت ثابت ہوتے ہیں بہت سی تاویلات کے ساتھ صحیح اور جائز بتلایا ہے۔ جن کا اس مقام پر تفصیل کے ساتھ قلمبند کرنا تاریخ نویسی کے سیاق اور مذاق سے بالکل علیحدہ ہے +

منصور حلاج اور شیعہ پبلک کو اغوا

ہم نے جہاں تک فریقین کے اخبار و اسفار میں منصورِ حلاج کے حالات کی تلاش کی ہے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ہمیشہ نئے انداز اور نئے رنگ میں رنگے رہتے تھے۔ اور اپنی ذاتی ضرورتوں سے مجبور ہو کر اہلِ اسلام کو اپنے متعلق نئے نئے اعتقاد کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اپنی خود غرضیوں کے موجودہ عالم میں انہوں نے بیچارے شیعوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اور اِن غریبوں کو بھی اپنے دامِ فریب میں لانے۔ ورغلانے اور صریح لوٹنے سے باقی نہ رکھا چنانچہ ذیل کے واقعات ہمارے موجودہ بیان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں

ملا مجلسی علیہ الرحمۃ بحار الانوار جلد سیزدہم میں ابی نصر ہبۃ اللہ علیہ الرحمۃ کی زبانی مرقوم فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابی نصر فرماتے ہیں کہ جب مشیتِ ایزدی کا یہ منشا ہوا کہ حسین ابنِ منصور حلاج کے اعمال و افعال سارے زمانہ میں طشت از بام ہو کر اُسکی ذلت و رسوائی کو آئینہ کردیں تو حسین ابنِ منصور حلاج کے دل میں خود بخود یہ بات پیدا ہوئی کہ قدیم طریقہ صوفیہ اور اُصولِ اشراقیہ کو چھوڑ کر جو اسوقت حکومت کے مخالف ثابت ہونیکا باعث بے وقعت ہو چلے ہیں۔ اپنی کامیابی کی کوئی دوسری سبیل نکالے۔ چونکہ اُس زمانہ میں شیعہ مذہب اُس وقت تک اِن خیالوں سے پاک و صاف تھا۔ اور آلِ ابویہ کی ثروت و اقتدار اور اُنکی آئین و استعانت و استمداد نے اس کی ترقی اور اطمینان کا بہت کچھ یقین دلا رکھا تھا۔ اس لیے منصور حلاج نے اور فرقہائے اسلامی سے قطع نظر کرکے اپنی ابلہ فریبی کی تدبیروں کو ...... اسی فرقہ کی طرف منعطف کیا اور پھر تھے تو بڑے زمانہ شناس اور اپنی چالوں کے بڑے پکے۔ سمجھے کہ محض ادعائے شیعیت سے خاطر خواہ کام نہیں نکلنے والا۔ اور اپنی مشین کا پہیا نہیں چلنے والا بھولی شیعہ بنکر رہے تو کیا۔ نہ نام کے نہ نمود کے اُس سے نہ حصولِ عزت کی کوئی امید کی جاسکتی ہے اور نہ وصولِ دولت کی کوئی توقع۔ اِنہی وساوسِ نفسانی نے منصور حلاج کو آخر کار ادعائے شیعیت کے ساتھ دعوےِ نیابتِ امام علیہ السلام پر بھی تیار کردیا۔ اور جہاں اور لوگ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی نیابت کے جھوٹے دعوے کر رہے تھے اُنہی پانچویں سواروں میں یہ بھی داخل ہو گئے خیریت ہوئی کہ نیابت ہی کا دعوے کیا۔ ورنہ امامت کی نسبت بھی دعوے کر بیٹھنا اُنکی ایسی طبیعت والے آدمی سے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ان کے ایسے اور لوگ بھی تھے جو اپنے آپ کو نائب امام علیہ السلام مشہور کرکے شیعہ پبلک کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ جن کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ ہم عنقریب بیان کرنیوالے ہیں۔ انشاء اللہ المستعان۔

بہر حال اِن گمراہ کنندوں کے زمرے میں داخل ہوکر

منصور حلاج بھی اپنے مفویانہ خیالات کی تمام دنیا کو دعوت دینے لگے۔ مگر چونکہ اور لوگ بھی انہی کے ایسے خو پھٹکار رہے تھے۔ مگر بخلاف اُن کے یہ تھے آدمی چالاک اور شاطر۔ انہوں نے سوچا کہ عوام الناس میں ہماری دعوت کی مشن اس تیز رفتاری سے کامیابی کی راہوں پر نہیں چلیگی جتنی جلدی امراء و دولتمند ان شیعہ میں۔ انہی دھنوں سے انہوں نے اپنی دعوت کا رنگ بالکل علیحدہ نکالا۔ اور عوام الناس کو چھوڑ کر سب سے پہلے امراؤ اراکینِ سلطنت کے اعلیٰ اور مقتدر طبقہ میں اپنی دعوت کی سلسلہ جنبانی شروع کردی اور سب سے پہلے جس شیعہ بزرگ کی طرف انہوں نے اپنی چشمِ عنایت کے ڈورے ڈالے وہ اسمٰعیل ابنِ علی نوبختی تھے۔ یہ بزرگوار اُس زمانہ میں حکومتِ بغداد کے بہت بڑے اراکین میں شمار کیئے جاتے تھے۔ اور برائے نام خلیفہ بغداد کے بہت بڑے معتمد علیہ۔ مگر افسوس! منصور حلاج نے انکو محض معمولی اور محدود استعداد کا آدمی خیال کرلیا تھا۔ حالانکہ اُن کے علم و استعداد کا پایہ اُس زمانہ میں درجۂ اجتہاد کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے اُسی غلط قیاس پر قائم رہ کر پہلے اسمٰعیل کی خدمت میں اپنی آمد و رفت شروع کی۔ اور اپنے ذاتی تقدس۔ تقویٰ و طہارت کے اظہار میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ جب فیما بین معرفت کلی ہوگئی اور رسم و راہ بھی بڑھ گئی تو ایک دن منصور حلاج نے اُن کے پاس اپنی دعوت کا پیغام بھیجا۔ اسمٰعیل نے اسوقت کچھ مصلحتِ وقت پر ٹال دیا۔ پھر چند روز ہی کے بعد منصور حلاج کی طرف سے پھر یاد دہانی کی گئی۔ پھر اسمٰعیل نے ہاں نہیں کا صاف جواب نہیں دیا۔ غرض ایک عرصہ تک اس مسئلہ میں جانبین سے تحریک ہوتی رہی۔ منصور کی طرف سے ان تمام طومار میں جناب صاحب الامر علیہ السلام کی نیابت کے دعووں پر دعوت کا استحقاق دکھلایا جاتا تھا جب ان تحریروں میں کوئی اثر پیدا ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو اب منصور حلاج نے اپنے معروضات کو طرح طرح کی رنگ آمیزیوں سے رنگنا شروع کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنے ایک خط میں اسمٰعیل کو لکھا کہ منصب امامت کے اعتبار سے مجھ کو جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام نے حکم فرمایا ہے کہ ہم آپ کو اپنی دعوت قبول کرنے کی اطلاع دیں۔ اور آپ کو اپنے دائرۂ اطاعت میں داخل اور زمرۂ اہلِ عقیدت میں شامل کرلیں۔ اور اپنی وقتی ضرورتوں میں ہمیشہ آپ سے امداد و اعانت کی امید قوی رکھیں مطلب بعدی ہمیں فوج

جب ان مراسلات کے مضامین کو پڑھتے پڑھتے اور سمجھتے سمجھتے بیچارے اسمٰعیل تنگ آگئے تو آخر ایک دن انہوں نے کھل کر حسین ابنِ حلاج کو اس مضمون کا جواب لکھ بھیجا کہ ان اقسام کے معاملات میں جب تک معجزات و کرامات کے ثبوت نہ پائے جائیں اُنکی تصدیق اور معرفت کے لیے زبانی ادعا کافی نہیں ہوسکتا۔ اس بنا پر تا وقتیکہ ہم تم میں ان امور کو بالمشاہدہ نہ پالیں تمہاری دعوت قبول نہیں کرسکتے۔ اس لیے ہم نے ارادہ کرلیا ہے کہ ہم اسکی تحقیق میں تم سے اپنا ایک ایسا مطلب بیان کریں جسمیں ہمیں سخت تردد لاحق حال ہے۔ اگر تم نائب امام ہو تو اپنی قوتِ اعجاز سے میری خاطر خواہ جواب دیدوگے۔ تو البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری عقیدت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لونگا اُس وقت مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ اب جو میری حاجت ہے وہ یہ ہے کہ ایک عرصہ سے مجھے حسن پرستی کا مرض لاحق ہے اور آج تک میری زندگی کا بہت بڑا حصہ عیش و عشرت اور شاہدانِ قبول صورت کی صحبت میں بسر ہوا ہے۔ میرے پاس بہت سی خوبصورت کنیزیں ہمیشہ موجود رہی ہیں۔ اب میں بوڑھا ہونے آیا۔ میری داڑھی کے بال سفید ہوگئے۔ اور اب مجھ کو باین ریشِ سفید ان شاہدانِ نوخیز کے سامنے جانا نہایت نازیبا اور بے وقع معلوم ہونے لگا تو میں نے خضاب لگانے اور اس دھوکہ کی ٹٹی میں اپنے آپ کو جوان بنانے کی تدبیر سوچی۔ اگرچہ یہ ظاہری پردہ کسی قدر میری عیب پوشی کرتا ہے مگر یہ عیب شاید ایک ہفتہ سے زائد پوشیدہ نہیں رہتا اور آٹھ دن کے

بعد پھر منہ میں سیاہی لگائی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خضاب لگانے کی زحمتیں اور اُس کی ترکیب و ترتیب کے تمام اہتمام ان سب پر المضاعف ہوتے ہیں ع

این ہمہ اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔

اب آپ سے التجا یہ ہے کہ آپ دعا فرمائیں کہ میری اس سفیدی کو سیاہی سے مبدل فرما دیجیے تو میں آپ کی معجز نمائی کا قائل ہو کر ہمیشہ آپ کی عقیدت اور اطاعت میں سرگرم اور مستعد رہونگا۔

اسمٰعیل کے ایسے بزرگ سے ایسے ارمان و تمنا کی بابت سوال کرنا سخت حیرت کا باعث ہوتا ہے۔ مگر نہیں کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم انسان ہمیں عقل کے مطابق بات کیا کرو۔ حسین ابن منصور حلاج کی جتنی بساط تھی۔ اور اُن کی عقل و دانائی اور فہم و شعور کی جیسی رسائی تھی ویسا ہی اُن سے سوال بھی کیا گیا۔ چنانچہ حلاج بھی اسمٰعیل کی احتیاج کی تہ کو پہنچ گئے اور اُنہوں نے اپنی دعوت کو بالکل فضول اور بے سود سمجھ کر اپنے دل میں آپ ہی آپ ایسے نادم اور پشیمان ہوئے کہ پھر نہ اُن کی خدمت میں اپنی دعوت کے لیے کوئی خط بھیجا اور نہ پیام۔ اور اُس دن سے ان امور میں ایسا سکوت اور خموشی اختیار کر لی کہ پھر بھولوں کبھی اسکا کسی سے ذکر بھی نہیں کیا۔ ہاں اسمٰعیل نے البتہ اپنی خلوت و جلوت کی صحبتوں میں اس نقل کو اپنے احباب کے مذاق کے لیے ایک مضحک اور پُر لطف مطایبہ بنا لیا۔ اور بہت دنوں تک منصور حلاج اسمٰعیل کی محفل احباب میں نقل پروانہ بنے رہے۔

منصورِ حلاج اور شیعیانِ قم

مگر اتنی ذلت اور رسوائی کے بعد بھی منصور حلاج کو غیرت نہ آئی جب اُنہوں نے اسمٰعیل سے اپنا کام نکلتے نہیں دیکھا تو جیسا ابو عبداللہ حسین ابن علی قمی کا بیان ہے منصور حلاج نے اپنی عالم فریبی کی ایک دوسری تدبیر نکالی۔ اور یہ سوچ کر کہ بغداد اور اُس کے قرب و جوار کے شیعوں میں ان کی منصوبانہ مشن کامیاب نہ ہو سکیگی تو اُنہوں نے بیرونجات کے عوام الناس میں جو شہر کے لوگوں سے مذہبی واقفیت میں کم حصہ رکھتے تھے اپنی کامیابی کی امید لگالی۔ اور اسی وجہ سے اُنہوں نے بغداد کو خیرباد کہہ کر سفر اختیار کیا۔ اور وہاں سے اُٹھ کر یکسر شہر قم میں جا پہنچے جو اُس وقت شیعوں کی قابلیت اور جامعیت کا مرکزی مقام تھا۔ یہاں بھی پہنچکر اُنہوں نے شیعوں میں اسمٰعیل کی طرح سب سے بڑا گھر تاکا۔ اور سب سے پہلے جس شخص سے اُنہوں نے اپنی دعوت اور ہدایت کی تحریک پیش کی وہ ابو الحسن تھے جو اپنے ذاتی عزو وجاہت کے باعث تمام شیعوں کے رئیس شمار کیے جاتے تھے۔ اُن کے پاس یہ پیغام زبانی بھی گیا۔ اور احکام تحریری بھی جس کے ذریعہ سے کچھ انہی کی نہیں۔ بلکہ اُن کے تمام اعزا و اقارب غرض تمام قبیلہ کی دعوت کے واسطے لکھا گیا۔ اور صاف صاف لفظوں میں یہ لکھا گیا کہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے اُن کو ابو الحسن اور اُنکے تمام قبیلہ اور عشیرہ کی ہدایت اور دعوت کیلیے بھیجا ہے۔ راوی حدیث ابو عبداللہ حسین ابن علی جو ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے تھے بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حلاج کا یہ رقعہ آیا اُس وقت میں ہی تنہا باہر دروازے پر تھا۔ اس لیے میں ہی اُس رقعہ کو لیکر انکی خدمت میں اندر گیا اور اس رقعہ لانیوالے کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اُنہوں نے وہ رقعہ مجھ سے لیکر اور پڑھ کر فوراً پارہ پارہ کر ڈالا۔ اور اُس لانے والے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم کیسے نادان اور جاہل تھے جو ایسی جہل اور گمراہانہ دعوت کی رسالت پر راضی ہو گئے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ شخص اپنی تحریر میں آپ کی دعوت کرتا ہے اور آپ اُس کی تحریک کو پارہ پارہ کیے دیتے ہیں۔ اُس شخص کا جواب سنکر تمام گھر کے لوگ بے ساختہ ہنس پڑے ع

وزیرے چنیں شہریارے چناں۔

چونکہ ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تجارت اُسوقت نہایت عروج پر تھی اور اُن کا کاروبار پورے عروج پر تھا۔ اس لیے وہ اتنی تقریر کے بعد اپنی دکان پر چلے گئے۔ یہاں آئے تو اپنی دکان پر ایک مجمع کثیر دیکھا جن میں تمام لوگ تو اُن کے جانے

پہچانے تھے۔ مگر ایک شخص بھی اُس میں محض ناآشنا پایا گیا غرضکہ اُنکو دیکھتے ہی وہ مجمع کا مجمع تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا سوائے اس شخص اجنبی کے۔ وہ اپنی جگہہ پر بیٹھے کا بیٹھا ہی رہ گیا اور اپنے مقام سے ذرا بھی نہ ہلا۔ ابوالحسن نے اپنی خوش اخلاقی سے یا ان کی اس کج ادائی کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی اور اپنے مقام پر جاکر اپنے کاروبار کا حساب وکتاب کرنے لگے۔

ابھی اُنہوں نے اپنا کام شروع نہیں کیا تھا کہ اُنکو اس مرد اجنبی کی حقیقت معلوم کرنے کا خود خیال آیا۔ اُنہوں نے حاضرین میں سے ایک صاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ حضرت جو بیٹھے ہیں کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ اُنہوں نے آپ کا حال کہہ دیا۔ اور رقعہ والا واقعہ دہرا دیا اس سوال وجواب کو سنکر اب منصور حلاج اپنے آپے میں نہ رہے۔ ایک مرتبہ ابوالحسن علیہ الرحمۃ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ سبحان اللہ! میں خود تمہارے پاس موجود ہوں اور اس پر بھی تم میرا حال میرے سامنے دوسرے لوگوں سے پوچھتے ہو۔ ابوالحسن نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی آؤ بھگت ناشناسی اور پاس ولحاظ کی وجہ سے آپ کو اپنا حال بیان فرمانے کی زحمت دینا خلافِ مروّت سمجھا۔ بلکہ آپکی تعریف دوسرے لوگوں کی زبانی سُن لی تو اس میں کونسا مضائقہ ہوا بلکہ یہ تو آپ کی مزید خوشنودی کا باعث ہونا چاہیے۔ میں نے تو صرف آپ کے پاسِ ادب سے آپ سے خود نہ پوچھا۔ حلاج نے ترشرو ہو کر جواب دیا۔ سبحان اللہ! آپ میرے رقعہ کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ خدا کی شان میں بیٹھا بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہوں اب تو ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِن کے تیور بیجا دیکھکر اپنے حُسنِ اخلاق کے آیندہ اظہار کو مناسب نہ سمجھا اور پوچھا اخاہ! آپ ہی اُس رقعہ کے لکھنے والے ہیں۔ اتنا کہہ کر اُنہوں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ گردن میں ہاتھ دیکر انکو دکان سے نیچے اُتار دو۔ غلام نے فوراً اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی جب یہ

ع پا بدستِ دگراں دست بدستِ دگراں۔ کی ذلّت

ورسوائی اُٹھا چکے تو ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے انکو مخاطب کرکے کہا کہ استغفر اللہ! یہ مرد جاہل معجزات وکرامات کا دعوے کرتا ہے۔ خدا اُس پر لعنت کرے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد کسی نے حلاج کی صورت شہر قم میں نہ دیکھی۔

بہرحال۔ یہ تھے منصور حلاج کے واقعات جو فریقین کے مشاہدِ تاریخی سے تفصیلاً لکھے گئے۔ موجودہ تفصیل وتشریح سے مؤلف کی اول فرض تو اُن واقعات کا التزام اور سلسلہ تاریخ کا نظام تھا جو مقتدر باللہ کے عہد حکومت میں علی التسلسل گزرے۔ اس کے علاوہ دوسری بہت بڑی ضرورت جس نے مؤلف کو اسکی موجودہ تفصیل وتشریح پر بالکل مجبور کر دیا وہ دنیا کو صرف یہ دکھلا دینا ہے کہ علم اشراق اور تصوف کی مشق کرنے والوں نے اپنی آزادی اور مطلق العنانی اور سلطنت کی مرتبہ افزائی اور قدردانی سے اپنی شہرت اور عزت حاصل کرنے کی خاص اغراض سے۔ اس میں اسقدر ترقی کی کہ اُن کے موجودہ عقائد میں ارتداد کی بُو آنے لگی۔ جو علمائے شریعت کی ناگواری طبع کا سخت باعث ثابت ہوئی۔ اور اعجاز وکرامات و دیگر خرقِ عادات کے درجے سے بڑھا کر اُن کو الوہیت کے مدارج تک بڑھا لے گئی۔ معاذ اللہ یہ کیا تھا۔ جہاں تک میرا خاص خیال ہے یہ افراط وتفریط کا باعث تھا۔ اور کچھ نہیں۔ جو بے احتیاطی اور شریعت کے کس مپرس کر دیئے جانے کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی۔ مگر ان حضرات کے مقابلہ میں اُن بزرگواروں (ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین) کے اقوال وگفتار اور اطوار ورفتار کو بھی دیکھنا چاہیے اور اُن کی علمی استعداد اور شرعی پابندی کو اُن کے عملیات سے ملائیں تو اَلْاَصْلُ لِلْاَصْلِ وَالنَّقْلُ لِلنَّقْلِ کا کامل جلوہ آنکھوں کے سامنے پھر جائیگا۔ اور حق وباطل کا خاص مشاہدہ نظر آجائیگا۔ کیا کوئی شخص ان ذواتِ مقدسہ کے اقوال وارشاد میں بھی اِن لغویات اور حشویات کا پتا پائیگا اور ان کی کسی تدبیر اور تجویز سے اُنکی ذاتِ خاص کی طرف ایسے جھوٹے دعوے جن سے کفر وارتداد کے شبہے ہوتے ہوں دیکھے جائینگے۔ اگر جانبین کے صرف اقوال ہی کا باہم موازنہ اور مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا

کہ اُن خادمانِ خدا کے حقیقی اوصاف و محامد اور فضل و کمال کو اِن لوگوں کی ظاہری ملمع کاریوں سے کوئی واسطہ اور سروکار ذرہ بھر نہ تھا۔ اُن کے محامد حقیقت کے آئینے ہیں۔ اور اِن کے طریقے اغوائے عالم کے حیلے۔ اور دنیا فریبی کے مستحکم اور قوی آلے۔ اُن کے اقوال و ارشاد ہدایت کے چشمے اور خیر و برکت کے دریا ہیں۔ اِن کے کلام اور احکام شریعت کے مخالف اور ایجاد و اختراع کے مطابق تمام اخلاقی کمزوریوں کے مصدر ہیں۔ اِن مثالوں کے لیے دُور کیوں جائیں حسین ابنِ منصور حلاج کے وہ اقوال جو ابھی ابھی روضۃ الصفا کی اسناد سے اوپر لکھے گئے غور سے دیکھ لیے جائیں اور اُن کے اصلی مطالب و مقاصد پر غور و تامل سے کام لیا جائے تو نہایت آسانی سے فرق ما بہ الامتیاز معلوم ہو سکتا ہے اور ہر شخص حقیقتِ حال کو پا سکتا ہے۔ کہاں ہیں مشائخِ موصوفین کو حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے عظمت میں۔ تقویٰ و طہارت میں اور فضل و کمال میں مساوی اور مقابل بتلانے والے آئیں اور وہ منصور حلاج کے اُن اقوال کو جو اوپر لکھے گئے ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور پڑھکر بتلائیں کہ اُس نے اپنے خدا ہونے کے دعووں میں کونسی بات اُٹھا رکھی ہے اور اپنے کفر و الحاد کے اظہار میں کونسا تتمہ لگا رہنے دیا ہے جس کی وجہ سے اُس کے اِن اقوال کو اُس کی طرف نسبت نہ دی جا سکے۔ یا اُس کے ایسے صاف اور کھلے ہوئے کفر و الحاد کی کوئی معقول اور معنی خیز تاویل کی جا سکے حقیقتِ امر یہ ہے کہ اِن دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت اِن اقوال کے لیے پیدا نہیں کی جا سکتی اور آخرِ کار ہر طرف سے مجبور ہو کر امام منصوب من اللہ اور مامور من الناس کے امتیازی مسئلہ کو اُنکی دلائل کے ساتھ ماننا پڑتا ہے اور سوائے تسلیم کے اور کوئی دُوسرا چارہ معلوم نہیں ہوتا۔

مقتدر کی آخرِ حکومت میں امرائے سلطنت کا فساد

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ مقتدر کے زمانہ میں بھی وہ بڑے واقعے گزرے جو اوپر بیان کیے گئے ان کے بعد مقتدر کے بقیہ ایام حکومت میں جو فتنہ و فساد واقع ہوئے اور اُن کی وجہ سے جو جو مصیبتیں اُسکو تنہا اپنی جان و مال پر اُٹھانی ہوئیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

سنہ ۳۱۷ ہجری میں مونس خادم اور ابو الہیجاء ابن حمدان اور بہت سے امراء نے بغاوت پر کمر باندھی۔ اسکی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ اِن لوگوں نے اپنی کوئی غرض مقتدر سے عرض کی تھی جس کو اُس نے اُن کی خاطر خواہ پورا نہ کیا۔ پھر کیا تھا۔ ان کے تیور بدل گئے۔ مقتدر بھی اُن کے طور بے طور دیکھکر تاڑ گیا۔ اور ایک دن اُنکو اپنی خلوتِ خاص میں بُلا کر اور اپنے حقوقِ پرورش دکھلا کر کہنے لگا کہ دنیا میں کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہونے والا۔ اِن لوگوں نے بادشاہ کا وعظ و پند تو سُن لیا مگر اُسکا کوئی جواب نہیں دیا۔ دربار سے جب اپنے اپنے گھر واپس گئے تو اپنے ہمخیالوں میں اپنی سرگذشت کو دُہرایا۔ وہ بھی سب کے سب ایک بار بگڑ اُٹھے اور اُن کی ہمراہی میں دار الامارۃ پر چڑھ دوڑے۔ اُن کی کثیر جماعت دیکھ کر مظفر ابنِ یاقوت جو مقتدر کا حاجب تھا کچھ ایسا ڈرا کہ تمام سلطانی ملازمین کو جو قصرِ سلطانی کی حفاظت پر مامور تھے اپنے ہمراہ لیکر بھاگ گیا۔ مونس خادم اور اُسکے تمام ہمراہی خالی مکان را دیوگیر کے معنوں میں بلا مزاحمت قصرِ شاہی کے اندر گھس پڑے۔ مقتدر۔ اُس کی ماں بہنوں اور تمام بال بچوں کو اپنے گھر بھجوا دیا۔ ایسے وقت میں ان لوگوں سے ایسی انسانیت بہت غنیمت اور قابلِ قدر سمجھی گئی۔ پھر اِس کے بعد مقتدر کو اُتار کر جدت پسندوں نے اُسکے چھوٹے بھائی محمد ابنِ معتضد کو تختِ سلطنت پر بٹھلا دیا۔ اور اُسکو القاہر باللہ کے لقب سے مشہور کیا۔

قاہر باللہ کا فوری معزول

قاہر کی تختِ نشینی سے انتظام جب قہر و غلبہ کے اجماعی

اصول سے درست اور مرتب کر لیے گئے تو جدت پسندوں نے قاضی ابو عمرو کو مقتدر کے پاس بھیجا اور یہ پیام کہ آپ امر امارت بطیب خاطر واپس کر دیں اور قاہر کی اطاعت اختیار کر لیں۔ جس کو مقتدر نے جان بچنا ہزار نعمت سمجھ کر فوراً قبول کر لیا۔ اور تمام امورِ ملکی سے دست بردار ہو کر جدید نظامِ حکومت کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔

اب سنیے جدید منتظمین نے خلافتِ بغداد کے نو شاہ کا حاجب ایک غلامِ رومی مقرر کیا جس کا نام بازوک تھا بازوک نے اپنے اختیار و اقتدار کے اعتبار پر محافظین دار الامارہ کو قصرِ شاہی کے اندر بود و باش اختیار کرنے سے روکا۔ اور انکو ایک بار باہر چلے جانے کا حکم دیا۔

اُن لوگوں کو بازوک کی یہ حرکت نہایت بری معلوم ہوئی اور وہ سب کے سب ایک بار حملہ کر کے جدید خلیفہ کے قصر پر چڑھ دوڑے اور اپنا یومیہ طلب کرنے لگے۔ یہاں خزانۂ شاہی میں خیریت سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی جو دی جاتی۔ قاہر اُن کا شور و غل سنتے سنتے عاجز آ گیا تو اُسنے اپنے حاجب بازوک کو بلا کر کہا کہ اِن لوگوں کو بملائمت و تالیفِ قلوب سمجھا بجھا دے اور اس فتنہ و فساد کو فرو کر دے۔ بازوک باہر آیا اور اُن لوگوں کی جماعت کو مسلح پاکر سخت گھبرایا۔ بازوک اُن کے سامنے سے بھاگنے ہی کو تھا کہ اُن لوگوں نے اُسکو پکڑ کر فوراً مار ڈالا۔ اِن معاملات کی خبر مقتدر کے بہی خواہوں کو ہوئی۔ وہ تو ایسے وقتوں کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اپنے اپنے مقاموں سے نکلکر تمام شہرِ بغداد میں فتنہ و فساد مچاتے ہوئے دار الامارۃ میں گھس پڑے۔ اور ابنِ حمدان موجودہ وزیرِ سلطنت کو قتل کرتے ہوئے مونس کے گھر پہنچے۔ اور وہاں سے مقتدر کو اپنے کاندھوں پر بٹھائے اور زندہ آدمی کو اچھا خاصہ مُردہ بنائے قصرِ خلافت میں لے آئے اور تختِ حکومت پر بٹھلا کر اُس کی اطاعت اور بیعت اختیار کر لی اور اُس کو پھر تمام ممالکِ اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کر لیا۔

مقتدر کی پھر تخت نشینی اور اُس کا فوری قتل

مقتدر نے پھر تختِ حکومت پر بیٹھکر اپنے حُسن اخلاق اور برادرانہ موافقت کی یہ قدرت دکھلائی کہ اپنے چھوٹے بھائی قاہر باللہ کے لیے امان لکھ کر اسکو اپنی حفاظت میں لیلیا اور اپنی طرف سے اُسکو اچھی طرح مطمئن کر دیا۔ مگر افسوس! یہ برادرانہ اُلفت و محبت بھی وقتی حیلہ ثابت ہوئی۔ اس کے بعد فوراً ہی مقتدر نے قاہر کو مجلسِ شاہی میں قید کر دیا۔ اور اُسکے مایحتاج کی معمولی طور پر خبر لینے لگا۔

دو برس تک مقتدر پھر سلطنت کے مزے چکھتا رہا اور عیش کرتا رہا۔ اُس نے باوجود ان امور کے اپنے خادم مونس کے اعزاز اور حفظِ مراتب میں کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کی۔ اس وجہ سے کہ وہ اُسے خلافت کا اصل الاصول سمجھتا اور حقیقۃً تھا بھی ایسا ہی۔

اب سنیے ۳۲۰ھ ہجری میں دربارِ بغداد کے جوڑ پھوڑ لگانے والوں نے مونس سے یہ جا لگایا کہ مقتدر اپنے موجودہ وزیر حسین ابنِ قاسم کی ترغیب دلانے اور بہکانے سے تمہارے مقید کرنے کی فکر میں ہے۔ یہ خبر سنکر مونس وزیر اور خلیفہ کی طرف سے ہوشیار ہو گیا۔ ایک تو اُس واقعہ سے وہ مشتبہ ہو ہی چکا تھا۔ اُس کے ایسا ایک دوسرا واقعہ اُس کے مشاہدے میں آ گیا۔ اب مونس کی وحشت اور بھی بڑھی تو اُس نے بغیر خلیفہ کی مشورت اور اجازت کے موصل کا راستہ لیا۔ اور یوں موقع سے ٹل گیا صرف راستہ سے ایک عریضہ مقتدر کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور اُس میں اپنے حقوقِ خدمت اور خلیفۂ عصر کی بے توجہی اور غیر التفاتی کی بہت کچھ شکایت لکھدی۔

اب سنیے کہ اُس عرضی کا کیا نتیجہ نکلا۔ مونس کا ملازم خاص جب اُس کا یہ معروضہ لیکر دربار میں حاضر ہوا تو وزیر نے اُس سے پوچھا کہ مونس کی تحریر کا مضمون کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ جو کچھ ہے وہ خلیفۂ عصر کی خدمت میں عرض کیا جائیگا اور کسی دوسرے سے نہیں کہا جا سکتا۔ اُس کا یہ جواب پاکر وزیر جل گیا اور اُس نے فوراً سارا قصہ مقتدر سے کہا۔ مقتدر نے اُس ملازم کے نام اس مضمون کا ایک رقعہ لکھا کہ تم جو

مونس کی طرف سے میرے نام تحریر لائے ہو وہ وزیر سلطنت
کو دیدو۔ اس رقعۂ شاہی پر بھی اُس وفادار غلام نے کوئی اعتنا
نہیں کی۔ اور وزیر کو نہ وہ خط دیا اور نہ اُس سے اُس کا پیغام
دُہرایا۔ وزیر سے جب کچھ بنائے نہ بنا تو اُس نے اُس ملازم
کا مکان جو بغداد میں تھا گرا دیے جانے اور مسمار کرا دیے
جانے کا حکم دیا۔ فوراً تعمیل حکم کی گئی۔ اُس غریب کا مکان
گرا دیا گیا۔ مگر تاہم اُس شخص نے اُف نہیں کی اور نہ مونس کے
خط کو وزیر کے ہاتھ میں دیا۔ اور نہ اُس سے کچھ زبانی کہا۔
آخرکار مونس کے غلام کو مقتدر کے پاس لیگئے۔ اُس نے
مونس کا خط نکال کر مقتدر کو دیا۔ مقتدر نے پڑھا۔ مونس اسی
خط کے جواب کا انتظار کر رہا تھا اور راستہ میں مقیم تھا۔ مقتدر
نے اُسی وقت ایک محبت نامہ مونس کے نام لکھا جس میں
بہت کچھ اُس کی دلجوئی اور خاطرداری کی باتیں لکھیں اور
اُسکو تمام شبہات کی طرف سے مطمئن اور فارغ البال کر دیا
اور اپنے پاس فوراً چلے آنے کی تاکید شدید کی۔
حسین بن قاسم وزیر السلطنت کو جب اِس کایا پلٹ
ہونے کی خبر ہوئی تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔
اُس نے اُسی وقت ابنائے حمدان کے نام جو علاقۂ موصل
کے گورنر تھے ایک خط لکھا۔ اُس کا مضمون یہ تھا کہ مونس جہاں
کہیں پایا جائے اُس سے جنگ کی جائے اور اُسکی ہمراہی
جمعیت کو تباہ و برباد کر کے اُسکو مقید کیا جائے۔ اور اگر ایسے
دستگیر کرنے کا موقع نہ ملے تو کم سے کم اُسکو غیر ملک کی طرف
نکالدیا جائے۔ جب وزیر کا یہ حکم نامہ پہنچا تو تمام ابنائے حمدان نے
اُس سے اتفاق کر لیا۔ مگر ایک داؤد نے اپنی قدیم رسم و راہ
کی وجہ سے پہلے تو کچھ انکار کیا۔ مگر بھائیوں نے اپنی رائے
میں اُسکو بھی لے لیا۔ مگر تاہم داؤد کے دل میں ایک خلش
باقی ہی رہی۔ یہاں تک کہ باہم جانبین سے مقابلہ و مقاتلہ
کی نوبت پہنچ ہی گئی۔ شروع جنگ سے داؤد برابر کہتا تھا کہ میرے
جملہ اُمور میں مونس نے میرے ساتھ تمام عطا و احسان قائم
رکھے ہیں۔ اور میں اِس وقت اُسکے خلاف میں مقابلہ پر
موجود ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مجھ کو اِس محسن کُشی و احسان فراموشی

اور کفرانِ نعمت کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ اور اگر کچھ نہیں تو
ایک تیر کا پیکان ہی سہی۔ مگر وہ بھی میرے لیے ایسا کارگر
اور کافی ثابت ہوگا کہ میں اُس کے صدمہ سے کسی طرح جانبر
نہ ہو سکونگا۔ حسنِ اتفاق سے ایسا ہی ہوا۔ کسی کا تیر غضب سے
آکر اُس کی گردن پر ایسا بیٹھا کہ داؤد زمین پر گرا کہ پھر نہ
اُٹھا۔ یہ عالم دیکھتے ہی باوجود اس کے کہ بنی حمدان کی جمعیت
اُس وقت تیس ہزار مسلح جوان اور مونس کے ساتھ کل آٹھ سو
آدمی تھے مگر ذرا بھی میدانِ جنگ میں نہ ٹھیر سکے۔ فوراً بھاگ
کھڑے ہوئے۔ مونس اطمینان و فراغت سے حریف کو
بھگا کر شہر موصل پر قابض ہو گیا۔ اور کامل سات مہینے
وہاں کے تمام انتظامات درست کر کے ایک معتدبہ جمعیت
کے ساتھ شہر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ مقتدر یہ خبر پاکر اس کے مقابلہ
سے دست بردار ہوا۔ مگر امرا و خوانین سلطانی نے اس امر
کو شانِ خلافت کے خلاف سمجھا۔ اور کسی نہ کسی طرح مقتدر کو
مونس کے مقابلہ پر نکالا۔ مونس کی فوج بھی غنیم کے مقابلہ
پر آ گئی۔ اور قبل اس کے کہ مونس خلیفۂ عصر کو پناہ دیکر
اور امان کے لیے کوئی بندوبست کر سکے اُسکی جمعیت نے
فوجِ سلطانی کے اُس حصہ کو مار بھگایا جس میں مقتدر خود شریک
تھا۔ اسی بھاگڑ میں مقتدر پھنس گیا اور گرفتار کیا گیا۔ مونس
کے آدمیوں کو ہر چند یہ اپنا نام و نشان بتلاتا رہا کہ میرا نام
مقتدر ہے۔ میں خلیفہ ہوں اور تمہارا آقا ہوں۔ مگر کسی نے ایک
بھی نہ سُنی۔ اور اُس کا سر اُسی وقت تلوار سے جدا کر ڈالا۔
یہ تھے سلطنتِ مقتدر کے خاص اور چیدہ حالات۔
اُس کی چوبیس سالہ مدتِ حکومت میں زمانے نے کیسے کیسے
رنگ بدلے اور اپنے تصرفات کے عجیب و غریب طلسمات دکھلائے۔ کبھی تو شاہانہ جاہ و
تجمل سے مقتدر تختِ حکومت پر بیٹھا اور کبھی ہر طرح ذلت و خواری کے ساتھ خلیفہ
کی کھلی اور ننگی زمین پر۔ اُمرا و ارکین سلطنت کے وہ تغیر پذیر اطوار ہو رہے تھے
کہ اُن کے لیے ایک ساعت کا قیام و استحکام بھی غیر ممکن تھا۔ اُنکی ثروت و اقتدار
اور قوت و اختیار کے سامنے مقتدر کا کوئی وجود و ہستی تھی۔ اُسکا وجود و عدم
انہی امراء کی خوشامد پر منحصر تھا۔ یہ راضی ہیں تو سب کچھ ہے نہیں تو کچھ بھی نہیں
متوکل کے وقت ہی سے خلافت بغداد کا یہ حال ہو رہا تھا جیسے جیسے زمانہ
گذرتا گیا خلیفہ کی کمزوری اور خلافت کی بدقسمتی ترقی کرتی گئی

یہاں تک نوبت پہنچی کہ خلیفہ کوئی شے باقی نہیں رہا اور امرا و اراکین سب کچھ ہوگئے
مقتدر میں کوئی بدی ثابت نہیں ہوتی اور اسمیں کچھ کلام نہیں
کہ اسکی طبیعت فتنہ و فساد سے بالکل خالی تھی مگر بات صرف
یہ تھی کہ تھا وہ طبیعت کا اتنا بودا اور کمزور کہ اپنی سلطنت و
حکومت کے اتنے دور دراز عرصہ میں بھی اپنی سلطنت سنبھالنے
اور اپنے آپ کو امرا و اراکین کی قید بندیوں سے نکالنے کی
کوئی تدبیر اور کوئی سبیل نہ کر سکا۔ اور جس حالت سے روزِ
اول تختِ خلافت پر بیٹھا تھا اُس صورت سے آخرِ روز تک
قائم رہا۔ اگرچہ اس زمانہ میں وہ کئی بار تختِ خلافت سے
اُتارا اور بٹھلایا گیا۔ اور قید و حبس کی ذلت و حقارت تک
پہنچایا گیا۔ اور اِس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ اُن کو اِن
حضرات کی بیوفائی اور قابو پرستی کا کافی اندازہ ہو چکا تھا
مگر تاہم ان تمام امور میں ان مشاہدات کو اپنی آنکھوں سے
دیکھ کر بھی ہوشیار نہ ہوا۔ اور ان کے متعلق کچھ بھی نہ کر سکا
یہ تمام امور اُس کی ذاتی کمزوری کا باعث تھے۔ اور ان وجوہ
سے وہ کبھی حکومت کے شایاں نہیں تھا۔ اُسکی طبیعت کی
کمزوری کا دوسرا بہت بڑا ثبوت یہ تھا کہ امرا و اراکین ملکی
کے علاوہ اُسکی کنیزوں اور محل کی عورتوں کو بھی نظامِ ملکی
میں پوری مداخلت حاصل تھی۔ چنانچہ اُسکی ماں کی ایک
محلدار جو ثملِ حبشیہ تھی دربارِ شاہی میں آکر اور علما و فضلا کے
پہلو و باکر رونق بیٹھا کرتی تھی۔ عرصہ تک تمام وزرا و امرائے
حکومت اُسی کی صلاح و مشورت سے امورِ حکومت اور
کاروبارِ سلطنت چلایا کیے ؂

قاہر باللہ کی بارِ دیگر حکومت

مقتدر مارا گیا۔ مونس کو اُس کے مارے جانیکا سخت
صدمہ ہوا۔ اور اپنی جماعت کے اُن آدمیوں کو بُلوا کر جو مقتدر
کے قتل کے درپے ہوئے تھے بہت سخت ڈانٹا اور بُری
لے دے کی مگر اب تو جو ہونے والا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اب اِس
زبانی تلافی سے کیا نتیجہ نکل سکتا تھا۔ اس لیے مونس کا ارادہ
تھا کہ مقتدر کے بعد اُسکا بیٹا خلیفہ بنایا جائے مگر دیگر امرائے
سلطنت نے اُس کی اِس تدبیر سے اتفاق نہیں کیا۔ اور کہا
کہ خدا خدا کر کے ابھی تو ہم ایک ایسے بادشاہ کے پنجے سے
چھوٹے ہیں جس نے ہمارے ساتھ اپنی ماں۔ خالہ اور کنیزوں
تک کو نظامِ حکومت اور انتظامِ سلطنت میں شریک کر دیا۔
تو اُس کے بعد پھر اُسی کے بیٹے کو اپنا بادشاہ اور فرمانروا
تسلیم کر لیں۔ وہ ہمارے ساتھ اپنے باپ کے طریقوں
پر ضرور چلے گا۔ خدا کی قسم ہم لوگ کبھی ایسے بچے کا حکمران
ہونا کسی طرح پسند نہیں کرینگے۔ ہاں اُس شخص کو البتہ اپنا
امیر اور پیشوا قبول کرینگے جو عاقل ہو اور فہم و شعور تمام
اُمورِ ضروری میں کامل۔ صاحبِ تدبیر ہو اور اہلِ تجویز۔
اور ہم لوگوں کو اُس کے مزاج میں تصرف اور مداخلت کا
پورا موقع مل سکے۔ ابو یعقوب کی اس تقریر سے جو دفترِ وزارت
کی طرف سے اُس نے مونس کے خلاف میں کی تھی تمام اہلِ
جلسہ نے اتفاق کیا۔ اور مونس کو بخیالِ قدامت اگرچہ اِس وقت
تک مقتدر کے بیٹے ابو العباس کے سوا کسی دوسرے کا حکمراں
ہونا ہرگز منظور نہیں تھا مگر اُس نے اجماع کے خلاف کرنے کو
بھی اسوقت کسی طرح مناسب نہ سمجھا۔
مونس خوش ہو رہا۔ امرا و اراکین سلطنت نے قاہر کو خلیفہ
بنایا۔ مونس نے خاص طور پر قاہر سے اِن اُمور کی نسبت اقرار
حلفی لیا کہ وہ اپنے تمام ایامِ حکومت میں مونس۔ بلیق اور اُسکے
بیٹے علی ابن بلیق کی جان و مال سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں
کریگا۔ یہ اقرار نامہ مُہر و دستخطِ شاہی سے مرتب اور مزین
ہو کر تمام وزرا و امرا کے دائرہ میں مشتہر ہو گیا۔
تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی قاہر نے علاقۂ فارس سے
ابنِ مقلہ کو بُلا کر اپنا وزیر بنایا۔ یہ شخص جملہ علوم و فنون اور
تمامی صنائع و بدائع میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اور آج
تک اسلام کے اُن چیدہ لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جو
باعتبارِ فضل و کمال کے ہر طبقہ اور ہر درجہ میں مشہور و
معروف ہیں۔ خصوصاً فنِ کتابت میں یہ فردِ واحد تسلیم کیا جاتا
ہے۔ قاہر نے وزارت کا عہدہ ابنِ مقلہ کو عنایت کیا اور
حجابِ شاہی کا منصب بلیق کے بیٹے علی کے سپرد کیا ؂

قاہر کے مظالم اور مقتدر کی ماں کی گرفتاری

قاہر کے رُخ بے رُخ دیکھکر مقتدر کی تمام اولاد اِدہر اُدہر ہوگئی۔ کوئی کہیں چھپا کوئی کہیں۔ قاہر نے سب سے پہلے مقتدر کی ماں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ یہ بیچاری عرصہ سے مرض استسقاء میں گرفتار تھی۔ شاہی سپاہیوں نے اس پیرزن کو محلِ شاہی سے باہر کھینچکر دھوپ میں اُلٹا لٹکا دیا۔ جو کچھ ظاہر طور پر اس کے محلِ خاص میں اثاثہ پایا گیا بلامزاحمت لوٹ لیا گیا۔ اسپر بھی بس نہیں کی گئی۔ اس کے بعد اُسکو اُس مال و جائداد کے بیچڈالنے پر مجبور کیا گیا جسکو اُسنے ایک عرصہ سے فقراؤ غربائے مکہ و مدینہ زاد اللہ شرفہما کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اُس غریب نے جبرًا و قہرًا اسکو بھی قبول کر لیا۔ مگر کسی اہلِ اسلام نے مالِ موقوفہ کے خیال سے اسکو نہ خریدا۔ اور اس طرح یہ مال اللہ تھوڑے دن اور تصرفاتِ ناجائز سے محفوظ رہا۔ مگر تابکے یہاں تو دربار کے کمبخت پیٹ پھٹے جاتے تھے۔ آخرِ کار جب اِن لوگوں نے اُسکو اپنے قبضۂ تصرف میں کسی طرح آتے نہیں دیکھا تو آخرکار مقتدر کی ماں کو ہر طرف سے مجبور کر کے اُسکی بیع کو فوج کے اُن سپاہیوں کے نام لکھوا دیا جو عرصہ سے خالی پیٹ رہ کر غنیمت کی موہوم امید پر آسرا لگائے قلعۂ معلّے میں بیٹھے رہتے تھے۔

مقتدر کی غریب ماں کو افلاس و تنگدستی کے آخر نتیجوں تک پہنچا کر قاہر نے مقتدر کی ذریات و اولاد کے بارے میں بیرحمی اور بیدردی کے ایسے ایسے ظلم کیے جنکے ذکر ناگفتہ بہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ بھی کوڑی کوڑی کو محتاج کر دیے گئے +

قاہر سے اُمرائے سلطنت کا بگاڑ۔ اُسکے نتیجے۔

اِن تمام مظالم کی سزا قاہر کو بہت جلد ملگئی۔ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد قاہر اور بڑے بڑے اُمرائے سلطنت مثل مونس وغیرہ کے فیمابین نقیض پیدا ہوگئی اور ایک دوسرے سے سخت بدگمان اور بدظن ہوگیا

قاہر کو حُسنِ اتفاق سے موقع ملگیا۔ اور اُس نے فورًا مونس۔ یلبق۔ اور علی ابن یلبق کو جو سلطنت پر ہر طرف سے حاوی ہو رہے تھے قتل کرڈالا۔ اس کے بعد اُس نے ابنِ مقلہ وزیر سلطنت کو گرفتار کرنا چاہا۔ کیونکہ اُسپر بھی سازش کا جرم ثابت ہوگیا تھا۔ مگر وزیر کو اس کا پتہ لگ گیا۔ وہ جان بچاکر دربار سے چلدیا۔ اور شہر میں پوشیدہ ہوگیا۔ قاہر نے بڑی مستعدی سے اُسکی تلاش کا انتظام کیا۔ اور تمام شہر میں پہرے بٹھلادیے ابنِ مقلہ کی مجبوری اور مصیبت کی یہاں تک نوبت پہنچگئی کہ کبھی وہ اندھوں کی صورت میں اور کبھی عورتوں کے لباس میں اس گھر سے اُس گھر میں چھپتا پھرتا تھا۔ ابن مقلہ بہت بڑا چالاک اور ہوشیار شخص تھا۔ وہ اِن حالتوں میں بھی قاہر کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اُس نے اُسی لباسِ عیاری میں سلطنت کے اور باقی اُمرا سے قاہر کے خلاف میں سازش پیدا کی اور باہمی مشورت سے بغداد کے ایک بہت بڑے منجم کو جو اُسوقت شہر بغداد میں تمام معروف و مشہور تھا دو سو روپے دیکر یہ کہا کہ تم صرف سیما نامی غلام ترکی سے جو اِسوقت قاہر کے نزدیک بہت بڑا خیرخواہ۔ وفادار اور جاں نثار غلام خیال کیا جاتا تھا یہ کہہ دو کہ امسال کے زائچۂ تقویم سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں قاہر پر ایک ایسی سخت بلا نازل ہونے والی ہے جس سے کسی طرح اُسکی مخلصی کی کوئی امید نہیں۔ وہ اُسی بلاؤ مصیبت میں مرجائیگا۔ منجم نے اسے قبول کر لیا۔ اور اُس کی ہدایت کے موافق سیما کے آگے پورا زائچہ کھول کر رکھدیا۔ اس کے بعد حسین ابن ہارون اور ابن مقلہ بھی پوشیدہ طور پر سیما کے پاس پہنچے اور قاہر کے متعلق بہت سی خشونت آمیز اور وحشت انگیز باتیں دُہرائیں خلاصہ یہ کہ اِن لوگوں نے سیما کو ایسا ایسا بھڑکایا کہ وہ کافرِ نعمت بھی اپنے آقا کی زحمت دہی پر آمادہ ہوگیا۔ سیما نے پھر تمام ترکی غلاموں کو اپنی سازش میں لیلیا۔ اور پھر ان لوگوں نے ایک بار موقع پاکر قاہر کی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور اُسکو ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا۔ اور مقتدر کے بیٹے ابو العباس کو جس کے خلیفہ کیے جانے کی مونس نے پہلے ہی صلاح دی تھی تخت

حکومت پر بٹھلا دیا۔ اور اُسکو تمام ممالکِ اسلامیہ کا تاجدار اور حکمراں تسلیم کرا لیا اور خطبہ اور سکہ بھی اُسی کے نام سے جاری ہوگیا

قاہر کے عادات و خصائل

قاہر کے حالات تمام ذاتی معائب سے بھرے پائے جاتے ہیں۔ اسلام کے مؤرخین اس کے نقائص فطرت ثابت کرتے ہیں۔ ابن اثیر اور ابو الفدا قاہر کو بہت بڑا ظالم اور جابر لکھتے ہیں۔ روضۃ الصفا میں خاوند شاہ ہروی اسکو ظالم۔ سفاک۔ متہور اور بیباک کے مخصوص القاب سے یاد کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اپنے سلسلہ میں متوکلِ ثانی کہے جانے کا پورا مستحق تھا۔ بیوفائی۔ عہد شکنی اس کی عادت تھی۔ قتل و غارت۔ ظلم و شقاوت اسکی خاص طبیعت واقع ہوئی تھی۔ اس کے ثبوت میں مونس۔ بلیق اور علی ابن بلیق جیسے مقتدر اور معزز امرائے مملکت کا قتل باوجود اس امر کے کہ ان کے لیے خود امان نامہ لکھ چکا تھا موجود ہے یہ تو خیر دور کے لوگ تھے۔ مقتدر کی ضعیف ماں اور اُسکی تمام اولاد و اعقاب کے ساتھ اسنے جیسے جیسے ظلم کیے وہ ظاہر ہیں صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اُس کی کینہ پرور اور فتنہ جو طبیعت میں قرابت اور عزیزداری کی رعایت و مروت مطلق نہیں تھی۔ اُس کے دل میں خوف خدا کا مطلق احساس باقی نہیں تھا۔ اُس کا قلب پتھر تھا۔ اور سنگین۔ خدا ترسی۔ بندگانِ خدا کے ساتھ ہمدردی اُسکو چھو نہیں گئی تھی۔ اسکی شہادت میں مقتدر کی غریب ماں اور اُس کی جائداد موقوفہ کے دستاویزات موجود ہیں جسکو وہ سبیل اللہ فقرا و غربائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفہما کے تقیدِ احوال کی نظر سے وقف کر چکی تھی۔ قاہر باللہ اپنی عارضی سلطنت و حکومت اور اپنی معمولی دولت و ثروت پر ایسا ہی پھولا ہوا تھا اور بھولا ہوا کہ اُسکو دین و دنیا کی مطلق خبر باقی نہیں تھی۔ اُس کے وقت میں خلافت بغداد میں پہلے سے زیادہ کمزوری آگئی تھی۔ اس کے تمام نظام پارہ پارہ ہوگئے تھے۔ اُسکی ترتیب۔ درستی اور اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں تھی۔ اُس کے وقت میں آل بویہ کی قوتیں عدہ و فارس اور ممالکِ شرقیہ میں روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھیں۔ عضد الدولہ نے اصفہان۔ آذربیجان اور کرمان تک کا تمام علاقہ فتح کر کے اپنی حدود ریاست میں ملا لیا تھا۔ اور ان تمام ممالک میں وہ خود مختار اور خود سر امیر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ان کی مدافعت اور استیصال کے لیے قاہر کے بنائے کچھ نہ بنی۔ یہ حضرات جیسے روز اول سے آزاد اور مطلق العنان تھے ویسے ہی رہے۔ بلکہ اپنے تسلط اور سطوت کو یوماً فیوماً ترقی دیتے رہے۔ قاہر نے کُل ڈیڑھ برس تک خلافت کا کام کیا۔ وہ اندھے کر دیے جانے کے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہا۔ اور باون کی عمر پائی۔ مگر عموماً اُسنے اپنی بقیہ زندگی ایسی بُری طرح بسر کی کہ شاید ایسے جینے سے تو مر جانا بہتر تھا۔ چنانچہ مسعودی۔ ابنِ اثیر اور روضۃ الصفا اس کے آخر وقت کے حالات میں لکھتے ہیں کہ قاہر باللہ اپنی آخرِ عمر میں بغداد کی جامع مسجد کے دروازے پر بھیک مانگ کر اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ خلافتِ اسلامی کا خلیفہ اور یہ نتیجہ ؎

زر شکۂ نفس پارہ پارہ شد معلوم کہ دل بہ ثروتِ ناپائدار نتوان بست

الراضی باللہ کی سلطنت

اس کا نام محمد تھا اور کنیت ابو العباس جس زمانہ میں قاہر اندھا کیا گیا تھا اُسوقت یہ قید خانہ میں تھا۔ خدا کے کارخانہ میں کسی کو کیا دخل۔ اُسی قید خانہ میں راضی کی شاہی کے شادیانے بجے۔ لوگوں نے اسکو قید سے نکال کر تختِ حکومت پر بٹھلایا۔ اور مراسم تخت نشینی کی ادائگی کے بعد راضی نے پہلا حکم جو دیا وہ ابنِ مقلہ کی منصب وزارت پر بحالی تھی۔ وزیر بھی اپنی چالوں کا پورا تھا۔ اس منصبِ جلیلہ کے پاتے ہی اپنے تمام مخالفین کے ساتھ عام طور سے احسان کرنے شروع کر دیے اور عام طور سے ان امور کے استعجاب پر لوگوں سے یہ بیان کیا کہ میں نے اپنے گزشتہ مصائب کے زمانہ میں اپنے خدائے برحق کی جناب میں وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ مجھے اس ضیق النفسی کے عالم سے نجات دلوا دیگا تو میں اپنے تمام

اختلاف کرنے والوں سے اُسکے شکریہ میں احسان کرونگا
اور اُنکو اپنا دوست اور خیر خواہ بنالونگا۔ اسی لیے میں نے
حسبِ وعدہ اپنی مخالفت کرنے والی پارٹی سے احسان اور
محاسنِ سلوک کا اظہار کیا ہے۔ مگر حقیقۃً یہ تمام باتیں ابنِ مقلہ
کی لفاظی اور صرف زبانی جمع خرچ تھے۔ اور کچھ بھی نہیں۔
نہ خدا سے کوئی وعدہ نہ وعید۔ یہ سب وقتی حیلے تھے۔ اور
موقع کی ضرورت۔ ابنِ مقلہ کو اسوقت عام رضامندی اور
دلجوئی کے ذریعہ سے منصبِ وزارت کا حاصل کرنا خاص
طور پر منظور تھا۔ اس ترکیب سے وہ اُسے حاصل ہوگیا جب
اُس کے امور خاطر خواہ مستحکم ہوگئے تو اُس نے اپنی اختیار
کردہ روش ترک کردی۔ اور اپنی آزادی اور خودمختاری کے
قدیم طریقوں پر چلا آیا۔ مگر اب پھر وزیر السلطنت ہوگیا تھا
کسی کو اسکی تجویز و تدبیر میں چون و چرا کی مطلق گنجائش باقی
نہیں رہی۔ مگر کسی کی نہ ہمیشہ بنی رہی اور نہ بنی رہیگی تھوڑے
ہی دنوں کے بعد ابنِ مقلہ کا ایک خط پکڑا گیا جس کو اُس نے
خلیفۂ عصر کے خلاف میں اُمرائے بغداد میں سے ایک کے
نام روانہ کیا تھا۔ راضی کے پاس جب یہ خط پیش کیا گیا تو
اُسنے یکبارگی اُس کی کیفیت کو ابنِ مقلہ سے ظاہر کرنے کو
مصلحت نہ سمجھا۔ اُسکو اپنی خلوت میں لیگیا۔ اور اُس خط کا
مضمون دُہرایا۔ اور پوچھا کہ تم نے کوئی ایسا خط لکھا ہے۔
اُس نے قطعی انکار کیا۔ خلیفہ چپ ہو رہا۔ دربارِ عام میں
بیٹھا تو پھر اُس خط کا معاملہ پیش ہوا۔ ابنِ مقلہ بُلایا گیا اور
اُس کے سامنے وہ خط رکھدیا گیا۔ خط تو اُسی کے ہاتھ کا
لکھا تھا۔ وہ انکار کرتا تو کیسے۔ غریب سر جھکا کر شرما گیا۔
راضی نے اُسی وقت اُس کے دونوں ہاتھ کٹوا دیے۔
یہ حکم سنتے ہی ابنِ مقلہ نے بہت کچھ دوہائی دی اور چلا چلا
کر خلیفہ کی خدمت میں فریاد کی کہ ان ہاتھوں نے بہت
سے قرآن مجید لکھ ڈالے ہیں۔ ان کی ایسی سزا نہیں ہونی
چاہیے۔ مگر راضی ان میں سے ایک پر بھی راضی نہ ہوا۔ اور
ابنِ مقلہ کے ہاتھ کٹوا کر اُسکو اُسکے اخیر نتیجوں تک پہنچا دیا۔
یہ عجیب اتفاق ہے۔ ابنِ مقلہ تین بار وزیر ہوا۔ تین ہی

بادشاہوں کی خدمت میں حاضر رہا۔ اُس نے دو دور دراز
مسافت کے سفر کیے۔ مرنے کے بعد تین بار دفن کیا گیا۔
اُس کے ملازمین میں سے تین شخص بہت بڑے کامل۔ قابل
اور مشہورِ آفاق گزرے۔ یہ تھے ابنِ مقلہ کی ثروت و اقتدار
اور پھر اُسکی ذلت و ادبار کے مفصل حالات جو تاریخ کی معتبر
اسناد سے قلمبند کیے گئے ❊

راضی اور قاہر کے مال و دولت کی ضبطی

قاہر نے مقتدر کی ذریات کے ساتھ جیسا کچھ کیا وہ
اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب سنیے اُس کو راضی کو خبر لگی کہ قاہر
نے مونس۔ یلبق اور اُس کے بیٹے علی کو جو حاجب سلطانی تھا مار کر
بہت کچھ دولت پائی ہے۔ اور اُسکو وہ بالکل پوشیدہ
کیے ہوئے ہے۔ راضی یہ سنتے ہی اُس کے پیچھے پڑ گیا۔ قاہر
کے مکان کے گوشہ گوشہ کی تلاشی لیگئی۔ مگر ایک خرمہرہ بھی
ہاتھ نہ آیا جب اُسکو اس امر کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہ
معلوم ہوئی تو اُس نے اپنی ندامت اور خجالت مٹانے کے
ذریعہ سے قاہر کو اپنا مصاحب بنایا اور تھوڑے دنوں دربار
میں اُس کا بڑا اعزاز و اکرام بڑھایا۔ مگر پھر اپنی تلوّن مزاجی
کے ہاتھوں اُس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ ڈالا۔ اور پھر جو اُس کے
ساتھ کیا تھا سب خاک کر ڈالا۔ اُسکی تفصیل یہ ہے کہ قاہر نے
اپنے زمانہ خلافت میں ایک بہت بڑا پُر تکلف باغ لگایا تھا۔
اور اُسکو عمدہ عمدہ پھولوں اور خوشنما درختوں سے سجایا تھا
خلاصہ یہ کہ آرائش۔ زیبائش اور فضا کے اعتبار سے قاہر کے
اس باغ بغداد پر لم یخلق مثلھا فی البلاد کی مثال
صادق آتی تھی۔ راضی اپنے ایام شباب میں کبھی کبھی تفریح
کے خیال سے اپنے احباب کے ساتھ یہاں آتا تھا اور اپنے
عیش و عشرت کے جلسے جماتا تھا۔ زمانۂ موجودہ میں جب خلیفہ
ہوا تو پہلے سے بھی زیادہ اسی باغ میں آنے جانے لگا۔ چونکہ
اس زمانہ میں راضی کی قاہر پر خاص توجہ رہتی تھی۔ اس لیے
سادہ لوح قاہر نے ایک دن راضی سے بیان کیا کہ میں نے
اس باغ میں ایک بہت بڑا خزانہ مدفون کیا ہے مگر بد قسمتی سے

وہ مقام مجھے یاد نہیں رہا ہے۔ چونکہ آپ کی نگاہِ توجہ مجھ پر خاص کر رہتی ہے اس لیے التماس ہے کہ آپ اُسکو اپنے انتظام سے پیدا کریں۔ اور میری طرف سے اُسکو اپنا ہدیہ تصور فرمائیں۔ راضی جس قدر کشادہ دست مشہور تھا۔ اُسی قدر طماع بھی۔ اُس نے یہ نویدِ غیبی سُنتے ہی قاہر کے اندوختہ کی تلاش شروع کر دی۔ باغ کے وہ تمام مقامات جہاں جہاں اُسکو دفینہ کے چھپائے جانے کا گمان ہوا ایک ایک کر کے کھدوا ڈالے۔ کہیں کچھ نہ نکلا۔ اور رفتہ رفتہ وہ تمام باغ کھنڈر ہو گیا۔ اُس کی تمام آرائش و زیبائش مٹی میں مل گئی اور زمین سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ نکلی۔ اب راضی کو سخت ندامت حاصل ہوئی۔ اپنی گرہ سے سینکڑوں روپیوں کا نقصان بھی ہوا اور یہ باغ بھی تباہ و ویران ہو گیا اب راضی کے پچتانے سے ہوتا تھا کیا۔ ع چہ کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ۔ راضی نے پھر تو قاہر کو اپنی اُسی جھنجھلاہٹ میں اپنے پاس بُلوایا اور اُس سے پوچھا کہ تم کو ایسا سفید جھوٹ بولنے اور ایسے پُر فضا اور سبز و شاداب باغ کے تباہ کرا دینے کی کیا وجہ لاحق ہوئی؟ قاہر نے نہایت متانت سے بزرگانہ طور پر جواب دیا کہ حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ میرے دل نے اس امر کو کسی طرح گوارا نہ کیا کہ تم اُسکی فضا اور زیب و آرائش سے رات دن محظوظ و مسرور ہوتے رہو۔ اور میں دونوں آنکھوں کا اندھا ہو کر اپنے ریاض سے کوئی لطف اُٹھا نہ سکوں۔ ایُّہا الامیر! میری یہی حسرت اُس کی تمام بربادی کا باعث ہوئی۔ اور اس کے سوا کوئی دوسری وجہ نہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو میرے ساتھ کر گزرو۔ یہ سُنکر راضی کو ایسا طیش آیا کہ قاہر کو اُسی وقت اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ اور پھر اُسکو ایسا تنگ کیا کہ وہ آخر کار بھیک مانگ مانگ کر مر گیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اِسکے بعد راضی باللہ بھی سنہ ۳۲۹ ہجری میں بعارضۂ استسقا مبتلا ہو کر مر گیا۔

غیبتِ صغریٰ کا اختتام اور غیبتِ کبریٰ کا آغاز

اُسی سال سنہ ۳۲۹ ہجری میں جناب امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام کی غیبتِ کبریٰ کا آغاز ہوا۔ اور مشیتِ خداوندی نے اپنے اُس نورِ ہدایت کو حجابِ قدرت میں لے لیا۔ اور اُس شمعِ ہدایت اور گوہرِ رسالت کو اپنے دامنِ حفاظت میں چھپا کر آپ کے باقی ماندہ آثار و احکام کو بھی جو اسوقت تک نوابین یا وکلائے خاص کے ذریعہ سے کسی قدر ظاہری طور پر نفاذ پاتے تھے بالکل ممنوع کر دیا۔ اسکی وجہ وہی مخالفین کی قدیم مخالفت اور طبقۂ مسلمین کی ضلالت و جہالت کے سوا کوئی دوسری معلوم نہیں ہوتی۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہو گا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس زمانہ میں جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے احکامِ ہدایت اور انتظامِ امامت محض ایک بزرگ کے ذریعہ سے انجام پاتے تھے جو آپ کی طرف سے نیابت کے عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوتا تھا۔ اور وہ بھی سخت رازداری اور ہوشیاری۔ کمال حزم و احتیاط اور بیداری کے ساتھ اس طرح کہ مخالفین کو خبر نہو۔ معاندین اور اعدائے دین نہ سُنیں۔ مگر بااینہمہ مخالفِ سلطنت نے آپکے ان اسرار اور آثار میں بھی اپنی طرف سے مداخلت کرنے کی ضرور کوشش کی۔ اور اپنی تجویزِ انسانی سے اس تدبیرِ ربانی کے موجودہ انتظام کو طشت از بام کر کے درہم و برہم کر دینا چاہا۔ یہاں تک کہ خانۂ مقدس کی تلاشی کی اور اس مقامِ مقدس تک پہنچ گئے جہاں آپ کے معتمدین اور کامل الیقین مومنین کے ساتھ مجلس ارشاد و ہدایت قائم کیجاتی تھی۔ ان لوگوں کا یہاں تک پہنچنا بھی صرف سُراغرسانی کی ضرورت تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ ان کا پورا قصد تھا۔ جیسا کہ خلیفہ کی طرف سے یہ ہدایت پا چکے تھے کہ آپ کو گرفتار کر کے خلیفۂ عصر کی خدمت میں پہنچا کر آپ کی عزیز جان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔ مگر بااینہمہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے باوجود اتنی رسائی کے جو سلسلہ پیدائی تھے بھی یہ لوگ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور مصلحتِ ربانی نے ان کے فتنۂ شیطانی سے اپنی ودیعت اور حجتِ زمانہ کو بالکل محفوظ و مصئون رکھا۔ اور انکی عملی قوت

کو کمزور اور دیدۂ بصیرت کو کور بنا کر بالکل بال بال بچا لیا جس کے باعث سے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد جناب قائم آل محمد علیہ السلام کو سرداب مبارک میں قیام فرمانے کی مجبوری ہوئی۔ اور قریب قریب ۶۹ برس تک سرداب مبارک سے احکام ہدایت و ارشاد نوابین و وکلائے مخصوصین کے ذریعہ اور معرفت نافذ ہوتے رہے سرداب مبارک کے حالات پر بالکل پردہ ہے۔ اس لیے اس کے متعلق محض قرینہ اور قیاس سے بیان کرنا اسرار مشیت اور احکام قدرت میں خواہ مخواہ مداخلت کرنا ہے۔ اس لیے ہم ان امور کی کسی تفصیل کرنے سے قطعی مجبور ہیں۔ مگر ہاں اتنا البتہ کہہ سکتے ہیں کہ سرداب مبارک سے توقیعات مقدسہ خادمان خاص کے ذریعہ سے برابر برآمد ہوتی تھیں اور سفراء و وکلائے مخصوصین تک پہنچتی تھیں۔ رؤیت تو خانۂ مقدسہ کی ترک سکونت کے وقت سے ممنوع ہو چکی تھی۔ مگر ان توقیعات کی برآمد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اور علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ کو اس زمانہ میں شرف نیابت حاصل تھا۔ اور جملہ احکام و ارشاد کے نظام آپ ہی کے ذریعہ سے انجام ہوتے تھے۔ امسال انہوں نے بھی رحلت فرمائی۔ اور ان کی وفات سے یہ سلسلہ بھی ہمیشہ کے لیے موقوف ہو گیا۔ غیبت صغرےٰ کے ایام تمام اور غیبت کبرےٰ کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ آخر توقیع مقدسہ جو علی ابن محمد سمری کے نام برآمد ہوئی اس میں ان کی وفات غیبت صغرےٰ کے اختتام اور غیبت کبرےٰ کے آغاز۔ تمام حالات سے اطلاع و ہدایت فرما دی گئی ہے۔ اس کی اصلی عبارت یہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ يَا عَلِيَّ ابْنَ مُحَمَّدِ السَّمُرِيْ اَعْظَمَ اللّٰهُ اَجْرَ اِخْوَانِكَ فِيْكَ فَاِنَّكَ مَيِّتٌ بَيْنَكَ وَبَيْنَ سِتَّةِ اَيَّامٍ فَاجْمَعْ اَمْرَكَ وَلَا تُوْصِ اِلٰى اَحَدٍ يَقُوْمُ مَقَامَكَ بَعْدَ وَفَاتِكَ فَقَدْ وَقَعَتِ الْغَيْبَةُ التَّامَّةُ فَلَا ظُهُوْرَ اِلَّا بَعْدَ اِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ وَذٰلِكَ بَعْدَ طُوْلِ الْاَمَدِ وَقَسْوَةِ الْقُلُوْبِ وَامْتِلَاءِ الْاَرْضِ جَوْرًا وَسَيَاْتِيْ مِنْ شِيْعَتِيْ مَنْ يَدَّعِي الْمُشَاهَدَةَ اَلَا فَمَنْ اِدَّعَى الْمُشَاهَدَةَ قَبْلَ خُرُوْجِ السُّفْيَانِيِّ وَالصَّيْحَةِ فَهُوَ كَذَّابٌ مُفْتَرٍ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ (بحار الانوار صفحہ ۱۵۱)

اے علی ابن محمد رضی اللہ عنہ۔ خداوند عالم تمہارے برادران ایمانی کو تمہاری وفات کے مصائب میں اجر عظیم عنایت فرمائے۔ کیونکہ تم اسی چھ دن کے اندر قضا کر جانے والے ہو۔ پس تم اپنے کاموں کو درست اور مرتب کر لو خصوصاً میری وکالت کے خاص معاملہ کو۔ اور وہ یہ ہے کہ میری وکالت اور نیابت کے متعلق تم آئندہ کسی دوسرے شخص کو وصی نہ کرنا کہ وہ تمہاری وفات کے بعد تمہارا جانشین اور قائم مقام قائم ہو جائے کیونکہ غیبت کبرےٰ کے ایام شروع ہو گئے۔ اور اب میرا ظہور بالکلیہ حکم خداوندی پر موقوف ہو گیا اور وہ ایک طولانی غیبت کے بعد ہونے والا ہے اس وقت جبکہ دنیا جور و ستم سے بھر جائیگی۔ اور ہمارے دوستوں میں سے بہت جلد ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو غیبت کبرےٰ کے زمانہ میں بھی ہم سے ملنے اور ہماری زیارت کرنے کا دعوی کرینگے۔ مگر تم سب لوگوں کو آگاہ کر دو۔ کہ جو شخص خروج سفیانی اور نزول ندائے آسمانی کے قبل مجھ سے ملنے یا میرے دیکھنے کا دعوی کرے وہ شخص جھوٹا ہے اور افترا کرنے والا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چنانچہ علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ نے اس توقیع مبارک کو زمرۂ مومنین میں مشتہر بھی کر دیا جس کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

ابو محمد حسن ابن بکیت کا بیان ہے کہ جن ایام میں علی ابن محمد رضی اللہ عنہ کی وفات واقع ہوئی ہیں بغداد میں مقیم تھا ان کی وفات سے چند روز پیشتر ان کی عیادت کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسی اثنا میں توقیع مقدسہ جو اوپر لکھی گئی برآمد ہوئی۔ علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ نے حاضرین مومنین کو وہ تحریر مبارک لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً پڑھ کر سنا دی۔ ان ہی لوگوں میں ایک میں بھی تھا میں نے اسی وقت اسکی ایک نقل لے لی اور اپنے پاس رکھ لی۔

اِس واقعہ سے چھ دن کے بعد میں پھر اُن کی عیادت کو گیا دیکھا کہ علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ حالتِ احتضار میں مبتلا ہیں۔ اُن کو آخر حالت میں پاکر اُن کے بعض احباب نے اصرار کرکے پوچھا کہ امرِ نیابت میں آپ کے بعد آپ کا کون قائم مقام اور جانشین ہوگا۔ یہ سن کر انہوں نے صاف صاف لفظوں میں جواب دیا کہ یہ امورِ خداوندی ہیں جنکا ایک وقت میں تمام ہو جانا ضروری اور لازم ہے۔ یہ فرماکر اُنھوں نے انتقال فرمایا۔ یہ آخری کلمہ تھا جو میں نے اُنکی زبانِ مبارک سے سنا (بحار الانوار جلد سیزدہم صفحہ ۱۵۹)

بہرحال اِس مقدس بزرگوار کی وفات ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ اور اسی سال غیبت کبریٰ کے ایام شروع ہو گئے۔ اب اُس کے بعد آپکے حالات اور معاملات پر نظامِ قدرت اور احکام مشیّت کی طرف سے ایسا محکم اور مستحکم پردہ ڈالا گیا ہے جسکو انسان کی کوتاہ دستی کسی طرح اٹھا نہیں سکتی۔ اور دریافتِ حقیقت کی غرض سے کسی کی کوئی تدبیر اور کوئی تجویز کام نہیں سکتی۔ اِن وجوہ سے آپ کے کسی حالات اور معاملات کی خبر اور اطلاع ادراکِ انسانی سے قطعی طور پر بالکل غیب سے متعلق ہو گئی۔ اور سوائے ذاتِ عالم الغیب کے کسی دوسرے کو ان معاملات کی معلومات کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ سوائے اسکے کہ یقینی طور پر ہر شخص کو معلوم ہے کہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور ایک وقتِ خاص میں نصوصِ الٰہی اور منشورِ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ظہور فرمائیں گے۔ اور کچھ نہیں۔ بس اتنا مختصر اور محدود علم رکھ کر کوئی شخص آپکے حالات یا دوسرے معاملات کو کیسے بتلا سکتا ہے۔

اِس مسئلہ کی بھی وہی صورت ہے جیسے جناب ادریس جناب عیسےٰ اور حضرتِ خضر علی نبینا وآلہ وعلیہم السلام کی۔ تمام دنیا کے لوگ اِن بزرگواروں کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ مگر اُن میں سے کوئی شخص اُنکے حالات اور معاملات کو کہ یہ حضرات کہاں رہتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں مطلق بتلا نہیں سکتا۔ اُسی طرح جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے حالات اور معاملات کو بھی سمجھنا چاہیے۔ اور جو دلائل کہ اُن بزرگواروں کے وجود ذی جود پر قائم کیے جاتے ہیں وہی آپ کی بقا پر۔ اور آپ کے اتنے دنوں تک زندہ رہنے پر بھی قائم ہوتے ہیں۔ اور جنکو ہم انشاء اللہ تعالےٰ بہت جلد اپنے سلسلۂ بیان میں درج کرینگے ؂

جناب صاحب العصر علیہ السلام پر اتہام اور غیبتِ کبریٰ کے وقوع کے اسباب

جو امر کہ اس وقت ہمارے لیے سب سے زیادہ تنقیح اور تشریح کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جو توقیعِ مبارک کہ ابھی ابھی اوپر لکھی گئی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبتِ کبریٰ کے زمانہ میں جو شخص آپ کی رُویت اور شرفِ زیارت کا دعوےٰ کرے وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ حالانکہ فریقین کی کتابوں سے بتواتر ثابت ہوتا ہے کہ غیبتِ کبریٰ کے موجودہ ایام میں بھی بہت سے ایسے سعادتمند اور خوش قسمت حضرات گزرے ہیں اور اسوقت تک بھی گزرتے جاتے ہیں جو آپ کے شرفِ زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں یا ہوتے جاتے ہیں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ توقیع مبارک میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اُس کا اصلی مقصود اُسی رُویت اور زیارت سے ہے جو غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں ہوا کرتی تھی جسمیں حضرت امام العصر والزمان علیہ السلام اُن لوگوں سے جو آپ کی زیارت کو آتے تھے اپنی پوری معرفت کے ساتھ ملتے تھے۔ اور بالمشافہ اُن کے اغراض و مطالب کو سنتے تھے۔ اور اُن کے متعلق حکم و احکام نافذ فرماتے تھے۔ بخلاف اِن حالتوں کے غیبتِ کبریٰ میں یہ بات قائم نہیں رہی بلکہ وہ پہلے امور سب قطعًا ممنوع ہو گئے۔ اب جن سعادتمندوں کو قسمت سے یہ موقع ملا بھی تو بعض صورتوں میں اُنکو مطلق معرفت نہیں کرائی گئی۔ بلکہ صرف

سطحی طور پر اُنکے انجاحِ مطالب کی مناسب تدبیر بتلا دی گئی۔ یا ضرورتِ دینی میں احکام شرعیہ وغیرہ سے آگاہ فرمادیا گیا۔ اور بس۔ اور بعض صورتوں میں کسی عالم یا مجتہد کی رُویائے صادقہ وغیرہ کے ذریعہ سے جو اُس کا فیصلہ یا قریب تر ہو سائل کو اُسکے امور کے جواب سے مطلع کر دیا گیا۔ اور جب کسی صورت میں اظہارِ معرفت ایسی ہی ضروری سمجھی گئی تو معرفت بھی کرا دی گئی۔ مگر اُن ہی نفوسِ خالص کو جن کے خلوص۔ رسوخ اور وثوق کے کامل امتحان خداوندِ عالم کے نزدیک پورے ہو کر آپ اپنی رویت اور معرفت کے امور میں منجانب اللہ ماذون ہو چکے ہوں۔

جن لوگوں نے غیبت صغرٰے اور کبرٰے دونوں ایام کے حالات بالاستیعاب پڑھے ہیں وہ بخوبی سمجھ جائینگے کہ ان دونوں ایام کے نظام میں کیا امتیاز ہے۔ خلاصہ کے طور پر ہر شخص کو یوں سمجھ لینا چاہیے کہ غیبتِ صغرٰے کے زمانہ میں مؤمنین مخلصین عموماً اور نوابین اور وکلائے آنحضرتؑ خصوصاً شرفیابِ زیارت ہو سکتے تھے غیبتِ کبرٰے میں نوابین کا تو منصب ہی باقی نہیں۔ مؤمنین مخلصین یا عامۂ مسلمین کسی کے لیے صاف زیارت کا شرف ممکن نہیں۔ اِس کے متعلق جو واقعات پائے جاتے ہیں یا آیندہ پائے جائیں وہ سب اسرارِ مشیت سمجھے جائیں گے اور آپ کے اعجاز و کرامت۔

یہ دلائل بتلا رہے ہیں کہ اس توقیع مبارک کی عبارت نے ان حالات و واقعات میں کوئی نقص یا اعتراض پیدا نہیں ہوتا جو آپ کی رؤیت کے متعلق فریقین کی معتبر اور مستند کتابوں میں مندرج ہے اور جسکو ہم ایک علٰحدہ بحث میں بہت جلد بیان کریں گے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ غیبتِ صغرٰے کے ایام تمام ہو کر غیبتِ کبرٰے کا زمانہ شروع ہو گیا اور اسوقت سے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے تمام معاملات کے اطلاعی اظہار قطعی طور پر ممنوع ہو گئے جس کا علم سوائے ذاتِ الٰہی کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مگر اس مقام پر ہمکو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ آخر دنیا اور دنیا والوں سے وہ کونسا ایسا قصور سرزد ہوا جس کی سزا میں اُس واہب العطایا نے اپنی یہ دولت دنیا والوں سے اُٹھالی اور اپنے فیوض سے تمام عالم کو محروم رکھا۔

اس کی وجہ بتلانے اور اسکے اسباب قائم کرنے سے پہلے ہم کو یہ لکھ دینا نہایت ضروری ہے کہ اُس وقت دنیا کے لوگ دو حصوں پر تقسیم تھے۔ سب سے بڑا حصّہ تو وہ تھا جو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کا مخالف اور آپ کے تمام امور کا منکر۔ دوسرا حصّہ پہلے حصّہ سے تعداد میں بہت کم تھا۔ وہ البتہ آپ کے اخلاص و محبّت کا دم بھرتا تھا۔ اور آپ کے ارشاد و اقوال پر عمل کرتا تھا حصۂ اول کے عقائد میں نفسانیت۔ خود غرضی اور دنیا پرستی کی وجہ سے جو جو مناقص اور معائب پیدا ہو چکے تھے یا پیدا ہوتے چلے جاتے تھے اُن سب کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ خیریت تھی کہ ابھی تک اِس دوسرے گروہ میں جو آپ کی عقیدت اور متابعت پر ہمیشہ سے سرگرم اور مستعد تھا۔ ارتداد یا اِس قسم کے فتنہ و فساد نہیں پیدا ہوئے تھے۔ مگر افسوس! زمانۂ ناہنجار کی رفتار نے آخر ان کو بھی اپنی راہ پر لگا لیا اور دنیائے شعبدہ کردار نے انکو بھی اپنے ایسا بنا لیا۔ دولتِ دنیاوی کی طمع نے ان کو گھیر لیا۔ امارت و ثروت کے لالچ نے اِن کو گرفتار کر لیا۔ خود غرضی اور نفسانیت انپر غالب آگئی۔ حسد۔ نااتفاقی اور جہالت ان پر مسلط ہو گئی۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

نیابت امام علیہ السّلام اور شیعوں کا اہتمام

ہم جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ معتمد کی سخت مخالفت کی وجہ سے آپ نے سفراء اور وکلاء کے ذریعہ سے مؤمنین کی ضرورتیں پوری کیے جانے کا انتظام فرمایا تھا۔ اور سب سے پہلے عثمان ابن سعید عمری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ یہ بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب میں

غافل تھے۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ابتدائی ایام تک تو خیر لوگ خاموش رہے۔ اگرچہ وہ ان ایام میں بھی بالکلیہ خاموش نہیں رہے۔ مسئلہ نیابت میں خلاف تقریریں کرنے لگے مگر خیریت تھی کہ اُن کی یہ تقریریں ان کے گھروں کے حدود اربعہ سے باہر نہ نکلنے پائیں۔

مگر عثمان ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے بعد محمد ابن عثمان سفیر دوم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ نیابت میں ان لوگوں کی نفسانیت ظاہر ہونے لگی۔ اور ان لوگوں نے علانیہ مخالفت پر کمر باندھ لی۔ حصولِ دولت و ثروت و امارت کے لالچ میں پڑکر آپ کی ذات مستغنی الصفات پر طرح طرح کے اتہام لگانے لگے۔ اِن میں سے پہلے جس شخص نے ارتداد اور اِس فتنہ و فساد کا اظہار کیا اُس کا نام شریعی تھا کتاب الغیبہ میں اس شخص کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ درج ہیں جس کا خلاصہ مع ترجمہ یہ ہے۔

اِس شخص کا نام حسن تھا کنیت ابو محمد اور لقب شریعی یہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب میں شامل تھا۔ اور اُن کے بعد حضرت امام حسنِ عسکری علیہ السلام کی خدمت میں برابر حاضر رہا۔ جناب صاحب الامر والزمان علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں پہلے جس شخص نے مسئلہ نیابت کے متعلق فساد برپا کیے وہ یہی تھا۔ اس نے مسئلہ نیابت سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ دعوے کیا کہ گروہ شیعہ میں آپ کی نیابت کا حق مجھے حاصل ہے اور میرے ہوتے کوئی دوسرا شخص اِس منصب کا مستحق اور شایان نہیں ہے۔ اپنے اِن دعووں کی تصدیق و توثیق میں اس نے ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے بہت سی جعلی اور مصنوعی حدیثیں وضع کرلی تھیں۔ اُنھی حدیثوں سے اُس نے بہت سے جہّال اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ دنیا کے بہت سے شکم پرست اور فاقہ مست اس کے غلام اور بندۂ بے دام بن گئے۔ مگر جُوں جُوں اِن کی حماقتوں میں ترقی ہوتی گئی ویسے ویسے اِنکی ضلالت اور ارتداد بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اس فرقہ کے لوگ اپنی بد اعمالیوں پر ستیوں کی بدولت آخر کار فرقۂ حلاجیہ کے اعتقاد میں داخل ہوگئے

محمد ابن نصیر نمیری اور نیابت کا دعوے

شریعی کے ایسے ایک دوسرے صاحب پیدا ہوگئے اِن کا نام محمد ابنِ نصیر نمیری تھا۔ یہ صاحب اصحاب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے بعد وفات حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام حضرت ابی جعفر محمد ابن عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلۂ نیابت میں نزاع پیش کی اور یہ بیان کیا کہ نیابت امام علیہ السلام کا حق ہم کو حاصل ہے اور ہم ہی درمیان مومنین اور جناب امام علیہ السلام کے ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ لیکن بہت جلد خداوند عالم نے اِنکو اس جھوٹے دعوے کی سزا دیدی اور یہ اپنے کردار سے ذلیل و خوار ہوکر حضرت ابی جعفر ابن عثمان سفیر اول کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر اُن بزرگوار نے اِن کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہیں دی۔ اور یہ سخت پشیمان ہوکر اپنے گھر واپس گئے۔ اِس ندامت سے ہدایت کیا ہوگی کہ ان کی جہالت اور ضلالت میں اور ترقی ہوتی گئی۔ انہوں نے تمام دنیا میں نئی نئی طرح کے عقائد جاری کیے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام (معاذ اللہ) خدا ہیں اور ہیں انکا پیغمبر (نعوذ باللہ) وہ مسئلۂ تناسخ کے بھی قائل تھے۔ مواقعہ بالمحارم کو جائز سمجھتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ غرضکہ انکے تمام عقائد ایسے ہی حشویات و لغویات سے پُر اور مملو تھے جن کا بیان ناگفتہ بہ ہے۔

مگر واہ ری دنیا اور واہ رے دنیا والے! ایسی انسانیت سے گزری ہوئی اور حیوانیت سے ملی ہوئی تعلیمات پر بھی بھیڑوں کی طرح ایک بار جھک پڑے اور اپنی نفسانیت اور شہوت پرستی کی وجہ سے بہت سے لوگ ان مہمل اور باطل عقائد کے قائل ہوگئے۔ چنانچہ محمد ابن نصیر نمیری کو موسیٰ ابنِ حسن ابنِ ابی الفرات سابق وزیر خلافت سے جو

اُسوقت عراقِ عرب میں بہت بڑا ذی اقتدار اور صاحب اختیار شخص تھا۔ اپنے معاملات میں بہت بڑی مدد پہنچی۔ اپنی شامتِ اعمال سے موسے اُن کا مقلد ہوگیا۔ اور اُس کی دولت۔ ثروت اور ذاتی وجاہت نے نمیری کے کام کو بڑا فروغ دیا۔ جسکی وجہ سے نمیری نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے مقلدین کی ایک معتد بہ جمعیت تیار کرلی۔ جہاں تک اِن کے حالات پر بہ تحقیق نظر ڈالی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام امور ان کی حیات ہی تک باقی رہے اور ان کے تمام کھیل انکی زندگی ہی تک بنے رہے۔ ان کا مرنا تھا کہ انکا سونے کا بنا بنایا گھر مٹی ہوگیا بات یہ ہوئی کہ مرنے کے وقت اِن سے پوچھا گیا کہ تمہارے بعد تمہارا قائم مقام اور جانشین کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ احمد۔ اور مر گئے۔ اِن کے مرجانے کے بعد یہ دقت پیش آئی کہ احمد کے نام لینے سے انکا کیا مقصود تھا۔ کیونکہ ان کے مقلدین میں اکثر کے نام احمد تھے۔ اِس مسئلۂ خاص کی وجہ سے اُن لوگوں میں اس وقت تین گروہ قائم ہوگئے۔ اول گروہ کا عقیدہ تھا کہ احمد سے مراد احمد ابن محمد ابن موسیٰ ابن ابی الفرات ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا تھا نہیں یہ احمد نہیں بلکہ احمد ابنِ احمد ہیں۔ تیسرا گروہ کہتا تھا احمد ابن ابی الحسن مراد ہیں۔ غرض جو تھا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بناتا تھا۔ اور تینوں گروہ کسی طرح ایک خاص شخص کی قائم مقامی پر اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی نااتفاقی اور باہمی اختلاف کی وجہ سے اس فرقہ اور عقیدہ والے بھی جلد نیست و نابود اور دنیا سے مفقود ہوگئے۔ محمد ابن نصیر نمیری کے ارتداد و ضلالت کی بابت بھی اسی طرح توقیعِ مبارک برآمد ہوئی جس طرح کہ شریعی کے لیے۔ اور جملہ مومنین کو اسی کے مطابق مکر و فریب سے بچنے اور ارتداد و ضلالت سے محفوظ رہنے کی خاص طور پر ہدایت فرمائی گئی۔

احمد ابنِ ہلال اور نیابت کا دعوےٰ

محمد ابن نصیر نمیری کے بعد احمد ابنِ ہلال پیدا ہوئے۔ یہ صاحب حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام کے اصحاب میں تھے۔ انہوں نے بھی زمانۂ موجودہ کی رفتار کے موافق منصبِ امامت کا دعوےٰ کیا۔ مومنین نے اُن کو اِن عقائدِ باطلہ کے نشو و تبلیغ سے باز رکھنے کی بہت کوشش فرمائی۔ اور یہ دلیل واضح دکھلائی کہ جناب حسن عسکری علیہ السلام نے جو ہمارے امام مفترض الطاعت تھے اپنے امرِ نیابت میں عثمان ابن سعید اور اُن کے صاحبزادے ابو جعفر کے لیے حکم دیا ہے۔ پھر آپ کو اِس مسئلۂ اتفاقیہ میں کیا کلام ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اُن حضرات سے اِن دونوں صاحبوں کی نیابت کے لیے کوئی حکم صریح نہیں سنا ہے۔ مگر ہاں عثمان ابن سعید کی بابت آپ نے ارشاد فرمایا تھا اس لیے مجھ کو اُن کے نائب مان لینے میں کوئی کلام نہیں ہے مگر جب عثمان ابن سعید مر گئے اور زمانۂ موجودہ میں حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کی نیابت کا دعوےٰ اُن کے بیٹے ابو جعفر نے کیا تو البتہ مجھے اس امر کے اظہار کا موقعہ ملا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے کوئی نص نیابت ابو جعفر کے متعلق مجھے پہنچی نہیں ہے۔ میں آپ حضرات کو منع نہیں کرتا۔ اگر حقیقۃً آپ کو ایسی نص پہنچی ہے وہ آپ کے لیے حجت ہے مگر میرے لیے نہیں۔ بہرحال اِس تقریر سے گروہِ شیعہ نے دیکھ لیا کہ یہ کسی طرح مانتے نہیں تو بفحوائے وَاَعرِض عَنِ الجَاهِلِین اُن سے زیادہ الجھنا کسی طرح مناسب نہ سمجھا اور قطعی خاموشی اختیار کی۔ تھوڑے دن کے بعد توقیعِ مبارک کے ذریعہ سے اُنکی ضلالت اور ارتداد کا بھی اشتہار عام دیدیا گیا۔

ابو طاہر محمد ابنِ علی ابنِ ہلال اور نیابت کا دعوےٰ

اِن کے بعد ابو طاہر محمد ابنِ علی ابنِ ہلال نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اور ابو جعفر کی نیابت میں عذر دار اور دعویدار ہوئے۔ اور وہ مال جو مومنین کی طرف سے انکی امانت اور حفاظت میں سپرد تھا کسی طرح ابو جعفر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اِن کی خیانت اور

ضلالت کی شہرت بھی توقیع مبارک کے ذریعہ سے کی گئی ان کے متعلق ایک عجیب وغریب واقعہ کتاب بحارالانوار میں مرقوم ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد ابن محمد ابن یحییٰ معاذی کا بیان ہے کہ مجھ سے اور ابو طاہر سے قدیم رسم و راہ تھی۔ اور میرے ایک دوست اُن کے خاص مقلدین میں داخل تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد پھر وہ طریقہ حقہ پر آ گئے۔ مجھ کو اس کی خبر لگی تو میں نے اپنی ایک خاص صحبت میں اُن سے اُن کے رجوع کا باعث دریافت کیا تو وہ بیان کرنے لگے کہ میں ایک دن ابو طاہر کے پاس بیٹھا تھا اُسوقت اُن کے پاس اُن کے بھائی ابو طیب اور دیگر اشخاص بھی موجود تھے۔ اتنے میں ابو طاہر کا غلام دوڑتا ہوا آیا۔ اور اُس نے کہا کہ ابو جعفر دروازے پر کھڑے ہیں اور اندر آنا چاہتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ساری صحبت میں سناٹے کا عالم ہو گیا اور اُس حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگا۔ اُس وقت اگرچہ اُن کا تشریف لانا ابو طاہر کو ناگوار گزرا۔ لیکن تاہم ابو طاہر نے اپنے آدمی سے کہدیا کہ اچھا اُن کو اندر آنے دو۔ خلاصہ یہ کہ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اُن کے تشریف لاتے ہی ہم سب کے سب اُٹھ کھڑے ہو گئے۔ حالانکہ ہم میں سے کسی کا ارادہ اُن کی تعظیم و تکریم بجا لانے کا ہرگز نہیں تھا۔ ابو طاہر نے نہایت ادب سے اُن کو صدرِ محفل میں بٹھلایا۔ اور آپ زانوے ادب تہ کر کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور ہم لوگ سب کے سب دستِ ادب باندھے خموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد خود ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے آغاز کلام کیا اور ابو طاہر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ تم ہی سچ سچ بتلا دو کہ آیا تمہارے پاس ایسا مال مومنین نہیں ہے جس کے لیے حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے یہ حکم تم کو دیا ہے کہ وہ تمام و کمال میرے سپرد کر دیا جائے؟ یہ سنکر ابو طاہر نے کہا بیشک ایسا ہی ہے۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ محمد ابن محمد راوی حدیث کا بیان ہے کہ ابو طاہر کا جواب

اقبالی سنکر ہم سب کے سب متعجب ہو گئے۔ اور اپنے اپنے مقام پر سوچنے لگے کہ یہ اسوقت کیسے چوک گئے کہ جس مال کے لیے یہ سب کچھ ہو گیا وہی انہیں واپس دیے دیتے ہیں غرضکہ ہم اسی شش و پنج میں تھے کہ ابو طاہر اُٹھے اور وہ مال تمام و کمال لاکر ابو جعفر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ اور وہ اُس کو لیکر روانہ ہو گئے۔

جب وہ تشریف لیگئے تب وہ ایک خاص عالم جو ہم لوگوں پر طاری تھا جاتا رہا۔ تو ابو طیب نے اپنے بھائی ابو طاہر سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کو دیکھا ہے جو ایسا دعوے کرتے ہو کہ آپ نے تمہیں واپسی کا حکم دیا ہے۔ ابو طاہر نے جواب دیا کہ ہاں۔ اور وہ اس طریقہ سے کہ ایک دن ابو جعفر رضی اللہ عنہ کے مکان پر میں موجود تھا کہ اتنے میں مجھے اپنے مکان کے اُس حصہ کی طرف لے گئے جس کی سقف پر بالاخانہ کی عمارت تیار کیگئی تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام بالاخانہ سے نیچے اُترے آتے ہیں۔ یہانتک کہ آپ نیچے تشریف لائے اور مجھے کھڑا دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ حضرت ابو جعفر کے حوالہ کر دو۔ ابو طیب نے پوچھا کہ پھر تم نے کیسے جانا کہ یہی امام علیہ السلام ہیں۔ ابو طاہر نے جواب دیا کہ اُن کے تشریف لاتے ہی اُن کی عظمت و جلالت کا ایسا اثر میرے دل پر طاری ہوا کہ مجھ میں اُس کے بیان کی اسوقت طاقت موجود نہیں ہے۔ اور اُسی تاثیرِ روحانی کے ذریعہ بشارت سے میں نے یقین کامل کر لیا کہ آپ ہی حضرت صاحب الامر علیہ السلام ہیں۔ محمد ابن محمد ابن یحییٰ معاذی کا بیان ہے کہ اُن کی زبانی یہ نقل سن کر ابو طاہر کے جھوٹے دعووں کی حقیقت مجھ پر کھل گئی۔ اور بجائے اُن کے حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی صداقت ثابت ہو گئی۔ اور میں اُسی وقت سے ابو طاہر کی اطاعت سے خارج ہو کر عقائد حقہ پر راسخ ہو گیا۔

محمد ابن علی شلمغانی اور نیابت کا دعوےٰ

اِن کے طوفان بے تمیزی کے بعد محمد ابنِ علی شلمغانی کی شورش پیدا ہوئی۔ ان کا فساد پہلے لوگوں کی فتنہ انگیزیوں سے بڑھ کر ثابت ہوا۔ ان کا نام محمد ابن علی تھا۔ کنیت ابوعراقی اور لقب شلمغانی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ابوعراق اپنے ابتدائی زمانہ میں فقہائے شیعہ میں شمار ہوتے تھے۔ اور مومنین کے دائرہ میں عظمت و عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے ابوجعفر کی خدمت میں باقاعدہ حاضر باش تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابوجعفر علیہ الرحمۃ نے ان کے ظاہری تقدس اور زہد پر اعتبار کر کے ان کو فرقۂ بسطام کی ہدایت کے لیے روانہ فرمایا۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ فرقۂ بسطامیہ کے لوگ اپنے اصولِ عقائد سے تائب ہو کر طریقۂ اہلِ بیتِ کرام علیہم السلام میں داخل ہو گئے تھے۔ چونکہ ارکانِ ضروریہ وغیرہ اور دیگر عملیہ ضروریہ سے پورے طور پر واقف نہیں تھے اس لیے شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ان لوگوں نے ایک شخص عالم کے بھیجدیے جانے کی خاص طور پر استدعا کی جو ان کو طریقۂ حقہ کے ارکان و احکامِ ضروری تعلیم کرے۔ اسی غرض سے ابوعراق فرقۂ بسطام کی طرف بھیجدیے گئے اب سنیے یہ وہاں پہنچے۔ ان بیچاروں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ یہ ان کی اخلاص مندی اور عقیدت کو دیکھکر اپنے جامہ سے باہر ہو گئے۔ رفتہ رفتہ تعلیم دینیات میں انہوں نے اپنے فضائل و مناقب کے خصوصیات بھی بتلانے شروع کر دیے۔ اور شدہ شدہ اپنے ذاتی اعزاز و مراتب کو ابوجعفر کے مدارج کے مقابل اور مساوی بتلایا۔ اس درمیان میں حضرتِ ابوجعفر کی وہ تحریریں جو ان لوگوں کے پاس انکی آرام رسانی اور راحت دہی کی تاکیدوں میں آتی تھیں وہ اِن کی منویانہ تحریک کی برابر تائید کرنے لگیں۔ جو ان کے اخلاق کریمانہ کے تقاضے تھے وہ ابوعراق کی کامیابی کے خاص ذریعے ثابت ہوئے غرض یہ سب مواد کچھ ایسے اتفاقِ وقت سے اکٹھے ہوتے گئے کہ تھوڑے ہی زمانہ میں فرقۂ بسطامیہ کے تمام لوگ ابوعراق کے پنجے میں پورے طور سے آگئے کہ جب اور جس طرف چلادیں انکو پھیر دیں اور یہ پھر جائیں۔ اِن کے کلام اور احکام میں کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں تھی۔

جب اِس گروہ کے نومسلم لوگ اپنی ضعیف الاعتقادی کے ہاتھوں اپنے دین و ایمان کے آخر نقطوں تک پہنچ گئے تو ابوعراق نے اپنی شکم پرستی کی کوششوں میں اور وسعت دی اور اپنے معتقدین اور مقلدین کے بل بوتے پر اپنی دنیا طلبی کے اور ہاتھ پاؤں نکالے اور اپنے خاص عقائد اور اصولِ جدید قائم کرنے میں علوم تصوف اور علوم اشراق کی رعایت سے ایسے ایسے اضافے ایجاد کیے جو آجتک کبھی کسی کے سننے میں نہیں آئے تھے۔ اُنکے ایجادی لغویات اور حشویات کے انبار اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ جنکو ابوعراق شلمغانی نے خصوصیت کے ساتھ اپنے طریقہ کے اعتقادوں میں داخل کیا ہے ہم اُن میں سے صرف ایک دلیل کے اُس خاص مبحث کو اپنی کتاب کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو تصوف اور اشراق کی معمولی رعایتوں کے علاوہ معقولات کا بھی پہلو دبائے ہوئے ہے۔ اور اسی سے ہمارے ناظرین کو اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ تینوں طریقے کے اجزا باہم آمیز کر کے شلمغانی نے وہ شب دیگِ مرکب تیار کی ہے جو کبھی بغداد کے مطبخ شاہی میں بھی آجتک تیار نہ ہوئی ہوگی وہ یہ ہے کہ:-

ابوعراق کے سینکڑوں ہزاروں عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ولیِ خدا کا عدو معیوب اور مقدوح نہیں ہو سکتا بلکہ محبوب اور ممدوح۔ اس لیے کہ وہ تصدیقِ ولی کی ضرورت کے لیے پیدا ہوا ہے اور اُس سے خلاف میں جو افعال ظاہر ہوئے وہ اگرچہ ظاہر بین نگاہوں میں مخالف دکھلائی دیتے ہیں مگر حقیقت میں اُنہی مخالف امور سے اُس ولیِ خدا کی معرفت کی تصدیق و تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر مخالف اصل موافق ثابت ہو چکا تو پھر وہ محبوب و مقبول ہوگا نہ معیوب و مردود۔ اور یہ طریقہ امتیاز عن الاتضاد رموز اِس کی ایجاد ہے۔ اور مشیت الٰہی کے قدیم ارادوں میں شامل ہے اور آدم اول سے لیکر آدم ہفتم

حکم برابر جاری اور قائم ہے۔

آدم اول اور ہفتم کی تفصیل یہ ہے کہ ابو عراق کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں سات عالم اور سات آدم۔ اس وقت تک مخلوق ہوئے ہیں۔ اُن کے سات عالم کی تفصیل تو غیر ضروری ہے مگر ہاں اُن کے سات آدم کی فہرست البتہ موجود ہے اور واقعی قابلِ دید ہے نہ لائق شنید۔ اگرچہ بالکل ایجاد بندہ کا لطف آ رہا ہے۔ اول آدم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام دوم۔ حضرت موسیٰ علی نبینا و آلہ و علیہ السلام۔ سوم فرعون۔ چہارم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پنجم جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام ششم حضرت ابو بکرؓ خلیفۂ اول۔ ہفتم معاویہ ابن ابی سفیان۔ اب اس کی توضیح یوں کی گئی ہے کہ ہر آدم کے ساتھ اُس کا ضد بھی ضرور پیدا کیا گیا ہے۔ اسلیے ہر آدم ظاہری کے ساتھ جو مرتبۂ ولایت پر پہنچا ہوا تھا ایک آدم باطنی بھی ضرور تھا جو بظاہر اُس کا ضد اور مخالف تھا۔ مگر حقیقت میں وہ اُس کا موافق تھا اور مصدق۔ کیونکہ اس کی تصدیقِ معرفت اُس کی مخالفت کے ساتھ وابستہ تھی۔

طرفہ یہ کہ اب ان ارباب اتضاد کے انعقاد اور خلقت میں بھی بہت سے انجھے ہوئے دلائل بیان کیے جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے اصل اپنی ضد کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے نہیں ولیِ ظاہر اپنی ضد کو اپنے گروہ میں منتخب کر کے آپ مقرر کر لیتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ نہیں ضد اپنے ولی سے قدیم تر ہے کیونکہ شیطان کی خلقت ترکیب آدم سے کہیں پیشتر ثابت ہے اسلیے ضرور ہوا کہ ہر آدم کی ضد اُس سے قدیم ثابت ہو۔

غرضکہ ایسی ہی لغویات اور حشویات سے ابو عراق کے گمراہانہ عقائد پُر اور مملو پائے جاتے ہیں۔ اب سُنیے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے متعلق حضرت نے کیا مضمون تراشا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اُس نے اپنی امامت اور نیابت کے نئے رنگ جمانے کی غرض سے اپنے معتقدین اور متبعین کو یہ بتلایا کہ اہلِ ظاہر جو قائم سے امام یازدہم علیہ السلام کے فرزند کو مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قیام کریں گے

حالانکہ (معاذ اللہ) خاک بدہانش بادشاہ قائم ہے عراد ابلیس ہے۔ کیونکہ آیہ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدۂ آدم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کے وقت تمام ملائکہ سر بسجود ہوگئے سوائے ابلیس کے کہ وہ قائم رہا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ہ میں اُن کو تیری راہ راست بتلا دوں گا۔ اس سے شیطان کے ارادے کی خوبی ظاہر ہے۔ استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ۔ اُس کی ایسی ہی لغویات و حشویات بھری پڑی ہیں جن کی نقل میں سوائے تضییع اوقات کے کوئی فائدہ متصور نہیں ہے۔ اُس کے ان عقائد کو دیکھ کر تمام اہلِ ایمان نے اُسکی خوب دھجیاں اڑائیں۔ اور اُسکے دلائل بے اصول کی رد و تنقید میں بہت سے اشعار آبدار نظم کیے ہیں جو آجتک مختلف کتابوں میں مذکور و مسطور ہیں۔ چنانچہ ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی ایک بہت بڑی نظم بحار الانوار جلد ۱۳ میں قلمبند فرمائی ہے جسکو طوالت کے خوف سے ہم نہیں لکھتے۔

غرضکہ اُن کے اصول و عقائد کی عجیب و غریب صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اُنکے ہمخیالوں میں انکا پایہ سب سے بڑھا چڑھا تھا۔ کیونکہ انکے ایسے وہ تمام لوگ جنکا ذکر اس بحث میں خاص طور پر مندرج کیا گیا ہو اپنے مغویانہ اور گمراہانہ خیالوں میں ایسی جرأت و آزادی سے کام نہیں لیتے تھے۔ اُنھوں نے بھی اپنے اصولِ عقائد میں تغیر و تبدّل ضرور کیا تھا۔ گر تاہم اسلام کے قدیم عقائد میں کوئی ایجاد اور اضافہ نہیں کیا تھا۔ مگر شلمغانی نے تو شروع سے لیکر اخیر تک تمام عقائد کو درہم و برہم کر ڈالا۔ اور اپنے حساب سے اپنے آپ کو ایک نئے مذہب اور جدید شریعت کا موجد بتلایا چنانچہ علی ابن ہمام کا بیان ہے کہ ہم نے ایک دن شلمغانی کو کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ اگرچہ خدا ایک ہے مگر (معاذ اللہ) مختلف لباسوں میں ظہور کرتا ہے۔ اور اُسکا لباس سفید ہوتا ہے تو ایک دن قرمزی۔ پھر تیسری بار کبود۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خدا ایک تو ہے لیکن مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ علی ابن ہمام کہتے ہیں کہ اُس نے مجھے انہی عقائد

..... کی تعلیم دینی چاہی تھی اور یہ پہلا کلام تھا جو میں نے اُس سے سُنا تھا۔ مگر یہ باتیں سُنتے ہی میں نے قطعی انکار کر دیا۔ اور اُسکے اغوائے شیطانی پر لاحول پڑھ کر کہا کہ یہ عقائد تو بالکل مذہبِ حلولیہ کے ہیں۔

ہماری کتاب کے ناظرین شلمغانی کے ان عقائد سے جو صرف ذاتِ باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ کی نسبت لکھے گئے کامل طور سے سمجھ جائینگے کہ جب وجودِ الٰہی کے متعلق انکی قیاسی اور مصنوعی دلائل کی یہ حالت ہے تو نبوت اور امامت اور اَور دیگر مسائلِ دینیہ کی بابت ان کے کیا خیال ہونگے۔ ہم ضمناً نبوت و امامت کے بھی چند عقائد ذیل میں قلمبند کرتے ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو انکے عقائد فاسد کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے یہاں تک تو ہمارے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُسنے ابلہ فریبی کا جیتا جاگتا جادو قبیلۂ بسطامیہ کے لوگوں پر خوب اچھی طرح چلا لیا تھا۔ جب اِن کے ارتداد اور فتنہ و فساد کی خبر حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اِن لوگوں کو اُس کے اغوا سے باز رکھنا چاہا مگر وہ گروہ کا گروہ اور قبیلہ کا قبیلہ اسکا کچھ ایسا مطیع اور مرید تھا کہ اُنکی تحریر اور تاکید پر بہت کم متوجہ ہوا۔ اور شلمغانی سے جیسا لپٹا تھا ویسا ہی لپٹا رہا۔

اب سنیے کہ حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی بات نہ ماننے کی کیا وجہ ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ جب ایسے مغویانہ حکموں پر حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ناراضی اور ناپسندیدگی کے امتناعی حکم جاری ہوئے تو فرقۂ بسطامی کے محض سادہ لوح لوگوں نے شلمغانی سے اُس کی وجہ پوچھی تو اُس نے انکو یہ ہی پڑھائی کہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ابی قسم نے مجھ سے چند ایسے اسرار کہے تھے جنکو میرے یا اُن کے سوا کوئی تیسرا نہیں جانتا تھا۔ اتفاق سے میں اُن کے اسرار کے مخفی رکھنے پر قادر نہ ہو سکا اور اپنے بعض احباب سے اُسکا حال کہہ دیا بس یہی وجہ انکی ناراضی کی ہوئی۔ وہ راز بھی کچھ ایسا ہی عظیم تھا کہ اُسکے لیے سوائے ملکِ مقرب یا نبیِ مُرسل یا خالص الاعتقاد اور کامل الایمان مومن جسکی راسخ الایمانی اور فیوضِ روحانی کا امتحان خدا نے سبحانہٗ و تعالےٰ کے روبرو ہو چکا ہو اور وہ اُس قدرتی آزمائش میں کامل اُتر چکا ہو اور دوسرا یان اُسکا ہمراز نہیں تھا۔

شلمغانی کی یہ توجیہ کیا تھی؟ اُسکا چلتا فقرہ۔ جیتا جادو۔ اور سفید جھوٹ۔ شلمغانی کی اس سے کیا غرض تھی؟ صرف یہی کہ اس بیان سے اُس کے اوصافِ قربت۔ کمالِ معرفت اور پھر معاذ اللہ اُسکے ذاتی مراتب ملکِ مقرب اور نبیِ مرسل کے برابر اور مساوی تسلیم کیے جائیں۔ ورنہ حقیقۃً نہ کوئی راز تھا۔ نہ کوئی اسرار۔ یہ صرف زبانی باتیں تھیں اور لفاظی جمع خرچ۔ وہ فرقہ (بسطامیہ) عقل کے کچے اور جہالت کے سچے۔ شلمغانی کے دعوائے زبانی کو وحیِ آسمانی سمجھے اور آمنّا و صدّقنا کہہ کر اُسکی عقیدت اور خلوص کی رفتار میں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئے۔ بہر حال ہم نے جہاں تک شلمغانی کے اس فقرے کی بابت تحقیق کی ہے ہمکو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ صرف اُس کا فقرہ ہی فقرہ ہی نہیں تھا جو ایک وقتِ خاص تک محدود و موقوف بتلایا جاتا۔ بلکہ ہمیشہ اُس کا یہی عقیدہ تھا۔ اور اُس نے اپنے اسی مصنوعی اسرار کی تعلیم ساری دنیا کو دینی چاہی تھی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ ہمارے بیان پر تصدیق و توثیق کی کافی اور کامل روشنی ڈالتا ہے۔

اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ناقل ہیں کہ میں ایک دن ابو جعفر بسطامی کی ماں کو دیکھنے گئی کیونکہ وہ کچھ علیل ہو گئی تھیں۔ وہ میرے استقبال کو دروازے تک آئیں اور میری تعظیم و تکریم میں حد سے زیادہ کوشش کی۔ یہاں تک کہ میرے قدموں پر گر پڑیں۔ میرے پاؤں کو چومنے لگیں اور اپنی آنکھوں سے لگانے لگیں اُن کے یہ خلافِ دستور اور غیر معمول اخلاص دیکھکر میں نے اپنے پاؤں کو کھینچ لیا اور کہا۔ اے خاتون! آج کیا ہے جو آپ اپنی شان سے گزری ہوئی باتوں کا اظہار فرما رہی ہیں۔ یہ امور آپ کے ذاتی مراتب کے خلاف ہیں۔ میں کبھی اتنی تعظیم و تکریم کیے جانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ یہ سنکر وہ رونے لگیں اور کہنے لگیں۔ اے خاتونِ معظمہ! میں کیونکر آپ کی تعظیم نہ کروں۔ کیونکہ آپ تو ہماری سیدہ

اور مخدومہ ہیں۔ اور آپ میرے نزدیک جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ یہ اُن سے سُننا تھا کہ میرے تمام بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آخر آپ نے میری اس علو مرتبت کی حقیقت کہاں سے معلوم کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت ابی قسم ابو جعفر سمری رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کو ایک راز سپرد کیا ہے اور ہماری امانت و حفاظت میں دیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کونسا راز ہے۔ ہم بھی تو سنیں۔ اُس نے کہا کہ اس کے ہمیشہ مخفی رکھے جانے کا حکم ہے۔ اگر ہم اُس سرِّ عظیم کو افشا کریں تو ہم عذابِ الیم میں گرفتار ہونگے۔ امِ کلثوم میرا اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ ان باتوں کو سن سن کر میرے دل کی اُلجھن التہاب اور اضطراب کی وہ کیفیت ہوئی کہ حدِ بیان سے بالکل باہر ہے۔ آخرکار میں نے کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو سنبھالا اور اپنے اضطراب و استعجاب کو ٹالا پھر اُن خاتون سے بمنت و سماجت کہا کہ آپ کامل طور سے مطمئن رہیں۔ مجھ کو اس راز سے مطلع کر دیں۔ میں کسی سے آپ کے راز کو نہ کہونگی۔ اور نہ کسی صحبت میں اسکا چرچا یا ذکر کرونگی۔ جب میں نے اُن کا پورا اطمینان کر دیا تو اُنہوں نے بیان کیا کہ ابی قاسم رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کو بتلایا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مطہر نے (معاذ اللہ) شیخ ابی قاسم محمد ابن عثمان سمری رضی اللہ عنہ میں حلول کیا ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی روح شیخ ابو جعفر کے جسم میں داخل ہوئی ہے (نعوذ باللہ) اور جناب سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی روحِ مبارک تم میں (راقم کلثوم راویہ حدیث میں) موجود ہے۔ جب تمہارے عز و مراتب اور فضائل و مناقب کی یہ کیفیت ہو تو پھر ہم کیونکر تمہاری تعظیم و تکریم کو اپنی مفاخرت اور سعادتِ ابدی کا باعث نہ سمجھیں اور تمہاری گرد پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ نہ بنائیں۔

اِمِ کلثوم کا بیان ہے کہ یہ تفصیل و تفضیل سُنکر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور میں اپنے تمام جسم سے کانپنے لگی۔ اسی عالم میں میں نے اُن کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ ساری باتیں جھوٹی اور وضعی اور یہ تمام کلام صریح اتہام ہیں جو ابو جعفر کے سر مفت باندھے جاتے ہیں۔ انکی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ یہ سُنکر اُس پیرزن نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک رازِ عظیم ہے کہ آپ کے اطمینان دلانے اور آپ کو امین پانے کی وجہ سے میں نے اس کا افشا آپ سے کیا۔ لیکن اب مجھ کو خوف ہے کہ اسکے افشا کر دینے کی وجہ سے مجھ پر عذابِ الیم نازل نہ ہو۔

امِ کلثوم کا بیان ہے کہ میں نے اُن کی اِن لغویات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے گھر واپس آکر ساری روداد حضرت ابو جعفر سے بیان کر دی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تمام کفر و زندقہ کے عقائد ہیں اور اُس خبیث ملعون شلمغانی نے اس سادہ لوح جماعت کے دل میں کفر و الحاد کے ایسے گمراہانہ عقائد بھر دیئے ہیں وہ اپنی کم عقلی۔ سوء فہمی اور گمراہی کی وجہ سے اُس کے کلام اور اقوال کا اعتبار کرتے ہیں اور انہی ضلالت کے اعتقاد کو اپنا خاص طریق سمجھے ہیں۔ اب یہی باقی رہ گیا ہے کہ تھوڑے دنوں آگے چل کر یہ ان بد دینوں اور کوتہ اندیشوں کو بتلائیگا کہ معاذ اللہ ہم شلمغانی اور خدا ایک ہی ہیں۔

امِ کلثوم کا بیان ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے یہ سُنکر میں ایسی متنبہ ہوئی کہ پھر میں نے اُسی وقت سے گروہ بسطامیہ کے لوگوں سے رسم و راہ اور دید و وا غرضیکہ جملہ ابواب مقطوع اور مسدود کر دیئے۔ یہاں تک کہ شلمغانی کی شامت کا پورا زمانہ آگیا۔ اور قبیلۂ بختی کے تمام لوگوں میں انکی ابلہ فریبی کی داستان بچہ بچہ کے زبان زد ہو گئی۔ اور ہر شخص انکے حشویات و لغویات سے بخوبی واقف ہو گیا۔ یہاں تک کہ توقیعِ مبارک کے ذریعہ سے انکے مطاعن و معائب کا پورا اعلان فرما دیا گیا۔ اور حضرت ابی قسم کے ذریعہ سے انکے لعن اور طعن اور تشنیع کا حکم بھی آگیا۔ جب اُن کے لعن کا فتویٰ شہر کے تمام گلی کوچوں میں مشتہر ہونے لگا تو قبیلۂ بسطام کے لوگوں میں پھر تشویش پیدا ہوئی۔ وہ سب پھر گھبرائے ہوئے اُنکے پاس آئے اور اب اسکی وجہ پوچھنے

لگے تو شلمغانی نے انکو یہ الٹی منطق سنائی اور اپنی بگڑی بات یوں بنائی کہ ابی قسم نے مجھ پر لعن کرنے کے بارے میں جو حکم سنایا ہے پہلے اسکو سمجھ لو۔ وہ تو اس حکم میں بھی میری مخالفت کا حکم نہیں دیتے۔ بلکہ اس سے تو میری موافقت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ مجھ پر لعنت کیے جانے سے یہ مراد نہیں ہے جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ خدائے سبحانہ و تعالےٰ مجھے عذاب کو ہم سے اور رکھے۔ فرقۂ بطلامیہ کے لوگ اسوقت کچھ ایسی ہی شامت میں گرفتار تھے کہ اسکی اس پٹی میں بھی آ گئے اور شلمغانی نے ان گرما گرم چھینٹوں سے ان کی ساری گرمی کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور وہ پھر اُسی کے کلام پر ایمان لا کر اُس کے ویسے ہی مطیع و فرمانبردار بنے کے بنے رہے جیسے اس سے پہلے تھے۔

اب سنیئے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ اس (شلمغانی) کی مصنوعی عظمت و جلالت اسی سادہ لوح فرقہ تک محدود و موقوف تھی۔ اُس نے جب اپنے اس گمراہانہ مش کا اثر تمام شیعہ گروہ میں پھیلتا ہوا نہیں دیکھا اور وہ کسی طرح اپنی ابلہ فریبیوں کی کوششوں میں کامیاب نہ ہوا تو اُسنے اپنے جھوٹے دعووں کی زبانی تصدیق میں شیخ ابی قسم رحمۃ اللہ علیہ سے مباہلہ کرنے پر آمادگی دکھلائی اور اپنے معتقدین کے ایک بڑے جلسے میں بیان کیا کہ میں شیخ ابی قسم رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑتا ہوں اور وہ میرا۔ اور وہ اپنے استحقاقِ نیابت کے حق ہونے پر حلف لیں اور میں اپنے حقوق پر۔ اس حالت میں اگر آسمان سے بجلی گرے تو میں حق پر ہوں اور وہ ناحق پر۔ اور اگر آسمان سے بجلی نہ گرے تو وہ حق پر ہیں اور میں باطل پر۔

چونکہ اقسام مباہلہ حضرات انبیاء و اوصیاء سلام اللہ علی نبینا و آلہ و علیہم السلام تک محدود و موقوف رکھے گئے ہیں اس لیئے شیعہ پبلک نے شلمغانی کے اس چیلنج کو خلاف شریعت سمجھ کر کوئی توجہ اور اعتبار نہیں فرمائی شدہ شدہ اسکی خبر ابن مقلہ کے ذریعہ سے راضی باللہ کو ہوئی کیونکہ شلمغانی نے یہ دعوے زبانی ابن مقلہ کے گھر میں کیے تھے۔ راضی یہ گمراہانہ تقریر سنکر سخت برہم ہوا۔ اُس نے شلمغانی کو بلوایا۔ یہ آئے تو فوراً انکی گردن مارنے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی۔ سرہنگانِ سلطانی نے فوراً خلیفۂ عصر کے حکم کی تعمیل کر دی۔

یہ تھے شلمغانی کی منویانہ اور گمراہانہ کوششوں کے مفصل حالات اور آخری نتیجے ہم نے اس کے حالات کو اُسکے دوسرے ہمخیالوں کے واقعات سے زیادہ لکھا ہے۔ اور اس تفصیل سے ہماری اتنی ہی غرض تھی کہ اُس زمانہ میں چاروں طرف ارتداد اور کفر و الحاد کے ہر فلک طوفان اُٹھ رہے تھے اور شلمغانی کے ایسے مختلف لوگ اپنی دنیا بنانے اور عوام الناس کو بہکانے کی غرض سے جہالت و ضلالت کے دام میں گرفتار کر رہے تھے۔

ابو محمد ابنِ ہارون ~~بن~~ موسیٰ نے علی ابن محمد ابن ہمام سے شلمغانی کے عقائد کی نسبت پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ شلمغانی کو کوئی رسوخیت اور رسوخ حضرت ابو قسم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاصل نہیں تھا اور نہ شیخ مرحوم علیہ الرحمہ نے اپنی طرف سے اُسکو کسی خاص منصب پر مامور فرمایا تھا۔ بلکہ وہ تو معمولی فقہا میں شمار ہوتا تھا۔ اور جہاں اور لوگ شیخ علیہ الرحمہ کے حلقۂ صحبت میں اپنے استفادات علمی اور تعلیم ہدایت کی غرض سے حاضر ہوا کرتے تھے انہی میں ایک یہ بھی تھا۔ ایک عرصہ تک اُنکی حاضری اُنکی خدمت میں ہوتی رہی۔ مگر اس حضوری سے کسی خاص عہدے یا منصب کی ماموری نہیں ثابت ہوتی۔ اور نہ ایسی کوئی عظمت و جلالت نمایاں ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی رہے۔ یہاں تک کہ ان پر طمع و بنیادی حاوی ہو گئی حصول دولت کی حرص غالب آ گئی۔ فرقہ بسطامیہ سے اُن کا تعلق ہونا تھا کہ ان کے ایمان میں کفر و زندقہ کی لغزش پیدا ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ اتنی بڑھی کہ آخر میں ان کو کافر ثابت کر گئی اور یہ اپنے عقائد باطلہ کے ہاتھوں فرقہ حلولیہ میں داخل اور شامل ہو گئے یہاں تک کہ انکے ملعون ہونیکے متعلق ذیل کی عبارت میں توقیع مبارک۔

صادر ہوئی :-

اعرف - اطال اللہ بقائک وعرفک الخیر کلہ وختم بہ عملک من تثق بدینہ وتسکن الی نیتہ من اخواننا ادام اللہ سعادتہم بان محمد ابن علی المعروف بشلمغانی عجل اللہ لہ النقمۃ ولا امہلہ قد ارتد عن الاسلام وفارقہ والحد فی دین اللہ وادعی ما کفر معہ بالخالق جل وتعالیٰ وافتری کذبا وزورا وقال بہتانا واثما عظیما کذب العادلون باللہ وضلوا ضلالا بعیدا و خسروا خسرانا مبینا وانا برئنا الی اللہ تعالیٰ و الی رسولہ والہ صلوات اللہ ورحمتہ وبرکاتہ علیہم منہ ولعناہ علیہ لعائن اللہ تتری فی الظاہر منا والباطن فی السر والجہر وفی کل وقت وعلی کل حال وعلی من شایعہ وتابعہ وبلغہ ہذا القول منا فمن اقام علی تولیہ بعدہ واعلمہم تولاکم اللہ اننا فی التوقی والحاذرۃ منہ علی ما کنا علیہ ممن تقدمہ من نظرائہ من الشریعی والنمیری والہلالی والبلالی وغیرہم وعادۃ اللہ جل ثناءہ مع ذلک قبلہ وبعدہ عندنا جمیلۃ وبہ نثق وایاہ نستعین فہو حسبنا فی کل امورنا ونعم الوکیل -

خدائے سبحانہ وتعالیٰ تمہیں طول عمر کی نعمت عطا فرمائے اور تم کو تمام خیر وبرکات سے مطلع فرمائے کہ تم اپنے دین پر قائم رہو اور اپنے اخوان دینی کے ساتھ اپنی نیت درست رکھو - خدائے سبحانہ وتعالیٰ تمہاری سعادت کو ہمیشہ قائم رکھے سمجھ لو کہ محمد ابن علی المعروف بہ شلمغانی خدا اُسپر عذاب نازل فرمائے اور اسکو مہلت نہ دے - اسلام سے مرتد ہو گیا - دین خدا کا تارک ہو گیا - اُس نے دین خدا میں الحاد پیدا کیا - اور ان چیزوں کا دعوےٰ کیا جو خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے کفر قرار دیگئی ہیں - اور اُس ذاتِ مقدس پر کذب وافترا کیا - معصیت عظیم کا مرتکب ہوا - جو لوگ حق سے پھر گئے ہیں اُنہوں نے خدا پر افترا کیا ہے اور وہ گمراہ ہوئے ہیں اور سخت نقصان اُٹھانیوالے ہوئے ہیں - میں اُس کے تمام افعال واقوال سے بری الذمہ ہوتا ہوں - اور اپنے اس اقرار واعتراف پر خدا - رسول - اور تمام ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کو شاہد کرتا ہوں - اُسپر لعنت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ہر وقت اور ہر حال میں ظاہر میں اور باطن میں - اُس پر اور اُسکے تابعین پر خدائے وحدہٗ لاشریک کی لعنت ہو - اور اُن لوگوں پر بھی جو میری اس وصیت اور ہدایت کے سُننے کے بعد بھی اُسکی عقیدت اور اطاعت کا دم بھریں - اور اُسکی فرمانبرداری اور متابعت کا اقرار کریں - تم میری اس تحریر کو اپنے تمام معتقدین اور مومنین ومومنات پر اعلان کردو - اور ہماری بیزاری کے معاملات اُنکے ساتھ جو اسی کے ایسے قبل میں گزر چکے ہیں ایسے ہی ہیں جیسے شریعی نمیری - ہلالی اور بلالی وغیرہم دشمنانِ خدا گزر چکے ہیں - ہم حکم خدا پر قائم ہیں اور اُسی سے اعانت کے خواہاں ہیں اور اپنے تمام امور کو اُسی کے سپرد کرتے ہیں اور وہی ہمارا مالک ہے

بہر حال - ہماری اس بحث سے جس کو ضرورتاً ہمنے کسی قدر طوالت کے ساتھ لکھا ہے - ہمارے ناظرین کتاب کو پورے طور سے معلوم ہو جائیگا کہ نظام مشیت کو اپنی حجت آخر کے پنہاں کر دینے کے لیے کیسے کفر وضلالت اور ارتداد وجہالت کے طوفان خیز عالم میں کیسی سخت اور ناگزیر ضرورت پیش ہوئی - کیونکہ قبول حق سے تمام طبائع پھرتے جارہے تھے اور متنفر ہوتے جاتے تھے - صراط مستقیم سے پھرتے جاتے تھے زمانہ ناہنجار کی روش اختیار کرتے جاتے تھے - ارشاد وہدایت کے ایجاب وتسلیم کے عوض میں الحاد وغوایت کے اصول نہایت رغبت اور میلان طبیعت کے ساتھ قبول کرتے تھے انبیائے مرسلین اور اوصیائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ارشاد وہدایت کو جانے دیجیے - الوہیت اور خدا کی خدائیت کے خاص عقائد میں بھی جنکو اصول اسلام نے مختلف ادیان ومذاہب کے مقابلہ میں بھی کس خوبی اور وضاحت کے ساتھ بدلائل صحیحہ ثابت کر دیا تھا - اپنی نفسانیت اور جہالت کے

باعث اپنی طرف سے کیسے کیسے خاص اضافات قائم کیے اور اسکی ذاتِ یکتا کو مختلف وسائل اور متفرق اسباب و ذرائع کا محتاج ثابت کرنے لگے۔

یہاں تک بھی خیریت تھی۔ کیونکہ ایسے عقائد رکھنے والے اور ایسے اصول بتلانیوالے اُمم سابقہ کے زمانہ میں بھی گزر چکے ہیں۔ قیامت تو یہ ہوئی کہ کچھ اور آگے چلکر اِن دشمنان اسلام نے اپنے آپ کو خدا کی خدائی میں شریک اور اُس کی یکتائی میں سہیم بتلایا۔ یہ کچھ ایسا دُور دیہ خدائی کا دعوا تھا جو نمرود فرعون کے دعووں سے بھی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ نمرود و فرعون نے اپنے آپ کو صرف خدا کہلانیکی کوشش کی تھی۔ مگر اِن لوگوں نے تو نصاریٰ کے عقائد کے موافق خدا کو بھی خدا بتلایا اور اپنے آپ کو بھی۔ اگر سچ پوچھا جائے تو ایک روشن عقل اور صحیح دماغ شخص اِن لوگوں کو نمرود فرعون سے بھی بدتر اور ان کے حشویات و مہملات کو اُن کے لغویات سے بھی زیادہ فضول اور بیکار سمجھے گا۔ اُسی کے ساتھ یہ امر بھی ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُمم سابقہ کے زمانہ میں الوہیت کا دعوے کرنے والا ایک ہی شخص ہوا کرتا تھا۔ اور وہ بھی کون؟ جو اپنی ذاتی قوت و اختیار اور ثروت و اقتدار کے اعتبار سے ظاہری طور پر تمام دنیا کے لوگوں سے عظیم الشان اور جلیل القدر ثابت ہوتا تھا غرضکہ انہی صفاتِ ظاہری کے باعث سے وہ اپنی نسبت اِن مہملات کا دعوے کرنے لگتا تھا۔ مگر اِس زمانۂ ناہنجار میں خدائی کے دعوے کرنیوالے ایک نہیں بلکہ مختلف اور متفرق قوم و قبیلہ کے معمولی اور محض ادنےٰ لوگ ہوا کرتے تھے جنکو نہ دنیادی ثروت و اقتدار میں کوئی حصہ ملا تھا اور نہ قدرت و اختیار میں کوئی سلیقہ حاصل تھا۔ اس لیے واقعات موجودہ کے اعتبار سے یہ ناہنجار زمانہ زمانۂ سابق کے ایام نافرجام سے کہیں زیادہ بدتر تھا جسمیں بلحوِ حقیقت قطعی دشوار تھا اِن تمام مصالح کو پیشِ نظر رکھکر نظامِ مشیت نے احکامِ امامت کے آیندہ نفاذ کو اگرچہ وہ کیسی ہی آزادی سے نہ جاری ہوتے ہوں قائم رکھنا مناسب نہ سمجھا اسلیے کہ ناعاقبت اندیش۔ کوتہ بین اور معمول پسند ابنا زمانہ کے موجودہ طبائع جہالت و ضلالت کے آرائشی اور نمائشی اُصول و احکام کے مقابلہ میں شریعت کے بتلائے ہوئے قواعد اور نصاب کو اختیار نہیں کرینگے اور اپنی سہل پسندی اور تن آسانی کی موجودہ حالتوں میں احکامِ امامت اور منابر شریعت کو کوئی چیز نہیں سمجھینگے۔ کیونکہ وہی احکام آج ساٹھ برس سے رات دن اُن کے پیشِ نظر تھے۔ اور اُنھی میں اسلام کا ایک فرقہ اُنکو اپنے خلوص و عقیدت کے ساتھ مانتا اور برتتا چلا آتا تھا جنکی رفتار و کردار کو وہ برابر دیکھتے چلے آتے تھے۔ مگر تاہم اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکالتے تھے۔ اور نہ اس سے کوئی فائدہ اُٹھاتے تھے۔ بلکہ بخلاف اس کے اُنکی جہالت، انکی ضلالت۔ انکا ارتداد اور کفر و الحاد روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا نئے نئے اصول اور نئے نئے اعتقاد کی ایجاد ہوتی جاتی تھی اسلام کی تمام خوبی۔ سیرتِ مصطفوی صلے اللہ علیہ والہ وسلم کے تمام محاسن فراموش کر دیے گئے۔ یہاں تک کہ اِن بگڑے ہوئے مسلمانوں نے اپنے اصول و عقائد کی صورت بگاڑ دی کہ خدا کی یکتائی تک میں اپنے حصہ ٹھہرایا۔ اور علانیہ انا الحق کا نعرہ لگایا۔ استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ۔ یہ وہی اسلام ہے جسنے شرک سے بچنے کے لیے امت کو کس قدر سخت تاکید کی تھی۔ اور اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ کے مدعا کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس نے خدا کی وحدانیت کے اُلجھے ہوئے مسئلہ کو پاک و صاف کر کے اسکو پھر دنیا کی سطح پر قائم کیا تھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس کے بانی روحی لہ الفداء نے تمام مسلمانوں کو ایک خدا کی خالص عبادت کرنیکا حکم دیا تھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس نے وحدانیت کی تعلیم کی بابت تمام دوسرے مذہب والوں کو چیلنج دیا تھا۔ مگر افسوس اب وہی اسلام جو اور مسائل کو چھوڑکر وحدانیت کے خاص مسئلہ میں نصرانیوں اور مجوسیوں کے اصول و عقائد کا پابند ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اتنے اور ایسے کفر و الحاد کے موجودہ زمانہ میں نظامِ ظاہری امامت کا قائم رہنا دابِ شریعت کے خلاف تھا اور

چونکہ بموجب لا یعلمه الا الله اُسکا وقت مقررہ بھی
پہنچ ہی گیا تھا اس لیے نظامِ مشیت اور احکامِ قدرت
نے اجرائے شریعت اور احیائے سنت کی خدمات کو ظاہری
طور پر علمائے کبار اور فضلائے روزگار کی قوتِ اجتہاد کے
سپرد فرمایا جن کے اوصاف کو انما یخشی الله من عبادہ العلماء کی آیت
مخصوصہ سے موصوف فرما چکا تھا اور نظامِ امامت کے
آئیندہ نفاذ کو ایک زمانہ محدود تک موقوف فرما دیا جسکے
شمار اور تعداد کا علم سوائے اُسکے اور کسی کو نہیں دیا گیا ہے

یہ تھے غیبتِ کبریٰ کے واقع ہونے کے سرسری اور
سطحی اسباب۔ جن کو ہم نے صرف موجودہ واقعات پر نظر
کر کے لکھدیا ہے جنپر ہم حقیقت اور اصلیت کا کوئی حکم
نہیں لگا سکتے۔ اور نہ اُنکو اصلی سبب اور واقعی وجہ
غیبت کبریٰ ہونے کی ٹھہرا سکتے ہیں۔ اس کے اصلی
وجوہ اور واقعی اسباب سوائے علام الغیوب کے کوئی
دوسرا جان نہیں سکتا۔ اور ان کی بابت زیادہ غور و خوض
کا بھی حکم نہیں ہے کیونکہ اسرارِ الٰہی ہیں خواہ مخواہ مداخلت
بالکل بے موقع اور بیجا جسارت ہے جسکو کوئی صاحبِ
عقل و شعور پسند نہیں کرتا۔

اتنا لکھ کر ہم کو یقین ہے کہ ہماری کتاب کے ناظرین
ہمارے موجودہ مضامینِ بحث سے اپنی خاطر خواہ تشفی اور
کامل اطمینان کر لینگے۔ اب ہم اُنکے مزید اطمینان کی غرض
سے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے خاص ارشاد و اقوال
بھی ذیل میں درج کیے دیتے ہیں جنکو آپ نے غیبتِ کبریٰ
کے ابتدائی زمانہ میں ایک خالص الاعتقاد اور کامل الایمان
صحابی سے ارشاد فرمایا تھا۔

ابراہیم ابن مہزیار رحمۃ اللہ علیہ سے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی گفتگو

ملائے مجلسی علیہ الرحمۃ بحار الانوار جلد سیزدہم میں تحریر فرماتے
ہیں کہ ابراہیم ابن مہزیار رحمۃ اللہ علیہ بزرگان شیعہ میں سے
تھے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے معتمدین اصحاب
میں شمار ہوتے تھے۔

غیبتِ کبریٰ کے وقوع ہوتے ہی اُنکو جناب قائم آلِ محمد
علیہ السلام سے بالشافہ ملنے اور آپ کی زیارت سے مشرف
ہونے کا کچھ ایسا ہی شوق پیدا ہوا کہ ایک عرصہ تک وہ اپنا
گھربار اور تمام کاروبار چھوڑ کر آپ کی تلاش میں شہر بشہر اور
قریہ بقریہ پھرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اسی تردد و تجسس
میں مدینہ منورہ میں وارد ہوئے۔ اور یہاں بھی اپنے اثنائے
قیام میں گلی گلی کی خاک چھان ڈالی۔ مگر کہیں سراغ نہ ملا۔
مجبور ہو کر مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔

ابراہیم کا خود بیان ہے کہ میں ایکدن طوافِ کعبہ سے
فارغ ہو چکا تھا کہ ایک جوانِ صالح باحسن صورت میرے سامنے
سے گذرا۔ میں اُسکی طرف خود بخود اس غرض سے چلا کہ اپنی
عرض حاجت اُس سے کرونگا۔ اور اپنے موجودہ امور میں
اُس سے کچھ مشورتِ خاص لونگا۔ اس غرض سے جب میں
اُنکے قریب پہنچا تو میں نے سلام کیا۔ انہوں نے نہایت
کشادہ پیشانی اور حسن اخلاق سے میرے سلام کا جواب دیا
اور مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے
کہا عراق کا رہنے والا ہوں۔ پوچھا کہ عراق کے کس شہر میں
رہتے ہو؟ میں نے کہا کہ شہر اہواز کا رہنے والا ہوں۔ یہ سنکر
اُس نے خوش ہو کر کہا حیا بلقائک خدا میرے لیے
تیری ملاقات کو مبارک فرمائے۔ تم اہواز میں جعفر ابن حمدان
حصینی کو بھی جانتے ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ میں اُنہیں خوب
جانتا تھا۔ اُن کا تو انتقال ہو گیا۔ یہ سنکر انہوں نے کہا کہ
رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ شب و روز عبادت گزاری اور پرہیزگاری
میں بسر کرتے تھے۔ تا اینکہ اُنہی محاسنِ اعمال کے صلہ میں
خداوندِ عالم نے اُن کو ثوابِ جمیل اور اجر جزیل عطا فرمایا۔ اتنا
کہہ کر انہوں نے پھر پوچھا کہ ابراہیم ابن مہزیار کو بھی جانتے ہو؟
میں نے کہا کہ وہ میں ہی ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے مجھ سے
معانقہ کیا۔ اور کہا کہ مرحبا بک یا ابا اسحق وہ نشان
جو خلوص و اعتقاد کے اعتبار سے حضرت امام حسن عسکری علیہ
السلام نے تمہیں عنایت فرمایا تھا کیا ہوا؟ یہ سنکر مجھے حد

وجہ کی مسرت ہوئی۔ اور میں نے اُسیوقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ میں بہت جلد اپنے مقصودِ دلی پر فائز ہونگا۔ کیونکہ جس علامت کی طرف اس جوانِ صالح نے اشارہ کیا ہے وہ ایک انگشتری ہے جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے عنایت فرمائی ہے اور آپ کے اِس عطیہ کو سوائے میرے یا اُن جناب کے کوئی دوسرا شخص نہ جانتا تھا۔ اور نہ آجتک میں نے اِس قصہ کو کسی سے بیان ہی کیا تھا۔

بہرحال۔ ابراہیم ابنِ مہزیار کا بیان ہے کہ میں نے اپنی مسرت اور فرحت کے موجودہ عالم میں جواب دیا کہ وہ آپ کی عنایت فرمودہ علامت میرے پاس اِس وقت تک موجود ہے۔ یہ کہکر وہ انگشتری مطہر میں نے اپنی ہمیانی سے نکالی اور اُنکو دکھلائی۔ اُسکو دیکھتے ہی اُس جوان صالح نے نہایت شوق سے اُسکو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور نہایت عظمت سے اُسکو آنکھوں سے لگایا۔ اور متواتر بوسے لیے۔ پھر جو کچھ اُس خاتم مطہر کے حلقہ میں تحریر تھا پڑھا۔ اُسمیں اسمائے مقدس یا اللہ۔ یا محمد۔ یا علی منقوش تھا ان سب امور کے بعد اُنھوں نے کہا کہ میری جان آن حضرات (جناب امام حسن عسکری علیہ السلام) پر فدا ہو۔ میں نے ہزارہا مسائل آپ کی خدمت میں عرض کیے اور اُنکے جواب خاطرخواہ پائے۔ انواع واقسام کی حدیثوں کو آپکی زبان معجز بیان سے سُنا اور اُنکو اپنے سینہ میں ذخیرہ کیا۔ اور انہی خاص وجوہ سے میں آپ کی خدمت میں بمقابلہ دیگر حضرات کے زیادہ ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔

ابراہیم ابن مہزیار کا بیان ہے کہ وہ جوانِ صالح یہاں تک بیان کرکے پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا اے ابا اسحٰق! اپنے اُس مقصد عظیم سے جسکی تقدیم وتعمیل کا قصد تم بعد فراغتِ حج اپنے دل میں رکھتے ہو مجھ سے بیان کرو۔ اسکے جواب میں میں نے اُن سے کہا کہ میں اپنا کوئی مطلب آپ سے پوشیدہ نہیں رکھنے کا۔ اُسنے جواب دیا کہ مناسب تو ایسا ہی ہے۔ اب اِسوقت تم کو جو پوچھنا ہو پوچھو انشاءاللہ المستعان تمہارے تمام مطالب ومقاصد کی تفصیل وتشریح تم سے من وعن بیان کردونگا۔ میں نے اُنسے دریافت کیا کہ آپ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا سبحان اللہ آپ کے دو صاحبزادے ہیں محمد (قائم علیہ السلام) اور موسےٰ اور میں ان دونوں بزرگواروں کی جبین قمر آئین سے انوارِ ہدایت مشاہدہ کرتا ہوں۔ میں اُنہی کا فرستادہ ہوں۔ وہ طائف میں مقیم ہیں تمکو بلایا ہے۔ اگر تمکو اُنکی زیارت کا شرف حاصل کرنا ہے تو بے تکلف اور بلا توقف میرے ساتھ چلے چلو۔ اور اپنے رُفقاء میں سے کسی کو بھی اسکی مطلق خبر نہ کرو۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ یہ سُنتے ہی میں اُس جوانِ صالح کی ہمراہ ہولیا۔ اور ریگستان کے لق ودق میدان سے ہوتا ہوا اُس مقام پر پہنچا جہاں صحرا کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے یہاں پہنچکر میں نے ایک بہت بڑا عظیم الشان پشمینہ کا خیمہ ایک اونچی زمین پر برپا دیکھا جسکی وجہ سے اُس ویران میدان کے چاروں طرف کا حصہ شاداب اور آباد معلوم ہوتا ہے۔ جب یہاں ہم پہنچے تو ہمارا ہمراہی جوانِ صالح ہم سے جُدا ہوکر اُس خیمہ کے اندر چلا گیا۔ اور وہاں میری حاضری کی اطلاع کی۔ وہاں دونوں بزرگواروں میں سے وہ حضرت جو عمر میں بڑے تھے باہر نکل آئے۔ اور میں نے اُنکے سراپائے مبارک پر نظر کی تو دیکھا کہ وہ نہایت پاکیزہ صورت ہیں اور جوان۔ جسم مطہر کا رنگ بالکل صاف ہے۔ چوڑی پیشانی ہے۔ ابروہائے مبارک باہم دوسرے سے باہم ملے ہوئے ہیں۔ رخسارے نرم ہیں اور بینی مقدس اونچی ہے۔ سیدھے رخسار پر ایک تل تارے کی طرح روشن ہے اور وہ عالم دکھارہا ہے جیسے آئینہ پر مشک کا ریزہ۔ فرقِ اقدس پر بہترین گیسو کانوں کی لو تک چھوٹے ہوئے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ خداداد صورت تھی کہ دنیا کی آنکھوں نے کبھی اِس حُسن وصورت کا انسان نہ دیکھا ہوگا اور میں نے بخدائے لایزال ایسے وقار وعظمت واقتدار کا کوئی آدمی آجتک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اللھم صل علی محمد وآل محمد۔

بہرحال ابراہیم بن مہزیار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

انکو اس ہیبت و جلال سے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر میں اپنے موجودہ اشتیاق و تمنا کی مضطربانہ پرجوشیوں میں دوڑتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور بیساختہ اُن کے قدموں پر گر پڑا اور ان کے پائے مبارک کو بار بار چومنے لگا۔ آپ نے اپنے خلق عظیم کے تقاضے سے مجھے فوراً اٹھایا۔ گلے سے لگایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے ابا اسحٰق! تم نے آج بہت بڑے مکان رفیع و وسیع میں قدم رکھا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ تم مجھ سے ملنے کا ہمیشہ اشتیاق رکھتے تھے۔ مگر یہ بات جانبین کو میسر نہیں ہوتی تھی۔ مگر باوجود ظاہری مفارقت و دوری کے چونکہ ہمارے تمہارے فیما بین خلوص و اتحاد کے ایسے ہی مراسم وابستہ تھے اور کامل کہ تمہارا خیال اور تمہاری یاد میرے دل میں ہمیشہ متمکن تھی اور یہ خیال اور یہ یاد کچھ ایسی ہی مستقل اور پائدار تھی کہ گویا مجھ کو ہمیشہ تم سے مجالست اور مکالمت کا لطف حاصل ہے۔ اس خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جو لائق حمد و ثنا ہے اور اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو تمہاری ملاقات میسر فرمائی اور میرے طائر دل کو قفس مفارقت سے رہائی دلوائی۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ اتنی تقریر کے بعد پھر آپ نے اخوان کے دیگر مومنین کو مجھ سے پوچھا تو میں نے خدمت مبارک میں عرض کی کہ یا مولا جس وقت سے میرے آقا جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔ میں نے آپ کی تلاش میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔ اور اس وقت سے یکسر اس وقت تک برابر آپ کی جستجو میں حیران و سرگردان پھرتا ہوں۔ اس وجہ سے میں اُن حضرات کی کچھ بھی خبر نہیں رکھتا۔ مگر اب الحمد للہ۔ خدا نے مجھ کو میرے مقصود تک پہنچایا۔ اور میرے خضر طالع نے مجھ کو راہ مقدس تک جا لگایا۔ اور حقیقۃً مجھ پر بڑا فضل و کرم فرمایا۔

اسکے بعد آپ مجھے ایک علیحدہ خلوت میں لیگئے۔ اور مجھ کو اطمینان سے بٹھلا کر ارشاد فرمانے لگے۔

إنَّ أبي صلَّى اللهُ عليهِ وآلهِ عهِدَ إليَّ أنْ لا أوطِنَ مِنَ الأرضِ إلّا أخفاها وأقصاها إسراراً لأمري وتحصيناً لمحلّي من مكايدِ أهلِ الضلالِ والمَرَدةِ مِن إحداثِ الأُمَمِ الضُّوّالِ فنبذني إلى عاليةِ الرِّمالِ وجُبْتُ صرائمَ الأرضِ تنظرُني الغايةُ التي عندَها يحِلُّ الأمرُ وينجلي الهلَعُ وكانَ صلواتُ اللهِ عليهِ أنبطَ لي مِن خزائنِ الحِكَمِ وكوامنِ العلومِ ما إنْ أشعتُ إليكَ منهُ جزءاً أغناكَ عنِ الجُملةِ۔ اعلمْ يا أبا إسحٰقَ إنّهُ قالَ صلواتُ اللهِ عليهِ يا بُنيَّ إنَّ اللهَ جلَّ ثناؤهُ لم يكنْ ليُخلِيَ أطباقَ أرضِهِ وأهلَ الجِدِّ في طاعتِهِ وعبادتِهِ بلا حُجّةٍ يُستعلى بها وإمامٍ يُؤتَمُّ بهِ ويُقتدى بسُبُلِ سُنّتِهِ ومنهاجِ قصدِهِ وأرجو يا بُنيَّ أنْ تكونَ أحدَ مَن أعدَّهُ اللهُ لنشرِ الحقِّ ... بلزومِ خوافي الأرضِ وتتبُّعِ أقاصيها فإنَّ لكلِّ وليٍّ مِن أولياءِ اللهِ عزَّ وجلَّ عدوّاً مُقارِعاً وضِدّاً منازِعاً افتراضاً لمجاهدةِ أهلِ نفاقِهِ وخلافِهِ أُولي الإلحادِ والعنادِ فلا يُوحِشنَّكَ ذلكَ واعلمْ أنَّ قلوبَ أهلِ الطاعةِ والإخلاصِ نُزَّعٌ إليكَ مثلَ الطيرِ إذا أمَّتْ أوكارَها وهم معشرٌ يطلعونَ بمخايلِ الذِّلّةِ والاستكانةِ وهم عندَ اللهِ بَرَرةٌ أعزّاءُ يبرزونَ بأنفسٍ مُختلّةٍ مُحتاجةٍ وهم أهلُ القناعةِ والاعتصامِ واستنبطوا الدِّينَ فوازروهُ على مجاهدةِ الأضدادِ خصَّهمُ اللهُ باحتمالِ الضَّيمِ ليشمَلَهم باتّساعِ العِزِّ في دارِ القرارِ وجبَلَهم على خلائقِ الصبرِ لتكونَ لهمُ العاقبةُ الحُسنى وكرامةُ حُسنِ العُقبى فاقتبسْ يا بُنيَّ نورَ الصبرِ على مواردِ أُمورِكَ تفُزْ بدَركِ الصُّنعِ في مصادرِها واستشعرِ العِزَّ فيما ينوبُكَ تحظَ بما تُحمَدُ عليهِ إنْ شاءَ اللهُ فكأنّكَ يا بُنيَّ بتأييدِ نصرِ اللهِ قد آنَ وتيسيرِ الفلَجِ وعلُوِّ الكعبِ قد حانَ وكأنّكَ بالراياتِ الصُّفرِ والأعلامِ البِيضِ تخفِقُ على أثناءِ أعطافِكَ ما بينَ الحطيمِ وزمزمَ وكأنّكَ بترادُفِ البيعةِ وتصافي الولاءِ يتناظمُ

الدُّرِّ فِي مَثَانِي الْعُقُودِ وَ تَصَادُفِ الْاَكُفِّ عَلٰى جَنَبَاتِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَلُوذُ بِفِنَائِكَ مِنْ مَلَاءٍ بَرَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ طَهَارَةِ الْوِلَاءِ وَ نَفَاسَةِ التُّرْبَةِ مُقَدَّسَةً قُلُوبُهُمْ مِنْ دَنَسِ النِّفَاقِ مُهَذَّبَةً اَفْئِدَتُهُمْ مِنْ رِجْسِ الشِّقَاقِ لَيِّنَةً عَرَائِكُهُمْ لِلدِّيْنِ خَشِنَةً ضَرَائِبُهُمْ عَنِ الْعُدْوَانِ وَاضِحَةً بِالْقَبُوْلِ اَوْجُهُهُمْ نَضِرَةً بِالْفَضْلِ عِيْدَانُهُمْ يَدِيْنُوْنَ بِدِيْنِ الْحَقِّ وَاَهْلِهِ فَاِذَا اشْتَدَّتْ اَرْكَانُهُمْ وَ تَقَوَّمَتْ اَعْمَارُهُمْ قُدَّتْ بِمُكَانَفَتِهِمْ طَبَقَاتُ الْاُمَمِ اِذْ تَبِعَتْكَ فِي ظِلَالِ شَجَرَةٍ دَوْحَةٍ سَبَقَتْ اَفْنَانُ غُصُوْنِهَا عَلٰى حَفَافَاتِ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ فَعِنْدَهَا يَتَلَأْلَأُ صُبْحُ الْحَقِّ وَ يَنْجَلِي ظَلَامُ الْبَاطِلِ وَيَقْصِمُ اللّٰهُ بِكَ الطُّغْيَانَ وَ يُعِيْدُ مَعَالِمَ الْاِيْمَانِ يَظْهَرُ بِكَ اسْتِقَامُ الْآفَاقِ وَ السَّلَامُ الرِّفَاقِ يَوَدُّ الطِّفْلُ فِي الْمَهْدِ لَوِ اسْتَطَاعَ اِلَيْكَ نُهُوْضًا وَ نَوَاشِطُ الْوَحْشِ لَوْ تَجِدُ نَحْوَكَ مَجَازًا تَهْتَزُّ بِكَ اَغْصَانُ الْعِزِّ نَضِرَةً وَ تَسْتَقِرُّ بَوَانِي الْعِزِّ فِي قَرَارِهَا وَ تَؤُوْبُ شَوَارِدُ الدِّيْنِ اِلٰى اَوْكَارِهَا يَتَهَاطَلُ عَلَيْكَ سَحَائِبُ الظَّفَرِ فَتَخْنُقُ كُلَّ عَاتٍ وَ تَنْصُرُ كُلَّ وَلِيٍّ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ جَبَّارٌ وَ لَا جَاحِدٌ غَامِطٌ وَ لَا شَانِئٌ مُبْغِضٌ وَ لَا مُعَانِدٌ كَاشِحٌ وَ مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۔

حقیقت حال یہ ہے کہ میرے پدر بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے وصیت فرمائی ہے اور مجھ سے ان امور کی نسبت عہد و پیمان لیا ہے کہ میں دنیا میں کسی مقام کو اپنا وطن اور اپنا مسکن نہ بناؤں اور بالعوض اسکے دور و دراز اور پوشیدہ سے پوشیدہ مقامات میں سکونت اختیار کروں تاکہ معاندین دین اور گروہ مخالفین کو میرے امور کی کوئی خبر اور اطلاع نہ ہونے پائے۔ یہ بھی مجھکو تاکید کیگئی ہے کہ میں اپنے مدارج و مراتب اور فضائل و مناقب کو کسی شخص پر ظاہر نہ کروں۔ ان وجوہ سے ان دور دراز۔ ویران اور غیر آباد مقامات کو جہاں انسان کی آبادی کا کسی کو بھی گمان اور احتمال نہیں ہو سکتا اپنے قیام کے لیے تجویز کیا ہے۔ اور میں ان مقامات میں اسوقت تک قیام کرنے کے لیے ضرور مامور اور مجبور کیا گیا ہوں جبتک کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ میرے لیے ظہور کا حکم نہ دے تاکہ مخلوق درد و مصیبت سے رہا کر دی جائے

اے ابو اسحاق! میرے پدر بزرگوار جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اسرار غیب و حکمت کے بیشمار خزانے مجھے عنایت فرمائے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی جزو یا کوئی حصہ میں تم کو بتلا دوں تو پھر تم کو دنیا میں کسی دوسرے سے کسی شے کے پوچھنے یا سیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اے ابو اسحٰق! سمجھ لو! جیسا کہ میرے پدر عالی مقدار نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ خدائے حکیم و دانا نے کسی وقت میں۔ کسی زمانہ میں اور کسی حالت میں دنیا کے کسی حصہ کو ایسا نہیں چھوڑا ہے جس میں اپنی حجت نہ باقی چھوڑی ہو۔ جو امور دینی اور دنیاوی میں انکا حامی اور معین ہو۔ اور دنیا و آخرت میں ان کا ہادی اور پیشوا ثابت ہو۔ اسوجہ سے میں تمہیں بتلائے دیتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد اے میرے فرزند! تم بیشک انہی مقدس لوگوں میں ضرور ہو جو منجانب اللہ حق کو حق کرنے اور باطل کو باطل کرنیکے لیے دنیا میں آئے کیونکہ یکے بعد دیگرے بھیجے گئے ہیں یہی مقدس سلسلہ حق کو حق۔ ناحق کو ناحق کرتا ہے اور اساس ناحق شناسی قطعی مستاصل بناتا ہے۔ آتش کفر و الحاد کو بجھاتا ہے ان اصول عقائد کو تم لوازم خویش و بیگانہ سے بچنے کے لیے ہمیشہ دور و دراز اور پوشیدہ سے پوشیدہ مقامات میں اپنی سکونت اختیار کرو۔ کیونکہ ہر زمانہ میں ہر ولی خدا کا ایک دشمن بھی ضرور پیدا کیا گیا ہے اور وہ اس ولی خدا کی مخالفت میں ہمیشہ اسکے ساتھ نزاع اور مخاصمت پر کمربستہ رہا کرتا ہے اور اس کی مخالفت کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ وہ خاصہ باری معاندین اور مخالفین کے ساتھ جہاد کرنے کو اپنا فرض سمجھا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے اے فرزند گرامی قدر! تمکو تمہارے دشمنوں کی کثرت

مترددو اور خائف نہ کردے۔ تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ آفرینشِ عالم کے وقت سے لیکر اسوقت تک اولیاء اللہ سلام اللہ علیہم کے یہی طریقے ثابت ہوتے آئے ہیں۔ اور یہ بھی یقین کرلو کہ اہلِ خلوص و عقیدت کے قلوب تمہارے جمالِ جہاں آرا کے ایسے مشتاق ہیں جیسے طائر گم کردہ آشیاں اپنے آشیانہ کے شائق اور آرزومند ہوتے ہیں اور خالص الاعتقاد اور کامل الخلوص وہی حضرات ہیں جو دنیا میں ظاہری طور پر نہایت معمولی اور گمنامی گزری حالتوں میں بسر کرتے ہیں مگر خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ کی درگاہ میں اُنکے بڑے بڑے اعتبار اور اقتدار ہیں۔ وہ اپنے پیدا کنندہ کی نگاہ میں ضرور عزیز تر ہیں۔ گو وہ خلائق کی آنکھوں میں کیسے ہی ذلیل و حقیر اور پریشان حال و محتاج سمجھے جاتے ہوں۔ وہ اہلِ طہارت اور قناعت ہیں اور دنیا کی مخلوق انکی قناعت کو فقر اور ناداری کے معنوں میں سمجھتی ہے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں کہ جو دینِ الٰہی کو مستنبط کرتے ہیں اور وہ دشمنانِ دین کے ساتھ مجاہدہ پر آمادہ اور تیار ہیں۔ خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ نے اُن کو ظلم و ستم کے تحمل کے ساتھ خاص طور پر موصوف و مخصوص پیدا کیا ہے اور وہ ہمیشہ دنیا میں انہی صفات کے ساتھ رہینگے جبتک کہ خدائے واہب العطایا اُنکو دارالقرار بہشت میں دائمی قیام پر مشرف اور معزز فرمائے۔ اُنکی طبیعتوں میں صبر و شکیبائی کی مخصوص صفات اس لیے پیدا کیگئی ہیں کہ وہ ظلم و ایذا کے وقوع کے وقت اپنے صبر و شکیبائی کے جوہر دکھلائیں اور دنیا کے تمام مصائب کو نہایت خاموشی کے ساتھ برداشت کرجائیں۔ تا اینکہ اِن تمام مراحل کو طے فرماکر برکاتِ و حسناتِ عقبےٰ پر فائز المرام ہوں۔ اے فرزند ارجمند! بلا و مصیبت اور ذلت و حقارت کے تمام تاریک امور کو تم صبر و شکیبائی کے انوار سے منور کرو۔ تا اینکہ خدائے ارحم الراحمین وہ بلا و مصیبت تم سے اٹھالے۔ اور یہ بھی یقین کرلو کہ جتنے مصائب اور بلائیں تم پر گزرتی ہیں وہ سب حقیقت میں تمہاری عزت و رفعت کا باعث ہے اس لیے کہ تم تمام دنیا میں نیکبخت اور سعادتمند مشہور ہو۔ اور اسی وجہ سے تمام مقامات پر تمہاری توصیف و تعریف بیان کیجاتی ہے

اے فرزند سعید! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ تم تائیدِ ربانی سے مؤید کیے گئے ہو۔ اور اُسکی وجہ سے تم اپنے دشمنوں پر فتح و ظفر۔ عزت و غلبہ پاگئے ہو۔ اور گویا زرد اور سفید علم عظیم اور زمزم کے درمیان تمہارے چاروں طرف دیکھ رہا ہوں۔ خداوندِ عالم نے جنکے قلوب کو خالص محبت اور مبارک طینت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اُنکو خباثت اور نفاق کی تمام غلیظ اور آلودہ اشیاء سے پاک و صاف پیدا کیا ہے وہ طریقہ دینِ الٰہی اور اُس کے اوامر و نواہی کو بہت جلد قبول کرلیتے ہیں اور اُنکے قلوب فتنہ و فساد اور ظلم و تعدی وغیرہ سے دُور رہتے ہیں۔ اور بوجہ قبولیت درگاہِ الٰہی کے اُنکے چہرے ہمیشہ منور اور روشن رہتے ہیں۔ اُن کے جسم فضلِ خدا کے باعث سے ہمیشہ مضبوط اور تروتازہ رہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو دینِ حق پر ایمان لائے ہیں۔ اور یہی لوگ غایتِ اشتیاق سے ایک دوسرے پر گر پڑ کر تمہاری بیعت اختیار کرینگے۔ اور تمہاری الفت و محبت میں نہایت صفائی اور رسوخ سے کام لیتے ہیں۔ اور تمہارے پاس مثل موتیوں کے جمع ہوتے ہیں۔ اور اپنی پناہ و حفاظت کے لیے تمہارے گھر کی طرف وہ اپنی آنکھیں اسطرح اُٹھاتے ہیں جیسے حجر الاسود کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں خداوند تعالےٰ نے اُن کے جسموں کو قوی اور اُن کی عمروں کو طویل بنایا ہے اور وہ ایک درختِ سایہ دار کے نیچے جسکی شاخیں بہت لمبی ہوتی ہیں اُس مقامِ خاص میں جو بحیرہٗ طبریہ کے اطراف میں واقع ہے تم سے بیعت کرتے ہیں اور اِن بزرگواروں کے اجماع کی وجہ سے اہلِ بدعت و ضلالت کے قوم و قبیلہ کے لوگ متفرق اور پراگندہ ہوجاتے ہیں۔ اسی زمانہ میں حقیقت کی صبح روشن ہوتی ہے اور شامِ جہالت و ضلالت کی تاریکی زائل ہوتی ہے۔ اور اِن سامانوں سے خداوندِ عالم فتنہ و فساد اور طغیان کو دنیا سے اٹھالیگا۔ اور دین و ایمان کے طریقوں کو محو ہوجانے کے بعد پھر حالتِ اول پر سے آئیگا۔ اور یہ تمام امور ایک تمہارے باعث سے ہونگے۔ کیونکہ انسان اُس زمانہ میں امراضِ روحانی میں مبتلا ہونگے۔ مگر تمہارے رفقاء اور اعوان و انصار کو اِن امراض سے کوئی اثر نہیں پہنچیگا۔ وہ بالکل صحیح و

الم رہینگے۔ اور تمہاری عام قبولیت کا اُس وقت یہ عالم ہوگا کہ ایک بچہ تک جو اپنے گہوارے میں ہوگا وہ بھی تم سے بیعت کرنیکے لیے گہوارے سے حاضر ہونیکی آرزو کریگا۔ لیکن وہ جو صراطِ مستقیم سے علیحدہ اور بہائم کی طرح عالمِ وحشت میں گرفتار ہوگا۔ وہ البتہ تمہاری طرف مائل نہوگا۔ باقی تمام دنیا تمہاری خدمت سے تحصیلِ سعادت کرکے اپنی زندگی چین سے بسر کریگی۔ تمہاری وجہ سے عزت و ثروت کی شاخیں ترو تازہ ہونگی اور اپنے جوشِ مسرت میں فرطِ محبت سے جھومنے لگینگی اور عزت و وقعت کی عمارت اپنے مقام پر قیام و قرار کریگی اور احکامِ شرعیہ اور نصابِ دینیہ کے مرغانِ گم کردہ آشیان تمہاری عنایت و اعانت کی وجہ سے پھر اپنے سابق مقام پر پہنچ جائینگے۔ سحابِ فتح و ظفر تمہارے لیے برسائے جائینگے۔ اُس وقت تم اپنے دشمنوں کے گلے گھونٹ ڈالوگے اور اپنے رُفقاو اصحاب کی امداد و اعانت فرماؤگے۔ پس اُسی زمانہ میں تمام روئے زمین پر کوئی ایسا ستمگار نہیں رہیگا جو امرِ حق سے عدول کرنیوالا ثابت ہوتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا منکر معلوم ہوگا جو احکامِ حقہ کو ذلیل و حقیر جانتا ہو۔ نہ تمہارا کوئی دشمن رہیگا اور نہ عیب لگانیوالا۔ اور نہ تمہارا کوئی ایسا مخالف موجود پایا جائیگا جو تمہارے امور سے اعراض و اغماض کرے۔ پس جو بندہ کہ تفضلات الٰہی پر توکل اختیار کرتا ہے خدا اُسکی مدد کرتا ہے کیونکہ خدائے قادر و توانا جس شے کا ارادہ کرتا ہے وہ اُسکی قدرت سے پورا اور مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ تقریر بیان کرکے راویٔ حدیث۔ ابراہیم ابنِ مہزیار کا بیان ہے کہ جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام نے نہایت تاکید کے ساتھ مجھے ہدایت فرمائی کہ میں اس صحبت کو ہمیشہ مخفی اور پنہاں رکھوں مگر وہ حضرات جو اہلِ دیانت و صداقت ہیں اور اخوت و یکجہتی دینی میں داخل ہیں ان سے بیان کرنے میں البتہ کوئی مضائقہ نہیں (بحار الانوار مطبوعۂ تبریز صفحہ ۱۴۲)۔ اِس طول و طویل اور پر تفصیل حدیث سے آپ کی غیبت کے تمام وجوہ و مصالح جو ظاہری طور پر اسکے باعث معلوم ہوتے ہیں سمجھ میں آگئے۔ مگر باطنی طریقہ سے اسکے وجوہ اور یقینی اسباب دریافت کرنیکے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ یا قرینہ نہیں ہے جس سے ہم اِن اسباب و وجوہ کی علت اور غایت معلوم کرسکیں۔

بہرحال۔ ہمارا دعوے جو اسبابِ غیبت کے متعلق کیا گیا تھا۔ اِس حدیث سے کافی طور سے معلوم ہوگیا۔ اِن اسباب کی بحث کو ختم کرکے اب پھر ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہانتک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ رویت اور نفاذِ احکامِ شریعت جو خاص خاص مؤمنین کو وقتاً فوقتاً حاصل ہوا کرتے تھے اب بالکل ممنوع اور منقطع ہوگئے۔ اُن کے مصالح اور وجوہ وہی تھے جو اوپر لکھے گئے اور جو آپکی زبانِ صداقت ترجمان سے کماحقہ مترشح ہو چکے ہیں۔ کوتاہ فہم انسان کے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اسرارِ الٰہی کے متعلق جو تھوڑا بہت ظاہری طور سے اُسکو معتبر اور مستند ذرائع سے معلوم ہوگیا ہے وہی غنیمت ہے۔ ورنہ نہ اُسکے محدود فہم میں اتنی سمائی ہے جو اُسکے تمام رموز کی اصلیت سمجھے اور نہ اُسکے مقید ادراک و شعور میں اتنی رسائی کہ اُسکے تمام غوامض کی حقیقت تک پہنچے۔ بندہ کی شان یہی ہے کہ وہ اُتنے ہی تفویضِ ایزدی کا ہزاروں لاکھوں شکر ادا کرے اور اسی سے اپنے قلب کا اطمینان اور دل کی تسکین کرے۔ اِس سے زیادہ کی ہوس اُس مشتِ خاک کی بساط سے کہیں باہر ہے اور وہ ہرگز اِس کے شایاں نہیں۔

بہرحال۔ غیبتِ صغرےٰ کے تمام حالات۔ واقعات اور اسباب جہانتک اخبار و آثار کے معتبر ذریعوں سے معلوم ہوئے ہیں بتلا دیے گئے۔ اب غیبتِ کبرےٰ کے متعلق جو کچھ لکھنا ہے وہ یہ ہے

غیبتِ کبرےٰ میں امام علیہ السلام کی رویت

یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ غیبتِ کبرےٰ میں یہ فیوض و مراحمِ ربانی بھی جاتے رہے جو غیبتِ صغرےٰ کے ایام میں آپ کی ذاتِ مجمع الحسنات سے حاصل ہوا کرتے تھے۔ دنیا تاریک ہوگئی۔ وسعتِ عالم میں اندھیرا چھا گیا۔ کفر و الحاد اور ضلالت و ارتداد کے سر بفلک طوفان اٹھنے لگے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مشیتِ ایزدی نے انہی مصالح پر نظر کرکے غیبتِ کبرےٰ کا حکم نافذ فرما دیا۔ اور اپنی اُس حجتِ آخر کو جس سے نظامِ مشیت نے نظامِ امت کو متعلق کیا تھا ایک ایسے مقام میں اپنے حجابِ قدرت کے اندر چھپا لیا جس کا علم سوائے اُسکے کسی اور کو نہیں ہے۔ اور رویت وغیرہ کے تمام ابواب مسدود فرما دیے مگر ان تمام قیود پر بھی اس ارحم الراحمین نے اپنے بندوں کے لیے جن کا ہدایت پانا اور ایمان لانا آپ کی رویت پر موقوف اور منحصر تھا۔ یا ایسے

راسخ الایمان اور خالص الاعتقاد حضرات کے واسطے جو آپ کے اشتیاق لقا میں بالکل تارک دنیا ہو بیٹھے تھے۔ اور اپنے خلوص و عقیدت اور رنج و مصیبت کی تمام آزمائشوں میں کامل اتر چکے تھے رویت کا اذن دیدیا جانا منظور کر لیا تھا۔ کیونکہ رویت ایسے ناگزیر وقتوں میں نہایت ضروری اور لازم ہو جاتی تھی۔ معرفت اور احیائے شریعت کے تمام امور اسی پر موقوف ہو جاتے تھے۔ اس لیے ایسے ایسے اوقاتِ مخصوصہ میں نظر بمصالح

ایسے خوش قسمت حضرات کو زیارت و رویت کے شرفِ مخصوصہ سے مشرف و ممتاز فرما دیا جاتا تھا۔ یہ امور ایسے نہیں ہیں جنکی مثال صرف حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ السلام ہی کے حالات میں پائی جاتی ہو۔ بلکہ یہ ایسے واقعات ہیں جو حضرات انبیاء و اولیاء صلوات اللہ علے انبینا و آلہ و علیہم السلام کے مبارک حالات میں بھی اکثر پائے جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے آثارِ قدیمہ اور اخبارِ ماضیہ کو پڑھا ہے وہ ان امور کو بخوبی جانتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں جنابِ خضر علیہ السلام اور حضرتِ موسےٰ علے نبینا و آلہ و علیہ السلام کی زیارت اور باہمی مجالست و مکالمت کی پوری کیفیت مذکور ہے۔ اور کتاب الاسفار توریتِ مقدس میں جنابِ داؤد علیہ السلام اور حضرت ارمیا علیہ التحیۃ والثنا کی ملاقات کا حال مسطور۔

بہرحال۔ انہی قدیم اصول کے مطابق نظامِ مشیت نے آپ کی غیبت کے زمانہ میں بھی ایسے موقع اور ضرورت کے وقتوں میں ایسے خلوص و عقیدت اور خوش قسمت حضرات کو رویت امام علیہ السلام کے لیے ماذون کر دیا چنانچہ اسوقت ہمارے موجودہ دعوے کی تصدیق میں کثیر التعداد واقعات پیش نظر ہیں۔ جن سے بلا تامل معلوم ہو جاتا ہے کہ غیبتِ کبریٰ کے موجودہ زمانہ میں بھی بہت سے کامل الولا اور صاحبانِ صدق و صفا نے آپکے جمال جہاں آرا کی زیارت کا شرف حاصل کر کے اپنا مقصودِ قلبی اور مطلب دلی حاصل کیا ہے۔ ہم اِن تمام واقعات کی پوری تفصیل سے قطع نظر کر کے ذیل میں چند واقعات جن کو امام قندوزی نے اپنی مستند کتاب ینابیع المودۃ میں درج فرمایا ہے۔ قلمبند کرتے ہیں۔

غیبتِ کبرےٰ میں رویت کے واقعات

شیخ الاسلام قسطنطنیہ امام سلیمان قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ فی القربےٰ میں ایک علیحدہ باب اِس عنوان کے ساتھ تحریر فرمایا ہے فی بیان من رأی صاحب الزمان المہدی علیہ السلام بعد غیبۃ الکبریٰ ہم مندرجہ عنوان سے ذیل کے واقعات منتخب کرتے ہیں

عن غانم الھندی قال اتیت بغداد فی طلب المھدی علیہ السلام وقد مشیت علی الجسر فکنوا ابن الجبا اذ اتانی آت فقال لی اجب مولاک فلم یزل یمشی معہ حتی ادخلنی دارا وبستانا فاذا مولای قاعد فلما نظر الیّ قال یا غانم اھلاً وسھلاً فکلمنی بالھندیۃ وسلم علیّ وقال انت ترید الحج فی ھذہ السنۃ مع اھل قم فلا تحج فی ھذہ السنۃ وانصرف الی خراسان وحج من عام قابل والقی الیّ صرۃ وقال اجعل ھذہ نفقتک ولا تخبر بشیٔ مما رایت (ینابیع ص ۴۹۸ مطبوعہ بمبئی)

غانم ہندی کا بیان ہے کہ ہم بھی جنابِ امام الزمان صاحب علیہ السلام کے اشتیاق میں ایک مدت سے حیران و سرگردان پھرتے تھے یہانتک کہ شہرِ بغداد میں پہنچے۔ ایک دن بغداد کے پل پر ہم اسی فکر و تردد میں ٹہل رہے تھے کہ وہ کونسی ترکیب کیجائے کہ امام علیہ السلام کی زیارت حاصل ہو۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ چلو تم کو تمہارے مولا بلاتے ہیں۔ یہ سنکر ہم شاداں و فرحاں اسکے ساتھ چلے یہانتک کہ ہم ایک باغ اور مکان میں پہنچے۔ ہم نے وہاں ایک جوانِ رعنا کو استادہ پایا۔ جس وقت اس نے ہمیں دیکھا فرمایا اہلاً و سہلاً۔ پھر اتنا فرما کر آپ نے ہمارے سلام کا جواب دیتے ہوئے ارشاد کیا کہ تم امسال مومنین قم کے ساتھ حجِ بیت اللہ کا قصد رکھتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں۔ ارشاد فرمایا کہ تم امسال حج نہ کرو۔ بلکہ امسال زیارتِ مشہدِ مقدس پر اکتفا کرو۔ سالِ آیندہ حج سے مشرف ہو لینا۔ اتنا فرما کر ایک روپیوں کی تھیلی ہم کو دی اور ارشاد فرمایا کہ اسے اپنی ضرورتوں میں صرف کرنا۔ اور جو کچھ تم نے یہاں دیکھا ہے کسی سے ذکر نہ کرنا۔

(۲) عن محمد ابن شاذان الکابلی قال کنت لطالب اطلب المھدی علیہ السلام واقمت فی المدینۃ ولا ذکرتہ لاحد الا استھزانی فلقیت شیخا من بنی ھاشم وھو یحیی بن محمد العریضی فقال لی ان الذی تطلبہ ودخلت فی الدکان فزجرنی غلام اسود وقال قم

من هذا المكان فقلت لا اخرج فدخل الذّاذ ثم خرج وقال لي ادخل فدخلت فاذا مولای قاعداً بوسط الدار وسمانی باسم لم یعرفه احد الا اهلی بکابل واخبرنی باشیاء ثم انصرفت عنه ثم اتیت السنة الثانیة فلم اجده۔

محمد ابن شاذان کابلی بیان کرتے ہیں کہ میں بھی جناب امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام کے اشتیاق میں دیار و امصار مختلفہ سے پھرتا پھراتا مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مقیم ہوا یہاں جس شخص نے میرے مدعائے دلی کو سُنا وہ مجھ پر ہنسا اور مجھ سے مزاح کرنے لگا۔ یہاں تک کہ میں سادات بنی ہاشم میں سے ایک سن رسیدہ بزرگ سے ملا جنکا نام یحیےٰ بن محمد العریضی تھا۔ ان کے ساتھ میں دُکان پر گیا۔ وہاں ایک غلام حبشی نے مجھے اندر جانے سے منع کیا مگر یحیےٰ نے اُسے ڈانٹا اور مجھے اندر دیکھئے۔ میں نے اندر جاکر دیکھا تو (جناب امام صاحب الزمان علیہ السلام) میرے مولا وہاں وسطِ مکان میں تشریف فرما ہیں مجھ کو آتا ہوا پاکر آپ نے مجھ کو اُس نام سے پکارا جس کو سوائے میرے کنبے کے جو اُس وقت کابل میں تھے اور کوئی دوسرا شخص نہیں جانتا تھا۔ اور پھر مجھ کو آپ نے بہت سی ایسی چیزوں کی بھی خبر دی جو مجھے اس وقت تک معلوم نہیں تھیں۔ اسکے بعد ہم آپ کی خدمت سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ دوسرے سال ہم پھر مدینۂ منورہ میں گئے تو آپ کو اُس مقام پر نہ پایا۔

(۳) عن الحسن ابن وجنا النصیبی قال کنت ساجداً تحت المیزاب فی رابع اربعة خمسین حجة منی وانا اطلب صاحب الزمان بالتضرع والدعاء اذ حرکتنی جاریة فقالت قم یا حسن فمشت معی حتی اتت بی دار خدیجة رضی الله عنها فوقفت بالباب فقال لی صاحب الزمان علیه السلام یا حسن والله ما من حج حججت الا وانا معك فی حجك فالزم دار جعفر بن محمد الباقر علیهما السلام ولا یهمك طعامك وستر عورتك وعلمنی دعاء وقال ادع وصل علیّ ولا تعلمه الا محق اولیائی فلزمت ذلك الدار ولم ازل اجد فیها وقت الافطار ماءً وخبزاً وادامًا واجد کسوة الشتاء فی الشتاء وکسوة الصیف فی الصیف (ینابیع ص ۲۸۷)

حسن ابن وجنائے النصیبی رحہ کا بیان ہے کہ میں بیت اللہ شریف میں میزاب مقدس کے نیچے سربسجدہ تھا۔ اُسوقت تک میں چوّن ۵۴ حج کر چکا تھا۔ اور میں اُن دنوں جناب امام صاحب العصر علیہ السلام کی زیارت کا ازحد طالب تھا۔ اور خدا سے اس حصولِ سعادت کیلیے دعائیں مانگ رہا تھا کہ اتنے میں ایک لونڈی آئی اور اُس نے مجھے حرکت دیکر کہا کہ اے حسن اُٹھو اور میرے ہمراہ چلو۔ یہ سُنکر میں شاد و مسرور ہو کر اسکے ساتھ ہولیا۔ وہ مجھ کو جناب صدیقہ کبرےٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں لے آئی۔ اور مجھ کو دروازہ پر کھڑا کر دیا۔ وہ اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد باہر آکر کہنے لگی کہ چلو اندر بُلایا ہے۔ میں نے اندر جاکر حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کو صحن مکان میں استادہ پایا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اے حسن! تمہارے حجوں میں سے کوئی حج ایسا نہیں گزرا ہے جس میں میں تمہارے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں۔ اب تم مکان جناب امام جعفر ابن محمد علیہما السلام میں جاکر قیام کرو۔ اور اپنے کھانے پینے کی ضروریات بھی فراہم نہ کرو۔ اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرو۔ اور پھر ہم کو آپ نے ایک دعا تعلیم فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ دعا پڑھا کرو اور مجھ پر درود بھیجا کرو۔ اور سوائے مومنین مستحقین کے کسی اور کو اس علم کی تعلیم نہ دینا۔ پس میں اُسی گھر میں فروکش ہوا۔ مجھ کو وہاں افطار کے وقت پانی۔ روٹی۔ سالن برابر مل جایا کرتا تھا اور جاڑے میں جاڑے اور گرمی میں گرمی کے کپڑے ملتے تھے

اس واقعہ کو مجلسی علیہ الرحمۃ نے کسی قدر اضافہ کے ساتھ بحار الانوار جلد سیزدہم میں بھی تحریر فرمایا ہے

(۴) عن علی ابن محمد الکوفی عن الازدی قال بینا انا فی طواف فاذا شاب حسن الوجه طیب الرائحة یتکلم الیّ فقلت یا سیدی من انت قال انا مهدی وانا صاحب الزمان وانا القائم الذی املاء الارض عدلاً کما ملئت جوراً ان الارض لا تخلو من حجة و

ولا یبقی الناس فی فترۃ فہذہ امامۃ لا تحدث بہا الا اخوانک من اہل الحق فتوالقی حصاۃ الی فاذا سبکۃ ذہب وقال بعضہم انہ یظہر فی۔

علی ابن احمد کوفی ازدی سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے طواف بیت اللہ زاد اللہ شرفہا کی خاص حالت میں ایک جوانِ خوشرو اور خوشبو کو دیکھا۔ اس نے مجھے پکارا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ فرمایا کہ میں مہدی (علیہ السلام) ہوں اور میں وہی امام آخر الزمان (علیہ السلام) ہوں اور میں وہی قائم ہوں کہ جو دنیا کو عدل و انصاف سے مملو کردیگا جسطرح اس سے قبل ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ یقین کرلو کہ کبھی زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی۔ اور کبھی انسان ایام فترت میں تنہا چھوڑا نہیں جاتا۔ یہ امر امامت کا زمانہ ہے۔ اسکو سوائے برادرانِ فرقہ حقہ کے اور کسی سے ذکر نہ کرنا۔

(۵) عن راشد الہمدانی قال لما انصرفت من الحج ضللت الطریق فوقعت فی ارض خضراء نضرۃ وتربتہا اطیب وفیہا فسطاط فلما بلغتہ رایت الخادمین وقالا اجلس فقد اراد اللہ بک خیرا فدخل احدہما ثم خرج فقال ادخل فدخلت فاذا فتی جالس وقد علق فوق راسہ سیف طویل فسلمت علیہ فرد السلام علی فقال من انا فقلت لا اعلم فقال انا القائم انا الذی اخرج فی آخر الزمان بہذا السیف فاملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما فسقطت علی وجہی فقال لا تسجد لغیر اللہ ارفع راسک وانت راشد من بلد ہمدان اتحب ان ترجع الی اہلک قلت نعم فناولنی صرۃ واومی الی الخادم فہو مشی معی خطوات فرایت اسد اباد فقال ہذہ اسد اباد امض یا راشد فالتفت فلم اراہ فدخلت اسد اباد فی الصرۃ خمسون دینارا فدخلت ہمدان وبشرت باہلی ولم نزل بخیر ما بقی معنا من تلک الدنانیر۔ (صراط مستقیم بمبئی)

ارشد ہمدانی کا بیان ہے کہ جب میں حج بیت اللہ زاد اللہ شرفہا سے فارغ ہوا تو واپسی میں راہ بھول گیا۔ اور ایک ایک زمین سرسبز و شاداب میں میرا گزر ہوا۔ وہ نہایت پُرفضا مقام تھا۔ اور وہاں کی زمین (مٹی) بھی نہایت خوشبودار تھی۔ اور وہاں ایک خیمہ بھی نصب تھا۔ جب میں کچھ اور آگے اور بڑھا تو میں نے دو غلاموں کو دیکھا۔ انہوں نے مجھ کو دیکھ کر کہا کہ ٹھہرو اور بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے تیرے ساتھ نیکی کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ پس اُن میں سے ایک شخص اس خیمہ میں داخل ہوا۔ اور فوراً باہر آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ چلے چلو۔ میں اندر گیا تو میں نے ایک جوانِ رعنا کو اندر بیٹھے دیکھا۔ اس کے گلے میں ایک طویل سیف حمائل تھی۔ میں نے اُسپر سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے استفسار کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں؟ ارشاد ہوا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ میں وہ قائم آل محمد (علیہ السلام) ہوں جو زمانۂ آخر میں اس تلوار سے تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر اور مملو کردوں گا جس طرح اس سے پہلے ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ یہ سنکر میں اپنے منہ کے بھل گر پڑا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا سوائے خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ تقدس کے کسی اور کو سجدہ نہ کیا کرو۔ اپنا سر اُٹھالے۔ تیرا نام راشد ہے۔ اور تو شہر ہمدان کا رہنے والا ہے۔ آیا تیری خواہش ہے کہ تو پھر اپنے اہل و عیال میں پہنچ جائے؟ میں نے عرض کی ہاں میرے مولا! میری ایسی خواہش ضرور ہے۔ پھر اسکے بعد آپ نے مجھے ایک صرہ عنایت فرمایا اور مجھ کو اپنے ایک خادم کے ہمراہ کردیا۔ وہ میری آنکھیں بند کرکے چند قدم لیچلا اور مجھ سے کہا کہ راشد! آنکھیں کھولدے تو اسد آباد میں پہنچ گیا۔ اب میں جو اپنی آنکھیں کھولکر دیکھتا ہوں تو واقعی میں اسد آباد میں پہنچ گیا۔ مگر میرا ہمراہی غائب ہے۔ اور اس تھیلی میں پچاس دینار بندھے ہوئے ہیں۔ میں اپنے وطن ہمدان میں داخل ہوا۔ اور اپنے اہل و عیال کو اپنے آنے کی بشارت دیدی۔ جبتک یہ روپیہ میرے پاس باقی رہا ہے خیرو خوبی کے اور کسی شے سے مجھ کو مقابلہ نہیں ہوا۔

(۶) عن ابی نعیم الانصاری قال کنت فی

مسجد الحرام فی الیوم السادس من ذی الحجۃ سنۃ ثلث و تسعین و مائتین اذ رأینا شابا فقمنا لھیبتہ فجلس وقال اتدرون ماکان جعفر الصادق علیہ السلام یقول فی دعائہ قلنا وماکان یقول قال کان یقول۔

ابو نعیم انصاری کا بیان ہے کہ میں نے ۶۔ تاریخ ماہ ذی الحجہ ۲۹۳ھ ہجری کو مسجد الحرام میں ایک جوانِ رعنا کو دیکھا اور ایکبارگی اُس کی ہیبت و عظمت میرے دل میں ایسی سمائی کہ میں اُسے بیان نہیں کرسکتا۔ وہ ہمارے پاس بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ کیا تم کو جناب امامِ جعفرِ صادق علیہ السلام کی وہ دعا نہیں پہنچی ہے جو آپ سے منقول ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں فرمایا کہ وہ یہ ہے اللھم انی اسئلک باسمک الذی بہ تقوم السماء والارض وبہ تفرق بین الحق والباطل وبہ تجمع بین المتفرق وبہ تفرق بین المجتمع وبہ احصیت عدد الرمال وزنۃ الجبال وکیل البحار ان تصلی علی محمد وال محمد وان تجعل لی من امری فرجا ومخرجا ثم انصرف (ینابیع المودۃ)۔

اے پروردگار! میں تجھ سے ان اسمائے مقدسہ کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں جنکے باعث سے آسمان وزمین تھمے ہوئے ہیں۔ جن کے باعث سے حق وباطل کا فرق ہوتا ہے جنکی وجہ سے متفرق وپراگندہ لوگ جمع ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے مجموع میں انفراق و اختلاف واقع ہوتا ہے۔ اور جن کے وسیلہ سے ریگِ بیابان کے اعداد۔ پہاڑوں کے اوزان۔ اور دریاؤں کے پانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ درود بھیج محمدؐ و آل محمدؐ پر۔ میرے لیے میرے جملہ امور کو کشادہ او ر آسان فرما۔ یہ بتلا کر وہ جوانِ رعنا دوسری طرف چلا گیا۔

(۷) فلماکان الغد فی ذلک الوقت خرج من الطواف وجلس وقال لنا اتدرون ماکان یقول امیر المؤمنین علیہ السلام فی الدعاء بعد الفریضۃ قلنا وماکان یقول قال کان یقول۔

پھر دوسرے دن اُسیوقت طواف سے فراغت کرکے وہی جوانِ قبول صورت پھر تشریف لائے اور فرمانے لگے کیا تم کو جناب امیر المومنین علیہ السلام کی دعا نہیں پہنچی ہے؟ میں نے کہا کہ وہ کونسی دعا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ دعا ہے جو بعدِ فریضہ کے پڑھی جاتی ہے۔ وھو ھذا۔

اللھم الیک رفعت الاصوات ودعیت الدعوات ولک عنت الوجوہ ولک خضعت الرقاب والیک التحاکم فی الاعمال یاخیر من سئل وخیر من اعطی یاصادق یاباریٔ یامن لا یخلف المیعاد یامن امر بالدعاء وتکفل بالاجابۃ یامن قال ادعونی استجب لکم یامن قال واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون یامن قال یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم۔

اے پروردگار تیری ہی طرف سب کی آوازیں جاتی ہیں۔ تجھی سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ تیرے ہی سامنے رخسارے رکھے جاتے ہیں۔ تیری درگاہ میں خضوع وخشوع بجالایا جاتا ہے تمام اعمال میں تیرا ہی حکم مانا جاتا ہے۔ اے تمام سوال کیے جانے والوں سے بہتر۔ اور اے تمام عطا کرنے والوں سے بہتر اے سچے اور اے عفو فرمانے والے اے وہ جو کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اے وہ جو دعا کرنے کے لیے بھی حکم کرتا ہے اور قبول فرمانے کا بھی وعدہ فرماتا ہے۔ اے وہ کہ جس نے ارشاد فرمایا ہے جس شخص نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا میں اُس سے قریب ہوں۔ اُس کی دُعا کو قبول کرتا ہوں جسدم وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔ پس دین کو قبول کرو۔ اور مجھ پر ایمان لاؤ کہ تم ہدایت وارشاد یافتہ ہو۔ اور اے وہ جو ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو! جو اپنے نفوس پر اسراف کرچکے ہو۔ خدا کی رحمتوں سے ناامید نہ ہو۔ خداوند تبارک وتعالٰے تمام گناہوں کا بخشدینے والا ہے کیونکہ وہ بہت بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ثم قال اتدرون ماقال امیر المؤمنین علیہ السلام فی سجدۃ الشکر قلنا وماکان یقول۔

پھر اس جوان عظیم الشان نے فرمایا کہ جناب امیر المومنین علی علیہ السلام جس دعا کی سجدۂ شکر میں تلاوت اور مزاولت فرماتے تھے وہ تم تک پہنچی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا وہ کون دعا ہے؟ کہا یہ ہے یا من لا یزیدہ الحاح الملحین الا کرما وجودا یا من لہ خزائن السموات والارض یامن لہ فضل العظیم لا تمنعک اساتی من احسانک الی اسئلک ان تفعل بی ما انت اھلہ وانت قادر علی العقوبۃ وقد استحققتھا لا حجۃ لی عندک اتوب الیک بذنوبی کلھا واعترف بھا کی تعفو عنی وانت اعلم بھا منی بؤت الیک بکل ذنب اذنبتہ الیک وکل خطیئۃ اخطاتھا وکل سیئۃ علمتھا یا رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک اعز الاکرم۔

رونے والوں کی گریہ وزاری سوائے تیرے کرم وجود کے اضافہ کے اور کوئی اضافہ نہیں کرتی۔ اے وہ تبارک وتعالے ایسکے پاس آسمان وزمین کے خزانے ہیں۔ اے وہ جس کے فضل بہت بڑے اور وسیع ہیں۔ میرے گناہ مجھے تیرے اُن احسانات کے ملنے سے نہیں روک سکتے جن کے لیے میں تیری جناب میں استدعا کرتا ہوں تو میرے ان امور میں ویسا ہی کر جس کا کہ تو شایاں وسزاوار ہے۔ تو ہر قسم کے عذاب پر قادر ہے۔ مجھ کو ان عذابوں کا پورا استحقاق ہے۔ مجھ کو تیری جناب میں کوئی حجۃ حاصل نہیں ہے۔ اور نہ تیری درگاہ میں مجھے کوئی عذر کرنے کا موقع ہے۔ میں اپنے تمام گناہ تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں اور اُنکی نسبت اپنا اقرار کرتا ہوں اس لیے کہ تو انہیں معاف فرماوے۔ اور تو اُن سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ میں اُن تمام گناہوں سے جو عمل میں لا چکا ہوں بری ہوتا ہوں اور اُن تمام خطاؤں سے جو مجھ سے سرزد ہو چکیں اور اُن تمام بُرائیوں سے جو بجا لایا۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے بخشدے اور تو مجھ پر رحم فرما۔ اور اُن تمام امور سے درگزر فرما جنکو تو سب سے اچھا جانتا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ عزیز تر اور مہربانی کرنیوالا ہے

ثم عاد من غد فی ذلک الوقت فجلس وقال کان علی بن الحسین علیھما السلام سید العابدین یقول فی سجودہ فی ھذا الموضع واشار بیدہ الی الحجر الاسود

پھر اس کے بعد دوسرے دن اُسی وقت پھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ جناب علی ابن الحسین علیہما السلام امام زین العابدین علیہ السلام سجدہ کی حالت میں اس مقام پر حجر الاسود کی طرف دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر یہ پڑھتے تھے۔

عبیدک بفنائک مسکینک بفنائک فقیرک بفنائک سائلک بفنائک یسالک ما لا یقدر علیہ سواک۔

تیرا بندہ تیری چوکھٹ پر۔ تیرا محتاج تیری چوکھٹ پر۔ تیرا فقیر تیری چوکھٹ پر۔ تیرا سائل تیری چوکھٹ پر۔ تجھ سے اُن چیزوں کا طالب ہے جنپر سوائے تیرے کوئی دوسرا قدرت نہیں رکھتا۔

ثم نظر الی محمد ابن قاسم العلوی فقال یا محمد ابن القاسم انت علی خیر لانہ کان یطلب صاحب الزمان علیہ السلام وقام وانصرف۔

پھر آپ نے محمد ابن قاسم العلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اپنی اس تمنا میں کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو تم بخیر وبرکت فائز المرام ہوئے۔ یہ فرمایا اور تشریف لیگئے۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ اس کے بعد محمودی سے ہم لوگوں نے پوچھا کہ تم نے اس جوانِ رعنا کو پہچانا یا نہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہی مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہیں۔ میں اپنے پروردگار سے ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ وہ مجھے جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل فرمائے آج سات برس کا زمانہ ہوتا ہے کہ میں نے آپ کو شب عرفہ دعائے عشیہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں بنی ہاشم ہوں۔ میں نے کہا بنی ہاشم کی کونسی شاخ سے ہیں؟ فرمایا کہ اُس خانوادے سے کہ جنکی خلقت ہمت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جو بھوکوں کو کھلاتے ہیں رات بھر شب بیداری کرتے ہیں۔ جب دنیا کے لوگ سویا کرتے ہیں۔ اُن کے اس ارشاد فرمانے سے مجھ کو یقین کامل ہو گیا کہ آپ علوی سید ہیں۔ اس کے بعد آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں نے مطلق نہیں جانا کہ آپ آسمان پر تشریف

ے گئے یا زمین کے اندر۔ پھر میں اُن لوگوں کے پاس گیا جو اس وقت آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور اُن سے پوچھا کہ تم اِس سیدِ علوی کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں۔ یہ ہر سال ہم لوگوں کے ساتھ پاپیادہ حج فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا تم لوگوں کو یہ بھی خبر ہے کہ وہ اسوقت یہاں سے کہاں تشریف لیگئے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ مزدلفہ کی طرف چلے گئے۔ میں نے اُن کے شوقِ زیارت میں مزدلفہ پہنچکر وہ رات وہیں بسر کی۔ رات کو سویا تو میں نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مجھ سے ارشاد فرما رہے ہیں اے محمودی! تو اپنے مطلوب و مقصود دلی تک پہنچگیا۔ وہی صاحب الزمان علیہ السلام تھے جن کو تم نے شبِ عرفہ میں دیکھا تھا۔ یہ واقعہ ایسا متواتر ہے جسکو علمائے فریقین نے تین طریقوں سے ذکر کیا ہے (ینابیع المودۃ ص ۳۸۸ مطبوعہ بمبئی)

غیبتِ کبریٰ میں رُویتِ امام ع کے متعلق اور واقعات

ان واقعات کے لکھنے کے بعد جنکو ہم سوادِ اعظم اہلسنت کے ایک معتبر عالم کی تالیف سے لکھا ہے۔ اب ہم ملّا مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب بحار الانوار جلد سیزدہم سے بھی چند واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

(۱) ابراہیم فدکی کا بیان ہے کہ میں ایک سال حج کے ایام میں طواف کرتا تھا۔ چھ شوط (دور) تمام کرچکا تھا اور ساتویں دور کو شروع کرنا چاہتا تھا کہ میں نے خانہ کعبہ کے داہنی طرف آدمیوں کی ایک کثیر جماعت دیکھی۔ اور انہی لوگوں میں میں نے ایک جوانِ خوشرو اور خوشبو کو باحسن و جمال و ہیبت و جلال دیکھا جو باوجود اپنی موجودہ سطوت و ہیبت کے اپنے اشفاق و اخلاق کے تقاضہ سے اُن لوگوں سے قریب ترتھا اور اُن لوگوں سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس کا طرزِ کلام خوش بیانی اور شیریں زبانی ایسی تھی کہ آجتک میں نے اس سے پہلے ایسی فصاحت و بلاغت نہیں سُنی تھی اُنکی نشست بھی ایسی خوشنما اور خوش قطع تھی کہ میں نے ایسی نشست بھی آجتک نہیں دیکھی تھی۔ اسی حالتِ اشتیاق میں میں اُن کے

پاس گیا۔ اور اُن سے دو ایک باتیں بھی کیں۔ مگر بھیڑ لوگوں کی کچھ ایسی کثرت ہو گئی کہ آپ کا جمالِ مبارک میری آنکھوں سے چھپ گیا اور میں حصولِ زیارت کی سعادتوں سے آیندہ محروم رہ گیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ فرزند جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے مؤمنین خالصین کی جماعت میں نمودار ہوتے ہیں۔ اور اُنکو ہدایت و ارشاد کے حکم و احکام سے آگاہ فرماتے ہیں۔ یہ سُنکر میں کسی نہ کسی طرح آن کی خدمتِ مبارک میں جا پہنچا اور عرض کی کہ میں بھی آپ کی ہدایت و ارشاد کا طالب ہوں مجھے بھی ہدایت و رہنمائی فرمائی جائے۔ آپ نے یہ سُنکر کچھ سنگریزے اُٹھاکر مجھے دیدیئے۔ میں انہیں لیکر چلا تو لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند نے تمہیں کیا عنایت فرمایا ہے میں نے کہا کہ تھوڑے سے سنگریزے تو مجھے ہاتھوں میں دیدیئے ہیں اور تو کچھ بھی نہیں۔ یہ کہہ کر میں نے اپنی مٹھیاں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُن سنگریزوں کی جگہ خالص سونے کے ٹکڑے موجود ہیں۔ یہ مشاہدہ دیکھ کر میں وہاں سے فوراً واپس ہوا۔ کچھ دُور چلا تو دیکھا کہ آپ میرے ہمرہ تشریف لارہے ہیں۔ آپ نے مجھے مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ اب تجھ پر خدا کی حجت ثابت ہو گئی اور امرِ حق تجھ پر ظاہر و آشکار ہو گیا۔ اور تیری کورسوادی اور تیرہ قلبی زائل ہو گئی آیا اب بھی تو نے مجھے پہچانا یا نہیں۔ میں نے عرض کیا حقیقت حال تو یہ ہے کہ میں نے اس دم تک آپ کو بالکلیہ نہیں پہچانا۔ ارشاد فرمایا کہ میں وہی مہدی آخر الزمان (علیہ و علی آبائہ السلام) ہوں جو ایک وقت دنیا کو عدل و انصاف سے ایسا بھر دیگا جیسا کہ وہ اس سے پہلے جور و ستم سے پُر اور مملو ہو گی۔ یقین کر لو کہ کسی زمانہ میں دنیا حجتِ خدا سے خالی نہیں رہتی۔ اور بندگانِ الٰہی قومِ بنی اسرائیل کی طرح ایامِ فترت میں پریشان اور حیران نہیں چھوڑے جاتے۔ میرے امور اور میرے حالات تو سفراء اور تابعین کے ذریعہ سے عام ہو چکے ہیں۔ اور اسوقت تو نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ تو ایک ایسی خاص امانت اور مخصوص راز

ہے جو تیری سپردگی میں دیا گیا ہے جس کے احوال و کیفیت کو سوائے طالبانِ حق کے اور کسی سے ذکر کرنیکا مجاز نہیں ہو سکتا ملّا مجلسی مرحوم اس واقعہ کو محمد ابن جعفر اسدی کی اسناد سے سنہ ۲۹۳ ہجری کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ حساب سے قبل از مرورِ ایامِ غیبتِ کبریٰ ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۲) احمد ابن فارس۔ ادیب جو اپنے زمانہ میں عربی علم ادب کے بہت بڑے کامل اور فاضل شمار کیے جاتے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے شہر ہمدان میں قیام کرنے کا اتفاق ہوا تو مجھے وہاں صرف ایک قبیلہ جو بنی راشد کے نام سے مشہور تھا مذہب شیعہ کا متمسک اور پابند ثابت ہوا اور باقی لوگ اور مذہب کے لوگ تھے۔ مجھ کو اکثر تعجب ہوا کرتا تھا کہ تنہا اس قبیلہ کے شیعہ ہونے کا کیا باعث ہے۔ ایک دن میں نے قبیلہ بنی راشد کے ایک بزرگ سے جو اُس وقت میری ملاقات کو آئے تھے اس امر کو دریافت کیا تو اُنہوں نے بیان کیا کہ میرے جد القبیلہ جن کی اولاد و اعقاب میں ہم اور ہمارا تمام قبیلہ داخل ہے حج بیت اللہ زادہ اللہ شرفہا کو تشریف لیگئے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں ارکان حج بتمامہ ادا کر کے صحرا کی راہ سے واپس ہوا۔ اثنائے سفر میں مجھے شوق ہوا کہ پیدل چلوں۔ چنانچہ میں سواری سے اُترا اور پیدل چلنے لگا۔ اور یہاں تک پیدل چلا کہ بالکل خستہ ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ تھوڑی دیر آرام کر لوں کہ اس عرصہ میں قافلہ بھی پہنچ جائیگا اور میری ماندگی بھی دور ہو جائیگی۔ یہ سوچکر میں وہیں لیٹ گیا۔ لیٹا تو سو گیا۔ اُٹھا تو دیکھا کہ آفتاب اچھی طرح بلند ہو گیا ہے۔ اور اُس کی حرارت سے ہوا بھی گرم ہو گئی ہے اور کوئی شخص اُس وادی میں کسی طرف دکھلائی نہیں دیتا۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے سخت پریشانی اور حیرانی لاحق ہوئی کسی طرف کوئی راہ نہیں ملی۔ آخر چاروں طرف سے مایوس ہو کر میں نے فضلِ خداوندی پر توکل کر کے خاموشی اختیار کر لی۔ اور اپنے دل میں پھر ہمت کر کے یہ قصد کیا کہ میں سیدھا راستہ پکڑے چلا جاؤنگا۔ اب جہاں جا نکلوں اور جہاں جا پہنچوں یہ سوچکر اور توکلت علی اللہ کہہ کر میں سیدھا چلا اور تھوڑے

عرصہ میں مجھ کو ایک نہایت سبز و شاداب باغ دکھلائی دیا۔ مجھ کو اُس عظیم الشان مکان کے دیکھنے کا جس میں یہ باغ آراستہ تھا ازحد شوق ہوا۔ اور میں اپنا راستہ چھوڑ کر اب اُس کی طرف چلا۔ جب اُس کے دروازہ پر پہنچا تو میں نے دو گورے گورے خدمتگاروں کو وہاں استادہ پایا۔ اُنکو میں نے سلام کیا۔ اُنہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھ کو بٹھلایا۔ اور کہا کہ یہاں تھوڑی دیر دم لیلو۔ اور ٹھہر جاؤ۔ کیونکہ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے تمہارے خوش قسمت اور صاحب سعادت ہونیکی وجہ سے تمکو یہ نعمت عطا فرمائی ہے جو بندگانِ الٰہی میں سے کم کسی کو عطا کیجاتی ہے۔ یہ کہکر وہ تو اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آیا اور مجھ سے کہا کہ اندر آؤ۔ میں اُسکے ہمراہ اندر گیا۔ دیکھا کہ وہ قصرِ عالی شان زیب و زینت اور آراستگی میں اپنی آپ مثال بنا ہوا ہے۔ حقیقت میں میں نے ایسی آراستہ و پیراستہ اور خوشنما عمارت آجتک نہیں دیکھی تھی۔ اس اثناء میں اُس خدمتگار نے اُس پردے کو جو اُس مکان میں کھنچا ہوا تھا۔ اُٹھا دیا۔ پردے کا آگے سے اُٹھنا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک جوانِ رعنا خوش جمال اور خوبصورت پاک و پاکیزہ کپڑے پہنے بیٹھا ہے اور اُس کے سر کی جانب ایک طویل شمشیر دیوار میں آویزاں ہے۔ وہ تلوار ایسی طویل تھی کہ اُس کا پھیلا اُن کے فرقِ مبارک سے بالکل قریب پہنچا ہوا تھا۔ میں نے اُنکو ایسا صاحبِ جمال و جلال پا کر نہایت عقیدت سے سلام کیا اور اُنہوں نے بھی بڑی مہربانی اور کشادہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ مجھے پہچانتے ہو۔ میں کون ہوں؟ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں آپ کون صاحب ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ میں مہدی (امامِ آخر الزمان علیہ السلام) ہوں۔ میں ہی ذُرّیۂ مقدسہ آلِ محمد علیہ السلام میں وہ شخص ہوں جو اس تلوار سے (تلوارِ آویزاں کی طرف اشارہ فرما کر) روئے زمین پر ظہور کرونگا۔ اور تمام عالم کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو کر دونگا اُسی طرح جس طرح قبل اس کے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی

اتنا سننا تھا کہ میں زمین پر گر پڑا۔ اور اپنا منہ آپ کے قدموں سے ملنے لگا۔ آپ نے فوراً اپنے پائے مبارک ہٹا لیے اور ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ تو فلاں شخص ہے (نام لیا) اور کوہستانی شہروں میں سے اُس شہر کا رہنے والا جو شہر ہمدان کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے کہا کہ اے سیّد و آقا ہمارے جو کچھ آپ نے فرمایا صحیح و راست اور بے کم و کاست ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ تم اپنے اہل و عیال سے ملنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا البتہ میں اپنے بال بچوں سے ملنے کا ضرور مشتاق ہوں۔ اور اُس نعمتِ الٰہی کا جو آپ کی شرفِ زیارت کے معنوں میں اسوقت مجھے دربارِ ایزدی سے خاص طور پر عنایت فرمائی گئی ہے مژدہ اور بشارت اُنکو بھی پہنچانا چاہتا ہوں۔ تاکہ یہ تفویضِ خداوندی ابد الآباد تک ہمارے خاندان اور سلسلہ کا شرف اور اعزازِ خاص ثابت کر سکے۔ یہ سنکر آپ نے اپنے خدمتگار کو اشارہ کیا۔ وہ ایک روپیوں کی بھری ہوئی تھیلی لایا۔ آپ نے وہ تھیلی مجھے عنایت فرمائی اور کہا کہ اسکو اپنے ہمراہ لیجاؤ۔ چنانچہ میں اُسکے ہمراہ روانہ ہوا۔ کچھ اور آگے چلکر مجھے فوراً آبادی کے آثار معلوم ہوئے۔ اور درخت اور مسجد کے مینارے معلوم ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے رفیق سے پوچھا کہ بھائی یہ تو مجھے شہر استاباد کی سی آبادی معلوم ہوتی ہے جو میرے شہر سے ملا ہوا شہر ہے۔ اُس نے کہا ہاں یہی شہر استاباد ہے۔ اس کے بعد جو میں نے اپنے رفیق کی طرف نگاہ کی تو اُسے وہاں نہ پایا۔ غرضکہ میں شہر استاباد میں داخل ہوا۔ اور اُس کیسۂ عطیۂ امام علیہ السلام کو کھولا تو اُس میں چالیس یا پچاس دینار رکھے پائے۔ غرضکہ وہاں سے بخیر و خوبی تمام اپنے شہر ہمدان میں داخل ہوا۔ اور اپنے اعزا و اقارب کو جمع کر کے اُس نعمتِ الٰہی کے حاصل کرنے کا واقعہ اُن سے بیان کیا جو مجھ کو اس سفر میں عنایت ہوئی تھی۔ پھر جب تک کہ وہ عطیہ روپیہ میرے پاس رہا مجھ کو برابر خیر و برکت ہوتی رہی۔ ملّا مجلسی نوّر اللہ مرقدہٗ کا خیال ہے کہ شہر استاباد وہی ہے جو فی الحال اسعد آباد کے نام سے مشہور ہے +

علی ابنِ فاضل کی سرگذشت

(۱۵۰) علی ابنِ فاضل بیان کرتے ہیں کہ میں کئی برسوں تک شہر دمشق میں تحصیل علم کی غرض سے مقیم تھا۔ شیخ زین الدین علی مغربی مالکی اندلسی کے پاس علم القرأت سیکھتا تھا اور وہ اسوقت امام القرأت کہے جاتے تھے اور قرأتِ ہفتگانہ پر عبور کامل رکھتے تھے اور علاوہ علم القرأت کے اُن کو صرف۔ نحو۔ منطق۔ معانی۔ بیان۔ اصول اور فقہ وغیرہ میں بھی پوری دستگاہ حاصل تھی۔ انکے علاوہ شیخ عبد الرحیم حنفی کے پاس عربی کے علم ادب اور علم اصول کی تعلیم پاتا تھا۔ شیخ زین الدین طبیعت کے نرم اور صلح پسند بزرگ تھے۔ اور کبھی مباحثۂ مذہبی اور مناظرۂ دینی کی طرف راغب اور متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اور جب کبھی کسی مختلف فیہ مسئلہ کا ذکر آجاتا تھا تو صرف اتنا کہہ دیتے تھے کہ علمائے امامیہ اس مسئلہ میں یہ کہتے ہیں بخلاف دوسرے مدرسین کے جو ہمیشہ ایسے اوقات میں علمائے شیعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اس مسئلہ میں رافضیوں کے عالم یہ کہتے ہیں۔ مجھ کو اُن کی یہ متعصبانہ اور مخالفانہ تقریریں نہایت ناگوار گذرتی تھیں مگر میں اُن پر برابر ضبط کیا کرتا تھا۔ آخرِ کار میں نے عاجز آکر سوائے شیخ زین الدین اندلسی کے جن میں تعصب کم تھا اور مدرسین کے پاس جانا آنا چھوڑ دیا۔ اور اُنہی کے پاس ایک مدت تک رہ کر جو کچھ مجھے حاصل کرنا تھا سب کچھ حاصل کر لیا۔ اتفاقِ وقت سے اُنکو دمشق سے ملکِ مصر کی طرف جانے کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ اُن کو مجھ سے محبت اور مجھ کو اُن سے ایک خاص اُنس پیدا ہو گیا تھا اس سبب اُن کی مفارقت کو میں اور میری جدائی کو وہ کسی طرح گوارا نہ کر سکے۔ آخرکار طرفین سے یہ قرار پایا کہ میں بھی اُن کے ہمراہ جاؤں۔

بہرحال میں اور میرے اُستاد دمشق سے چلکر مصر کے مشہور و معروف شہر قاہرہ میں پہنچے۔ وہاں پہنچکر ہمارے اُستاد نے مسجدِ جامع میں قیام فرمایا۔ اور اپنے قدیم مشاغل درس و تدریس میں بدستورِ سابق مصروف ہو گئے۔ انکی آمد کی۔۔۔

جال شکر علماء و فضلائے مصر اُن کے شوقِ زیارت میں ہمارے
کسبِ فیوض اور تحصیلِ علم کی ضرورت سے اُنکے پاس
ہر وقت مجمع ہونے لگے۔ غرض نو مہینے تک ہم لوگ اُسی
مکان میں مقیم رہے۔ اس اثنا میں شیخ کی شہرت تمام دیار
و امصار میں اس کثرت اور وسعت سے ہوئی کہ دمشق میں
بھی باوجود اتنے طویل قیام کے ایسی نہیں ہوئی تھی۔ ہم
دونوں آدمی قاہرہ میں نہایت آرام و عافیت اور اطمینان
و راحت سے رہتے تھے۔ اتنے میں اندلس سے ایک قافلہ
آیا اور اُس قافلہ والوں میں سے ایک شخص نے آکر میرے
استاد کے نام ایک خط دیا۔ وہ اُن کے باپ کا خط تھا
جس میں تحریر تھا کہ میں عرصے سے سخت بیمار ہوں۔ اب
میری آرزو یہی ہے کہ میری موت سے پہلے تم میرے
پاس پہنچ جاؤ تو میں تمہارے دیدار فرحت آثار سے اپنے
دیدۂ انتظار کو ٹھنڈا کر لوں۔ اس خط کو دیکھتے ہی دقیقہ نہ کرو
دیر نہ لگاؤ۔ میرے پاس چلے آؤ۔ بھولے کا استاد اپنے
والد کا حال سنتے ہی بے چین ہو گئے۔ اور محبتِ پدری کے
تقاضا سے زار و قطار رونے لگے۔ اور اُسی وقت جزیرۂ
اندلس کی طرف روانہ ہوئے۔ اُن کے اکثر موجودہ شاگردوں
نے اُن کی ہمراہی کا قصد کیا۔ اور میں بھی اُنھی لوگوں میں تھا
کیونکہ اُن کے اشتیاق و اخلاق ہمارے ساتھ ایسے ہی تھے
استاد ہمارے خلوص دیکھ کر ہر چند منع کرتے رہے مگر
ہم نہ مانے اور اُن کے ساتھ ہو لیے۔

جیسے ہم لوگ جزیرۂ اندلس کی پہلی منزل میں پہنچے اتفاق
وقت سے مجھے سخت تپ آگئی اور میں اُسکی شدت کی وجہ سے
نقل و حرکت کرنے کے بھی قابل نہ رہ سکا۔ استاد نے مجھے
اس حالت میں دیکھ کر سخت افسوس ظاہر کیا۔ یہاں تک کہ
رونے لگے۔ اور کہا کہ بخدا مجھے تمہاری مفارقت سخت شاق
ہے۔ مگر کیا کیا جائے جیسی کچھ مجھے مجبوری ہے وہ خدائے
عالم الغیوب خوب جانتا ہے۔ یہ فرما کر وہاں کے خطیب
کو بلوایا اور دس درہم اُسکو دیکر اُس سے کہا کہ اگر یہ صحت پا
جائیں تو ابھی صرفہ سے انہیں میرے مکان تک پہنچوا دینا
اور اگر صورت دوسری ہو جاوے تو اسی سے اِنکی ضروریات
آخروی انجام کرا دینا خطیب کو میرے سامانات کی حفاظت
اور نگرانی سپرد فرما کر استاد اندلس کی طرف تشریف لیگئے۔
اس مقام سے اُن کے وطن اور مسکن تک کی مسافت دریا
کے راستے سے پانچ روز کی راہ بتلائی جاتی تھی۔

استاد گھر گئے۔ میری یہ حالت ہوئی کہ اُنکے چلے جانے
کے بعد میں تین روز تک اپنے مرض کی شدت میں اُسی طرح
مبتلا رہا جیسا اُن کے سامنے تھا۔ چوتھے روز میرا بخار اُتر گیا
اور خود مجھے اپنے مرض میں کچھ افاقہ اور جسم میں کچھ طاقت
معلوم ہونے لگی تو میں خطیب کے مکان سے باہر گلی میں
نکل آیا۔ میں نے وہاں اہلِ مغرب کی اُس صحرائی جماعت کو
دیکھا جو مغربی دریا میں بہت دور دراز مسافت پر رہتے ہیں
اور اِن ممالک میں بلغم۔ روغن اور انواع و اقسام کی صحرائی
چیزیں اور ادویہ وغیرہ بیچنے کے لئے لاتے ہیں۔ میں نے
اُن لوگوں سے اُن کے احوال پوچھے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ
اُس قطعۂ زمین کے رہنے والے ہیں جو علاقۂ بربر سے قریب
ہے۔ اور وہ علاقہ جزیرۂ راقصیان سے قریب ہے۔
جزیرۂ راقصیان کا نام سنتے ہی مجھ کو پہلے تو سخت تعجب ہوا
اور پھر ایک قسم کی خوشی اور فرحت بھی ضرور حاصل ہوئی کہ خیر
ملک ہو یا کوئی علاقہ ایک مدت کے بعد ہم کو اپنے ہمطریق
اور ہم عقیدہ بھائیوں سے نیاز اور یکجائی تو میسر ہو گی۔
میں نے اُن لوگوں سے وہاں کی مسافت پوچھی اور وہاں
پہنچنے کی راہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ یہاں سے وہاں تک
کامل پچیس ۲۵ روز کی راہ ہے۔ منجملہ اُس کے دو روز کی راہ ایسی
سخت اور دشوار ہے جس میں نہ انسان کو دانہ مل سکتا ہے اور
نہ پانی۔ ہاں اس کے بعد دیہات و قصبات متصل ملتے چلے
جاتے ہیں۔ میں اپنے جذبۂ شوق تمنا میں کچھ ایسا بیتاب
ہو رہا تھا کہ میں نے اس سفرِ دور و دراز اور اُس کے مصائب
کا بھی کوئی خیال نہیں کیا اور بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا
کہہ کر اُس جماعتِ صحرائی کے ساتھ ہو لیا۔ اور اتنے حصہ مسافت
کے لیے جہاں دانہ اور پانی نہیں ملتا تھا میں نے ایک دراز گوش

تین درہم یہانی لوگوں سے کرایہ کرلیا۔ اور روانہ ہوا۔ اور بائیس ۲۲ روز کے بعد اُن بے آب و دانہ والی منزلوں کو بمشکل طے کرتا ہوا اُن لوگوں کی بود و باش کے خاص مقام پر پہنچگیا یہاں اُن کا دراز گوش اُن کو دیدیا۔ اور ایک دیہات سے دوسرے تک اب پیدل جانا شروع کردیا جب آخر فیہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ جزیرۂ رافضیان ابھی تین روز کی راہ ہے میں نے کوئی خیال نہیں کیا اور پھر توکلت علی اللہ کہہ کر ہمت باندھی اور روانہ ہوا۔ دوسرے روز ایک جزیرے میں پہنچا۔ اِس جزیرے میں برابر کے چار قلعے تھے اور اُن کی عمارتیں مستحکم اور مضبوط تھیں اُن میں اندر داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جو دریا کی طرف نہایت استحکامی سے مستحکم کیا گیا تھا۔ میں اُسی راہ سے اُس جزیرہ میں داخل ہوا۔ اِدھر اُدھر گلیوں میں پھرنے لگا۔ اور لوگوں سے وہاں کی مسجد کو پوچھا تو لوگوں نے بتلایا۔ میں تلاش کرتا ہوا مسجد میں پہنچا تو اسکو بڑی وسیع و رفیع مسجد پایا جو شہر سے پچھم کی طرف دریا سے ملی ہوئی واقع تھی۔ میں وہاں آرام کرنیکے لیے ٹھہر گیا۔ اسی اثناء میں موذن آیا اور اذان دینے لگا اُس نے اذان میں حیّ علیٰ خیر العمل بھی کہا اور اذان سے فراغت کرکے اُنہوں نے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے امر کی کشادگی کے لیے درگاہ رب العزت سے دعا مانگی اُن کی اذان سُنکر میرے دل میں کچھ ایسا اثر اور جوش پیدا ہوا کہ میں بے اختیار ہوکر رونے لگا۔ اسکے بعد بندگانِ خدا جوق جوق آنے لگے اور جماعت کی جماعت اور صف کی صف ہوکر مسجد میں داخل ہونے لگے۔ اور اُس چشمۂ شیریں سے جو مسجد کے پورب کی طرف ایک سایہ دار درخت کے نیچے واقع تھا وضو کرنے لگے۔ میں اُن کے وضو کرنے کے طریقوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ تا اینکہ میں نے اُنکے تمام ارکانِ وضو کو طریقۂ شیعہ کے مطابق پایا۔ اتنے میں ایک نہایت خوش رو اور مقبول صورت نوجوان صاحبِ عظمت و وقار تشریف لائے اور محرابِ مسجد میں کھڑے ہوکر جماعتِ موجودہ کی امامت فرمانے لگے۔ میں نے اپنی جگہہ پر بیٹھے بیٹھے اُن کی نماز کے تمام ارکانِ واجبہ اور مستحبہ کو پورے غور و تامل دیکھا اور نماز کے بعد اُن کی تعقیبات و تسبیحات کو بھی پورے طور سے سُنا اُن کو بھی میں نے طریقۂ اہلبیت علیہم السلام کے مطابق پایا۔ چونکہ میں سفر کی زحمت سے بالکلیہ خستہ ہورہا تھا اِس لیے اُنکے ساتھ نماز نہ پڑھ سکا۔ اتنے میں سب لوگ نماز سے فارغ ہوگئے تو مجھ کو اُس مقام پر بیٹھے کا بیٹھا دیکھ کر سخت متعجب ہوئے۔ اور حقیقۃً میرا نماز میں شریک نہ ہونا اُن لوگوں کو نہایت ناگوار معلوم ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا کیا حال ہے نماز کیوں نہیں پڑھتے اور پڑھتے ہو تو کہاں اور کیسے پڑھتے ہو اور کس مذہب اور مسلک پر چلتے ہو؟ میں نے نہایت متانت سے اُن کے جواب میں کہا کہ میں ملکِ عراق کا ساکن اور طریقۂ اسلام کا سالک ہوں اور میرا عقیدہ یہ ہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ ارسلہٗ بالحق والھدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الادیان کلہا ولو کرہ المشرکون یہ سُنکر اُن لوگوں نے جواب دیا کہ سبحان اللہ! صرف اِن دو شہادتوں سے تو تمہیں کوئی نفع پہنچ ہی نہیں سکتا سوائے اسکے کہ اس اقرار کی وجہ سے تم دارِ دنیا میں قتل سے بری ہوسکتے ہو۔ تیسری شہادت کیوں نہیں ادا کرتے کہ اسلام تمہارا کامل اور ایمان تمہارا راسخ ہوجائے۔ اور پھر بغیر کسی مواخذہ کے بہشتِ عنبر سرشت میں داخل کیے جانے کے مستحق ہوجاؤ۔ میں نے کہا خدا! آپ لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے مجھے مہربانی فرماکر بتلاویں کہ وہ تیسری شہادت کیا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ وہ تیسری شہادت اِس امر کا اقرار اور تصدیق ہے کہ بعد جناب ختمی مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت امیر المومنین و یعسوب الدین و قائد الغر المحجلین مظہر العجائب و مصدر الغرائب سیدنا و مولٰنا علی ابن طالب علیہما السلام اور اُن کے گیارہ فرزند وصیاء اور خلفائے بلافصل ہیں۔ اور یہ وہی حضرات رفیع الدرجات ملکوتی صفات ہیں جنکی اطاعت خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بعد اپنے تمام بندوں پر واجب کی ہے۔ الخ انتہی

کی زبان صداقت ترجمان سے اپنے اوامر و نواہی کے تمام احکام اپنے بندوں تک پہنچائے ہیں۔ اور اپنی جانب سے اُن لوگوں کو دنیا میں اپنی حجت قرار دیا ہے اور اُنکی ذاتِ بابرکات کو تمام خلائق کے لیے امن کا باعث قرار دیا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے معراج کی رات کو ان حضرات کے نام ایک ایک کرکے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلا دیے تھے اور اُن کی امامت و خلافت کے تمام واقعات ظاہر فرما دیئے تھے۔ اور اُس صادق۔ امین اور رسول رب العٰلمین صلوات اللہ علیہ وآلہ اجمعین کے ذریعہ سے یہ تمام چیزیں ہم لوگوں کو پہنچیں۔

جب میں اُن کے اِس کلام ہدایت کو مفصل طور سے سُن چکا تو میں اپنے جی ہی جی میں خدا کا ہزار ہزار شکر بجا لایا اور اپنے دل میں اس قدر خوش ہوا کہ کُل سفر کی تمام زحمتیں میرے تمام اعضاء و جوارح سے جاتی رہیں۔ پھر اُنہیں بھی معلوم ہوگیا کہ یہ ہمارے ہم مذہب و ہم طریق ہیں۔ تو وہ لوگ مہربانی اور اخلاق سے زیادہ پیش آئے۔ اور اُسی وقت مسجد کا ایک حجرہ میرے لیے خالی کر دیا۔ جبتک کہ میں وہاں رہا وہ سب کے سب میرا بڑا اعزاز و اکرام اور خاطر و مدارات کرتے رہے۔ اور اُن کے امام جماعت تو کسی وقت میری صحبت سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن میں نے اُن بزرگوار سے دریافت کیا کہ میں آپ کے تمام جزیرہ میں کہیں زراعت کا تو نام بھی نہیں دیکھتا۔ آخر آپ حضرات کا آذوقہ کہاں سے چلتا ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو کھانے پینے کی تمام چیزیں جزیرۂ خضراء سے جو بحیرۂ ابیض میں واقع ہے اور جو اولادِ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے زیر فرمان ہے۔ آتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ سب چیزیں سال بھر میں کے بار آتی ہیں؟ فرمایا دو بار۔ امسال ایک دفعہ آچکی ہیں اور ابھی ایک بار اور آنیوالی ہیں۔ میں نے کہا کہ بارِ ثانی کے آنے میں کتنی مدت باقی ہے؟ فرمایا چار مہینے۔ اس طولانی مدت کو سُنکر مجھے حیرت ہوئی اور چالیس روز تک میں برابر انتظار کرتا رہا۔ چالیسویں دن فرطِ انتظار سے بیقرار ہوکر ساحل پر چلا گیا۔ اور پچھم کی طرف جدھر سے ان کشتیوں نے آنا بتلایا گیا تھا نگاہ غور سے دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک سفید چیز مجھے دُور سے آتی دکھلائی دی۔ میں نے یہ دیکھ کر اُن لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے دریا میں سفید جانور بھی پیدا ہوتے ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ نہیں تو کیا تم نے کوئی سفید چیز دریا میں دیکھی ہے؟ میں نے کہا ہاں دیکھی ہے۔ یہ سُنکر وہ سب کے سب از حد خوش اور مسرور ہو گئے۔ اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم نے جس سفید چیز کو دیکھا ہے وہ وہی کشتیاں ہیں جو ہر سال اولاد امام علیہ السلام کی طرف سے ہم لوگوں کے لیے آیا کرتی ہیں۔ ابھی ان باتوں کو ہوتے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ وہ کشتیاں سامنے نمودار ہوگئیں۔ اُن میں سے جو بڑی کشتی تھی وہ سب سے پہلے ساحل پر لائی گئی۔ اس کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری یہاں تک کہ سات کشتیاں برابر سے ساحل پر لگ گئیں۔ اُس بڑی کشتی میں سے ایک بزرگ مقدس۔ خوبصورت اور مستوی القامت برآمد ہوئے۔ مسجد میں گئے۔ طریقۂ اہلبیت علیہم السلام کے مطابق وضو کیا۔ اور نماز ظہرین پڑھی نماز سے فارغ ہوئے تو خود بخود میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ قیافہ تو یہ کہتا ہے کہ تمہارا نام علی ہے میں نے کہا آپ صحیح فرماتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ پھر آپ ہی فرمایا کہ میرا گمان غالب ہے کہ تمہارے والد کا نام فاضل ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے صحیح فرمایا۔ ان کی گفتگو سے مجھے یقین ہوگیا کہ شہر دمشق سے مصر تک سفر کرنے میں میرے ضرور رفیق اور شریک ہونگے تب تو میری اتنی معرفت رکھتے ہیں۔ یہ خیال کرکے میں نے اُنکی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے کیونکر مجھے اور میرے باپ کو پہچان لیا۔ اور ہم دونوں کے نام بھی آپ نے بتلائے اُنھوں نے جواب دیا کہ میں تمکو اور تمہارے نسب کو پہلے ہی سے خوب جانتا ہوں۔ لیکن میں دمشق سے مصر تک کے سفر میں کبھی تمہارا رفیق نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ اچھا اگر میرے پہلے سفر میں آپ میرے رفیق نہیں تھے تو پھر دوسرے

سفر میں جو اندلس سے یہاں تک کیا گیا ہے میرے ضرور شریک اور ہم سفر رہے ہوں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے مولا جناب صاحب الامر علیہ السلام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے کسی سفر میں تمہارا رفیق اور ہمطریق نہیں ہوا۔ یہ سنکر مجھے سخت تعجب ہوا اور میں نے کہا پھر آپ نے مجھے کیونکر اس تفصیل سے پہچان لیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری معرفت بتلائی گئی ہے اور اس امر پر مامور کیا گیا ہوں کہ تمہیں جزیرۂ خضراء میں لیجاؤں۔ یہ مژدہ سنتے ہی قریب تھا کہ میں شادی مرگ ہو جاؤں۔ کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ ان سعادتمندانِ ازلی کے جریدہ میں ہمارا بھی نام ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ کا قاعدہ ہے کہ اس جزیرہ میں تین روز سے زیادہ نہیں رہتے تھے مگر اب کی بار خلافِ معمول ایک ہفتہ تک قیام فرما رہے اور ان تمام ذخیروں کو جو اپنے ہمراہ لائے تھے وہاں کے مومنین پر تقسیم فرما دیا۔ جب ان لوگوں سے اُن کے وظائف مقررہ کی رسیدیں لیلیں تو پھر مجھکو اپنے ہمراہ لیکر وہاں سے روانہ ہوئے جب ہم لوگوں کے سفر دریا میں کامل سولہ روز ختم ہو چکے تو ایک دن ہم لوگوں کو نہایت صاف و شفاف دریا ملا۔ میں نے کبھی ایسا پاک و پاکیزہ دریا آجتک نہیں دیکھا تھا اس لیے میں خاص کر اسکو غور کی نگاہوں سے دیکھنے لگا ان بزرگ نے جنکا نام محمد تھا مجھے موجودہ غور و فکر میں مصروف پا کر مجھ سے استفسار فرمایا کہ تم اس دریا کے پانی کو اتنے غور سے کیوں دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ اس دریا کا پانی دنیا کے کسی دریا کے پانی سے نہیں ملتا ہے۔ اس تغیر کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ یہی بحر ابیض ہے اور وہ جزیرۂ خضراء واقع ہے۔ اور یہ پانی اس جزیرہ کے چاروں طرف مثل حصار کے محیط ہے۔ جس طرف سے اس جزیرہ میں داخل ہو گے ایسا ہی پانی ملیگا۔ اور حکمتِ حکیم علے الاطلاق اور برکت جناب صاحب الامر علیہ السلام کے باعث سے جو مخالف اس جزیرہ میں آنیکا قصد کرتا ہے غرق ہو جاتا ہے یہ سنکر میں نے اس میں سے تھوڑا سا پانی لیا اور پیا تو اسکو آب دریائے فرات سے بھی ذائقہ میں مشابہ اور مساوی پایا

بہر حال۔ اس دریا کو طے کر کے ہم لوگ جزیرۂ خضراء میں بخیر و خوبی پہنچ گئے۔ ساحل سے شہر تک مجھ کو سات قلعے ایک دوسرے سے متصل نظر آئے۔ انکی تمام عمارتیں مضبوطی اور استحکام میں اپنا آپ جواب تھیں۔ شہر سے ملے ہوئے بہت سے بستان نہایت میوہ دار اور میدان نہایت سبزہ زار اپنی اپنی بہار دکھلا رہے تھے۔ ان میں جا بجا بہت سی خوشنما اور پر تکلف عمارتیں بھی بنی ہوئی تھیں۔ شہر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے مجھے حمام شہر کی عمارت نظر پڑی۔ اُسکی تعمیر میں زیادہ تر صاف و شفاف سنگِ مرمر کے پتھر لگائے گئے تھے اور وہاں کے اہلکار بھی سب کے سب نہایت پاک و پاکیزہ دکھلائی دیتے تھے۔ شہر کی انہی دونو عمارتوں کو دیکھ کر میری طبیعت کچھ ایسی شاد و مسرور ہوئی جو میرے بیان سے بالکل باہر ہے

بہر حال اسوقت تو میں اپنے رفیق محمد کے ہمراہ اُن کے مکان پر چلا گیا اور وہیں فروکش ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے رفیق مجھ کو مسجد جامع میں لیگئے۔ وہاں میں نے آدمیوں کی جماعت کثیر دیکھی۔ اُن کے بیچ میں ایک صاحب باہیبت و جلال اور شوکت و اقبال تشریف فرما تھے۔ انکی عظمت و جلالت کی کچھ ایسی تاثیر میرے قلب پر طاری ہوئی کہ پھر مجھ میں تکلم اور تقریر کی ذرا بھی قوت باقی نہ رہی۔ باقی اور لوگ جو اُن سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے اُن کی بات چیت سے میں نے معلوم کر لیا کہ ان کا نام سید شمس الدین محمد ہے اور اُن کو لقب عالم سے تمام حضرات مخاطب فرما رہے تھے۔ وہ جماعت کی جماعت اُسوقت علم القرآن۔ علم الفقہ۔ علم ادب عربیہ اور علم اصول دینیہ وغیرہ وغیرہ جو جناب صاحب الامر علیہ السلام کی خدمت سے اخذ کر چکے تھے۔ اُنکے تمام مسائل کو قضیہ قضیہ۔ مسئلہ مسئلہ اور حکم حکم کر کے اُن کی خدمت میں عرض کرتے تھے۔ صرف اس غرض سے کہ اگر ان امور کے سمجھنے۔ یاد کرنے اور تفصیل کرنے میں اُن لوگوں سے کوئی خطا یا فرو گذاشت ہو گئی ہو تو وہ اُسے درست فرما دیں اور اس کی اصلاح کر دیں۔

جب میں اُن کی خدمت میں پہنچا تو مجھ کو دیکھتے ہی سید صاحب

نے وسیع جگہ اپنے قریب ممبر سے ہی خالی کردی اور بعد تحیۃ وسلام مجھ سے فرمانے لگے کہ تمہیں زحمتِ سفر تو بہت ہوئی ہوگی۔ انہی کلمات کو دو تین بار مجھ سے متواتر فرمایا۔ اور اپنی مہربانی اور مہمان نوازی کے اعلیٰ جوہر دکھلائے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے مجھ کو تمہارے آنے کی خبر معلوم ہو چکی تھی۔ اور میں ہی نے تمہارے رفیق محمد کو تمہارے لانے کے لیے مخصوص بھیجا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ مسجد کے حجروں میں سے ایک حجرہ میرے قیام کے لیے خالی کر دیا گیا اور میں وہیں اُتر گیا۔ جب میں اُس حجرہ میں جانے لگا تو مجھ سے ارشاد ہوا کہ جس وقت تمہارا جی چاہے بلا تکلف اور بلا تامل میرے پاس چلے آیا کرو۔ میں سلام کر کے اُنکی خدمت سے چلا آیا۔ اور اپنے حجرہ میں عصر کے وقت تک برابر سوتا رہا۔ یہاں تک کہ خدامِ مسجد میں سے ایک خادم نے مجھے آکر جگایا اور مجھ کو حکم دیا کہ آپ یہاں سے شام تک کہیں باہر تشریف نہ لیجائیں۔ کیونکہ سید صاحب تشریف لا رہے ہیں اور وہ شام کا کھانا آپ ہی کے ساتھ تناول فرمائینگے میں نے کہا بسر و چشم قبول و منظور ہے۔

سید صاحب تھوڑی دیر میں اپنے اصحاب و احباب کے ساتھ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے پھر کھانا آیا اور رکھا گیا۔ پھر ہم لوگوں نے ملکر کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر تک ذکر و اذکار ہوتے رہے۔ اتنے میں مغرب کا وقت آگیا۔ اور میں سید صاحب کے ہمراہ نمازِ جماعت میں شریک ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب اپنے دولتخانہ پر تشریف لیگئے اور میں اپنے حجرہ میں واپس آگیا۔ اب جمعہ کا دن آیا اور یہ پہلا جمعہ تھا جو مجھے وہاں گزرا۔ میں نماز میں شریک ہوا اور صفِ اول میں سید صاحب کے قریب کھڑا ہوا۔ میں نے سُنا کہ سید صاحب نے نمازِ جمعہ کی نیت شرطِ وجوب کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز سے فراغت ہو گئی تو میں نے اُنکی خدمت میں استفسار کیا کہ آپ نے نمازِ جمعہ بہ نیتِ وجوب پڑھائی ہے اس کی علت ارشاد ہو۔ اُنہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہاں شرطِ وجوب موجود ہے اس لیے واجب ہو گئی۔ اُس وقت میں نے اُن کا جواب سُنکر سمجھ لیا کہ شاید جناب صاحب الامر علیہ السلام یہاں موجود ہیں اسلئے یہ نماز بہ نیتِ وجوب پڑھی گئی مگر دوسرے وقت میں نے سید صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آیا جناب صاحب الامر علیہ السلام اُس وقت نماز میں شریک تھے فرمایا نہیں مگر میں اُن کی جانب سے تھا اور اس لحاظ سے جمعہ واجب تھا اور اُن کا نائب حاضر تھا پھر میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کبھی ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے فرمایا نہیں لیکن میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ انہوں نے صرف آپکے کلام معجز نظام کو سُنا تھا مگر انہوں نے بھی آپکے جمال باکمال کو نہیں دیکھا تھا لیکن میرے جدِ بزرگوار نے آپ کی تقریر کو بھی سُنا تھا اور آپ کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت بھی حاصل کی تھی۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ اچھا اسکی کیا وجہ ہے کہ ان میں سے ایک کو زیارت نصیب ہوتی ہے اور دوسرے کو نہیں۔ اس کے جواب میں اُنہوں نے فرمایا کہ حقیقتِ امر یہ ہے کہ یہ امر قطعی طور پر خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسکے ساتھ چاہے یہ فضل و احسان کرے اور جس کے ساتھ نہ چاہے نہ کرے۔ کسی بندہ کو اُس میں چون و چرا کی مجال نہیں ہے چنانچہ قدیم سے عادتِ الٰہی ایسی ہی جاری ہوئی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انبیاء و اوصیاء سلام اللہ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہم السلام کو منتخب کرتا ہے اور اُنکو دنیا میں اپنی حجت اور ودیعت قرار دیتا ہے اور اپنے بندوں کے درمیان اُنکو ذریعہ اور وسیلہ قرار دیتا ہے تاکہ دنیا میں ہر شخص کی موت و حیات ایک دلیل اور حجت کے ساتھ قائم ہو۔ اسی وجہ سے پروردگارِ عالم نے دنیا کو کسی وقت اور کسی حالت میں اپنی حجت کے وجود سے خالی نہیں چھوڑا ہے۔ اور ابتدائے آفرینش سے لیکر وقتِ موجودہ تک کوئی زمانہ حجتِ الٰہی سے خالی نہیں گزرا اُن کے تمام نظام و احکام اپنے اپنے زمانہ میں سفراؤ نائبین کے ذریعہ سے انجام ہوتے تھے اور اب تک اسی معیار سے انجام دیئے جاتے ہیں۔

یہ باتیں تمام کرکے سید صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور سیر کناں مجھ کو سوادِ شہر سے باہر لے آئے۔ اُس مقام پر پُر فضا میں بہت سے چمنہائے لالہ زار شاداب و تیار تھے

اور اُن میں صاف و شفاف نہریں جاری تھیں۔ اور مختلف اقسام کے تر و تازہ میوے کثرت سے درختوں میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے کبھی اس کثرت سے میوے شام اور عراق کی سرزمین بھی نہ دیکھے تھے۔ میں اسی طرح اُنکے ہمراہ ایک باغ سے دوسرے باغ کی سیر کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک خوبصورت جوان پشمینہ سفید کا لباس پہنے ہم لوگوں کے سامنے آیا اور اُس نے ہم لوگوں کو سلام کیا اور پھر فوراً واپس گیا۔ میں نے اُسکی صورت اور ہیئت دیکھ کر سیّد صاحب سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ فرمایا کہ اِس سامنے والے پہاڑ کو دیکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا کہ اس پہاڑ کے وسط میں ایک نہایت خوشنما اور پُرفضا مقام واقع ہوا ہے۔ وہاں پر ایک سایہ دار درخت کے نیچے ایک پاک و پاکیزہ چشمہ صنّاعِ ازلی نے اس لطافت اور صنعت سے جاری فرمایا ہے کہ اُس درختِ سایہ دار کی شاخیں اُس چشمہ پر آ کر باہم ایک حجرہ کی صورت میں ملحق اور متصل ہو گئی ہیں۔ اُس چشمہ کے قریب ایک قبہ نما عمارت بنی ہوئی ہے۔ یہ شخص اور اسکا رفیق دونوں اُس قبّہ کے ملازم ہیں۔ ہر جمعہ کے دن صبح کے وقت میں اُس قبّہ کی طرف جاتا ہوں اور جنابِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام کے ارشاد و اقوال سے مشرّف ہوتا ہوں۔ دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ اُس قبّۂ مبارک سے مجھ کو ایک جریدہ عنایت ہوتا ہے اور اُس میں وہ تمام احکام مندرج ہوتے ہیں جن کی تعلیم و ہدایت کی تمام مؤمنین کو ضرورت واقع ہوتی ہے۔ اور اُن کو مجھے بتلانا ہوتا ہے۔ جس قدر حکم و احکام اس جریدہ میں قلمبند ہوتے ہیں میں اُتنے ہی مؤمنین کو بتلاتا ہوں اور جو احکام اُس میں مندرج نہیں ہوتے وہ نہیں بتلاتا۔ تمہیں بھی مناسب ہے کہ قبّۂ مطہرہ جناب صاحب الامر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت کا شرف و اعزاز حاصل کر لو۔ یہ سُننا تھا کہ مجھے کمال مسرّت حاصل ہوئی اور میں اُسی وقت اُن کی رفاقت چھوڑ کر اُس کوہِ مقدّس کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچا تو میں نے اُس قبّۂ مطہرہ کو اُسی شوکت و عظمت کی حالت میں پایا جیسا کہ مجھے بتلایا گیا تھا۔ میں نے دو خادموں کو وہاں استادہ پایا۔ اُن میں سے ایک خادم نے جس نے مجھے سیّد صاحب کے ہمراہ باغ میں دیکھا تھا اور سلام کیا تھا اب مجھے بھی سلام کیا۔ اور مرحبا کہا۔ اُس کے دوسرے ہمراہی رفیق کو اُس کی یہ تقدیم ناخوش معلوم ہوئی تو اُس نے فوراً اپنے رفیق سے کہا کہ تمہیں ناخوش نہ ہونا چاہیے کیونکہ میں نے اِس مردِ خالص الاعتقاد کو سیّد شمس الدین صاحب عالم کے ہمراہ فلاں باغ میں دیکھا تھا۔ اپنے رفیق سے میرا حال سُنکر اُس نے بھی میری بزرگ تعظیم و تکریم کی۔ پھر دونوں مجھ سے باتیں کرنے لگے اور اسکے بعد نانِ گرم اور انگور تازہ لا کر میری ضیافت کی۔ میں نے بطیبِ خاطر اُن کے تحفوں کو قبول کیا اور کھایا اور اُس چشمہ شیریں سے پانی پیا۔ پھر وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور بعد نماز کے اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ آیا میں اپنے سیّد و مولا جناب صاحب الامر علیہ السّلام کو دیکھ سکتا ہوں؟ اُن لوگوں نے مجھے قطعی انکاری جواب دیا کہ نہیں تم نہیں دیکھ سکتے۔ اور ہم لوگ اِن امور کے افشاء کے لیے ماذون نہیں ہیں۔ اور نہ کسی کو یہاں کے واقعات کی خبر دے سکتے ہیں۔ یہ سُنکر میں خاموش ہو گیا۔ بالآخر میں نے اُنکی خدمت میں عرض کی کہ اگر اور کچھ نہیں تو آپ لوگ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ چنانچہ اُن دونو حضرات نے میرے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد میں وہاں سے لوٹ آیا۔ جب میں مولانا شمس الدین کے دروازے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سُنکر میں وہاں سے لوٹا اور شیخ محمدؐ کے گھر آیا۔ یہ وہی بزرگ تھے جنکے ساتھ میں بسواریِ کشتی اُس جزیرۂ مطہرہ میں پہنچا تھا۔ ان سے میں نے اپنا سارا واقعہ دُہرایا جسے سُنکر محمد نے جواب دیا کہ اُس قبّۂ مقدّس کے اندر سوائے سیّد شمس الدین رح کے کوئی دوسرا شخص نہیں جا سکتا۔ اس کے بعد میں نے سیّد صاحب کے ذاتی حالات اور اُن کے حسب و نسب کی بابت اُن سے پوچھا تو محمد نے جواب دیا کہ وہ اولادِ جناب صاحب الامر علیہ السلام سے

ہیں اور سال میں اور امام علیہ السلام میں صرف پانچ پشت کا فاصلہ ہے اور وہ حضرت ؑ کی طرف سے یہاں عہدۂ نیابت پر مامور و ممتاز ہیں۔ اسکے بعد میں اپنے مقام پر چلا آیا۔ اِس واقعہ کو ایک ہفتہ سے زائد ہوگیا۔ اسی اثناء میں میں نے ایک دن سید صاحب سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی خدمت میں چند ایسے مسائل دریافت کرلوں جنکی مجھ کو اکثر ضرورت پیش آیا کرتی ہے اور میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ میں پورا قرآن مجید آپ کی خدمت میں پڑھ کر سناؤں تاکہ میری قرأت میں جو کچھ فساد اور نقص ہو وہ بتمامہ دور ہو جائے۔ اور تمام مشکل مقامات اور مشتبہ احکام جو اس وقت تک میرے فہم ناقص میں نہیں آئے ہیں وہ سب مجھ کو بتلا دیے جائیں۔ میری یہ استدعا سُنکر سید صاحب نے جواب دیا کہ اگر حقیقت میں تم ان امور کی تحصیل کے لیے ایسے ہی مجبور ہو جیسا کہ تمہارے کلام سے ظاہر ہوتا ہے تو تم اپنی تحصیل قرآن مجید کی ترتیل سے کرو۔ یہ سُنکر میں نے قرآن مجید سے ابتدا کی اور جن مقامات میں قرائے سبعہ کے درمیان اختلاف تھا اُن پر پہنچکر میں نے اُن کی خدمت میں تفصیلاً بیان کردیا کہ اسکو حمزۂ کوفی نے یوں پڑھا ہے اور کسائی نے یوں۔ عاصم نے یوں اور ابنِ عمر نے اور ابنِ کثیر نے یوں قرأت کی ہے۔ سید صاحب نے کہا کہ میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا۔ اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ ہجرت سے پہلے قرآن نہیں نازل ہوا مگر سات حرفوں میں۔ اور ہجرت کے ایام تمام ہونے کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بمقام خم غدیر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے رسولِ خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن مجید جو آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ بتمامہ میرے سامنے تلاوت فرمایئے تاکہ اوائل و اواخر متشابہات۔ غیر متشابہات۔ محکمات۔ غیر محکمات۔ ناسخات اور منسوخات اور اُن کی شانِ نزول وغیرہ ہر سورہ کے لیے میں آپ کو بتلادوں۔ پس اُسوقت جناب علی ابن ابیطالب و حضرات حسنین علیہم السلام و ابی بن کعب۔ عبد اللہ ابن مسعود۔ حذیفہ ابن یمان۔ جابر بن عبد اللہ الانصاری۔ ابو سعید خدری اور حسان ابن ثابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُس مجمع میں قرآن شریف کو اول سے آخر تک تلاوت فرمایا اور جس مقام پر کچھ شبہہ یا شک واقع ہوتا تھا آپ اُسکو جبرائیل امین سے پوچھ لیتے تھے اور وہ آپ کو بتلادیتے تھے اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام اُسکو اوراقِ چرمی پر لکھتے جاتے تھے۔ اِس رُو سے قرأتِ موجودہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ بعض عباراتِ قرآنی ایسی نامربوط ہیں کہ اُن کی ابتدا کو انتہا سے کوئی ربط اور واسطہ نہیں ہے۔ اسکی وجہ ارشاد ہو۔ فرمایا سچ کہتے ہو۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ایسا ہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جسوقت جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرمایا اور دو صنم قریش نے خلافت کو غصب کرلیا تو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے خانہ نشین ہوکر قرآن مجید کو جمع کیا اور ایک بقچہ کے اندر رکھ کر اسکو مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لائے اور اُن لوگوں کو دکھلایا اور کہا کہ یہی کتابِ الٰہی ہے۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ میں اسے تم لوگوں کو دکھلا دوں تاکہ روزِ قیامت تم لوگوں پر حجت باقی رہے۔ یہ سُنکر عمر ابن الخطاب نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو تمہارے جمع کردہ قرآن کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو تم لوگوں کے یہ جواب پہلے ہی بتلا دیے تھے۔ لیکن میں نے اِسوقت جو کچھ تم سے کہا وہ صرف اتمام حجت کی غرض سے تھا۔ یہ کہہ کر وہ قرآن مجید لیے ہوئے دولت سرا کی تشریف لیگئے۔ اور اپنی زبانِ مبارک سے فرماتے جاتے تھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَا رَادَّ لِمَا سَبَقَ فِیْ عِلْمِکَ وَلَا مَانِعَ لِمَا اقْتَضَتْہُ حِکْمَتُکَ فَکُنْ اَنْتَ الشَّاہِدَ عَلَیْہِمْ یَوْمَ الْعَرْضِ عَلَیْکَ ترجمہ کوئی پروردگار تیرے ایسا بے نظیر اور لاشریک نہیں ہے جو چیز کہ تیرے علم میں گزر چکی ہے کوئی اُسکا رد کرنے والا نہیں ہے

جس چیز کے جاری کرنے کا قصد تیری حکمت میں گزر چکا ہے پھر کوئی اُسکا منع کرنیوالا نہیں ہے۔ پس اس قوم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اے خدا تو اُسپر گواہ رہنا۔ اس کے بعد ابنِ ابی قحافہ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہا کہ جس شخص کے پاس کوئی آیت یا سورت ہو تو وہ اُسکو میرے پاس لائے۔ یہ سُنکر ابو عبیدہ بن جراح۔ عثمان۔ سعد ابنِ ابی وقاص۔ معاویہ ابنِ ابو سفیان عبدالرحمٰن ابنِ عوف طلحہ ابن عبیداللہ۔ ابو سعید خدری اور حسان ابن ثابت وغیرہم۔ یہ اشخاص آیات و سورِ قرآنی جسقدر کہ اُن لوگوں کے پاس موجود تھے لائے اور اس طرح رفتہ رفتہ اس قرآن کی ترتیب کیگئی۔ اور اُن آیات کو جن میں اُن کے اعمالِ قبیحہ اور افعالِ ذمیمہ کی خبر مندرج تھی عمداً نکال دیا۔ اسی وجہ سے آیاتِ قرآنی اُن مقامات پر غیر مربوط ہوگئیں اور وہ قرآن مجید جو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے خاص جمع کیا تھا ہمارے آقا جناب صاحب الامر علیہ السلام کے پاس اُسی طرح محفوظ ہے اُس میں تمام و کمال احکام جن میں گال میں ایک خراش تک پہنچانے کی حد یعنی سزائے شرعیہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے موجود ہیں۔ علی ابنِ فاضل کا بیان ہے کہ میں نے اسی طرح پورے نوّے مسئلے سیّد صاحب کی خدمت میں دریافت کیے اور اُن کے جوابات حاصل کیے۔ اور وہ سب اسوقت تک میرے پاس موجود ہیں۔ اُن کو میں نے ایک رسالہ کی صورت میں خاص طور پر ترتیب دیا ہے اور اُس کا نام فوائدِ شمسیہ رکھا ہے اور میں نے اسوقت تک اُسکو سوائے اپنے برادرانِ ایمانی کے اور کسی کو نہیں دکھلایا۔

بہرحال۔ اُسدن تو اتنی ہی گفتگو ہمارے اور سیّد صاحب کے درمیان ہوکر رہ گئی۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو مجھے یاد ہے کہ وہ نیمۂ ماہ تھا۔ نماز سے فارغ ہوکر سیّد صاحب اپنے مقام پر تشریف فرما ہوئے۔ میں حسبِ دستور اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتنے میں چاروں طرف سے مسجد میں کچھ لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے تو میں نے خیال نہیں کیا۔ تھوڑی دیر تک سُنتا رہا۔ مگر جب اُنکی کوئی ظاہری وجہ نہیں معلوم ہوئی تو میں نے سیّد صاحب سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے اور کن لوگوں کی ہے۔

میرے جواب میں اُنہوں نے ارشاد فرمایا کہ جس نیمۂ ماہ کے دن جمعہ ہوتا ہے تو ہمارے لشکر کے امرا سوار ہوکر جناب صاحب الامر علیہ السلام کے ظہورِ پُرنور کے منتظر رہتے ہیں۔ آج چونکہ وہی دن ہے اور وہی تاریخ اس لیے وہ لوگ انتظارِ ظہور کی غرض سے باہر نکلے ہیں اور یہ آوازیں اُنہی لوگوں کی ہیں۔ یہ سُن کر میں نے سیّد صاحب سے اُنکے دیکھنے کی اجازت مانگی اُنہوں نے مجھے اجازت عنایت فرمائی۔ میں مسجد سے باہر نکل آیا۔ دیکھا کہ ایک مجمع کثیر باہر میدان میں تسبیح و تحمیدِ ربِ مجید میں مشغول و مصروف ہے اور خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ کی درگاہ سے جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے ظہورِ پُرنور کی دعائیں مانگ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں مسجد میں واپس آیا۔ سیّد صاحب نے پوچھا کہ تم نے ہمارے لشکر کو دیکھا؟ میں نے عرض کی۔ جی ہاں دیکھا۔ فرمایا اُن کو شمار بھی کیا تھا۔ میں نے عرض کی شمار تو نہیں کیا۔ ارشاد کیا کہ شمار میں وہ سب بزرگوار تین سو تیرہ ۳۱۳ ہیں۔ اور یہ وہی سعادتمندانِ روزگار ہیں جو حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی رکابِ ظفر انتساب میں احیائے شریعت اور استیصالِ کفر و ضلالت کے محاسنِ خدمات بجالائینگے۔ یہ سُنکر میں نے عرض کی کہ آخر ظہورِ پُرنور آپ کا کب ہوگا؟ ارشاد ہوا بھائی اس کا علم سوائے عالم الغیب کے اور کسی کو نہیں ہے اور یہ امر قطعاً اُس کی مشیّت پر منحصر ہے۔ جناب امام علیہ السلام خود اُس وقت کو نہیں جانتے۔ مگر آپ کے ظہورِ پُرنور کی چند علامتیں ضرور ہیں اور منجملہ اُن کے ایک نطقِ ذوالفقار ہے اور اُس مقدس تلوار کا اپنے غلاف سے خود بخود باہر نکل آنا ہوگا اور بہ آوازِ بلند امام علیہ السلام کی خدمت میں یہ عرض کرنا کہ یا ولی اللہ سلام اللہ علیہ۔ اب خدا کا نام لیکر اُٹھیے اور دشمنانِ خدا کو قتل کیجیے۔ اور منجملہ اُن کے تین آوازیں بھی آئینگی جنکو تمام خلائق پورے طور سے سُن لیگی۔ پہلی آواز تو یہ ہوگی کہ اے مومنین ہوشیار ہو جاؤ۔ قیامت قریب آگئی۔ دوسری آواز یہ ہوگی کہ خدا کی لعنت اُن لوگوں پر ہو جنہوں نے آلِ محمد علیہم السلام پر جور و ستم کیا۔ تیسری ندا اُس مجسمۂ قدرتی سے بلند ہوگی جسکو خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ آفتابِ عالمتاب کے درمیان پیدا

کریگا اور وہ ندا کریگا کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام دنیا میں ظاہر ہو گئے اُن سے امر و نہی کے احکام سُنو اور اُنکی اطاعت اور فرمانبرداری بجالاؤ۔

یہ تمام و کمال احوال سُنکر میں نے سید صاحب کی خدمت بابرکت میں عرض کی کہ ہمکو ہمارے علمائے دین کے ذریعہ سے آپ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب غیبت صغرےٰ کے ایام ختم ہو کر آپ کی غیبت کبرےٰ کا زمانہ شروع ہوا تو آپنے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غیبت کبرےٰ کے ایام میں میرے دیکھنے کا دعوےٰ کریگا وہ حقیقت میں جھوٹا ہوگا۔ تو پھر باوجود اس انکار صریح کے جناب صاحب العصر والزمان آپ لوگون کے درمیان کیسے ظاہر ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو اور تم سے کہنے والون نے بھی بالکل سچ کہا ہے بیشک آپ نے ابتدائے غیبت کبرےٰ کے وقت ایسا ہی حکم نافذ فرمایا تھا مگر بات یہ ہے کہ یہ امر کثرت مخالفین کی وجہ سے تھا جن میں سے بعض تو آپ ہی کے اقربا اور عزیز تھے اور باقی بنی عباسیوں کے ظلمۂ وقت اور جبارین زمانہ۔ کیونکہ انکے عام ظلم و ارتداد اور فتنہ و فساد کی وجہ سے اُس زمانہ میں گروہ شیعہ کے لوگ نہایت تقیہ کی مجبورانہ حالتوں میں مبتلا تھے۔ کہ ایک شیعہ دوسرے شیعہ سے آپ کے متعلق کوئی ذکر نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ ایک دوسرے کو ان تذکروں سے منع کیا کرتا تھا چہ جائیکہ زیارت اور رویت مبارک کے حالات و واقعات۔ زمانۂ موجودہ میں آپ کی مدت غیبت کو عرصہ ہو چکا اور خدائے قادر و توانا کی تدبیر مشیت سے فی الحال آپ کے دشمن آپ کے کسی امر پر قابو پانے سے قطعی مجبور ہو گئے ہیں اور وہ لوگ اب ہمارے شہر اور موجودہ آبادیوں سے بہت دور ہیں اور ہم پر کسی طرح قابو نہیں پا سکتے۔ اسلیے یہاں کے اکثر سعادتمندوں کیواسطے اُس حکم کا نافذ ہونا ضروری اور لازم نہیں ہے پھر میں نے پوچھا کہ میں نے اپنے علمائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زبانی سُنا ہے کہ غیبت کبرےٰ کے زمانہ میں جناب صاحب الامر علیہ السلام نے رقم خمس اپنے شیعوں کیلیے معاف فرما دی ہے آیا آپ کی نظر سے بھی کوئی ایسی حدیث گزری ہے فرمایا ہاں وہ سادات کرام جو جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی اولاد سے ہوں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ اُن غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت کی بھی اجازت ہے جن کو سوائے اہلسنت کے اور لوگوں نے اسیر کیا ہو فرمایا ہاں۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم کو اُن کے ساتھ وہی معاملات رکھنے چاہییں جو معاملات وہ ہمارے ساتھ قائم رکھتے ہیں یہ دو مسئلے ایسے ہیں جن کو میں نے **فوائد شمسیہ** میں نہیں لکھا ہے۔ اس کے بعد سید صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں درمیان رکن و مقام کے اُس سال ظہور فرمائیں گے جس کا شمار ہی عدد طاق واقع ہوگا تمام مومنین کو چاہیے کہ اس سال مبارک کا انتظار کریں۔ یہ سُنکر میں نے اُن کی خدمت میں عرض کی کہ میرا دلی ارادہ اور قلبی تمنا یہی ہے کہ آپکے وقت ظہور تک میں آپ ہی لوگوں کے زیر سایہ رہا کروں۔ میری یہ تمنا سُنکر سید صاحب نے جواب دیا کہ بھائی! تمہارے وطن کی طرف بھیجدیے جانے کے لیے حکم امام علیہ السلام ہے جس کی مخالفت نہ کرو ڈرو اور خوف کرو۔ اور دل میں اچھی طرح سوچ لو کہ تم صاحب عیال ہو اور ایک زمانہ مدید گزر چکا ہے کہ تم ان سے جدا اور علیحدہ رہو اور اب تمہارے لیے اُن کی مفارقت کسی طرح مناسب وقت اور مصلحت نہیں ہے۔ اُن کا یہ حکم سُنکر مجھکو سخت افسوس دامنگیر ہوا۔ یہاں تک کہ میں رونے لگا اور پھر میں نے سید صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ اگر میں اس امر خاص کی استدعا کے لیے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی حضور میں خاص عریضہ لکھوں تو یہ سعادت میرے لیے ممکن ہو سکتی ہے۔ اور میری یہ حاجت مقرون اجابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا۔ نہیں۔ اب تمہاری کوئی عرض یا التجا پذیرائی اور شنوائی کے قابل نہیں۔ یہ سُنکر میری حسرت اور مایوسی اور بھی بڑھ گئی۔ مگر اپنے مقدر کی شوخی اور مجبوری پر اعتبار کر کے میں بالکل خاموش ہو بیٹھا اور تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد میں نے اُن کی خدمت مبارک میں عرض کی کہ مجھے اس امر کی اجازت اور رخصت حاصل ہے کہ میں سفر حج

اس دیار و امصارِ مطہرہ میں دیکھا ہے۔ جو کچھ کہ ارشاد و ہدایات دینیہ کے متعلق آپ کی زبانِ صداقت ترجمان سے سُنا ہے اُسکو میں اپنے برادرانِ ایمانی اور اخلائے روحانی سے بیان کروں۔ ارشاد ہوا کہ البتہ تم اُن تمام امور کا تذکرہ اپنی ہموطن مؤمنین سے ضرور کرسکتے ہو کہ اُن کے قلوب کو اِن اذکار و اخبار سے تشفی اور اطمینانِ کامل حاصل ہو۔ مگر ہاں فلاں فلاں چیزیں جو تمہارے مشاہدے میں آئی ہیں اُن کا بیان کرنا البتہ تمہارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُنکے ذکر کرنے سے انکشافِ اسرار کا احتمال قوی ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ جمالِ مبارک آنحضرت علیہ السلام کا دیکھنا بھی کسیطرح ممکن ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا کہ اَب تک سوائے خاص حالتوں کے اور سوائے اُن خالص مومنین کے جو اِس شرفِ سعادت کے لیے منجانب اللہ ماذون ہوچکے ہیں اور کسی کے لیے کبھی امکان نہیں ہوسکتا۔ اور وہ بھی بسا اوقات اِسطرح کہ وہ سعادتمندانِ زمانہ آپ کی زیارت سے مشرف تو ہوئے لیکن آپ کو مطلق نہ پہچان سکے۔ یہ سُنکر میں نے عرض کی کہ میں بھی اُن حضرت علیہ السلام کا مخلص اور صادق شیعہ ہوں مگر باوجود اس اختصاص کے آپ کی زیارت سے مشرف نہیں فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ یہ تم اپنے غلط قیاس سے کہتے ہو۔ ابھی ابھی مجھ کو اسی خط میں پوری حقیقتِ حال سے اطلاع دی گئی ہے اور بتلا دیا گیا ہے کہ تم دو بار جنابِ صاحب الامر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوچکے ہو۔ میں اب دونوں موقعوں کو تمہیں یاد دلائے دیتا ہوں۔

ایک تو اُس وقت تم نے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی زیارت کی ہے جبکہ تم پہلے پہل... بسر من رائے میں آئے تو تم پیچھے رہ گئے تھے اور تمہارے رفیق آگے چلے گئے تھے یہاں تک کہ تم اُس چشمہ کے پاس گئے جس میں پانی مطلق نہ تھا پس اُسوقت ایک شخص نقرئی گھوڑے پر سوار نمودار ہوا۔ اُسکے ہاتھ میں ایک طولانی نیزہ تھا جس کی انی (نوک) دمشق کی بنی ہوئی تھی۔ تم اُسکو اِس ہیبت و جلالت سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ اور تم نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ مہیب آدمی کہیں تم سے تمہارے کپڑے نہ اُتروا لے۔ تم ابھی اسی خیال میں تھے کہ وہ شخص تم سے بالکل قریب آگیا۔ اور تم سے کہنے لگا کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور نہ ڈرو۔ اُٹھو اور اپنے رفیقوں کے پاس چلے جاؤ۔ دیکھو وہ لوگ سامنے والے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تمہارا انتظار کررہے ہیں۔ سید صاحب کے یاد دلانے سے مجھ کو یہ سارا واقعہ فوراً یاد آگیا۔ اور میں نے اُن کی خدمت میں اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا وہی بزرگوار ہمارے مولا حضرت صاحب الزمان علیہ السلام تھے؟ ارشاد فرمایا ہاں وہی تھے۔

سید صاحب نے فرمایا کہ دوسری بار پھر تم کو آپ کی زیارت کا شرف اِس طور پر حاصل ہوا ہے کہ جب تم اُس شیخ اندلسی کے ساتھ جو تمہارا اُستاد تھا دمشق سے مصر کی طرف چلے اور اپنے ہمراہی قافلہ سے پیچھے رہ گئے تو پھر قافلہ تک تمہاری رسائی کسی طرح ممکن نہ ہوسکی تو تم پر سخت خوف کا عالم طاری ہوا اُس وقت ایک سوار ایسے گھوڑے پر جسکی پیشانی اور دونوں پاؤں سفید تھے اور اُس کے ہاتھ میں ایک طولانی نیزہ تھا۔ نمودار ہوا اور تمہاری راہ میں کھڑا ہوگیا تھا اور اُس نے تمسے کہا تھا کہ ابھی خوف نہ کرو اور یہاں سے سیدھی داہنے کی طرف والے گاؤں میں چلے جاؤ اور آج کی رات اُنہی لوگوں کے پاس ٹھہرو اور اپنا طریق و مذہب بھی اُن لوگوں پر ظاہر کردینا اور اُن سے مطلق تقیہ نہ کرنا۔ کیونکہ اُس قریہ اور اُس کے مضافات کے تمام دیہات کے باشندے جو شہر دمشق سے جنوب کی طرف واقع ہیں مومنین موقنین میں داخل ہیں اور وہ سب کے سب جناب امیر المومنین اور سائر ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کے متمسک ہیں۔ اتنا فرما کر سید صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابنِ فاضل! میں جس سوار کا تم سے ذکر کر رہا ہوں آیا اُس نے تمہاری ہدایت و دلالت کی یا نہیں؟ میں نے کہا بیشک اُسی سوار نے میری کامل رہنمائی فرمائی تھی چنانچہ میں اُنہی کے ارشاد کے مطابق اُس گاؤں میں پہنچا تھا اور رات بھر مقیم رہا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے میرا بڑا اعزاز و اکرام کیا تھا۔ میں نے اُن سے اُنکے مذہب کی

نسبت دریافت کیا تو اُن لوگوں نے بلا تقیہ مجھ سے نہایت آزادانہ طور پر کہا تھا کہ ہم سب کے سب جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام و سائر ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر ہیں۔ میں نے پوچھا تھا کہ یہ طریقہ کب سے تم لوگوں نے اختیار کیا ہے اور کس شخص کے ذریعہ تم کو اس فرقہ کی دعوت پہنچی ہے تو اُن لوگوں نے جواب دیا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ہم کو اِس طریقہ کی تعلیم و ہدایت فرمائی تھی۔ اُس زمانہ میں جبکہ خلیفۂ عثمان نے اُن کو مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلادِ شام کی طرف جلاوطن کر دیا تھا اور معاویہ کے پاس بھیجدیا تھا اور بعد چندے معاویہ نے اُن کو ہم لوگوں کے اُنہی دیہات کی طرف نکال دیا تھا۔ وہ مقدس بزرگوار رضی اللہ عنہ ہمارے ہی قبیلہ میں قیام فرما ہوئے تھے اور ہم لوگوں نے اُنہی کی برکت اور ہدایت سے اِس نعمتِ عظمےٰ کی تحصیل کا شرف حاصل کیا۔ رات بسر کر کے جب صبح ہوئی تو ہم نے اُن لوگوں سے اپنے قافلہ تک پہنچا دیے جانیکے لیے درخواست کی تھی اور میں نے اُنہیں اپنا مذہب بھی بتلا دیا تھا۔ یہ سُنکر وہ لوگ نہایت مسرور ہوئے تھے اور اُن لوگوں نے اپنے قبیلہ کے دو آدمی میرے ہمراہ کر دیے تھے۔ اور میں اُنہی لوگوں کے ہمراہ اپنے قافلہ تک پہنچگیا تھا۔ یہ تمام و کمال روئداد سُنا کر پھر میں نے سید صاحب سے عرض کی کہ آیا جناب امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام ہر سال حج کو تشریف لیجاتے ہیں؟ یہ سُنکر جناب سید صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یا ابن فاضل! تمام دنیا مؤمنِ کامل کے واسطے اُسکے ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ پس اُسکے لیے دنیا کی سیر کیا مشکل ہو سکتی ہے کہ خود جس کے اور جسکے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے یمنِ قدوم اور برکتِ وجود پر بقائے عالم کا انحصار موقوف و محدود ہو۔ ہاں بیشک آپ ہر سال فریضۂ حج ادا فرماتے ہیں اور اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے عتباتِ عالیات پر مدینہ۔ عراق اور مشہدِ مقدس کی زیارت کر کے پھر اسی دیار واسطہ میں واپس تشریف لے آتے ہیں۔

غرضکہ یہ باتیں تمام کر کے سید صاحب نے مجھ کو میرے وطن واپس جانے کے لیے سخت تاکید فرمائی اور بلادِ مغرب میں زیادہ قیام کرنے کی مضرت اور عراق میں واپس جانے کے فوائد اور منافع بیان فرمائے۔ میں نے نہایت عقیدت سے اُنکی ہدایت کو سُنا۔ پھر پانچ درہم جناب صاحب العصر والزمان علیہ السلام کے خاص سکۂ مبارک کے جو اُن دیار و امصار میں رائج تھے مجھے بہ کمال شفقت عنایت فرمائے۔ میں نے اُنکے نقوش پر غور کیا تو دیکھا کہ اُن درہموں پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہِ۔ محمد ابن الحسنؑ القائم بامر اللہ۔ لکھا ہوا ہے۔ میں نے بڑی خوش قسمتی اور سعادت کا خاص ذریعہ سمجھکر اُن درہموں کو تبرک کے طور پر لے لیا۔ اسکے بعد سید صاحب نے مجھے اس کشتی پر سوار کر کے جس پر میں آیا تھا۔ مجھے وطن کی طرف بھیجدیا۔ یہانتک کہ میں شہر بربر کے اول شہر میں داخل ہوا اور یہ وہی مقام تھا جہاں میں دمشق اور مصر سے چل کر پہلے پہل پہنچا تھا۔ سید صاحب نے مجھے تھوڑے سے جَو اور گیہوں بھی دیے تھے۔ میں نے اُس غلہ کو اپنے شہر میں ایک سو چالیس دینار طلائی پر فروخت کیا۔ اور اُس جگہ سے علاقہ طرابلس میں جو غربی شہروں میں داخل ہے پہنچا اور جناب سید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق میں نے اندلس کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ مغربی ملکوں کے حجاج کے ساتھ طرابلس سے چلکر مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف روانہ ہوا۔ فرائض حج بیت اللہ ادا کیے۔ وہاں سے ملکِ عراق میں آیا۔ اور یہیں سکونت پذیر ہوا۔ اور انشاء اللہ المستعان میرا ارادہ ہے کہ روزِ وفات تک نجفِ اشرف میں ہی مجاور رہوں۔ میں نے علمائے امامیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سوائے اِن پانچ بزرگوار کے جن کے نامِ نامی نیچے لکھے جاتے ہیں اور کسی صاحب کا نام یاد کر نہیں سُنا۔ اِن میں سے اول جناب سید مرتضےٰ علیہ الرحمۃ (۲) جناب شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ (۳) جناب محمد ابن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ (۴) جناب ابن بابویہ علیہ الرحمۃ (۵) شیخ ابو القسم جعفر ابن اسمٰعیل علی علیہ الرحمہ۔

(۴) سید امیر علام کا بیان ہے کہ میں نجفِ اشرف میں ایک شب کو خاص صحنِ مقدس میں ٹہل رہا تھا رات بہت جا چکی تھی کہ ناگاہ میں نے ایک شخص کو ضریحِ مطہرہ کی طرف جاتے

دیکھا - میں اُس شخص کے پہچاننے کے لیے آگے بڑھا تو دیکھا کہ وہ میرے اُستاد ملّا احمد اردبیلی نور اللہ مرقدہٗ ہیں اُن کو دیکھتے ہی میں پاسِ ادب کی وجہ سے ایک دوسری طرف چھپ گیا - یہاں سے میں نے دیکھا کہ ملّائے موصوف روضۂ مطہرہ کے دروازے پر پہنچے تو دروازے جو بند کر دیے گئے تھے فوراً کھل گئے اور ملّا علیہ الرحمۃ روضۂ مقدسہ کے اندر داخل ہو گئے - میں بھی پیچھے پیچھے چلا - اور قریب پہنچکر میں نے اپنے کان لگائے اور سُنا تو معلوم ہوا کہ ہمارے اُستادِ بزرگوار کسی سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں - اسکے بعد وہ تشریف لائے اور پھر دروازے بدستورِ سابق بند ہو گئے - میں اُن کے پیچھے پیچھے اس طرح روانہ ہوا کہ وہ ذرا بھی نہ جانتے تھے کہ میں اُن کے پیچھے آ رہا ہوں یہاں تک کہ وہ نجف اشرف کی آبادی سے باہر چلے آ گئے - میں بھی اُنکے عقب میں برابر چلا آیا تا آنکہ وہ مسجدِ کوفہ میں داخل ہوئے اور اُس محرابِ مقدس میں کھڑے ہوئے جس میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام ضربِ شمشیر اُٹھا کر فائز بشہادت ہوئے تھے - ایک عرصہ تک وہاں کھڑے رہے - پھر وہاں سے واپس ہوئے اور شہر کی طرف متوجہ ہوئے - میں بھی بدستورِ سابق اُنکے پیچھے پیچھے چلا آیا - یہاں تک کہ مسجدِ حنّانہ تک پہنچے - اتفاق سے مجھے کھانسی آ گئی میرا کھانسنا تھا کہ اُستاد نے پیچھے پھر کر دیکھا اور مجھے پہچانکر پوچھا کہ امیرِ علّام تم اسوقت یہاں کہاں اور کس ضرورت سے آ رہے ہو؟ میں نے عرض کی کہ میں تو روضۂ مقدس سے آپ کے ساتھ ساتھ ہوں - پس اب آپ کو جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی قسم دیتا ہوں کہ آپ نے اُس وقت سے لیکر اِس وقت تک جو جو کچھ مشاہدہ فرمایا ہے وہ سب مجھ سے ارشاد فرما دیجیے - ملّائے مرحوم نے فرمایا اچھا میں تمام و کمال واقعات تم سے بیان تو کیے دیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ جبتک میں زندہ ہوں تم اُنکو کسی سے نہ کہنا - یہ سُنکر میں نے اُن کے سامنے قسمِ شرعی کھائی - ملّائے مرحوم کو جب میرے اقرار حلفی پر اعتبار ہو گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے چند مسائل کے جواب میں جو مجھ سے پوچھے گئے تھے سخت دقت درپیش تھی اور میں اُن کا صحیح جواب دینے میں نہایت متردد و متفکر تھا - جب مجھے ہر طرف سے مایوسی ہو گئی تو میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ روضۂ مطہرۂ جناب امیرالمومنین علیہ السلام میں حاضر ہو کر اِن مسائل کے جواب حاصل کروں چنانچہ میں ابھی قصبہ سے رات کے وقت روضۂ مقدس میں پہنچا تو جیسا کہ تم نے بچشم خود دیکھا کہ بغیر کلید کے تمام دروازے میرے لیے آپ ہی آپ کھل گئے - میں اندر گیا اور درگاہِ مجیب الدعوات میں اپنے مسائل کے جوابات کے لیے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا کی - میں ابھی اپنی دعا میں مصروف تھا کہ قبرِ مطہر سے ندا آئی کہ ملّا احمد! مسجدِ کوفہ میں چلے جاؤ - اور اپنے مسائل کے جواب جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام سے دریافت کر لو کہ وہ تمہیں ان کے صحیح جوابات سے مطلع کر دینگے کیونکہ وہ اِسوقت امامِ زمانہ ہیں - اور تمام اُمور کی مصلحت و مناسبت اُنہی سے متعلق ہے - یہ سُنکر میں مسجدِ کوفہ میں پہنچا جیسا کہ تم نے دیکھا اور جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کی خدمت سے جوابات حاصل کیے اور اب مکان واپس جا رہا ہوں -

(۵) ملّا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ کے والدِ بزرگوار علامہ محمد تقی مجلسی نور اللہ مرقدہٗ بیان فرماتے ہیں کہ میرے زمانہ میں ایک بزرگ بڑے متقی اور پرہیزگار مشہور تھے - ہر سال بلاناغہ حجِ بیت اللہ سے مشرف ہوا کرتے تھے - اُن کی نسبت یہ مشہور تھا کہ وہ طےّ الارض کے معجزے اور قدرت پر قادر اور فائز ہیں اتفاقِ وقت سے وہ ایک بار شہر اصفہان میں تشریف لائے میں (ملّا محمد تقی مرحوم) اُنکی آمد سُنکر اُن کے پاس گیا اور اُن سے پوچھا کہ آپ کی نسبت معجزۂ طیّ الارض جو مشہور ہے اُسکی حقیقت کیا ہے؟ وہ سُنکر ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ اُسکی اصلیت صرف اتنی ہے کہ ایک بار میں سفرِ حجِ بیت اللہ کا سفر کر رہا تھا - جب میرا قافلہ اُس مقام تک پہنچا جہاں سے مکہ معظمہ پانچ منزل رہ جاتا ہے تو میں اپنے ہمراہی قافلہ سے چھوٹ گیا یہاں تک کہ سوادِ قافلہ بھی میری نگاہوں سے بالکل چھپ گیا اور میں راستہ بھی بھول گیا اور اب سخت مضطرب الحال اور پریشان تھا اور مجھ کو پیاس بھی معلوم ہونے لگی تھی - یہاں تک کہ شدتِ

تشنگی کے باعث میں بیتاب اور بے چین ہو گیا تھا اور نوبت جان جانے کی آ گئی تھی۔ اُس وقت میں اپنے عالمِ مایوسی میں چلا چلا کر پکارنے لگا یا اباصالح! یا اباصالح! خدا سبحانہ وتعالےٰ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ مجھ کو میری راہ بتلا دو۔ اور اِس مصیبت سے مجھے نجات دلوا دو۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ سامنے سے ایک سیاہی نمودار ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ سیاہی بڑھتے بڑھتے بالکل میرے قریب آ گئی اور میں نے دیکھا کہ ایک جوانِ رعنا پاک و پاکیزہ صورت۔ گندم گوں۔ خوش وضع اور خوش قطع جس کے سراپا سے شرافت و عظمت کے کُل آثار ہویدا و آشکار تھے۔ ایک ناقۂ خوش رفتار پر سوار پہنچا۔ اُن کے دستِ مبارک میں ایک مطہرہ (لوٹا) بھی تھا۔ میں نے اُنہیں دیکھ کر سلام کیا۔ اُنھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ تم پیاسے ہو؟ میں نے کہا کہ بہت پیاسا ہوں۔ یہ سُنکر اُنھوں نے وہ لوٹا جو ہاتھ میں لیے ہوئے تھے مجھے دیدیا۔ میں نے وہ لوٹا لیکر پانی پیا اور سیراب ہو گیا۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا تم اپنے قافلہ سے ملنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ یہ سنتے ہی اُنھوں نے اپنا اونٹ بٹھلایا اور مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیا اور مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف تشریف لے چلے۔ میرا ہمیشہ سے معمول تھا کہ میں روزانہ حرزِ یمانی پڑھا کرتا تھا۔ اِس وقت بھی میں نے اُسے پڑھنا شروع کر دیا تھا وہ میرے حرز پڑھنے کو غور سے سنتے جاتے تھے۔ اور بعض بعض مقامات پر مجھے ٹوکتے جاتے تھے کہ یوں نہیں یوں پڑھو۔ پس ایک لمحہ کے بعد مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اِس مقام کو پہچانتے ہو؟ اب جو میں دیکھتا ہوں تو میں مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا کے اُس مقامی حصّہ میں پہنچ گیا ہوں جسے اَبطح کہتے ہیں۔ پھر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب تم اُتر جاؤ۔ میں فوراً اُتر پڑا۔ نیچے اُتر کر جو دیکھتا ہوں تو نہ وہ سواری ہے اور نہ وہ جوانِ صالح۔ اُنکے یوں دفعۃً پوشیدہ ہو جانے سے مجھے یقین کامل ہو گیا کہ آپ ہی جناب صاحب الامر علیہ السلام تھے۔ آپکی مفارقت کا مجھے سخت صدمہ ہوا اور آپ کے نہ پہچاننے کی وجہ سے مجھے سخت ندامت اور خجالت دامنگیر ہوئی۔ میرے بعد میرا قافلہ داخلِ مکۂ معظمہ ہوا۔ وہ لوگ مجھے زندہ پاکر از حد مسرور ہوئے۔ اُن لوگوں نے مجھے اتنا جلد پہنچ جانے کی وجہ سے معجزۂ طی الارض سے موصوف کر دیا۔ بات اتنی تھی اور بس۔ (بحار الانوار جلد سیزدہم)

(۶) سید کاشانی نور اللہ ضریحہ کا بیان ہے کہ ایک شخص کاشانی نجفِ اشرف میں وارد ہوا۔ بیماری کی شدت اور ضعف و نقاہت کے سبب سے اُس کے دونوں پاؤں بالکل سوکھ گئے تھے اور اُن میں چلنے پھرنے کی ذرا بھی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ اُسکی یہ مجبوری و معذوری دیکھکر اُسکے رفیقوں نے اُسکو ایک مردِ صالح کی نگرانی میں چھوڑ دیا اور سب کے سب حجِ بیت اللہ کو چلے گئے۔ اس مردِ محافظ کا روزانہ معمول یہ تھا کہ اپنے حجرہ کو مقفل کر کے ہر روز بلاناغہ اپنی فکرِ معیشت اور نیز تفریحِ طبع کے قصد سے صحرا کی طرف نکل جاتا تھا اور یہ مردِ بیمار اُسی حجرہ میں تنہا اور بند پڑا رہتا تھا۔ ایک دن اُس شخص بیمار نے اِس مردِ صالح سے بہ منت کہا کہ اب تو اِس قیدِ تنہائی کی مصیبت سہتے سہتے میرا دل تنگ ہو گیا اور میں اپنی زندگی سے عاجز آ گیا۔ اب ایک ساعت کے لیے بھی اِس حجرہ میں رہنا نہیں چاہتا۔ آپ مہربانی فرما کر مجھے باہر نکال دیجیے آگے یا قسمت یا نصیب! اُنھوں نے میرا کہنا مان لیا اور حجرہ سے مجھے اپنے کاندھے پر چڑھا کر باہر اُس مقام پر لے گئے جو مقامِ قائم علیہ السلام کے مبارک نام سے مشہور ہے۔ وہ مجھے وہاں بٹھلا کر اپنے کپڑے کو حوض میں دھو کر اور پھر ایک درخت پر سوکھنے کے لیے ڈالکر بدستور صحرا کی طرف چلے گئے۔ میں اُس مقام پر اپنی موجودہ تنہائی اور بدمستی و بےپائی کی حالت میں بیٹھا ہوا اپنی ناکامی اور سخت جانی پر ملول و محزون ہو رہا تھا کہ اتنے میں ایک جوانِ رعنا خوش چہرہ و خوشبو سامنے سے نمودار ہوا۔ اور اُس مقام کے صحنِ مقدس میں داخل ہوا۔ مجھے سلام کیا۔ پھر اُسی مبارک عمارت میں چلا گیا جو جناب قائم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ اور وہاں محراب میں استادہ ہو کر اُس نے اس خضوع و خشوع کے ساتھ چند رکعتیں نماز کی پڑھیں کہ میں نے

آج تک ایسا خضوع و خشوع کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نماز سے فراغت کر کے وہ باہر نکل آئے اور میرے پاس تشریف لا کر مجھ سے میرا حال دریافت کرنے لگے۔ میں نے عرض کی کہ میں عرصہ سے اِن حالتوں میں گرفتار ہوں اور اِن مصیبتوں میں مبتلا ہوں اور عاجز آگیا ہوں خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ نہ مجھے شفا دیتا ہے کہ میں صحیح و سالم ہو جاؤں اور نہ مجھے موت ہی دیتا ہے کہ میں اِن تکلیفوں سے نجات پا جاؤں۔ یہ سُنکر ارشاد فرمایا کہ تم نہ گھبراؤ خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ یہ دونوں اُمور تمہیں عنایت فرمائیگا۔ تمہیں شفا بھی ہو جائیگی اور بعد شفایابی کے تمہاری اجلِ موعود بھی آجائیگی۔ یہ فرما کر وہ صحنِ مقدّس سے باہر تشریف لے گئے۔ اُنکے تشریف لیجانیکے بعد میرے رفیق کا وہ پیراہن جسے وہ دھو کر درخت پر خشک ہونیکے لیے لٹکا گئے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ درخت سے نیچے گر پڑا مجھ سے یہ دیکھکر نہ رہا گیا۔ میں نے اُسے فوراً اُٹھا لیا اور نجس ہو جانیکے خیال سے بارِ دیگر اُسے طاہر کیا اور اُسی طرح درختِ مذکور پر پھر لٹکا دیا۔ جب اتنے کام ایک دم کر چکا تو مجھے خیال آیا کہ مجھ سے ایک قدم تو گیا۔ اِس کروٹ سے اُس کروٹ بدلنے کی تو طاقت تھی ہی نہیں۔ اتنے کاموں کے کرنیکی قوت اِس وقت کہاں سے آگئی۔ یہ سوچکر میں نے اپنی طبیعت اور اپنے مرض دونوں کا بخوبی اندازہ کیا تو طبیعت پر مرض کا کوئی اثر نہ پایا۔ اِس امر کے معلوم کرتے ہی مجھے کامل یقین ہو گیا کہ وہ جوانِ رعنا ضرور قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام تھے۔ اور کوئی نہیں۔ میں فوراً اپنی مقام سے اُٹھا اور صحرا میں اِدھر اُدھر آپ کو تلاش کرنے لگا مگر کہیں کو کسی طرف نہ پایا۔ آخر کار مجھے سخت حسرت اور ندامت حاصل ہوئی۔ میں اپنی جگہ پر چلا آیا۔ اتنے میں میرا رفیق بھی صحرا سے واپس آیا اور میری موجودہ حالت اور فوری صحت کو دیکھکر سخت متعجب اور حیران ہوا۔ اور مجھ سے میری صحتیابی کا باعث پوچھنے لگا۔ میں نے ساری روئداد جو ابھی ابھی آنکھوں سے دیکھی تھی اُس سے بیان کردی۔ وہ میرے واقعہ کو سُنکر میری اور اپنی محرومی قسمت کی سخت حسرت و افسوس کرنے لگا۔ اسکے بعد ہم اور وہ دونو نجفِ اشرف کی طرف واپس آئے۔

نجفِ اشرف کے تمام اکابر و عمائد کا بیان ہے کہ راوی حدیث اُسوقت تک صحیح و سالم تھا جبتک کہ اُس کے ہمراہی حج بیت اللہ معظم کے مناسک بجالا کر پھر نجفِ اشرف واپس آئے۔ اور وہ ان لوگوں سے اپنی اسی صحت و تندرستی کی حالت میں ملا۔ اور وہ لوگ اُس کو صحیح و سالم اور قوی و توانا پا کر از حد مسرور ہوئے۔ اسکے بعد وہ تھوڑے دنوں تک زندہ رہا۔ پھر بیمار ہو کر مر گیا۔ اور وہیں صحنِ مقدّس میں مدفون ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

بہر حال ہم اُن تمام کثیر التعداد واقعات سے جو اِس بحث کے ثبوت میں ہمارے پیشِ نظر ہیں قطع نظر کر کے صرف مندرجہ بالا واقعات و مشاہدات پر اکتفا کرتے ہیں اور انہی کو اپنی تصدیق و توثیقِ مدعا کیلیے کافی سمجھتے ہیں۔ ہماری کتاب کے ناظرین اِن اخبار اور روحانی آثار کو پڑھکر بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ غیبتِ کبریٰ کے موجودہ ایّام میں رؤیتِ امام علیہ السّلام ممکنات سے ہو بھی تاہم اسکا امکان ہماری سعی و کوشش سے نہیں ہو سکتا ہے بلکہ اِسکا ہونا اور نہ ہونا مشیّت تقدیر اور ارادۂ الٰہی پر منحصر ہے اِنَّ اللہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ مبدءِ فیض سے یہ سعادت اور شرفِ خاص بھی اُنہی سعادتمندانِ زمانہ کو منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے جنکی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی کا امتحان خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ قبل ہی سے لے چکتا ہے اور اُن کے خلوص و عقیدت کو پورے طور پر آزما لیتا ہے۔ تا وقتیکہ اُن کا خلوص اور کمال اِسدرجہ تک ثابت نہ ہو وہ اپنی اِن تمناؤں پر فائز نہیں ہوتے اور پھر بھی فائز بزیارت ہوئے۔ اور تو بھی رؤیتِ امام علیہ السّلام حاصل بھی ہوئی تو بھی معرفتِ امام تو نہیں حاصل ہوتی۔ اس طرح کہ کسی خاص موقع پر ایسے لوگوں کو زیارت کا شرف حاصل ہوا مگر معرفت نہیں کرائی گئی جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کو مطلق نہیں پہچان سکے۔ اِس وجہ خاص میں جو راز مضمر ہے وہ خدائے تعالےٰ کے اسرار کی محافظت ہے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ایسے تمام واقعات اور مشاہدات کے موقعوں

اگر رؤیت کے ساتھ ساتھ معرفت کی شرط بھی لازم کردی جاتی
تو موجودہ نظامِ غیبت اور فوائد میں انواع و اقسام کے فساد
اور خلل کا پورا احتمال تھا۔ ہاں غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں
جو واقعات ایسے پیش آئے وہ اوپر اسی کتاب میں بیان ہو چکے
ہیں۔ اُن میں بسا اوقات رؤیت کے ساتھ ساتھ معرفت بھی
کرا دی گئی ہے۔ اور اسم مبارک بھی بتلا دیا گیا ہے۔ اور اسکی
وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ غیبتِ صغریٰ کے ایام تک آپ کا قیام
حجاز و عراق کے کسی مقام پر ضرور تھا۔ تمام اس سے کہ آپ کہیں
تشریف فرما ہوں۔ اس لیے رؤیت کا مسئلہ قطعی ممنوع یا غیر
ماذون نہیں ہو سکتا تھا۔ اگرچہ اُس زمانہ میں بھی ہر واقعہ
رؤیت کے ساتھ معرفت کا شرط ہونا بھی ہم تسلیم نہیں
کرتے مگر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ غیبتِ کبریٰ کے موجودہ ایام
کی طرح اسوقت رؤیت اور معرفت ناممکن الوقوع نہیں تھی۔
غرضکہ یہ تمام اُمور مصالحِ ایزدی کے متعلق تھے۔ اور اُسی کے
ارادے اور تدبیر کے ساتھ پورا واسطہ اور سروکار رکھتے تھے
سوائے اُس مدبرِ حقیقی کے کسی دوسرے کو اسمیں مداخلت کا
کوئی حق حاصل نہ تھا۔ وہ جس وقت اور جس شخص کے ساتھ جیسی
مصلحت سمجھتا تھا اپنے ارادہ اور اپنی تدبیر سے اُن امورِ مخصوصہ
کے متعلق اپنے احکام نافذ فرماتا تھا۔ چونکہ ہمنے اپنی موجودہ کتاب
میں یہ ترتیب ہمیشہ سے مدنظر رکھی ہے کہ جناب قائم آلِ محمد
علیہ السلام کے تمام واقعات۔ حالات اور مشاہدات کو انبیا
و اوصیائے سابقین کے گذشتہ واقعات سے مطابق کرکے اپنی
کتاب کے ناظرین کی تشفی اور اطمینان کر دیں اس لیے ہمارا
فرض ہے کہ ہم ان حالات اور واقعات کی تمثیل بھی اُن خاصانِ
الٰہی کے گذشتہ حالات و واقعات میں دکھلا کر اپنے دعوے کی
پوری تصدیق و توثیق کرا دیں۔ ہم اس سے قبل اکثر مقامات پر
اسی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے
حالات اور واقعات کو انبیائے سابقین اور اوصیائے گذشتین
سلام اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ پوری مشابہت اور مطابقت
حاصل ہے۔ اسی بنا پر ضرور ہے کہ آپکی صورت اور آپکی سیرت
آپکی صفات اور آپکی صفات باہم مطابق اور موافق ہوں۔ جیسا
کہ اسلام کے سچے اصول۔ جملہ انبیا و اوصیا سلام اللہ علیٰ نبینا
و علیہم کی معرفت کے متعلق ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ ہم اس کی
تصدیق و توثیق میں اپنی کتاب کے ناظرین کا زیادہ وقت
ضائع نہونے دینگے اور انکو بہت جلد بتلا دینگے کہ انبیائے سابقین
سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرہ میں بھی جن حضرات کو
غیبت کا حکم ملا تھا اُن کے حالات و واقعات بھی آثارِ قدیمہ میں
ایسے ہی پائے جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے ان اخبار و آثار کو مطالعہ فرمایا
ہے وہ ان حالات اور واقعات سے بخوبی واقف ہیں۔

زمرہ انبیا علیہم السلام میں سب سے پہلے جناب
ادریس علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کو ایک خاص میعاد تک
ظلمہ وقت کی ایذا رسانی اور ہلاکتِ جانی کے خوف سے غیبت
کا حکم ملا تھا۔ اور آپ اُس زمانہ محدودہ تک آس پاس کے
پہاڑوں اور دروں میں پوشیدہ رہے تھے۔ رزاقِ مطلق
اور حافظِ برحق بحکم یَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
آپکو آپکی قوتِ لایموت بھی پہنچاتا رہتا۔ اور اُسی تنہا۔ ویران اور
سنسان مقام میں جہاں کبھی انسانی بود و باش کا کسی کو خیال
بھی نہ آتا ہوگا آپکی پوری پوری نگرانی اور محافظت بھی فرماتا رہتا۔
جناب ادریس علیہ السلام ایک مدت تک عبادت گزاری اور
طاعتِ باری عزاسمہ میں شب و روز بسر کرتے رہے۔ اس
درمیان میں آپ کے وہ عقیدتمند اور کامل الایمان معتقدین
جو آپکی نبوت کے قائل تھے آپ کا سُراغ لگاتے رہتے اور جنگل
میدان اور مختلف ویرانوں میں چکر کھاتے کھاتے منزلِ مقصود
تک بمشکل پہنچے۔ چونکہ وہ علام الغیوب انکے اخلاص اور ایمان
فی القلب سے واقف تھا اور یہ بھی بذاتِ خاص اپنی راسخ
الاعتقادی اور کامل الایمانی کے امتحان میں پورے اور کامل
اُتر چکے تھے۔ اس لیے اس واہب العطایا اور خالق البرایا نے
اپنی حجتِ عصر اور نبی زمان علیہ السلام کو اُن سعادتمندانِ زمانہ
کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا اور اس طرح انکو اُنکی شرعی اور
دینی ضرورتوں کے پورا کرنے سے جنکے لیے وہ اپنے مقتدا اور
پیشوا کی خدمت میں اتنے مصائب برداشت اٹھا کر پہنچے
تھے قطعی محروم رکھنا انکو اُمی دشمن سے بدقسمت رکھنا غضب

اپنی رحمت اور عام مرحمت کے محض خلاف سمجھا۔ اپنے رسول اپنے پیغمبر سلام اللہ علیہ کو رُویت کا حکم دیدیا اور ان خالص الایمان مومنین کو اپنے پیغمبر کا جمالِ باکمال دکھلا دیا۔ وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو ضرورت تھی حضورِ پیغمبر علیہ السّلام میں پیش کر کے اُسکے متعلق ضروری اور مناسب حکم سُنکر ہر شخص اپنے جداگانہ مطالب اور مقاصد پر فائز ہو گیا۔ ان خالص الاعتقاد حضرات کی آمد و رفت ایک عرصہ تک قائم رہی۔ اپنی دینی اور شرعی ضرورتوں کے وقت یہ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے ارشاد و ہدایت سے مستفاد و مستفیض ہوتے رہے۔ تا اینکہ اُس ظالم وقت حکمران کے ایامِ سلطنت تمام ہو گئے۔ اور وہ عام بیدینی والحاد کفر و ارتداد جو اُس تیرہ و تار زمانہ میں تمام عالمگیر ہو رہا تھا۔ اُٹھ گیا۔ تب جنابِ احدیت عزّاسمہٗ نے حضرت ادریس علٰے نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام کو پھر اپنی قوم اور اُمّت کی طرف مراجعت فرمانے کی اجازت دیدی۔

اِن کے بعد قومِ عاد کے واقعات میں جنابِ ہُود علٰی نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام کی غیبت کے بھی ایسے ہی حالات پائے جاتے ہیں اِن کے بعد جناب صالح علٰی نبیّنا و علیہ السّلام کے واقعات و حالات بھی ایسے ہی ہیں۔ اِن دونوں بزرگواروں کے اپنی اپنی اُمّت کے گنہگار اور بدکردار ہو جانیکے بعد جب نزولِ عذاب کے علامات و آثار ملاحظہ فرمائے تو خدا تعالٰے نے نزولِ بلا سے پہلے اِن حضرات کو اُنکی گنہگار اُمّت کے درمیان سے علٰحدہ کر دیا۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی اپنی اُمّت بدکردار کے ہاتھوں طرح طرح کے مظالم اور آزار اُٹھا اُٹھا کر آخر کار ایک میعادِ خاص تک کے لیے جو کئی صدیوں تک کی بتلائی جاتی ہے غیر متعارف مقامات میں پوشیدہ رہے جہاں سکونتِ بشری کا سوتے جاگتے کبھی خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ واماندگانِ اُمّت میں سے وہ نفوسِ خالص جنکے اخلاص و اعتقاد کا امتحان اور آزمائش پہلے سے ہو چکی تھی۔ اپنے اپنے پیغمبرِ زمان کی مفارقت کو اپنی ضروریاتِ دینیہ کے باعث کسی طرح برداشت نہ کر سکے بالآخر بیچین اور مُضطرب الحال ہو کر اپنے اپنے گھروں سے شوقِ زیارت میں نکل کھڑے ہوئے۔ خدائے سبحانہٗ و تعالٰے کی رحمت نے بھی اِن سعادتمندوں کو حصولِ سعادت سے باز نہ رکھا۔ اور اِن مشتاقینِ زیارت کو اُن انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کا جمالِ باکمال دکھلا ہی دیا۔ جلّ جلالہٗ و عمّ نوالہٗ۔

یہ تو بہت سابق زمانہ کے حالات تھے۔ ایامِ فترت میں جنابِ یونس علٰے نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام کی غیبت کے حالات دیکھے جاتے ہیں تو اُنکے واقعات بھی ایسے ہی ثابت ہوتے ہیں۔ اِن سے قبل جنابِ عُزَیر اور عُزَیر سلام اللہ علٰے نبیّنا و آلہ و علیہما السّلام کی طولانی غیبت بھی ایک معتدبہ زمانہ تک تاریخوں سے اور تمام مقدس کُتب سے ثابت ہوتی ہے اِسی درمیان میں اِن میں سے ایک کے لیے خدا تعالٰی نے اُن تمام لوگوں کی استخوانوں کو اپنی قدرت سے بارِ دیگر زندہ فرمایا اور کتمِ عدم سے معرضِ وجود میں لایا۔ جو خوفِ طاعون سے بے حکمِ الٰہی اپنے اپنے گھر چھوڑ کر اِس میدان میں بھاگ آئے تھے اور دوسرے کو تخمیناً سو برس کے لیے موت دیکر پھر مبعوث فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا نمونہ قرار دیا۔

بہرحال۔ یہ واقعات ایسے متواتر ہیں کہ مجھکو ان کی تصدیق و توثیق بہم پہنچانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اِن کے لکھنے اور دکھلا دینے سے مؤلف کا مقصود جو کچھ تھا وہ یہی ہے کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے تمام ابتدائی حالات اور واقعات سے پوری پوری مماثلت حاصل ہے اُسی طرح آپ کے آخری واقعات کو بھی اُن حضرات ع کے حالات سے کامل مشابہت ہے۔ اِس بحث سے پہلے جو مبحث ہماری کتاب میں قلمبند کیے گئے ہیں اُن میں اُن سعادتمندانِ زمانہ کے احوال خصوصیت کے ساتھ درج کیے گئے ہیں جو غیبتِ صغرٰی کے ایام میں جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کی رؤیت اور زیارت کے شرف سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اُن کے بعد مندرجہ بالا اہم بحث نے خاص طور پر اُن خوش قسمت بزرگواروں کے حال میں لکھی ہے جنہوں نے غیبتِ کبرٰی کے زمانہ میں (جو موجودہ زمانہ ہے) آپکی رؤیت کی عزت، یا کسی نہ کسی طرح

حضور میں رسائی کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ الغرض ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ تمام واقعات کچھ آپ ہی کے ساتھ محدود نہیں ہیں بلکہ اممِ سابقہ کے زمانہ میں بھی انبیاؑ و اوصیا و سلام اللہ علیہم اجمعین کی غیبت کے موقعوں پر بھی قدرتِ الٰہی کے نظام اور مشیتِ خداوندی کے ایسے ہی احکام نفاذ پذیر ہو چکے ہیں اور اُممِ سابقہ کے خالص الاعتقاد اور کامل الایمان حضرات بھی امتناعِ رؤیت و زیارت کے حکمِ عام سے مستثنٰے فرمائے گئے ہیں۔ جب ہم کو اس استثناء اور برأت کی مثال اس کثرت کے ساتھ اخبارِ قدیمہ سے مل رہی ہے تو ہم کو جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے زمانۂ غیبت میں بھی ان واقعات اور اُن خوش نصیبوں کے حالات کو بھی انہی کا معادل اور مساوی سمجھ لینا چاہیئے۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف کے ہر نمبر میں بوضاحتِ تمام دکھلا آئے ہیں کہ کوئی حالت ہو۔ کوئی وقت ہو۔ امام اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا۔ ایسی مجبوری اور معذوری کی خاص حالتوں میں بھی مشیتِ الٰہی اور ارادۂ ایزدی اُسکی کشود کاری اور مطلب برآری کا کوئی نہ کوئی سامان ضرور فراہم کر دیتی ہے اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اسی کی تعریف ہے۔ اپنے سلسلۂ بیان کے قائم رکھنے کے لیے ہم اس مقام پر لکھے دیتے ہیں کہ اپنی غیبت اور امتناعِ رؤیت کے ایسی مجبوری کے زمانہ میں بھی جب ظلمۂ وقت اور جبابرۂ عہد کی کفر کرداریوں کی وجہ سے رؤیت یا زیارت کے عنوان کسی طرح امکان کی صورت نہیں رکھتے تھے تو بھی آپ نے ان تمام ضروریاتِ مقدسہ کو جو آپکے فرائضِ امامت میں داخل تھے اُسی طرح اُنکی تمام شرائط کے ساتھ انجام دیا جس طرح آپ سے قبل آپ کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین انجام دے چکے تھے۔ ان تمام واقعات کی کامل تشریح اور کافی تصریح اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں بیان ہو چکی ہے۔ اس لیے اُن کے بارِ دیگر اعادہ سے ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو طول دینا محض بیکار اور فضول سمجھتے ہیں لہٰذا ہم اپنی موجودہ بحث کو تمام کر کے ذیل میں اُن سعادتمندان زمانہ کے صرف نام نامی اور اسمائے گرامی درج کیے دیتے ہیں جنہوں نے غیبتِ کبرٰی کے خاص ایام میں آپکی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اس وجہ سے کہ اُن میں سے ہر ایک بزرگ کے علیحدہ علیحدہ واقعات لکھنا اور شروع سے لیکر آخر تک انکے کل حالات قلمبند کرنا کس قدر طوالت کا باعث ہوگا اور پھر یہ مضامین بطورِ خود ایک طولانی دفتر ہو کر ناظرینِ کتاب کے باعثِ غم ہونیکے علاوہ خواہ مخواہ زوائد اور حشویات میں داخل سمجھے جائینگے ان مجبوریوں سے اُن کی تفصیل کُتبِ مبسوطہ کے حوالہ پر چھوڑی جاتی ہے اور حسبِ وعدہ صرف اُن بزرگواروں کے مجموعہ کی تصریح و تفصیل پر اکتفا کیجاتی ہے۔

غیبتِ کبرٰی میں مشرف بزیارت ہونے والوں کے نام اور اُنکی سکونت کے مقام

فریقین کے علماء نے لکھا ہے کہ جنابِ صاحب الامر علیہ السلام کے دیکھنے والے دو قسم کے حضرات تھے۔ ایک تو وہ جو منجانب امام علیہ السلام ایام غیبتِ صغرٰی میں نیابت و وکالت کے عہدوں پر ممتاز رہ چکے تھے۔ دوسرے وہ بزرگوار جو اگرچہ ان خدمات پر فائز تو نہ تھے مگر اُن کی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی ایسی ہی صادق اور صحیح ثابت ہوئی تھی کہ ان کے اس اعزاز سے معزز اور اس شرف سے مشرف ہونیکا باعث ہوئی۔ بہرحال ان بزرگواروں کی مکمل اور مفصل فہرست یہ ہے شہر بغداد میں عمری اور اُن کے صاحبزادے۔ حاجز۔ بلالی اور عطار تھے۔ کوفہ میں عاصمی۔ اہواز میں محمد ابن ابراہیم مہزیار۔ قم میں احمد ابن اسحٰق۔ ہمدان میں محمد ابن صالح۔ رے میں بسّامی اور اسدی۔ آذربائیجان میں قسم ابن علاء۔ نیشاپور میں محمد ابن شاذان۔ یہ بزرگوار وہی تھے جو مندرجہ مقامات میں آپ کی طرف سے اُن خدمات پر مامور تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اب ہم ذیل میں اُن کے نام اور سکونت کے مقام بھی لکھے دیتے ہیں جو ان خدمات سے تعلق نہیں رکھتے تھے مگر زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

شہر بغداد از ۔ ابی قسم ۔ ابن ابی جالس ۔ ابی عبداللہ کندی ۔ ابی
عبداللہ جنیدی ۔ ہارون قزاز ۔ نیلی ۔ ابی قسم ابن رہیس ۔ ابی عبداللہ
ابن فروخ ۔ مسرور ۔ طباخ غلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام
احمد و محمد پسران حسن ۔ اسحق کاتب ۔ قبیلۂ نوبخت ۔ صاحب قراء
اور صاحب صرہ مختومہ ۔ ہمدان میں محمد ابن کشمرد ۔ جعفر ابن ہمدان
محمد ابن ہارون ابن عمران ۔ دینور میں حسن ابن ہارون ۔ احمد ابن اخیہ
او ابو الحسن ۔ اصفہان ۔ ابن باذشالہ ۔ صیمرہ میں زیدان ۔ قم
میں حسن ابن نضر ۔ محمد ابن محمد ۔ علی ابن محمد ۔ ابن اسحاق اور انکے
والد ماجد حسن ابن یعقوب ۔ رے میں قسم ابن موسیٰ اور ان کے
صاحبزادے ابو محمد ابن ہارون ۔ صاحب حصاۃ ۔ علی ابن محمد ۔
محمد کلینی اور ابو جعفر ۔ قزوین میں مرداس اور علی ابن احمد قابس
میں دو حضرات جن کے نام نہ معلوم ہو سکے ۔ رونیز میں ابن الخلیل
فارس میں مجروح ۔ شہرزور میں صاحب ہزار دینار ۔ صاحب رقعہ ۔
بیضاء مال اور ابو ثابت نیشاپور میں محمد ابن شعیب ابن صالح
یمن میں فضل ابن یزید اور ان کے صاحبزادے جعفری ۔ ابن
عجمی ۔ شمشاطی ۔ مصر میں صاحب دو مولود ۔ شہر مکہ میں صاحب
مال اور ابو رجا ۔ نصیبین میں ابو محمد ابن وجنا اور شہر اہواز
میں حصینی ۔ شیخ ابو القاسم حسین ابن روح نوبختی تمیمی ابی علی ابن
محمد سمری ۔ حکیمہ خاتون دختر جناب امام محمد تقی علیہ السلام ۔ نسیم خادم
جناب امام محمد تقی علیہ السلام ابو نصر طریف خادم آنحضرت علیہ
السلام کامل ابن ابراہیم مدنی و نبد ۔ خادم ۔ عجوزہ قابلہ مربیہ
احمد ابن بلال ابن داؤد ۔ کاتب عامی ۔ خادمہ آنحضرت علیہ السلام
جاریہ ابو علی خیزرانی ۔ ابی غانم خادم آنحضرت علیہ السلام
وجمعے از اصحاب و ابو ہارون ۔ معویہ ابن حکیم محمد ابن الحرب
ابن نوح عمر اہوازی ۔ مرد فارسی محمد ابن اسمٰعیل ابن موسےٰ
ابن جعفر علیہم السلام ابو علی ابن مطہر ابراہیم بن عبدہ نیشاپوری
وخادمہ اور رشیق ہاشمی یا دو نفر (نام نامعلوم) ابن عبداللہ
ابن صالح ابو علی احمد ابن ابراہیم ابن ادریس جعفر ابن ہادی علیہ
السلام مروے از جلا وزہ (نام نامعلوم) ابو الحسین محمد ابن احمد
محمد ابن خلف یعقوب ابن منقوش ابو سعید غانم ہندی محمد ابن
شاذان کابلی عبداللہ سوری حاجی ہمدانی سعید ابن عبداللہ

قمی اشعری ابراہیم ابن محمد ابن فارس نیشاپوری علی ابن ابراہیم
مہزیار سلیمان ابن نعیم انصاری ۔ زیدی ہرغزی ابو علی محمد
ابن احمد محمودی و ہلال کلینی ابو ہیثم دینار ی انباذی
ابو جعفر احول ہمدانی محمد ابن ابو القاسم عنوسی عقیقی مع تین نفر
جد ابی الحسن ابن وجنا ابو الادیان خادم جناب امام حسن عسکری
علیہ السلام ابو الحسن محمد ابن جعفر حمیری اہل قم کی ایک جماعت
(نام و شمار نامعلوم) ابراہیم ابن محمد ابن احمد انصاری ۔
محمد ابن عبداللہ ہاشمی قمی ۔ یوسف ابن احمد ۔ احمد ابن عبداللہ عباسی
ابراہیم ابن محمد تبریزی ۔ یاسی اور ان کے توہمراہی ۔ حسن ابن
عبداللہ تمیمی ۔ زیدی ۔ زہری ۔ ابو سہل اسمٰعیل ابن علی نوبختی ۔
عقید حبشی نوبی خادم حضرت ہادی علیہ السلام و مربی جناب
امام حسن عسکری علیہ السلام ۔ یعقوب ابن یوسف ضراب غسانی
با اصفہانی راوی صلوات کبیرہ عجوزہ خادمہ حضرت امام حسن عسکری
علیہ السلام جو مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں مقیم تھیں ۔ محمد ابن حسن
ابن عبدالحمید ۔ پدر بایزید ۔ غلام احمد ابن حسن مادرانی ۔ ابو الحسن
عمری برادر محمد ابن عثمان رض نائب دوم ۔ عبداللہ سفیان ۔ ابو الحسن
حسینی ۔ محمد ابن عباس قصری ۔ ابو الحسن علی بن حسن یمانی ۔ دو مرد مصری
جنہوں نے حمل فرزند کے لیے دعا کی تھی ۔ سروانہ عابد متہجد اہوازی ۔
ام کلثوم دختر ابی جعفر ۔ محمد ابن عثمان عمری ۔ رسولی قمی ۔ سنان موصلی ۔
احمد ابن حسن ابن احمد کاتب ۔ حسن ابن علی ابن محمد معروف بہ ابن
بغدادی ۔ محمد ابن حسین صیرفی ۔ بزاز قمی ۔ جعفر ابن احمد ۔ حسن ابن
قطاۃ صیدلانی ۔ وکیل وقف در واسط ۔ احمد ابن ابی روح ۔ ابو الحسن
خضر ابن محمد ۔ ابی جعفر محمد ابن احمد ۔ ضعیفہ دینوری ۔ حسن ابن حسین
استر آبادی ۔ مرد استر آبادی ۔ محمد ابن حسین کاتب مروزی ۔ مرد
مدائنی مع رفیق ۔ علی ابن حسین ابن موسےٰ ابن بابویہ القمی والد
علامۂ شیخ صدوق نور اللہ مرقدہما ۔ ابو محمد ۔ علی ۔ ابو غالب احمد
ابن محمد سلیمان رازی ۔ حسن ابن حمدان ناصر الدولہ ۔ احمد ابن سورہ
محمد ابن حسین ابن عبداللہ تمیمی ۔ ابو طاہر علی ابن یحییٰ رازی ۔ احمد
ابن ابراہیم ابن مخلد ۔ محمد ابن علی الاسود ۔ داؤدی ۔ عفیف حامل
حضرت علیہ السلام از مدینہ منورہ تا سامرۂ مقدسہ ۔ ابو محمد شمالی ۔
محمد ابن احمد ۔ وہ شخص جسکی معرفت عکرا بن توقیع موصول ہوئی

نجفی۔ [۲۱۸] عیشان۔ [۲۱۹] حسن ابن جعفر قزوینی۔ [۲۲۰] مرد قاسمی۔ [۲۲۰] ابوالقاسم بابیبی۔ [۲۲۱] نصر ابن صباح۔ [۲۲۲] احمد ابن محمد ستراق دینوری۔ [۲۲۳] ابوالعباس ملقب بہ استاد۔ [۲۲۴] احمد برادرزادہ حسن ابن ہاشن۔ [۲۲۵] محمد ابن احمد ابن جعفر القطان وکیل۔ [۲۲۶] حسن ابن محمد اشعری۔ [۲۲۷] محمد ابن جعفر وکیل۔ [۲۲۸] مرد آبی قصبہ آبہ کا باشندہ [۲۲۹] ابوطالب خادم [۲۳۰] مرد مصری [۲۳۱] مرد آس بن علی [۲۳۲] ایک شخص رفیق حمیدہ کا باشندہ۔ [۲۳۳] ابوالحسن ابن کثیر نوبختی [۲۳۴] محمد ابن علی شلمغانی [۲۳۵] رفیق ابیطالب رازی [۲۳۶] ابن رئیس [۲۳۷] ہارون ابن موسیٰ ابن الفرات [۲۳۸] محمد بن یزد [۲۳۹] ابوعلی شبلی [۲۴۰] جعفر بن عمر [۲۴۱] ابراہیم ابن محمد ابن الفرج الرحجی [۲۴۲] ابو محمد ہروی [۲۴۳] غزال یا زلال کنیز موسیٰ ابن عیسےٰ ہاشمی [۲۴۴] ضعیفہ صاحب حقہ [۲۴۵] ابوالحسن احمد ابن محمد ابن جابر بلاذری عالم اہل سنت صاحب تاریخ الاشراف [۲۴۶] ابوالطیب احمد ابن محمد ابن بطہ۔ [۲۴۷] احمد ابن حسن [۲۴۸] ابی صالح خجندی پسر خواہر ابی بکر ابن نخالی عطار صوفی جو شہر اسکندریہ میں آنحضرت علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے (غایۃ المقصود مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۹)

ہم نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں اتنے سعادتمندان زمانہ کے نام لکھدیے ہیں جو جناب صاحب الامر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اِس میں ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ ہیں۔ اِن کے جداگانہ واقعات سے وہ تمام اسباب اور بواعث معلوم ہو سکتے جن کی بنا پر وہ اِس سعادت مخصوصہ کے لیے منجانب اللہ ماذون کیے گئے تھے۔ مندرجہ بالا فہرست میں وکلاء۔ سفراء اور نائبین بھی شامل ہیں۔

بہر حال۔ اِن تمام دلائل سے جو اوپر لکھی گئیں اور نیز اُن مباحث سے جو اس سے پہلے قلمبند ہو چکے ہیں یہ امر پورے طور سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان غیبت کبریٰ کے ایام موجودہ میں بھی اپنے خلوص و اعتقاد کے امتحان میں خدا کے آگے ویسا ہی کامل اور پورا اترے تو انشاء اللہ تعالیٰ جیسا کہ متعدد اور متواتر واقعات اور مشاہدات سے اوپر ثابت ہو چکا ہے ویسا ہی وہ رؤیت مبارک اور زیارت مقدس کے شرف و اعزاز سے۔ عام اس سے کہ وہ زیارت بلا معرفت ہو یا بامعرفت ضرور مشرف ہو سکتا۔

وجودِ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے متعلق اور دلائل

ہم اپنی بحث کو اِسکی تمام ضروری باتوں کے ساتھ کامل طور سے بیان کر کے اپنے سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنی آئندہ بحث میں جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے وجود بیچون اور آپ کی امامت کے متعلق وہ باتیں ذیل میں درج کرتے ہیں جو عموماً متنازع فیہ خیال کی جاتی ہیں۔

اگرچہ اِن مباحث کو ظاہری طور پر ہماری موجودہ تالیف سے اصولِ تاریخی کی بنا پر کوئی خاص تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ مگر چونکہ ہمارا نظامِ تالیف اور سلسلۂ ترتیب ہم کو اس امر پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم اپنی موجودہ سیرت نگاری کی ضرورت اور اپنی موفقانہ خدمات کی انجام دہی کی اعتبارات جناب صاحب العصر والزمان علیہ السلام کے متعلق اُن تمام حالات اور واقعات کو پوری تفصیل اور کامل تشریح کے ساتھ قلمبند کر دیں۔ جو آپ کی ذات مجمع الحسنات سے وابستہ پائے جاتے ہوں۔ نیز اُن امور کی تصریح و توضیح بھی کامل درجہ کر دی جائے جو عام غلط فہمی اور کم بینی کی وجہ سے عام نگاہوں میں مشتبہ اور مشکوک ہو کر اکثر حضرات کی حیرانی اور غیر اطمینانی کا باعث ہو رہے ہیں۔

الحمد للہ علے احسانہ۔ ہم اپنا فرض منصبی جو آپ کے حالات اور واقعات کی تحریر و تفصیل سے تعلق رکھتا تھا بخیر و خوبی انجام دے چکے۔ اور آپ کے روزِ ولادت سے لیکر غیبت کبریٰ کی ابتدا کیا۔ نیز زمانہ موجودہ تک لکھ چکے۔ اِس کے بعد ہم اپنے دوسرے تالیفی فرائض کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو عدم واقفیت اور جہالت کی وجہ سے عام لوگوں کو جناب صاحب الامر علیہ السلام کے متعلق لاحق ہوا کرتے ہیں۔

ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ ہم اپنی موجودہ کتاب کے عنوان میں پہلے ہی لکھ آئے ہیں اور اِس مقام کے علاوہ اکثر دوسرے مقاموں پر بھی لکھ چکے ہیں کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی مبارک سیرت کے تمام و کمال حالات اور

آپ کی امامت وہدایت وغیرہ کے سارے واقعات ظاہری طریقوں سے زیادہ باطنی طور پر ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ آپ کے احکام کے نفاذ۔ آپ کے ارشاد وہدایت۔ نظامِ اُمّت۔ حفاظتِ شریعت واحیائے سنّت وغیرہ۔ غرض اِن امور کے متعلق تمام خدمات جو آپ کی ذاتِ والاصفات سے ظہور میں آئیں وہ سب کی سب مشیّتِ الٰہی اور مصلحتِ ایزدی سے متعلق تھیں۔ تدابیرِ انسانی تجاویزِ بشری کو اُن میں کوئی مداخلت نہ تھی۔ اگرچہ اور تمام انبیاؑ واوصیا سلام اللہ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السّلام کی نسبت بھی اُن کے تمام اوامر ونواہی کو عینِ مشیّتِ خداوندی اور ارادۂ الٰہی کے مطابق تسلیم کرنا ہوگا۔ مگر چونکہ سابق تمام ایسے امور ہم کو ایک حجّتِ ظاہر کے ذریعہ سے پہنچے تھے۔ اِس لیے ظاہری طریقوں کو چھوڑ کر ہم کو اُن کے باطنی ذریعوں کے تلاش کرنے اور سمجھنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ بخلاف اُن حضراتِ مقدسہ کے ہمارے حضرت صاحب العصر والزّمان علیہ السّلام کے احکام جملہ امور آپکی زبانِ مبارک سے تو ہم کو پہنچے نہیں ہیں بلکہ حکمِ خداوندی اور مشیّتِ ایزدی کے مطابق۔ جن حضراتِ معتبرین و مستندین کے ذریعے سے اُس نے چاہا ہمکو پہنچایا ہے۔ اِنکے علاوہ آپ کی غیبتِ خاص کے حالات اور واقعات ہمکو بتلا رہے ہیں اور کامل طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کے جملہ امور بخلاف اور حجّتہائے الٰہی کے جو آپ سے دونوں غیبتوں کے ایّام میں ظاہر ہوئے وہ بالکل مشیّتِ الٰہی سے متعلق ہیں۔ اِس لیے ہم اِن امورِ مخصوصہ اور تدابیرِ مستورہ کی نسبت کسی کی تلاش۔ تحقیق یا کم سے کم کسی غور وفکر کو بالکل فضول اور بیکار سمجھ کر اِن تمام کوششوں کو بیجا مداخلت کی حدود تک پہنچا ہوا یقین کرتے ہیں۔ اور اُنکی اِن عملی کارروائیوں کو وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا کے بالکل خلاف سمجھتے ہیں۔

اِن تمام امور کے سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ جس طرح سے اور اسرارِ ربّانی کے سمجھنے کے لیے ہمارے ادراک اور فہم میں وسعت اور گنجائش نہیں ہے اُسی طرح اِن آثار وآیاتِ ربّانی کے سمجھنے کے لیے بھی نہ ہم میں اتنی استعداد ہے اور نہ جامعیت۔ نہ ہماری عقل میں اتنی قدرت ہے اور نہ ہمارے دماغ میں ایسی صلاحیت ہم ایک سے ہزار تک اور ہزاروں سے لاکھوں تک اپنی فکر پر فکر لڑائیں۔ خیال پر خیال اور قیاس پر قیاس دوڑائیں مگر کیا؟ تمام راستوں سے تھک کر اور اپنی مجبوری ومعذوری کے آخری مرکز پر واپس آکر یہی کہنے لگیں گے ؎

قسم خدا کی خدا کے بندو! خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

ہم کیا ہیں۔ ہمارے ایسے بلکہ ہم سے کہیں اچھے سینکڑوں نہیں ہزاروں نے اپنی اپنی مختلف فکروں میں اپنی عمریں گنوا دیں۔ اپنی جانیں کھپا دیں۔ مگر کیا ہوا۔ منزلِ مقصود تک رسائی نہ پا سکے پر نہ پا سکے۔ اِس دریائے ناپیدا کنار میں برسوں غوطہ لگاتے رہے مگر گوہرِ مدعا تک دسترس نصیب نہ ہوئی۔ اتنی جاں کاہ مسافت اور دوردراز سفر کے بعد جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ منزلِ مقصود ہنوز اتنی ہی دور ہے اور پائے رفتار بالکل معذور ہے ؎ ہفتاد ودو سال صرف کردم اما ✤ معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد

اسرارِ الٰہی اور غوامضِ لامتناہی کی یہی حالت ہے اُن کی عظمت وجلالت کے اعتراف کے لیے ہماری مجبوری کافی ہے اور اُسکے مصدرِ جلال کے آگے ہماری عبودیت کی اعلےٰ اور زیباترین شان یہی ہے کہ ہم اپنی تسلیم اور اجابت واطاعت کی گردن جھکا دیں۔ اپنی عبادت گزاری۔ عجز وانکساری کے سر نیہوڑا دیں۔ اُسکے مصلحت کے احکام مشیّت کے تمام انتظام۔ عام اس سے کہ ہماری دانست۔ ہماری عقل اور ہمارے شعور میں آئیں یا نہ آئیں اپنے لیے عین مصلحت سمجھ کر اُن کو مان لیں اور بغیر قصدِ مداخلت اُنکی تعمیل میں آمادہ ومستعد ہو جائیں ؏ اپنی یہی ہے شان فدا آپ کی شان کے۔

بہرحال۔ تمہیدًا اتنا بیان کر کے اب ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اور ایک ایک کر کے ان تمام شبہات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اب آپکے وجود ذیجود کے متعلق جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اہلسنّت والجماعت کے وسیع دائرۂ معتقدات میں جناب صاحب الامر مہدی آخرالزمان علیہ السّلام کی پیدائش ابھی

نہیں ہوئی ہے۔ اُس کا صحیح زمانہ بھی صاف نہیں بتلایا جاتا۔ صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ قریبِ قیامت آپ پیدا ہونگے مگر شیعہ فرقہ کے عقائد میں آپ کی پیدائش ۲۵۶ھ ہجری میں واقع ہوئی اور ۲۶۰ھ ہجری سے ۳۲۹ھ ہجری تک پورے ستر برس آپ غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں اپنی امارت وولایت کے تمام کام انجام دیتے رہے جیساکہ اس کتاب کے مندرجۂ بالا مباحث سے بتفصیل ثابت ہو چکا ہے۔

بہرحال۔ اِن اختلافات کی بابت جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فریقین کے نزدیک نہ آپ کے وجودِ بجود کی بابت اصلی مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے نہ اُن نصوصِ الٰہیہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا من اللہ الصلوات والتحیۃ کی نسبت جو آپ کے فضائل و مناقب اور اخبار و آثار کی خبر دیتے ہیں کوئی کلام۔ جو کچھ عذر ہے وہ یہی ہے کہ آپ ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ ایک وقتِ خاص میں پیدا ہونگے ہم نے جہاں تک اس خاص مسئلہ کی حقیقت میں غور کیا ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ اس انکار پر بھی سوادِ اعظم کے تمام علماء کا اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ اُن کے بڑے بڑے معتمد اور مستند علماء کی جماعت کی جماعت شیعوں کی طرح آپ کے پیدا ہو جانے کے مسئلہ کا اقرار کر چکی ہے۔ اور اُن کے اخبار و آثار کو اُسی طرح تسلیم کر چکی ہے جسطرح ایک شیعہ معتقدات کا شخص۔ اور انہوں نے اپنے طریقہ کے علماء کے سامنے جو اِس مسئلۂ خاص میں اُن کے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں۔ ان اخبار و آثار کو پورے دلائل اور براہین کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے اور اپنے مباحث کو اسانیدِ معتبرہ سے ثابت کرکے دکھلا دیا ہے کہ مخالف حکومت کے دباؤ اُن کے تعلق اور تملق نے ایسے روشن اور واضح امور پر تعصب اور نفسانیت کا تاریک پردہ ڈالدیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں اسکی اصلیت اور واقعیت کالشمس فی نصف النہار ہویدا و آشکار ہے۔ ان حضرات میں سب سے پہلے ہم علامہ بلاذری کا نام لکھتے ہیں

علامہ بلاذری کا اقرار۔ اِن کا نام احمد ابن محمد ابن جابر ہے اور کنیت ابوالحسن۔ یہ صاحب اپنے زمانہ کے بہت بڑے صاحب سواد اور صاحب استعداد تھے اور خداے سبحانہٗ و تعالےٰ نے انکو سوادِ ظاہری و باطنی دونوں بیک جا اور بیک وقت عنایت فرمائے تھے۔ تاریخ الاشراف آپ ہی کی تالیفات سے دنیا میں آج تک یادگار ہے۔ یہ بزرگ غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور اُن سعادتمندانِ زمانہ کے مبارک دائرہ میں شامل۔ جو آپ کی زیارت کے شرف سے منجانب اللہ ماذون ہو کر مشرف ہو چکے تھے۔ جیساکہ ابھی ابھی فہرستِ مندرجۂ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے بھی اپنے مشرف بزیارت ہونیکی پوری کیفیت ایک مختصر رسالہ میں جمع فرمادی ہے۔ اور اسی کے ساتھ آپ کے وجودِ بجود اور نظامِ امامت اور مصالحِ غیبت غرض تمام مسائلِ متنازع فیہ و غیر متنازع فیہ کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اور قوم وملت کی غفلت کی وجہ سے ابھی تک اسکے ترجمہ کی کیا طبع کی بھی نوبت نہیں آئی۔ خدائے مسبب الاسباب ایسی نادر اور گرانبہا تالیفات و تصنیفات کے چھپ جانے اور شائع ہو جانے کے سامان بہت جلد فراہم فرمائے۔ آمین ثم آمین بمحمد وآلہ الطاہرین۔

محمد عبدالکریم معروف بہ امام یمانی۔ یہ بزرگ بھی علوم شریعت اور رموزِ طریقت کے بہت بڑے امام و پیشوا تھے۔ ان کی کتاب تبیان فی بیانِ مہدی آخرالزمان علیہ السلام۔ ان کی استعداد و جامعیت اور کمالِ قابلیت کے ثبوت میں آج تک موجود ہے۔ فاضلِ مؤلف نے آخرِ کتاب میں جب آپ کے متعلق اپنے تمام دلائل و براہین بیان کر چکے ہیں تو اپنے حسنِ عقیدت اور خلوصِ اطاعت کے تقاضے سے ایک قصیدۂ مدحیہ آپ کی شان میں منظوم فرمایا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

وفی یمن امان یکون لاھلھا الی ان تری نور الھدایۃ قبلا

مولانا عبدالرحمٰن بسطامی جنکی مشہور و معروف کتاب درۃ المعارف علم الحروف میں آج تک تمام شائع و ذائع ہے انہوں نے آپکے متعلق ایسے ہی عقائد کا اظہار فرمایا ہے

خصوصاً حرف المیم کی توضیحات میں ایک طولانی اور فصیح و بلیغ قصیدہ آپ کی شان میں منظوم فرمایا ہے اُس کا ایک مشہور شعر یہ ہے ؎

فھذا ھو المھدی بالحق ظاھرا سیأتی من الرحمن الحق مرسلا
ولایته بالامر عند ربه خلیفة خیر الرسل من عالم العلے

شیخ محی الدین اعرابی - جو مسئلۂ شہادتِ جنابِ امام حسین علیہ السلام میں یزید کے اجتہاد کے قائل - اس کی لعن کے مانع - اور اُسکی نجاتِ عقبےٰ کے متوقع ثابت ہوئے ہیں اِس لیے اس مادہ میں اُنکا اعتراف و اقرار معجزۂ ائمۂ اطہار علیہم السلام کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے چنانچہ اُنہوں نے اپنی اُس مشہور و معروف کتاب میں جس کا نام عنقائے مغرب ہے ایک مفصل اور مطول باب آپ کے احوال میں علیحدہ تحریر کیا ہے اور اُس کے عنوان کو اِس عبارت کے ساتھ قائم کیا ہے ؎ فی بیان المھدی الموعود ووزرائه اُنہوں نے بھی آپ کی شان میں ایک طولانی قصیدہ نظم کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

فعند فناء جاء الزمان ودا ابھا
علی ما مضی لوت الکردس بقوم
مع السبعة الاعلام والناس عقل
علیھم بتدبیر الامور حکیم
فاشخاصا خمس وخمس وخمسة
علیھم تری امر الوجود یقیم

پھر اپنی دوسری کتاب فتوحاتِ مکیہ کے ایک خاص باب میں آپ کے متعلق یہ عبارت قلمبند فرمائی ہے

الباب السادس والستون وثلث مائة منزل وزراء المھدی علیه السلام الظاھر فی اٰخر الزمان الذی بشر به رسول اللہ صلے اللہ علیه واٰله وسلم باب تین سو چھیاسٹھ ۳۶۶ - جناب مہدیِ آخر الزمان علیہ السلام کے وزراء کے مقام کے متعلق جن کی بشارت جنابِ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم دی ہے -

شیخ صدر الدین المعروف بامام قونوی - اِن کی استعداد و جامعیت سے تمام اسلامی دنیا واقف ہے - وہ فقیہ بھی تھے - متکلم بھی - محدث بھی تھے - مفسر بھی - مورخ بھی تھے - حکیم بھی - جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق اِن کے معتقدات ان کی وصیت سے بخوبی معلوم ہوتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے بسترِ مرگ پر اپنے شاگردوں کو جمع کر کے پہنچائی تھی - چنانچہ اُن کے حالات میں تحریر ہے -

قال الشیخ صدر الدین لتلامذته فی وصایاہ ان الکتب التی کانت لی من کتب الطب وکتب الحکماء وکتب الفلاسفة بیعوھا وتصدقوا ثمنھا للفقراء واما کتب التفاسیر والاحادیث والتصوف فاحفظوھا فی دار الکتب واقرؤا کلمة التوحید لا الٰه الا اللہ سبعین الف مرة لیلة الاولی بحضور القلب وبلغوا منی سلاما الی المھدی علیه السلام -

شیخ صدر الدین نے اپنے شاگردوں کو وصیت فرمائی کہ میری جتنی کتابیں علمِ طب - حکمت اور فلسفہ میں ہیں اُن کو میرے بعد بیچ ڈالنا اور اُن کی قیمت فقراء پر تصدق کر دینا - لیکن علومِ تفسیر حدیث اور تصوف کی کتابوں کو کتب خانہ میں محفوظ رکھنا - میرے مرنے سے پہلی رات کو خلوص و حضورِ قلب سے ستر ہزار مرتبہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ پڑھنا اور جنابِ امام عصر حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام کی خدمت میں میری جانب سے سلام پہنچا دینا -

محمد الصبان مصری بھی اسی مسلک کے بزرگ ہیں - کتاب اسعاف الراغبین ان کی بہت بڑی مستند اور جامع کتاب ہے - پہلی بار خاص مصر میں پھر ہندوستان میں چھاپی گئی ہے - علامۂ موصوف نے اِس کتاب میں آپ کے تمام حالات پوری تفصیل سے لکھے ہیں -

امام عبد الوہاب شعرانی بھی اسی عقیدہ کے بزرگ ہیں - سوادِ اعظم میں ان کی کتاب الیواقیت والجواہر بہت بڑی مستند اور مشہور کتاب ہے جو مطبوع ہو چکی ہے اُس کے مبحث خامس و ستون ۶۵ میں تحریر ہے -

المھدی من ولد الامام الحسن العسکری علیه السلام ومولدہ لیلة النصف من شعبان خمس وخمسین ومائتین وھو باق الی الاٰن لیجتمع بعیسیٰ ابن مریم

یعنی جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ولادت آپ کی شب پانزدہم شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ اور آپ اُسی زمانہ تک دنیا میں باقی رہینگے کہ جناب عیسے ابن مریم علی نبینا وآلہ و علیہ السلام اور آپ اکٹھے ہو جائیں۔ اس کے آگے امامِ موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

ھکذا اخبرنی الشیخ حسن العراقی عن الامام المہدی علیہ السلام حین اجتمع بہ ووافقہ علی ذالک سیدنا علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ یعنے

علامہ عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں کہ جب میں علامہ شیخ حسن العراقی کی خدمت میں پہنچا تو اُن کی زبانی بھی جناب امام مہدی علیہ السلام کی نسبت ایسی ہی واقفیت حاصل کی اور انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ اُن کو آپ کے احوال کی تحقیق سید علی خواص کی خدمت سے معلوم ہوئی ہے۔

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ اُن کی خاص ذات کے علاوہ شیخ حسن العراقی اور سید علی خواص کا بھی مسلک اور طریقہ یہی تھا جو عبدالوہاب شعرانی کا۔

شیخ عبداللطیف الحلبی المتوفی ۱۰۰۱ھ ہجری بھی اسی عقیدہ کے بزرگ تھے۔ وہ اپنی معتبر کتاب تحفۃ المرداریہ میں اپنے والد سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔

سمعت ابی الشیخ ابراھیم رحمہ اللہ تعالیٰ قال مشائخی من مشائخ مصر یقول بایعنا الامام المہدی علیہ السلام

میں نے اپنے پدر بزرگوار شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہمارے مصر کے مشائخ میں سے ایک شیخ کو جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام سے بیعت حاصل کرنیکا شرف ملا تھا

صاحب ینابیع المودۃ فی القربے شیخ ابراہیم کے ذکر میں لکھتے ہیں وکان الشیخ ابراھیم فی الطریقۃ القادریۃ من کبار شیوخ حلب الشہباء الجبر و سیۃ۔

شیخ ابراہیم طریقۂ قادریہ کے اکابرِ اشیاخ کے اُس سلسلہ میں ہیں جو شہر حلب کے درجۂ ولایت پر مامور تھے اور اُن کا شجرہ نسب یوں منتہی ہوتا ہے۔

(۱) شیخ اسمٰعیل (۲) شیخ عبدالجواد (۳) شیخ اسمٰعیل ثانی (۴) شیخ محمد و شیخ عبدالقادر پسرانِ شیخ اسمٰعیل ثانی یہی شیخ عبدالقادر صاحب ینابیع المودۃ کے اُستاد اور مرشد بھی تھے انہی کی اولاد میں شیخ طٰہٰ صاحب کتاب ینابیع المودۃ کی تالیف کے وقت زندہ اور قائم تھے۔ یہ تمام حضرات اِس مسئلہ میں خاص طور پر ہمخیال۔ ہمکلام اور ہمزبان ہیں۔

امام محمد ابن طلحۃ الشافعی بھی اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ علم الحدیث۔ علم الفقہ۔ علم التفسیر اور تاریخ میں بہت بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ انکی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اسلامی دنیا میں ذائع و شائع ہے۔ اُس میں بذیلِ ذکر جناب امام آخرالزمان علیہ السلام یہ عبارت تحریر ہے :۔

المہدی ھو ابن ابی محمد الحسن العسکری علیہما السلام ومولدہٗ بسامرہ۔

جناب مہدی علیہ السلام حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی پیدائش شہر سامرہ میں واقع ہوئی تھی اور ایسی ہی عبارت علامۂ موصوف اپنی دوسری کتاب درّ المنظم میں بھی جو مطالب السئول سے پہلے کی کتاب ہے تحریر فرما چکے ہیں۔

محمد ابن یوسف ابن محمد الگنجی الشافعی یہ بزرگ بھی سوادِ اعظم کے امام۔ محدث اور بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک جامع و مانع کتاب مخصوص آپ کے احوال میں تحریر فرمائی ہے جس کا نام البیان فی اخبارِ صاحب العصر والزمان علیہ السلام ہے۔ اِس کتاب کے پچیسویں باب میں جو اِس کا آخری باب ہے آپ کے متعلق یہ عبارت مندرج ہے۔

ان المہدی ولد الحسن العسکری علیہما السلام فھو حی موجود باق منذ غیبتہ الی الآن و لا امتناع فی بقائہ بدلیل بقاء عیسیٰ والخضر والیاس علی نبینا وآلہ وعلیہم السلام

یعنی جنابِ امام آخرالزمان علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور آپ اِس وقت تک حالتِ

غیبت میں زندہ اور موجود ہیں۔ اور ان کے باقی اور قائم رہنے سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ آپ کی بقا پر بھی وہی دلیل قائم ہوتی ہے جو حضرات عیسیٰ، خضر اور الیاس علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السّلام کی بقا پر قائم ہے۔

امام حموینی محمد ابنِ ابراہیم الشافعی۔ سوادِ اعظم میں جس عظمت و جلالت سے یاد کیے جاتے ہیں اُس کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی معتبر اور مستند کتاب فرائد السمطین میں قریب قریب یہی عبارت نقل فرماتے ہیں۔

امام مالکی نورالدّین علی ابن محمد بھی بہت بڑے مجتہد، فقیہ اور مستند علمائے اہلسنت سے شمار کیے جاتے ہیں۔ اپنی جامع اور مانع کتاب فصول المہمہ میں بذیل تذکرۂ جنابِ امام آخرالزّمان علیہ السّلام ایسی ہی عبارت مندرج فرماتے ہیں۔

علّامہ نسفی شیخ عبدالعزیز ابن علّامہ نسفی۔ بھی جن کے اصول و عقائد پر آج تک تمام سوادِ اعظم کے لوگوں کا اتفاق ہے۔ اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ چنانچہ اُن کے صاحبزادے اپنی کتاب میں بذکرِ فضائل و مناقبِ جنابِ ائمۂ طاہرین سلام اللّٰہ علیہم اجمعین اپنے والدِ ماجد کی کتاب سے ذیل کی عبارت فارسی ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

شیخ الشیوخ علّامہ سعدالدّین می فرماید کہ پیش از پیغمبرِ ما محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم در ادیانِ سابق اسمِ ولی نبود۔ اسمِ نبی بود۔ و مقرّبانِ حضرتِ خدا را کہ وارثانِ صاحبِ شریعت می بودند جملہ را انبیاء می گفتند و در ہر دینے از یک صاحبِ شریعت زیادہ نبود۔ پس در دینِ آدم علیہ السّلام چندیں پیغمبر بودند کہ در وارثانِ او بودند و خلق را بدینِ او و شریعتِ او دعوت می کردند و ہمچنیں در دینِ نوح علیہ السّلام و در دینِ ابراہیم علیہ السّلام و در دینِ موسےٰ علیہ السّلام و در دینِ عیسےٰ علیہ السّلام۔ و چوں دینِ جدید و شریعتِ جدیدہ بہ پیغمبرِ ما محمد صلّے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نازل شدہ۔ از نزد خدا اسمِ ولی در دینِ محمد صلّے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم پدید آمد۔ حق سبحانہ وتعالیٰ دوازدہ کس از اہلبیت محمد صلّے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم را برگزید و وارثانِ او گردانید و مقرّبِ حضرتِ خود نمود و بولایتِ مخصوص فرمودہ ایشاں را نائبانِ محمد صلّے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم و وارثانِ او گردانید کہ حدیثُ العلماء ورثۃُ الانبیاء در حقِ ایں دوازدہ کس فرمودہ شد و حدیث علماء امّتی کانبیاء بنی اسرائیل در حقِ ایشاں اضافہ نمودہ۔ اما ولیِ آخرین کہ نائبِ آخرین است۔ ولیِ دوازدہم و نائبِ دوازدہم او میباشد۔ خاتم الاولیاء است۔ و مہدی صاحب الزّمان نامِ اوست۔ اولیاء در عالم بیش از دوازدہ نیستند و اما آں سی صد و پنجاہ و شش کس کہ از رجال الغیب اند۔ ایشاں را اولیا نمی گویند۔ ایشاں را ابدال می گویند۔

عالمانِ شریعت کی طرح رہبرانِ طریقت کے عقائد

سوادِ اعظم کے دونوں طریق کے علماء اور فضلاء۔ ہادی اور مرشد اس مسئلہ پر متفق ہیں۔ شریعت کے چند علماء کے اقوال سے اُن کے عقائد کے حالات معلوم ہو گئے۔ اب اُنہی کی طرح ہادیانِ طریقت کے عقائد بھی ذیل میں قلمبند کیے جاتے ہیں۔ شیخ المشائخ اور شیخ الاسلام مولانا **احمد الجامی النامقی** اور شیخ **فریدالدّین عطار** نیشاپوری و مولانا **شمس الدّین** تبریزی و مولانا **جلال الدّین** رومی و سید **نعمت اللّٰہ** ولی و سید **نسیمی** وغیرہم یہ کُل حضرات اس مسئلہ میں متفق ہیں یعنی جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے وجودِ ذیجود کے قائل ہیں۔

نفحات الانس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی بذیل تذکرۂ مولانا احمد الجامی کہتے ہیں۔

انّ الشیخ احمد الجامی النامقی قدّس سرّہٗ دخل فی غار جبل قریب بلد جام بجذبٍ قویٍّ من اللّٰہ جلّ شانہٗ وکان امّیًا لا یعرف الحروف ولا الکتاب وسنّہٗ کان اثنین وعشرین واستقام فی الغار ثمانی عشرۃ سنۃ من غیر طعام ویاکل اوراق الاشجار وعروقھا وعبد اللّٰہ فیہ الی ان بلغ سنّہٗ اربعین سنۃ ثمّ امرہ اللّٰہ تعالیٰ بارشاد النّاس وصنّف کتابا قدرہٗ قدر الف ورقۃ تحیّر فیہ العلماء والحکماء من غوض معاینہ وھو عجیب فی ھذہ الامّۃ وبلغ عدد من دخل فی طریقہ من المریدین ستمائۃ الف تفصل

کراماتہ وخوارق عاداتہ مذکورۃ ومن کلماتہ قدس اللہ اسرارہٗ بالفارسیۃ۔

ملا عبد الرحمن جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ شیخ احمد جامی النامقی شہر جام کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں اپنے اُس قوی جذبہ کی وجہ سے جو اُن کو منجانب اللہ عطا ہوا تھا۔ داخل ہوئے وہ بے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ نہ اُن کو عبارت میں کوئی دخل تھا اور نہ کتابت میں۔ بائیس برس کے سن سے اس غار میں داخل ہوئے تھے اور کامل اٹھارہ سال تک بغیر کسی قسم کا کھانا کھانے کے مقیم رہے۔ ہاں اس تمام عرصہ میں وہ درختوں کے پتوں پر اور اُنکی جڑوں پر بسر کرتے رہے اور شب و روز معبودِ حقیقی کی عبادت فرماتے رہے جب ان کا سن چالیس برس کامل کا ہوگیا۔ تب خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُن کو ہدایتِ خلق کا اعلیٰ منصب اور ارفع درجہ عطا فرمایا۔ اُنہوں نے ایک ہزار ورق کی ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کے مباحث اور اغراض و مطالب کو دیکھ کر تمام علماء اور حکماء عالمِ حیرت میں غرق ہوگئے۔ اور آپ کی ذات کو امتِ اسلامیہ کے دائرہ میں عجائبات و نوادر سے یقین کرنے لگے اور رفتہ رفتہ چھ لاکھ آدمی آپکے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ اُن کی کرامات اور خوارقِ عادات کے تفصیلی حالات نفحات الانس میں کافی تفصیل سے مندرج ہیں۔ ذیل کے فارسی اشعار اُنکی طبعِ خداداد کے حقیقی نمونہ ہیں۔

من ز مہر حیدرم ہر لحظہ اندر دل صفاست
از پئے حیدر حسن ما را امام و رہنماست
ہمچو کلب افتادہ ام بر آستانِ بوالحسن
خاکِ نعلین حسین در ہر دو چشمم توتیاست
عابدین تاج سر و باقر دو چشم روشنم
دینِ جعفر بر حق است و مذہب موسیٰ رواست
اے موالی وصف سلطانِ خراسان را شنو
ذرۂ از خاکِ قبرش درد مندان را دواست
پیشوائے مومنان است اے مسلماناں تقی
گر نقی را دوست داری در ہمہ مذہب رواست
عسکری نورِ دو چشمِ عالم است و آدم است
ہمچو یک مہدیٔ ہادی در جہاں پیدا کجاست
قلعۂ خیبر گرفتہ آں شہنشاہ عرب
ز انکہ در بازوئے حیدر نامۂ الا فتیٰ است
شاعراں ہر یک بہر سیم و زر شعرہا گفتہ اند
احمد جامی غلام خاص شاہ اولیاست

شیخ فرید الدین عطار اپنی کتاب مظہر الصفات میں تحریر فرماتے ہیں۔

مصطفےٰ ختمِ رسل شد در جہاں
مرتضےٰ ختمِ ولایت در عیاں
جملہ فرزندانِ حیدر اولیا
جملہ یک نور اند حق کرد ایں ندا
صد ہزاراں اولیا روئے زمیں
از خدا خواہند مہدی را یقیں
یا الٰہی مہدیم از غیب آر
در جہاں تا عدل گردد آشکار
مہدیٔ ہادی است تاج اتقیا
بہترین خلق برج اولیا
اے ولائے تو معین آمدہ
بر دل و جانہائے روشن آمدہ
اے تو ختمِ اولیائے ایں زماں
از ہمہ عالم نہانی جانِ جاں
اے تو ہم پیدا و پنہاں آمدہ
بندہ عطار ت ثنا خواں آمدہ

مولانا جلال الدین رومی اپنے دیوان میں جو حروفِ تہجی کی ترتیب کے ساتھ تیار کیا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔

اے سرورِ مرداں علی مرداں سلامت میکنند
وے صفدرِ مستاں علی مستاں سلامت میکنند
با قاتلِ کفار گو یا دین و با دیندار گو
با حیدرِ کرار گو مرداں سلامت میکنند
با برج دو گوہر بگو با برج دو اختر بگو
با شبّر و با شبیر بگو مستاں سلامت میکنند
با زینِ دیں عابد بگو با نورِ دیں باقر بگو
با جعفرِ صادق بگو مستاں سلامت میکنند
با موسیِ کاظم بگو با طوسیِ عالم بگو
با شہ تقی رہبر بگو مستاں سلامت میکنند
با میرِ دیں ہادی بگو با عسکریِ ہادی بگو
با آں ولیِ مہدی بگو مستاں سلامت میکنند
با بلبلِ نوروزی بگو با بختِ فیروزی بگو
با شمس تبریزی بگو مستاں سلامت میکنند

بعض اکابر فرقہ شافعیہ کے یہ اشعار مشہور ہیں جو قصیدہ دالیہ کے نام سے معروف ہیں

وسائلی عن حب اہل البیت ہل
اُقر اعلاناً بہم ام اجحد
واللہ مخلوط بلحمی ودمی
حبہم ہم الہدیٰ والرشد
حیدرۃ والحسنان بعدہ
ثم علی وابنہ محمد
وجعفر الصادق وابن جعفر
موسیٰ ویتلوہ علی السند
اعنی الرضا ثم ابنہ محمد
ثم علی وابنہ المسدد
والحسن الثانی ویتلو تلوہ
محمد بن الحسن المعتقد
فانہم سادتی وقادتی
وان الحسانی معشر وفند
ائمۃ اکرم بہم ائمۃ
اسماؤہم مسرودۃ تطرد
ہم حجج اللہ علیٰ عبادہ
وہم الیہ منہج ومقصد
ہم النہار صائمون لربہم
وفی الدیاجی رکعاً وسجد
قوم لہم مکۃ والابطح وال
خیف وجمع والبقیع الغرقد
قوم منی والمشعر ان لہم
والمروتان لہم والمسجد
قوم لہم فی کل ارض مشہد
لا بل لہم فی کل قلب مشہد

شیخ کامل ابن معتوق مصری بھی اسی عقیدہ کے بزرگ تھے ان کے ایک قصیدۂ نعتیہ کے چند اشعار جو انہوں نے جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے محامد و اوصاف میں منظوم فرمائے ہیں ذیل میں قلمبند کیے جاتے ہیں۔

قد جل عن سائر التشبیہ رتبتہ ۔ اذ فوقہ لیس الا اللہ فی العظم
ھواہ فی دینی و ایمانی و معتقدی ۔ وحب عترتہ عونی و معتصمی
وان لطافی معشر و فند وا ۔ وطیبوا انفسنا و صفاتھم
ائمۃ اخذ اللہ العھود لھم ۔ علی جمیع الوری قبل خلقھم
قد حققت سورۃ الاحزاب ما ۔ فضل اعلائھم و ابانت فضل جھدھم
کفاھم ما بعث والضحی شرفا ۔ والنور والنجم من ای انت نجمھم
مل الحوامیم ھل فی غیرھم نزلت ۔ وھل اتی ھل اتی الا بمدحھم
اکارم کرمت اخلاقھم فبدت ۔ مثل النجوم بماء فی صفاتھم
اطائب یجد المشتاق تربتھم ۔ ریحانۃ علی ذات طیبھم
شکوا الا ربی حیث المعنی ۔ ولا ھم و سقانی کاس حبھم

امام شیخ ابو الحسن شاذلی۔ جن کی عظمت و جلالت سواد اعظم کے ہر فرد و احد پر ظاہر و ثابت ہے اسی اعتقاد کے بزرگ تھے۔ علم خواص الحروف میں بہت بڑے ماہر اور کامل تھے۔ چنانچہ علامہ موصوف اپنی کتاب اسرار الحروف و آثار العلم کے خاتمہ میں بذیل تذکرہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام یہ دو شعر تحریر فرماتے ہیں۔

اذا دار الزمان علی حروف ۔ بسم اللہ فالمھدی قاما
ویخرج بالحطیم عقیب صوم ۔ الا اقرئہ من عندی السلاما

اسکے بعد میں ایک درخواست اور ایک آیت اخرج یا قائم تعجل الاسلام + ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔

علامہ مدینی شیخ ابو مدین المغربی بھی اسی طریقہ اور مسلک کے بزرگ تھے۔ انہوں نے بھی آپ کے حالات و واقعات کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

ملک العلمائے دولت آبادی شیخ شہاب الدین بھی جو سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے علمائے معتبرین اور فضلائے اعظم سے شمار کیے جاتے ہیں اسی عقیدہ کے متمسک تھے۔

علامہ ابن حجر مکی بھی اسی عقیدہ کے بزرگ تھے۔ انکی عبارت کو صواعق محرقہ کی اسناد سے ہم ایک مقام پر اوپر لکھ چکے ہیں۔ مناسبت مقام اور ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے ہم پھر بار دیگر اسکو ذیل میں لکھے دیتے ہیں وھو ہذا

وتوفی الحسن العسکری علیہ السلام سنۃ ستین و مائتین ودفن عند ابیہ وعمرہ ثمان وعشرون سنۃ ویقال انہ مات بالسم ایضا ولم یخلف غیر ولدہ ابی القاسم محمد الحجۃ وعمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین لکن اتی اللہ تبارک وتعالیٰ لہ العلم والحکمۃ و یسمی القائم المنتظر لانہ ستر و غاب فلم یعرف این ذھب

جناب ابو محمد حسن العسکری علیہ السلام نے ۲۶۰ھ ہجری میں وفات پائی اور اپنے والد ماجد کے پاس دفن کیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو بھی زہر دیا گیا۔ آپ کی کوئی اولاد سوائے ابو القاسم محمد الحجۃ علیہ السلام کے باقی نہیں ہے اور آپ کی عمر اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کی تھی لیکن خدائے تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اسی زمانہ سے علم و حکمت عطا فرمائی تھی۔ آپ کو القائم اور المنتظر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ یکبارگی پوشیدہ اور عام نگاہوں سے غائب ہو گئے اور کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہوا کہ آپ کہاں تشریف لیگئے۔

ان عالمان شریعت اور ہادیان طریقت کی عظمت و جلالت کی جو شان ہے وہ سواد اعظم کے بچہ بچہ پر بخوبی ظاہر ہے بیان لکھنے کی محتاج نہیں۔ صواعق محرقہ کی آخر عبارت اور انتہائی تصدیق و تحقیق سے جو اوپر لکھی گئی آپ کی ولادت اور غیبت کے حالات معلوم ہو گئے۔ پھر اتنے مشاہد متواترہ اور اسانید متکاثرہ۔ جو ایک فرقۂ خاص کے اتنے بڑے علماء اور فضلاء اور مشائخ کبار کی تصانیف و تالیفات سے مستنبط کیے گئے ہیں جب اس مسئلہ خاص پر متفق پائے جاتے ہوں تو پھر دو چار علماء کا یہ لکھ دینا کہ آپ کی ولادت نہیں ہوئی بلکہ قریب قیامت ہوگی کیونکر قابل اعتنا سمجھا جا سکتا ہے۔ اب ہم کو یہ اور بتلا دینا ہے کہ آخر اس مہمل افواہ اور اس

سوءِ اعتقادی کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی ہم اسکی وجہ بھی بتلائے دیتے ہیں اور وہ یہ سبب ہے کہ جن حضرات نے اُس وقت کی اور کتابوں کو نہیں صرف ہمارے ہی سلسلۂ تالیف کے تمام نمبروں کو ملاحظہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں عموماً حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے تمام اخبار و آثار مٹانے اور اُن کے فضائل و مناقب کے گھٹانے کی کیسی کیسی جی توڑ کوششیں کی جاتی تھیں اور پھر ہمارے حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کے تمام حالات و واقعات پر تو اُن کے روزِ ولادت سے غیبتِ صغریٰ کے ایام تک خاص طور پر حسد، تعصب اور نفسانیت کے ایسے ایسے تیرہ و تاریک اور گہرے پردوں پر پردے پڑے تھے اور آپ کے اخبار و آثار سے جو منجانب اللہ والرسول خلائق کو بتلائے اور پہنچائے گئے تھے انکار پر انکار کیے جاتے تھے اور تمام دنیا کو آپ کے اصل وجود سے انکار و امتناع کی تاکید اکید کی جاتی تھی چنانچہ ہم اِن واقعات کو اُن کے مقاماتِ مناسب پر اوپر بالتفصیل لکھ آئے ہیں چونکہ عام امتناع و انکار کے سخت و شدید انتظام بھی خاص طور پر سلطنت کی طرف سے احکام پر احکام نافذ کیے جاتے تھے۔ اس لیے تمام علماء و فضلاء و فقہاء و مورخین و محدثین و مفسرین غرض علم و دانش کے تمام اصحاب و ارباب مجبوری بہ معذوری یا خود غرضی اور شکم پروری کی وجہ سے اس غلط فہمی کی اشاعت اور عقیدت پر مجبور رہو گئے۔ کیونکہ اُن کی اُس وقت ایسی مجال نہ تھی کہ وہ مدبرانِ سلطنت کی منظور کردہ تدبیروں سے کبھی اختلاف و انحراف کر سکتے۔ ایسے خطرناک وقت میں نہ اُن کے منہ میں زبان تھی اور نہ سینہ میں کلیجہ جو سلطنت کے ساتھ خلاف ورزی اختیار کر کے اظہارِ حق کی جرأت کرتے اور یوں اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالتے۔ ایک تو سلطنت کے ایسے سخت اور شدید مظالم نے علمائے مقتدر کے لیے عام طبقہ کو اظہارِ حق اور اعلائے کلمۃ الحق سے باز رکھا دوسرے اُن کی کورانہ تقلید اور حسد و نفسانیت کی تاکید نے اُن کو تعصب اور نفسانیت کے گہرے دریاؤں سے نہ نکلنے دیا۔ اور اصحاب کبار کے مقابلہ میں حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب کی طرف سے عدم توجہی اور غفلت کی عالمگیر شامت نے جو انتظامِ خلافت کے شروع زمانہ سے لیکر اسوقت تک اُن کے سروں پر سوار تھی ان حضرات کو اور بھی اِن امور کے اظہار و افشار کی طرف متوجہ اور مصروف نہ ہونے دیا۔ ورنہ ممکن تھا کہ جس طرح دنیا میں اور لوگوں نے سلطنت کے مظالم کے خلاف پوشیدہ اور مخفی طور پر اپنے بعض مطالب و مقاصدِ تالیفی کو اپنے زمانۂ حیات میں قلمبند کر دیا ہے اور اسکو اپنے بعد اپنا یادگار چھوڑا ہے اور جنکو انکے اور انکے زمانہ کے گزر جانیکے بعد قوم و ملت نے عظمت اور وقعت کے اعتبار سے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اُسی طرح یہ بھی آپ کے اخبار و آثار کو سلسلہ وار ضبطِ تحریر میں لاتے۔ اور اِن تالیفات کو اپنے باقیاتِ صالحات بنا جاتے۔ مگر افسوس اگر کسی وقت اِن امور کی طرف توجہ کرتے بھی تو اُنکی وہی کورانہ تقلید۔ حسد۔ تعصب اور نفسانیت اُن کو کب ایسا کرنے دیتی۔ اگر وہ ایسا کرتے تو تقلیدِ سلطنت کے دائرہ سے باہر ہو کر ارتداد کے حلقہ میں داخل اور کلّہم عدول کے عام اصول سے خارج ہو کر کفر و الحاد کے سلسلہ میں شامل کر دیے جاتے یہی وجہیں تھیں جو انکو توفیقات کی حد و دیگر تک نہ پہنچا سکیں مگر قدرت کے نظام اور مشیت کے احکام کی کس کو خبر تھی اُنہی کی خاص جماعت اور خاص طبقہ میں بہت سے ایسے افراد نکلے جو جناب امام آخر الزمان علیہ السّلام کے وجود و وجود کے اقرار کو اپنا ایمان سمجھکر آپ پر کامل اعتقاد رکھتے تھے۔ اور پھر اِن بزرگواروں نے اپنے اِن عقائد کو پوشیدہ بھی نہ رکھا بلکہ آزادانہ طور سے اُنکو اُنکی قوی اور معتبر دلائل کے ساتھ اپنے اُن معاصر علماء و فضلاء کے مقابلہ میں بیان کر گئے جو اِن امور میں اُن کے مخالف ثابت ہوتے تھے۔ اُن کی بڑی بڑی اور ضخیم اور عظیم تالیفات و تصنیفات۔ ایسے دلائل و براہین سے بھری پڑی ہیں۔ جو اپنے مخالف کو اِس مسئلۂ خاص میں دنداں شکن جواب پہنچا کر قطعی طور پر ساکت اور بالکل خاموش بنا چکی ہیں۔ اِن میں سے بعض کتابوں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں اور اُنکی عبارت جا بجا سے بقدرِ ضرورت

قلمبند کردی گئی ہے۔ اِن حضرات نے اپنے ایامِ حیات میں عوام اسلام کو اپنے عقائد کی تعلیم وہدایت بھی کی ہے اور اپنے دیار وامصار میں اِن امور کی توسیعِ اشاعت بھی۔ پھر جب اِس مسئلہ خاص میں علمائے کرام کی ایک کثیر جماعت اتفاق کرکے اسپر اپنے اقرار اور اعتراف کا کامل اظہار کرچکی ہو تو ہمکو سمجھ لینا چاہیے کہ اس مسئلہ کی حالت اصلی طور پر کبھی متنازع فیہ نہیں رہی بلکہ اس میں مصنوعی طور پر صرف حسد۔ نفسانیت اور تعصب کے اصول اور کورانہ تقلید کی غیر ضروری اور غیر مفید تعقید کو مدنظر رکھ کر خواہ مخواہ کی مخالفت اور حق ناحق کی منازعت پیدا کی گئی ہے۔ ورنہ اگر کامل غور وتحقیق سے اسلامی علماء کے دائرہ میں اس مسئلہ کی تلاش اور جستجو فرمائی جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ علمائے متقدمین کے نزدیک یہ مسئلہ کبھی مختلف فیہ نہیں تھا۔ اور خلافت کے زمانہ تک اسکی نسبت کسی قطع وبرید اور اخفائے حقیقت کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ تمام اہلِ اسلام عام طور سے اُنہی نصوص الٰہی اور حدیثِ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راسخ الاعتقاد تھے جو اُن کو رسالت ونبوت کے مبارک ایام میں مخبرِ صادق کی زبانی پہنچ چکی تھیں۔ چنانکہ آپکے وجودِ ذیجود کے متعلق بہت سے تفصیلی حالات خلافتِ چہارم کے ایام میں جناب امیر المومنین علی ابنِ ابیطالب علیہما السلام کی زبانی معلوم ہوئے ہیں اور جو اِسوقت تک آپکے مختلف اقوال۔ ارشادات اور احکام میں محفوظ وموجود ہیں۔ مگر خلافتِ رابعہ کے تمام ہوجانے کے بعد جہاں اسلام میں ہزاروں خفیہ پوشیدہ بدعتیں داخل ہوگئیں وہاں آپکے حسد۔ نفسانیت اور تعصب نے علمائے اسلام کو اُنکی ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے جو زیادہ تر سلطنت کے خوف اور دباؤ سے تھیں اِس جہالت اور سوء اعتقادی کے گڑھے میں گرا دیا۔ اور پھر اُنہوں نے بھی یہ ٹھانی کہ ع ہم تو ڈوبے ہیں مگر تمکو بھی لے ڈوبیں گے۔ اپنے ساتھ عوام کالانعام کی بھی مٹی خراب کردی۔ بعد اُن کو بھی اسکے اور اکثر حقیقت سے مجبور وصفحہ رکھکر محض تاریکی اور عدم واقفیت کی حالت میں چھوڑ دیا

مگر اُن کی اِن مخالفانہ کوششوں میں جو بڑی رکاوٹ پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ نصوصِ الٰہی اور ماثورِ حضرتِ رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو آپ کے متعلق پوری بشارت دے رہے تھے کیسے نسیًا منسیًا کردیے جاتے۔ اس لیے اُن اقوالِ صحیحہ میں یہ ترمیم کی گئی کہ حضرت امام العصر علیہ السلام کے متعلق انعقادِ ایام کا ٹھیک زمانہ نہیں معلوم ہوتا۔ اِس لیے آپ کی ولادت باسعادت تا بقرب قیامت وقوع پذیر نہیں تسلیم کی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔ کسی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ اس ترمیم میں دو مشکلیں ایسی واقع ہوئی ہیں جن سے مخلصی اور نجات کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔

ایک تو یہ ہے کہ اس نئی ترمیم اور اس جدید عقیدہ کی رُو سے جناب امامِ زماں علیہ السلام کا امامِ یازدہم حضرت ابو محمد الحسن العسکری علیہ السلام کے خاص فرزند صلبی ہونے کی بشارت بالکل بے اصل اور بے دلیل ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ جب قربِ قیامت تک اس معاملہ کو پہنچا یا جاتا ہے تو پھر حضرت امام حسنِ عسکری علیہ السلام کا خاص فرزند ارجمند ہونا کیسے صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اور جب یہ امر صحت سے خالی پایا گیا تو پھر جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ تمام حدیثیں جن میں حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے نام فرداً فرداً بحیثیت ابنیت کامل تصریح کے ساتھ موجود ہیں بالکل جھوٹی اور مصنوعی ثابت ہوتی ہیں۔ اور پھر اِنہی کے ساتھ ان کے تمام رواۃ اور وہ تمام علمائے اعلام جنہوں نے اپنی اپنی تالیفات وتصنیفات میں اِن کو نقل کیا ہے وہ بھی اعتبار کے قابل نہیں رہتے۔ چنانچہ وہ حدیث جو امام حموینی نے صدر المحدثین ابو المؤید موفق ابن احمد الخوارزمی کی خاص اسناد سے لکھی ہے جس میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصیاء اور خلفاء دوازدہ[۱۲] گانہ کے نامِ نامی علیحدہ علیحدہ اور فرداً فرداً اُن کی ابنیت کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح فرائد السمطین میں وہ حدیث جو مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اسناد سے مندرج ہے۔ اور اسمیں بھی حضرات

ائمۂ اثنا عشر علیہم السّلام کے نام فرداً فرداً بقید ابنیت کے لکھے گئے ہیں۔ یونہی کتاب مناقب میں واثلہ ابن الاصقع نے حضرت جابرؓ ابن عبداللہ الانصاری کی اسناد سے جو حدیث لکھی ہے اُس میں بھی اِن حضرات علیہم السّلام کے نام علیحدہ علیحدہ ابنیت کے ساتھ لکھے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں بھی جابرؓ ابن عبداللہ الانصاری کی زبانی جو حدیث لکھی ہے اُس میں بھی یہی تفصیل اور تشریح درج ہے۔

ہم نے یہاں توصرف یہی چند حدیثیں لکھدی ہیں جن سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے جسکو ضرورت ہو وہ کتاب مجمع البحرین مؤلفہ مولانا احمد حسین عظیم آبادی حنفی المذہب لیکر پڑھ لے۔ اِس کتاب میں ایسی تمام حدیثوں کو پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ ایک ایک کرکے جمع کردیا ہے اب اِس ترمیم کی رو سے جب آپ کی ولادت کا معاملہ قیامت ہی پر اٹھا رکھا گیا تو قبلِ وقوعِ قیامت حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا صُلبی فرزند قرار دینا کیا معنی؟ کیونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال تو باتفاقِ فریقین سنہ ۲۶۰ ہجری میں واقع ہو گیا۔ پھر جو مولود کہ قریبِ قیامت پیدا ہوگا وہ آپ کا خاص فرزند کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایسا یقین اور ایسا اعتقاد تو مشاہدات کے خلاف ہے جو کبھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتا اور یہاں تمام حدیثیں جناب آخرالزمان علیہ السلام کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا صُلبی فرزند قرار دیتی ہیں۔ تو ایسی حالت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس کے قول کو ترجیح دیجائے اور کس کو اعتبار کے قابل سمجھا جائے۔ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادو اقوال کو یا اِن علماء کے قیاسی اجتہاد کو خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ یہ حدیثیں بھی اُنہی کے رُوات اور علمائے ثقات کے ذریعہ سے منقول ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ آپس کی خانہ جنگی۔ یہ باہمی مخالفت سوائے اس کے کہ سوادِ اعظم میں فسادِ اعظم پیدا کرے اور ان کا ایک عالم اپنے دوسرے عالم کو وضاع اور کذاب ثابت کرے کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں ہوسکتا۔ ع باشد عذرِ گناہ بدتر ز گناہ۔ اِن حدیثوں کے مفہوم کے بالکل خلاف۔ مہدی ابن الحسن العسکری علیہما السلام کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ آپ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے تو ہونگے اور قریب قیامت پیدا بھی ہونگے اور تا باستظہار قیامت زندہ اور موجود بھی رہینگے مگر آپ کو اُن کا خاص فرزند ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ حالانکہ ایک نہیں متعدد معتبر اور مستند کتابوں سے اکابر علماء اور عمائدِ فضلاء مثل امام ابن حجر مکی۔ ابن صباغ مالکی۔ امام محمد ابن طلحۃ الشافعی محمد ابن یوسف الگنجی۔ امام مدینی۔ علامۂ بلاذری اور امام نسفی صاحب عقائد نسفیہ وغیرہ وغیرہ کے جو بہت بڑی عظمت وجلالت کے شمار کیے جاتے ہیں اسناد و ارشاد سے ثابت کردیا گیا ہے کہ جناب امام آخرالزمان علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے خاص صاحبزادے ہیں۔ اور اسکی تصدیق و توثیق میں وہ معتبر اور مستند حدیثیں بھی نقل کی گئی ہیں جن میں حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے نام نامی اور اسم گرامی مع ابنیت کے درج ہیں۔ مگر کیا فائدہ نہ اُنکے اقوال اور معتبر ماخذوں پر کوئی اعتبار کیا جاتا ہے اور نہ اُن حدیثوں کے متون اور ظاہری معنی پر کچھ لحاظ اور توجہ کی جاتی ہے بلکہ بخلاف اُن کے اپنے حسد۔ نفسانیت اور تعصب کی وجہ سے اِن کی معتبر اسناد اور مستند ماخذوں کا صریح انکار کیا جاتا ہے۔ اور اصرار ہے تو اسپر کہ جناب امام آخرالزمان علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے ہونگے نہ کہ فرزند متصل جو بحکمِ خدا قریب قیامت پیدا ہونگے اور وہ تمام امور آپ سے ظاہر ہونگے جنکی خبر نصوصِ الٰہی اور احادیثِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ثابت ہوتی ہے۔

مگر یہ دعوٰے بھی بالکل زبانی ہے اور ایسا ہے جسپر کوئی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی حدیث اور کلام کا کوئی جزو یا کل یہ ثابت کرتا ہے جس سے معلوم ہو کہ جناب امام صاحب الزمان علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند متصل نہیں ہیں بلکہ آپکی اولاد اور سلسلہ انساب سے اسی نام کے ایک بزرگ قریب قیامت پیدا ہونگے اور وہ اُن تمام اوصاف سے موصوف ہونگے جو اُنکے متعلق مذکور و مسطور ہیں۔ اور وہ تمام امور بھی اُن سے

اسی طرح ظہور پذیر ہونگے جس طرح احادیث نبوی اور نصوص ائمہ کے ذریعے سے بتلائے گئے ہیں۔ اس زبانی جمع خرچ کا لیکھا جوکھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہیں لکھا ہوا پایا نہیں جاتا اگرچہ یہ دلیل محض بے اصل اور بے بنیاد ہے اور ایسی ضعیف اور کمزور ہے جسکی رد و تنقید کی بھی چنداں ضرورت نہیں مگر بمصداق آنکہ دروغ گو را تا بدر خانہ اش باید رسانید اسلیے ہم چند حدیثیں ایسی بھی لکھے دیتے ہیں جن سے جناب امام عصر علیہ السلام کا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا خاص فرزند ہونا ثابت ہو جائے۔ چنانچہ امام قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ نے کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں ایک علیحدہ باب اسی بحث میں لکھا ہے جسکے عنوان کو وہ اس عبارت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

الباب السادس والثمانون فی ایراد القول ممن صرح من علماء الحروف والمحدثین المتکلمین ان المہدی الموعود علیہ السلام ولد الحسن العسکری۔

باب چھیاسی ان اقوال وارشادات کے بارے میں جن میں علمائے حروف اور کلام محدثین اور متکلمین اسلام نے اس امر کو تفصیل اور تصریح سے لکھا ہے کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ارجمند ہیں کتاب مطالب السؤل میں تحریر ہے۔

قال الشیخ الجلیل العالم الکامل من اسرار الحروف کمال الدین ابو سالم محمد ابن طلحۃ ابن محمد ابن الحسن الحلبی الشافعی قدس اللہ سرہ فی کتابہ مطالب السئول فی مناقب آل الرسول المہدی ہو ابن ابی محمد الحسن العسکری ومولدہ بسامرہ وھکذا ذکرہ ایضاً فی کتابہ در المنظم کما تقدم

شیخ جلیل عالم کامل علامہ کمال الدین ابو سالم محمد ابن طلحہ ابن محمد ابن الحسن الحلبی الشافعی قدس اللہ سرہ اپنی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول علیہم السلام میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ارجمند ہیں جو شہر سامرہ میں پیدا ہوئے اور علامہ موصوف نے ایسا ہی ذکر آپ کے متعلق اپنی کتاب در المنظم میں بھی تحریر کیا ہے جو مطالب السئول سے پہلے کی تصنیف ہے۔

والکامل باسرار الحروف صلاح الدین صفدی فی شرح الدائرۃ ان المہدی الموعود الامام الثانی عشر من الائمۃ اولھم سیدنا علیؑ واخرھم المہدی رضی اللہ عنہم ونفعنا اللہ بہم

شیخ کبیر کامل باسرار الحروف علامہ صلاح الدین صفدی شرح الدائرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طبقہ میں بارہویں امام حضرت مہدی موعود علیہ السلام ہیں اور ان میں سے پہلے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اور آخر حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہیں خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہمکو ان سے مستفید و مستفیض فرمائے۔

قال الشیخ المحدث الفقیہ ابو عبداللہ محمد ابن یوسف ابن محمد الگنجی رحمہ اللہ فی کتابہ البیان فی اخبار صاحب الزمان فی آخر باب العشرین وھو آخر الابواب۔ ان المہدی ولد الحسن العسکری علیہ السلام حی موجود باق منذ غیبتہ الی الآن ولا امتناع فی بقائہ بدلیل بقاء عیسیٰ والخضر والیاس علیہم السلام۔

شیخ فقیہ محدث ابو عبداللہ محمد بن یوسف ابن محمد الگنجی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ السلام کے آخر بیسویں باب میں جو کتاب کا آخری باب ہے لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی علیہ السلام امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور آپ اپنی غیبت کے زمانہ سے لیکر اسوقت تک زندہ و قائم اور موجود ہیں اور آپ کی بقا سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا اور آپ کی بقا پر وہی دلائل قائم ہو سکتی ہیں جو حضرات عیسیٰ خضر اور الیاس علی نبینا و آلہ وعلیہم السلام کے وجود اور بقا پر قائم ہیں۔

قال الشیخ المحدث الفقیہ نور الدین بن علی ابن محمد المالکی فی کتابہ فصول المہمۃ ان المہدی الموعود

ابن ابی محمد الحسن العسکری ابن علی النقی علیہما السلام

شیخ محدث الفقیہ نور الدین علی ابن محمد المالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

قال الشیخ المحدث الفقیہ محمد ابن ابراھیم الحموینی الجوینی الشافعی فی کتابہ فرائد السمطین عن دعبل الخزاعی عن علی الرضا ابن موسی الکاظم علیہما السلام قال ان الامام من بعدی ابنی محمد الجواد التقی ثم الامام من بعد ابنہ علی الھادی النقی ثم الامام من بعدہ ابنہ الحسن العسکری ثم الامام من بعدہ محمد الحجۃ المھدی المنتظر فی غیبتہ المطاع فی ظھورہ کما تقدم فی باب الثمانین

شیخ فقیہ محمد ابن ابراہیم الحموینی الجوینی الشافعی نے اپنی کتاب فرائد السمطین میں دعبل الخزاعی کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ جناب امام علی رضا ابن حضرت موسی کاظم علیہما السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میرا بیٹا محمد الجواد الملقب بہ تقی امام ہوگا اور اسکے بعد اسکا بیٹا علی الہادی الملقب بہ نقی امام ہوگا اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا حسن عسکری امام ہوگا اور اُسکے بعد اُنکے صاحبزادے محمد حجۃ المہدی امام ہونگے اور اُنہی کے ایام غیبت میں انتظار کرتا ہوگا۔ اور اُنہی سے امید لگاتا ہوگا۔ (ینابیع المودۃ فی القربیٰ صفحہ ۴۳۹)

ہم ان اقوال کو اوپر بھی لکھ چکے تھے مگر اس تکرار اور ہٹ دھرمی کی ضد اور اصرار نے پھر اُن کی تکرار اور اعادہ پر مجبور کر دیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اتنے مستند اور معتبر علماء محدثین کے معتقدات اور ارشادات کے مقابلے میں ان تعصب اور نفسانیت کے قیاسات اور لغویات کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

بہرحال۔ ان اقوال وارشادات سے ہمارے بیان اور دعوے کی پوری تصدیق و توثیق ہوگئی۔ اور اس کے ساتھ اُن لغویات وحشویات کی تنقید و رد بھی ہوگئی جو محض حسد۔ نفسانیت اور تعصب کی بنا پر مبنی ہے۔

ان اقوال وارشادات نے تنہا انہی لغویات کو رد نہیں کر دیا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے سلسلۂ اعقاب میں حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہونگے۔ انکا آپ کے صلب متصلہ سے ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ آپ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے صلب متصل سے آپ کی حیات ہی میں پیدا ہو چکے۔ ان شہادتوں نے آپ کے قرب قیامت پیدا ہونے والی دلیل کو بھی قطع کر دیا۔ کیونکہ امام ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے عمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین آپ کا سن اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت پانچ برس کا ہو چکا تھا۔ امام ابن حجر مکی کے علاوہ خواجہ محمد پارسا نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں آپ کی ولادت باسعادت کے تمام حالات وواقعات پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ درج فرمائے ہیں اور آپ کی کم سنی اور طفولیت کے اوقات میں آپ کے اعجاز و کرامات اور خوارق عادات کے اثبات میں مندرجہ ذیل دلائل قائم کی ہیں۔

وقالوا اٰتٰہ اللہ تبارک وتعالی الحکمۃ وفصل الخطاب وجعلہ اٰیۃ للعالمین کما قال اللہ تعالی یٰیحییٰ خذ الکتاب بقوۃ واٰتیناہ الحکم صبیا وقال اللہ تعالی قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا وطول اللہ تبارک وتعالی عمرہ کما طول عمر الخضر علیہ السلام

اور کہا جاتا ہے کہ خداوند تبارک وتعالی نے آپ کو علم وحکمت قوت فیصلہ اور عدالت عطا فرما کر آپ کی ذات قدسی صفات کو دنیا کے لیے اپنی خاص حجت اور آیت ہدایت قرار دیا تھا جس طرح کہ حضرت یحییٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے احوال میں ارشاد فرماتا ہے کہ اے یحییٰ مضبوط ہو کر یہ کتاب لیلو۔ اور ہم نے امارت اور سرداری اُسکو بچپن ہی سے عنایت فرمائی تھی۔ اسی طرح حضرت عیسی علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے متعلق خدائے سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ " کہا انہوں نے کہ وہ کیسے بولیگا جو ابھی تک گہوارے کے اندر ہے اور خدائے سبحانہ وتعالی نے آپ کو طول بقا کی نعمت اُسی طرح عطا فرمائی

سے ہے جس طرح یہ دولت حضرت خضر اور الیاس علےٰ بنینا وآلہ وعلیہما السلام کو عنایت فرمائی تھی۔

کیا اِس سے روشن اور واضح تر تصدیق و توثیق اور بھی درکار ہے۔ وہ کون لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا۔ اولٓئک کالانعام بل ھم اضل کے اصلی مفہوم ہونگے جو ایسی معتبر اور مستند شہادتوں پر بھی اعتبار نہ کرکے اپنے علمائے معتبرین اور فضلائے کاملین کے اقوال وارشادات سے انکار کریں۔ اسی طرح فصول المہمہ میں امام ابن صباغ مالکی نے اور امام محمد ابن طلحۃ الشافعی نے مطالب السئول میں اور محمد ابن یوسف الگنجی نے کتاب البیان میں آپکی ولادت کے واقعات اور تمام حالات وغیرہ کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اتنے محدثین۔ مؤرخین۔ علماء اور فضلاء کے علمی اخبار و آثار کے مقابلہ میں عوام الناس کا انکار کیا مفید ہو سکتا ہے۔ ان تمام وجوہ کو پیش نظر رکھکر کیا کوئی شخص بھی ایسے مسئلہ کو سوادِ اعظم کا متفق علیہ مسئلہ سمجھ سکتا ہے نہیں کبھی نہیں ح اس لیے ہمارے ناظرین کو سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ اِس مسئلہ کو سوادِ اعظم میں متفق علیہ بتلاتے ہیں اُن کے دلائل اور عقائد خاص کر حسد۔ نفسانیت اور تعصب کے اصول پر مبنی ہیں جنکا ذکر ہم پوری تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔

سچ پوچھو تو یہ بھی اُن کی ابلہ فریبی کی ایک حسین تدبیر ہے کہ ایک مسئلہ متفقہ کو جسکو اتنے علمائے روزگار اور فضلاء ذی اعتبار تسلیم کر چکے ہوں۔ متنازع فیہ اور مختلف عنہ بتلانا صاف طور سے ثابت کر رہا ہے کہ اُس بندگوارکی ذات جمع الصفات سے ان لوگوں کو ایک خاص کد اور ضد منظور ہے ورنہ حقیقتِ حال اس کے برعکس ظاہر کر رہی ہے کہ ایسا صاف اور سلجھا ہوا مسئلہ جسپر اُس فرقہ کے علمائے معتبرین اور فضلائے کاملین نے ایسے خلوص اور عقیدت کے ساتھ متواتر اور متعدد اقرار و اعتراف کیئے ہوں وہی مسئلہ متفقہ اور مسلمہ قبول کیے جانے کے عوض میں مختلف فیہ سمجھا جائے۔

اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ حقیقتِ حال کیا ہے ؛ صرف تعصب۔ نفسانیت۔ طمع دولت اور سلطنت کی خوشامد ہے جو اِن لوگوں سے استخفافِ امرِ حق کا گناہ بھی کرا رہی ہے اور مفت عالم فریبی حیلہ بازی اور مکر سازی کیلیے اُنکو خطاوار بھی بنا رہی ہے۔

بہر حال۔ اسی کے ضمن میں ابھی ایک جملۂ معترضہ کا بیان کرنا میرے ذمہ باقی رہا جاتا ہے کہ بعض تعصب سے بھرے اور حسد اور نفسانیت سے پُر اشخاص کا خیال ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد سے ہونگے نہ کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی ذریت سے۔ اصل میں یہ فضولیات بھی اُنہی گزشتہ لغویات کا ایک ضمیمہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ چونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی صُلبِ متصلۂ مطہرہ سے آپ کا وجود میں آنا تمام نصوص و اخبار و آثار سے ثابت ہوتا تھا اور سلطنتِ مخالف پے در پے یہ جی توڑ کوششیں کر رہی تھی کہ کسی طرح جناب قائم آلِ محمد علیہ التحیۃ والثنا کا وجود دنیا میں مشہور اور ثابت نہ ہونے پائے جیسا کہ ابتدائے کتاب میں پوری تفصیل اور کامل تشریح کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لیے محض عوام الناس کے بہکانے اور ورغلانے کے قصد سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہونگے بلکہ جناب امام حسنؑ بن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی اولاد و اعقاب سے ہونگے۔ اِس ترکیب و ترغیب سے آپکے متعلق امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند صلبی اور متصل ہونیکا دعوے کٹ جاتا ہے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔

یہ دعوے بھی ضعیف سے ضعیف اور محض بے دلیل ہے جو تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ غیر مستحکم اور ناپائدار ہے اگرچہ جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام کا اولادِ حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہونا حد تواتر تک پہنچ چکا ہے اور اسکی تصدیق و توثیق کی بھی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی مگر چونکہ ہم اپنی بحث کے کسی پہلو کو بغیر کسی دلیل کے نہیں چھوڑنا چاہتے اِس لیے اپنے قدیم دستور کے مطابق ہم ذیل میں وہ حدیثیں بھی لکھے دیتے ہیں جن سے جناب مہدی موعود علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی خاص ذریت ہے

کالشمس فی نصف النہار ظاہر و آشکارا ہو جائے چنانچہ امام دارقطنی کتاب الجرح و التعدیل میں حضرت ابو سعید رضہ خدری کی اسناد سے لکھتے ہیں۔

انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض مرضۃ ثقیلۃ فدخلت علیہ فاطمۃ علیہا السّلام وانا جالس عندہٗ ولما رأت ما بہ من الضعف خنقتہا العبرۃ الحدیث وھو انّہ ضرب علی منکب الحسین علیہ السلام وقال من ھذا مہدیٌّ ھذہ الامّۃ سلام اللہ علیہم۔

ایک بار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرض سخت لاحق ہوا تو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا خدمتِ مبارک میں اسوقت حاضر ہوئیں جبکہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور آپ میں اسوقت ضعف و نقاہت کے تمام آثار موجود پاکر جناب سیدہ کو گریہ گلوگیر ہوا اُس وقت آپ نے اس حدیث کی عبارت ارشاد فرمائی تھی اس طرح کہ جناب امام حسین علیہ السّلام کے شانہ پر آپ نے ہاتھ مارا اور یہ فرمایا کہ اس اُمّت کا مہدی سلام اللہ علیہ اسی سے پیدا ہوگا۔

سننِ ابو داؤد میں اِس حدیث کو ثقاتِ حفاظ کے اعلےٰ ترین رُوات سے لکھا ہے۔ اور ناقلینِ اخبار کی اسناد سے اسمہ اسمی اتنی عبارت کا اور اضافہ فرمایا ہے اور یہ بھی لکھدیا ہے کہ جن احادیث میں اسمہ ابیہ اسم ابی پایا جاتا ہے وہ حقیقت میں بڑھایا گیا ہے۔ اور اصل حدیث سے زیادہ ہے۔ صحیح ترمذی میں بھی یہ حدیث موجود ہے مگر اس میں بھی اسم ابیہ اسم ابی موجود نہیں ہے۔

اخطب الخطباء سوادِ اعظم امام خوارزمی کتاب المناقب میں حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کی اسناد سے لکھتے ہیں

دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واذا الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہ السّلام علی فخذہ وھو یقبّل عینیہ ویلثم فاہ وھو یقول انت سیدٌ ابن سیدٍ اخو سیدٍ انت امام ابن امامٍ واخو امام انت حجّۃ ابن حجّۃ اخو حجّۃ وانت ابو حجج تسعۃ تاسعہم

قائمہم۔ جناب سلمان فارسی علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرتؐ جناب امام حسین علیہ السّلام کو لئے ہوئے اپنی آغوش مُبارک میں لئے ہوئے اُن کی آنکھوں کے بوسے لے رہے ہیں اور انکے دہن مبارک میں اپنی زبانِ مطہر دیئے ہوئے ہیں اور یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ تو سید ہے سید کا بیٹا ہے سید کا بھائی ہے تو امام ہے امام کا بیٹا ہے امام کا بھائی ہے تو حجت خدا ہے حجت خدا کا بیٹا ہے اور حجت خدا کا بھائی ہے اور تو نو حجہائے خدا کا باپ ہے جس کا نواں قائم علیہ السلام ہے۔

پھر اُسی کتاب میں جناب امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں ایک بار اپنے جدّ بزرگوار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اپنے زانوئے مبارک پر بٹھلا لیا اور ارشاد فرمایا کہ خدا نے سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ شانہٗ تیرے صلب مطہر سے نو ائمہ علیہم السلام کو پیدا کریگا جن میں کا نواں اُنکا قائم علیہ السلام ہے۔ اور وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے نزدیک فضل و منزلت کے اعتبار سے مساوی اور برابر ہیں۔

ہم نے اتنی حدیثیں اپنے دعوے کی تصدیق میں لکھدیں جن کو دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ اس غلط مشتبہ محض فضول گمان اور بالکل بے اصول دعوے کی حقیقت ہی کیا ہے یہ عجیب طرح کے عقائد ہیں اور نئے انداز کے طریقے کہ سنن و حدیث کیا صحاح تک کی کتابیں تو کیا بتلائیں اور ہم اسکے معنے کیا سمجھیں اور پھر ہٹ دھرمی یہ کہ خم ٹھونک کر مقابلہ پر آمادہ ہیں

تو کارِ زمیں را نکو ساختی   کہ با آسماں نیز پرداختی

اب ہم اپنے ناظرینِ کتاب کو یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ سوادِ اعظم میں اس عام غلط فہمی۔ جہالت اور عدم واقفیت کا سبب کیا ہوا۔ اِن لوگوں کو جو سب سے زیادہ شبہ ہوا وہ صرف محمدؐ ابن حسن علیہ السّلام کی ابنیّت کی تخصیص سے ہے چونکہ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کو بھی حسن ابن علیؑ کہتے تھے اور حضرت امام حسن علیہ السّلام کو بھی حسنؑ ابن علیؑ۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے اپنی ناواقفیت کے باعث جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے عوض میں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو مراد

لے لیا۔ اور یہ تمام فساد زیادہ تر اسی بنا پر واقع ہوا۔ چونکہ اس فرقہ کو حقیقتاً حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرہ سے کچھ ایسا تعلق ہی نہ تھا۔ اس لیے ان لوگوں نے اپنی موجودہ غلط فہمی کی اصلاح کے لیے کوئی تلاش اور توجہ نہ کی اور جتنا سمجھے تھے اُتنا ہی سمجھکر رہ گئے اور وہی عدم واقفیت اور جہالت اُس وقت سے لیکر اس وقت تک اِن تمام حضرات سے اِس مسئلۂ خاص میں طرح طرح کے عقائد اور مفاسد کا اظہار کرا رہی ہے۔

جن لوگوں نے علم الحدیث اور علم الرجال کی کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ فضلاء اور محدثین کو خصوصاً اور تمام ناقلین اخبار کو عموماً اکثر ایسے شبہے واقع ہو جایا کرتے ہیں اور ایسا صرف اُن کے سہو انسانی اور کثرت مشغولیت کے سبب سے ہوتا ہے۔ مگر نقادِ فنِ حدیث و رجال کے سامنے جب یہ مخدوش اسناد پیش کی جاتی ہیں تو وہ ایسے اقوال کو اصل مؤلف کی سہو سمجھ کر اُسکی عبارت پر حاشیہ چڑھا دیتے ہیں اور اُسکو صحیح کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سوادِ اعظم کے اہلِ تحقیق نے جن کے نام نامی اوپر لکھے گئے ہیں اپنے فرقہ کی آگاہی اور عام ہدایت کی غرض سے لکھ دیا کہ تمکو جو محمد ابن حسن ابن علی علیہم السلام کا نام نامی دیکھکر دھوکا ہوتا ہے وہ ہرگز وقعات نہیں ہیں جیسے کہ تم سمجھتے ہو۔ یا تمکو حسد۔ نفسانیت اور تعصب سے جیسا کچھ سمجھایا جاتا ہے۔ چونکہ تین پشت تک لگاتار اِن بزرگواروں کے نام بجنسہٖ ایک ہیں اسلیے دھوکا دینے والوں اور فریب دینے والوں کو عام طور سے اپنی اس ابلہ فریبی کا موقعہ ملگیا ہے ورنہ حسن ابن علی علیہما السلام سے یہاں حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے صاحبزادے مراد ہیں اور آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ بات اتنی ہی تھی جو لکھی گئی مگر چونکہ سلطنتِ مخالف کو اس مسئلہ کے ساتھ اپنے مخالفانہ اور ظالمانہ انتظام پورے کرنے تھے اور یہ منظور تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوئی اولاد ثابت نہ ہو اور حضرت مہدی صاحب العصر علیہ السلام کے متعلق تمام بشارتیں ناقص ظاہر ہوں اسلیے عام طور سے اُن تمام اخبار و آثار کے مٹانے اور چھپانے میں جی توڑ کر کوشش کی گئی۔ چونکہ علماء فضلاء محدثین

اور مفسرین تمام تر سلطنت کے دست نگر اور زیر اثر ہو رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے بھی خلیفۂ عصر کی کورانہ تقلید اختیار کی۔ جہاں تک اُن سے ہو سکا اِن اخبار و آثار کے ظاہر اور واضح متون اور صاف اور سمجھ سے معنی میں نقل و ایزاد کے خاص نقائص پیدا کر کے اِن امور کو عام طور سے مشکوک اور مشتبہ بنا دیا۔ جیسا کہ اوپر کئی مقام پر دکھلا دیا گیا ہے۔ مگر بالنہمہ جتنے دیدۂ بصیرت کشادہ ہیں اور حقیقتِ حال سے واقف ہو چکے ہیں اور واقف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بہر تقدیر یہ بحث بھی تمام ہوئی اور شبہہ بھی رفع ہوا۔ ایک دوسرا شبہہ اب اُس میں یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ نہیں جناب امام آخر الزمان علیہ السلام پیدا ہوئے اور سنہ ۲۲۲ ہجری میں یا انہی ایام کے قریب انتقال بھی فرما گئے۔ یہ نئی منطق اور جدید فلسفہ بھی عام لوگوں کی ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھے آدمیوں کی ایزاد کا نمونہ ہے (دیکھو خطبات احمدیہ) ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر مرحوم نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ جن کی عظمت و جلالت کو اس وقت جدید طبقہ ہندوستان کے مسلمان مانتے ہیں اور اُن کو کسی حیثیت میں ائمہ اربعہ سے کم نہیں جانتے۔

ہم نے جہاں تک اس نکتہ کے بارے میں تحقیق سے کام لیا ہے ہم کو یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ خیال، اور یہ وہم بھی سر سید مرحوم کی خاص ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی وہی قدیم آثار و اخبار ہیں جو سلطنتِ عباسیہ کی طرف سے اِس امرِ حق کے چھپانے کی کوششوں میں بڑے بڑے علماء و فضلاء و محدثین وغیرہم کے ذریعے سے سوادِ اعظم کی کتب ہائے معتبرہ میں خاص طور پر لکھ دیے اور بلادِ اسلامیہ کے تمام گوشوں میں مشتہر اور منتشر کرا دیے گئے تھے۔ پھر اسکی ایجاد خاص کا سہرا غریب سر سید مرحوم ہی کے سر کیوں باندھا جائے اور اگر باندھا جائے تو پہلے معتمد اور معتبر اُن کے درباری علماء و فضلاء کے سر پر باندھا جائے۔ سید صاحب مرحوم کو اِس امرِ خاص میں جو کچھ امتیازی اعزاز حاصل ہو سکتا ہے وہ صرف بلا تحقیق اس غلط افواہ کے نقل کر دینے کی عزت ہے جو اس مسئلہ میں پہلی بار نہیں شمار کیجا سکتی بلکہ اِس سے قبل بھی کئی بار بہت سے مسائل اسلامیہ اور احکام

شرعیہ میں آپ کو یہ منصب اور اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔

بہرحال مختصر قبیۂ التماس عرض کرکے اب ہم اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حقیقتاً یہ تمام شبہات جو اوپر لکھے گئے ہیں اور آپ بھی زیر بحث ہیں بالکل بے اصل اور محض بے دلیل ثابت ہوتے ہیں۔ اور ضلالت و تعصب کے لیے اعتقاد رکھنے سے اصل اسلام اور حقیقی ایمان رخصت ہوجاتا ہے کیونکہ اِن عقائد اور مفاسد سے خدا و رسول کی (معاذ اللہ) تکذیب واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ جو کچھ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے وہ من و عن ترجمۃ الوحی ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ سے مفہوم ہوتا ہے۔ اِس بنا پر جو حدیثِ رسولؐ ہے وہ حکمِ خدا سمجھی جائیگی۔ وانی بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان۔ اب جبکہ اس مسئلہ میں وہ تمام حدیثیں جو اسانیدِ معتبرہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں دیکھی جاتی ہیں۔ تو وہ اخبار و آثار جو شیوعِ اسلام سے لیکر اسوقت تک اسلام کی تمام قوموں میں شائع ہیں بالکل جھوٹے اور غلط ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ اِن تمام اخبار میں جہاں جہاں جناب مہدی آخرالزمان علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے صاف صاف لفظوں میں تحریر ہے کہ ھُوَ حَیٌّ قَائِمٌ جیسا کہ اوپر کے معتبر اور مستند علمائے حدیث کے مختلف اقوال و ارشادات سے تحریر ہو چکا ہے۔ خواجہ محمد پارسا کتاب فصل الخطاب میں آپ کے طولِ بقا کی نسبت لکھتے ہیں طول اللہ تبارک وتعالیٰ عمرہٗ کما طول عمر خضر والیاس علیٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام یعنی خداوند تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بھی طولِ عمر کی ویسی ہی دولت عطا فرمائی ہے جیسی کہ حضرات خضر والیاس علے نبینا وآلہ وعلیہما السلام کو عطا فرمائی ہے۔

امام المحدثین محمد ابن یوسف الکنجی الشافعی نے بھی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ السلام میں اِس بحث کے متعلق یہ عبارت تحریر فرمائی ہے:۔

المھدی ولد الحسن العسکری علیہ السلام فھو حی موجود باق منذ غیبتہ الی الآن ولا امتناع فی بقائہ بدلیل

بقاء الخضر والعیسٰے والیاس علیٰ نبینا وآلہ علیہم السلام

جناب امام مہدی علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور حی و قائم ہیں اور اپنی غیبت کے وقت سے اسوقت تک باقی اور قائم ہیں۔ اور آپکے مسئلۂ بقاء میں کوئی انکار یا امتناع بقاء حضرت خضر و عیسیٰ والیاس علے نبینا وآلہ وعلیہم السلام کی بقا کے اصول پر نہیں ہوسکتا۔

اب اگر اِن اقوال و ارشادات کے آگے وہ قول صحیح مانا جائے تو یہ تمام اخبار و آثار باد ہوا ہوئے جاتے ہیں۔ اِن مختلف فیہ اقوال کو جمع کرنے سے ایک شخص واحد پر اجتماع ضدین ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک گروہ تو اسے ایک وقت خاص پر مردہ خیال کرتا ہے اور دوسرا گروہ بالکل برعکس اِن کے اُسکو روزِ ولادت سے لیکر جس کو ہزار سال کے قریب ہوتے ہیں اسوقت تک حی القائم سمجھتا ہے۔ اور اُسکی طولِ بقا کے دلائل و اثبات میں حضرات عیسے خضر اور الیاس علے نبینا وآلہ وعلیہم السلام کی قوی اسناد پیش کرتا ہے۔

ہم نے جہاں تک اِن مختلف فیہ اقوال پر اپنی تحقیق کی نظر ڈالی ہم کو یہ ثابت ہوا کہ یہ تمام بیجا اور مخالفانہ تاویلات صرف اُن حضرات کے حسد و نفسانیت کی تحریک و اشتعال پر مبنی ہیں جو فضائل و مناقب حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مٹانے اور اِن اخبار و آثار کے نیست و نابود کرا دینے پر تلے ہوئے تھے اور محض بے اصل اور بادِ ہوا واقعات کو جن کی اصل مبحث سے کوئی واسطہ نہ تھا معرض بحث میں ڈال کر خواہ مخواہ اصل مطلب کو اگر خبط و بے ربط نہیں تو کم سے کم مشکوک اور مخدوش تو ضرور بنا دیتے تھے۔ چنانچہ یہی غلط فہمی کی بنا پر شبہ پیدا کیا گیا ہے اُسکی حقیقتِ حال یہ ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک اور صاحبزادے موسٰے نامی تھے جو جناب امام مہدی علیہ السلام سے سن و سال میں ضرور بڑے تھے مگر اُن کا انتقال آپ کے سامنے ہی ہوگیا۔ چنانچہ اُن کا ذکر ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب بحار الانوار جلد سیزدہم میں فرمایا ہے۔ یہ خبر اُن لوگوں کو ہوگئی۔ پھر کیا تھا دیوانہ را ہوئے بس است۔ کا مضمون ہوگیا۔ اتنا شوشہ پائے

ہی اپنے مطلب اپنی غرض اور اپنی گوں گانٹھنے کے لیے مضامین تراشنے لگے - اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کے انتقال فرمانے کی ذراسی بات پاکر بلا تحقیق و تخصیص فوراً اُن صاحبزادے کو حضرت مہدی امام آخر الزمان قرار دے لیا گیا - اور اس ترکیب سے آپ کے وجود ذی جود اور تمام حالات اور واقعات کو عوام کالانعام کے آگے مخدوش و مشکوک کردیا - مگر توبہ - نظام ربانی کے آگے اغوائے انسانی کی نہ چلی ہے اور نہ کبھی چلے گی - صاحبانِ بصیرت اور ارباب حقیقت نے اُن کی اِن ابلہ فریبیوں کا سارا پردہ کھول کر رکھدیا اور دودہ کا دودہ - پانی کا پانی نکال جدا کرکے بتلا دیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے جن صاحبزادے کی وفات ثابت کی جاتی ہے اُن کا نام موسےٰ تھا - اور وہ سن و سال میں جناب قائم علیہ السلام سے بڑے تھے - اُن کی ولادت حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں واقع ہوئی تھی اور وہ قریب زمانہ غیبت کبرےٰ رہگرائے عالم جاودانی ہوئے - اور بعض علماء اور محققین کی تحقیق اور مختار یہ ہے کہ اِن کی ولادت جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کی ولادت سے کچھ پیشتر ضرور واقع ہوئی - اِن کا نام نامی موسیٰ علیہ السلام ضرور تھا - مگر انہوں نے ایام رضاعت ہی میں انتقال فرمایا - ملا علیہ الرحمۃ نے وہ خطوط بھی لکھے ہیں جو مؤمنین مخلصین کی طرف سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں اظہار تعزیت کی غرض سے لکھے گئے تھے پھر اُنکو جو جواب لکھے گئے تھے وہ بھی تحریر کیے گئے ہیں -

اصل حقیقت تو یہ ہے مگر چونکہ حسد - تعصب اور نفسانیت کی یہاں یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ کوئی کیسی ہی ضعیف - غیر معتبر اور مقطوع الاسناد روایت مگر اپنے مطلب اور اپنی غرض سے جہاں ملتی ہوئی پائی گئی بھہ کیا تھا - رائی کا پربت بنادیا گیا - چونکہ اس روایت سے آپکے ایک صاحبزادے کی وفات پانے کی خبر معلوم ہوتی تھی اور یہ اُن کے مطلب کی خاص بات تھی اسلیے موسےٰ کے نام کو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے خاص نام سے بدل کر مشہور کردیا - چونکہ یہ مسئلہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے مشہور و معروف بزرگ کا مختار ثابت ہوتا ہے - اسلیے

ہم کو کتب تواریخ میں اس کی خاص طور پر تحقیق اور تلاش کرنی ضرور ہوئی - چنانچہ ہم نے فریقین کی اکثر کتب معتبرہ کو بالاستیعاب دیکھا مگر سوائے کتاب مستطاب بحار الانوار کے حضرت موسیٰ ابن جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی ولادت اور پھر ایام رضاعت ہی میں اُن کے مرجانے کی تفصیل کو منقول و مذکور نہیں پایا - اس لیے اُن کی ولادت اور وفات کے حالات اول تو معیار صداقت پر کامل نہیں اُترتے اور اگر صحیح بھی مانے جائیں تو ایام رضاعت ہی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے سامنے اُن کا انتقال فرما جانا صحیح و معتبر سمجھا جائیگا - کیونکہ یہ واقعہ خلافِ مشہور اور مخالفِ جمہور ثابت ہوتا ہے - اگر بر تقدیر اول جنابِ موسےٰ کی ولادت کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے زمانہ امامت میں تسلیم کیا جائے اور اُنکی وفات قریب غیبت جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے - تو سرے سے تواریخ اسلامی کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جاتے ہیں جو جعفر تواب کی طرف سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے وقت تک کے ترکہ کی نسبت معتمد کے دربار میں استغاثہ کے طور پیش کیے گئے تھے - کیونکہ اس روایت کی بنا پر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی رحلت کے زمانہ میں جنابِ موسےٰ ضرور بالغ ثابت ہوتے ہیں - جب یہ حالت تھی تو پھر موسےٰ کو جعفر تواب کے مقابلے اپنے والد بزرگوار کے جائز وعوے وراثت سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنے کی کیا وجہ ہوئی - کیونکہ احکام شریعت کے مطابق اِن کی موجودگی میں جعفر کوئی شے نہیں رہتے - جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے جملہ متروکات و مقبوضات کے جائز وارث اور حقیقی مالک ہوتے - مگر کسی چھوٹی یا بڑی اسلامی تاریخ یا تذکرہ میں اِن بزرگوار کا کہیں کوئی واقعہ درج نہیں ہے متروکات و مقبوضات جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے متعلق یہاں تک کہ اُن کی نماز باجماعت کے مسئلہ تک جو کچھ منازعت پائی جاتی ہے اور تواریخ و سیر سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف جعفر تواب اور حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان - موسےٰ کا تو کہیں بھی نام نہیں لیا گیا چنانچہ شیعوں سے تسلیم کرادیئے جانے کی نسبت جو جعفر نے معتمد سے خاص

طور پر کوشش کی تھی اُسکے جواب میں معتمد نے شیعوں کو بلوایا اور جو جواب دیا وہ اس کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ اگر واقعی موسٰے بھی کوئی شئے ہوتے تو ان تمام واقعات اور حالات میں ان کا ذکر بھی پایا جاتا۔ اس لیے یہ خیال کرنا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے موسٰے نامی عمرِ طبعی کو پہنچکر سنہ ۳۲۹ ہجری میں رحلت فرما ہوئے محض غلط ہے۔ فریقین کے رجال میں کہیں ان بزرگ کا نام نہیں پایا جاتا۔ بات اتنی ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک صاحبزادے جو جناب قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثناء علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایامِ رضاعت میں ہی انتقال فرما گئے تھے۔ چلو ہو چکا۔ اتنی سی بات کو اتنا کر دیا گیا۔ اصل حقیقت یہی ہے کیونکہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد کی نسبت علمائے فریقین نے یک زبان ہو کر تحریر فرمایا ہے۔ ولا عقب له الا المھدی آخرالزمان علیہ السلام یعنی امام حسن عسکری علیہ السلام کے بجز جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے کوئی دوسری اولاد باقی نہیں رہی۔

الغرض جب امام ابنِ حجر مکی۔ ابن صباغ مالکی۔ علامہ یوسف ابن محمد الگنجی الشافعی۔ امام ابوالفرج اصفہانی۔ علامہ تفتازانی امام حموینی۔ شیخ محی الدین مالکی۔ شیخ محی الدین عربی۔ عبدالرحمن بسطامی۔ علامہ سید احمد نمیری اور خواجہ محمد پارسا وغیرہم کے ایسے ایسے بزرگوار جو شریعت و طریقت دونوں طریقوں کے مقتدا تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس مسئلۂ مخصوصہ میں متفق الکلام و متحد البیان و ہمزبان ہیں کہ امام یازدہم حضرت ابو محمد حسن العسکری علیہ السلام کی کوئی اولاد و اعقاب سوائے جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے اور نہیں تھی۔ تو پھر ایسے ایسے معتبرین و مستندین شرع و ملت کے مقابلہ میں کسی دوسرے شخص کے کسی اضافہ یا شبہ پر کوئی خیال یا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا حقیقت میں یہ شبہ اور یہ قیاس ایسا بے اصل اور بے دلیل ہے کہ کبھی سطح پر قائم نہیں رہ سکتا۔ عرب میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ باپ کی کنیت اُس کے بیٹے کے نام سے مشہور ہوتی ہے ابھی یہ ایسا دستور ہے کہ جہاں سے لیکن اسلام کے وقت تک برابر قائم رہا۔ اور اسلام نے اس میں کوئی نقص یا کوئی عیب نہ پاکر اس میں کوئی تغیر یا تبدیل نہیں کیا۔ اور اس کو اس کی خاص حالت میں چھوڑ دیا۔ تو پھر اس عام اور قدیم دستور کے مطابق اگر واقعی موسٰی ابن حسن عسکری علیہ السلام کا وجود دنیا میں کسی مدت تک قائم رہا ہوتا تو ضرور تھا کہ آپ موسٰی کی کنیت سے مشہور کیے جاتے۔ مگر نہیں یہاں تو اسکے خلاف آپ کی مبارک کنیت ابو محمد علیہ السلام بین الفریقین والجمہور مشہور ہے۔ اس کے کیا معنی؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ موسٰی ابن حضرت حسن عسکری علیہ السلام اپنے ایامِ رضاعت کے ایسے ابتدائی زمانہ میں رحلت فرما گئے کہ ان کے نام سے ان کی کنیت کسی طرح مشہور کیے جانیکے قابل نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ بخلاف اس کے آپ جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے اصلی نام محمد علیہ السلام کی خاص مناسبت کی بنا پر ابو محمد علیہ السلام کی کنیت سے معروف ہوئے جیسا کہ جمہور مورخین و محدثین کے فیما بین آجتک مشہور و معروف ہے حقیقتاً یہ ایک ایسا واضح اور روشن مسئلہ ہے کہ اس میں کسی کو عذر اور کلام کی ذرا گنجائش باقی نہیں ہے۔ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

اس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اپنے آئندہ سلسلۂ کلام میں وہ دوسرے شبہات اور قیاسات نقل کرتے ہیں جو بالکل حسد۔ نفسانیت اور تعصب کی وجہ سے آپ کے وجودِ ذیجود اور ظہورِ پُر نور کے متعلق پیش کیے جاتے ہیں۔

جنابِ قائم آلِ عبا علیہ السلام اور طولِ بقاء

ان میں سب سے پہلا جو عذر پیش کیا جاتا ہے وہ آپ کی طولِ عمر کا خاص مسئلہ ہے۔ تاریخ قدیمہ اور اخبار و آثار سے صحیح مذاق رکھنے والے حضرات اس عذر کو بھی مثل اور عذرات کے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ ضعیف اور خفیف سمجھتے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ان تمام اعتراضات بالسلسلہ اور توہمات

جہلہ کی ابتدا پہلے خواص ہی سے ہوتی ہے۔ پھر عوام میں تدریجاً مشہور اور منتشر ہوا کرتی ہے۔ خواص اس کی حقیقت اور ماہیئت کو بخوبی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ خود غرضی۔ تعصب اور نفسانیت اظہار حق سے اُن کو مانع آتی ہے اور اسکے خلاف حکم لگاتی ہے اس لیے وہ صرف اپنی جلب منفعت کی مجبوریوں سے اِن جہل اور بادر ہوا اعتراضات کو عوام کالانعام کے دائرہ میں ایک صورتِ خاص بنا کر پیش کردیا کرتے ہیں۔ اور اسکے اصلی مقصود کو جاہل اور ناواقف لوگوں کے قلوب سے زائل اور مفقود کردیتے ہیں۔ اور عوام بھی اپنی عدم واقفیت اور غیر استعدادی کے باعث ان کی ابلہ فریبی اور عیاری کے دام فریب میں اُن کے ایسے دعویہائے زبانی اور اغوائے شیطانی کو وحیِ آسمانی سمجھکر اُس کے قائل اور اسیر عاقل ہوجایا کرتے ہیں۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے طول عمر کے متعلق عوام کو سمجھا دیا گیا ہے اور اب تک سمجھایا جاتا ہے کہ ایک شخص کا ۲۵۵ھ ہجری سے لیکر اسوقت تک زندہ رہنا کسی صحیح الدماغ اور کامل العقل شخص کے آگے کیسے قابل تسلیم سمجھا جا سکتا ہے۔ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا تو مشہور ہی ہے۔ دیوانہ راہوئے بس است کے مصداق۔ ان جاہلوں کے کانوں میں اس منتر کا پھونکنا تھا کہ وہ اپنی جہالت اور ضلالت کے خیالات میں مستغرق ہوگئے۔ پھر کیا تھا۔ اب لاکھ سمجھائیں۔ کروڑ بتلائیں اور حقیقتِ حال اُنکو دکھلائیں مگر وہ ایک نہیں سنتے۔ اور اپنے عقائدِ فاسدہ سے ایک انچ آگے پیچھے نہیں سرکتے۔ وہ تو اُسی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں جو تعصب کی لاٹھی سے پیٹ کر اُن کے سامنے تیار کردی گئی ہے۔ وہ تمام عمر اُسی لکیر کو پیٹتے رہیں گے اور لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا کی سچی مثال اور کامل مجسمے بنے رہینگے۔

اِن بے بصیرتوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ باعتبارِ نوعیت یہ امور کچھ نئے نہیں ہیں بلکہ اسکے ایسی اور مثالیں بھی گذرچکی ہیں اور دنیا میں ہر کس وناکس کے پیش نظر آچکی ہیں۔ اگر ان کو نہ اندیش اور کم بین اعتراض کرنے والوں کو ذرا بھی شعور ہوتا تو وہ ایسی اور اتنی مثالوں کی موجودگی میں کبھی اِن بغویات اور مہملات کا ذکر نہ کرتے اور کہنے سے پیچھے دوڑنے سے پہلے اپنے کانوں کو ٹٹول لیتے

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں اِن حضرات کے مہملات کے جواب دینے یا کسی امر کے رد یا تنقید کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے یہ اعتراض بھی اُنکے پہلے اعتراضوں کا ایک ضمیمہ ہے جنکو ہم قوی اور معتبر دلائل سے۔ آپ کے وجود کی بحث میں بہ تفصیل وتشریح بیان کرچکے ہیں مگر تاہم اپنے سلسلۂ بیان اور اُنکے مزید اطمینان کے لحاظ سے اُنکو یاد دلائے دیتے ہیں کہ انہی کے علمائے متقدمین نے اُن کی ان لغویات وحشویات کی کامل طور سے رد فرمادی ہے پھر ایسی کہ آج صدہا سال ہوگئے کسی نے اُن کی رد اور تنقید پر ترمیم وتنسیخ کا قلم نہیں اٹھایا۔ جن لوگوں نے کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام صواعق محرقہ مطالب السئول۔ فصول المہمہ۔ کفایت الطالب۔ فرائد السمطین فصل الخطاب۔ تاخیر الظلامہ۔ التبیان۔ در المکتوم۔ درۃ المعارف اور ینابیع المودۃ فی القربےٰ کی ایسی جامع اور مانع کتب کو دیکھا ہے وہ اِن دلائل اور مباحث کی حقیقتوں سے خوب واقف ہیں اور اِن شبہات اور ظنیات کی ماہیت اور اصلیت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اتنے معتبر شواہد کے سامنے ایسے ضعیف اور بے دلیل عقائد کا کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ کیا اعتراض کرنیوالے اِن دلائل اور شواہد کی خبر نہیں رکھتے۔ نہیں وہ اُن سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں۔ مگر چونکہ عام ابلہ فریبیوں سے اُن کی خود غرضی اُنکی ہے اسیلئے وہ جان بوجھ کر نادان بنتے ہیں اور دوسروں کو بھی نادان بنانا چاہتے ہیں۔ اِس غلط گمانی اور شبہہ کو اِس زمانہ کی نئی روشنی نے اور چمکا دیا ہے جدید فلسفہ اور سائنس کی تعلیم نے اُسے اور قلعی کردی ہے۔

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ کسی وقت بھی تعلیم کا نتیجہ برا ثابت ہوا ہو۔ یہ فلسفہ یا سائنس ہی کی تعلیم کے برے نتیجے کبھی نہیں کہے جاسکتے۔ یہ تو ہماری سمجھ کا نقص اور ہمارے فہم کا قصور ہے جو اصل حقیقت تک ہمکو نہ پہنچا سکے۔ دنیا کی معمول پسند طبیعتیں اور روزانہ مشاہدے پر اعتبار کرنیوالی ذہنیں معمول کے اصول

کو قدرت کا خاص قانون کہتی ہیں جو بمصداق لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہ کبھی متغیر ہو نہیں سکتا۔

ہم بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں ضرور ایسا ہی ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے مگر اُس قادرِ مطلق اور حکیم برحق نے ان امور اور اصول کے خلاف بھی اکثر اوقات دکھلا کر اپنی قدرتِ کاملہ کے عجائب و غرائب دکھلا دیے ہیں اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ ہماری جبروت و قوت اور اُس کے تمام تصرفات و اختیارات کبھی محدود اور مقید نہیں ہو سکتے۔ ہمارے اصول نہ معمول کے پابند ہیں اور نہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے محتاج۔ اسکو پورا اختیار ہے کہ بمصداق کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ اور یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ وہ اپنی قدرت کے نئے تصرفات اور مشاہدات دکھلا رہا ہے اسکے ان تصرفاتِ قدرت سے نہ کسی فلسفی کو آج تک انکار ہے اور نہ سائنس کو۔ حقیقت سے دور رہنے والے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں علم شاید علم الٰہیات کے خلاف کو کی تعلیم دیتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر جدت اور مغربی دہریت سے ان دونوں علموں کی تشریح و تکمیل پر اپنی قیاسی اور ظنی اقتباسات کا غلاف نہ چڑھایا ہوتا تو افلاطون سقراط جالینوس اور دیگر حکمائے الٰہی کے اقوال و ارشادات جو وحدتِ ربانی اور وحی و الہام اور تمام ہدایاتِ آسمانی کے قائل تھے مشتبہ و مشکوک۔ اور نامربوط نہ بتلائے جاتے۔

بہرحال۔ جو حضرات جنابِ قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کے طولِ بقا کو خلافِ معمول سمجھکر ناممکن کہتے ہیں۔ انکو علاوہ نصوصِ قرآنیہ اور بشاراتِ ربانیہ کے۔ دنیا کے مشاہدات سے بھی جن پر اُن کے تمام عقائدِ عقلیہ کا دارومدار ہے انکار کرنا لازم ہو جائیگا نظر بروشِ زمانۂ موجودہ انگریزی روشنی کے حضرات اپنی کوتاہبینی اور قصور چشمی کی وجہ سے حضرت خضر الیاس اور حضرت عیسیٰ۔ علیٰ نبینا و آلہ علیہم السلام کے زندہ ہونے سے انکار کریں سو اسی طرح شہدائے فی سبیل اللہ علیہم السلام کے زندہ رہنے کی بشارت کو جو بمفاد آیۂ کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور (اے پیغمبر) جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو مرا ہوا خیال نہ کرنا (وہ مرے نہیں ہیں) بلکہ اپنے پروردگار کے پاس جیتے (جاگتے) موجود ہیں (اس کے خوانِ کرم سے) ان کو روزی ملتی ہے (اور) جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے وہ اس میں مگن ہیں اور جو لوگ ان کے بعد زندہ رہے اور ابھی آکر ان میں شامل نہیں ہوئے ان کی نسبت (یہ خیال کرکے) خوشیاں مناتے ہیں کہ یہ بھی شہید ہوں تو ہماری طرح ان پر بھی نہ (کسی قسم کا) خوف (طاری ہو) اور نہ یہ (کسی طرح) آزردہ خاطر ہیں۔ اللہ کی نعمتوں کی اور (اس کے) فضل کی خوشیاں منا رہے ہیں اور نیز اس کی کہ اللہ ایمان والوں کے ثواب کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ کے ہمیشہ زندہ رہنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ مذاق سمجھیں۔ تو ہم ہرگز ان کے مقابلہ میں نصوصِ الٰہیہ کے دلائل پر اصرار کرکے اس کے مقدس الکلام کی عظمت کو کبھی گھٹانا نہیں چاہتے۔ بلکہ دنیا کے مشاہدات دکھلا کر ان کے عقائدِ فاسدہ کو رد کرینگے اور انہیں یہ سمجھا دینگے کہ تم جس کو اپنے زمانہ میں بالکل ناممکن اور قطعی محال سمجھے ہو وہ کسی زمانہ میں بالکل سہل اور آسان۔ تمہاری لاکھ مشکل اور ہماری ایک آسانی۔ ان مشاہدات کی مثالوں سے دنیا کے کارنامے بھرے پڑے ہیں۔

اتنا تمہیداً عرض کرکے اب ہم پھر اپنے اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے طولِ بقا کی نسبت یہی اعتراض ہے کہ کسی ذی روح کا اتنے دنوں تک زندہ رہنا خلافِ عقل ہے۔ خلافِ عقل ہونے کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی سوائے اسکے کہ خلافِ مشاہدہ ہے۔ اول تو وہ چیزیں جو آج تک مشاہدہ میں نہیں آئیں۔ اس دلیل سے خلافِ عقل اور محال سمجھی جائینگی۔ حالانکہ یہ کوئی

نہیں ہے۔ اور نہ کبھی دنیا کے عقلاء اسکو تسلیم کر سکتے ہیں
دنیا میں ہزاروں چیزیں ایسی موجود ہیں جن کا مشاہدہ محال ثابت
ہوتا ہے مگر بخلاف مشاہدے کے وہ تسلیم کر لی گئی اور مان
لی گئی ہیں جیسے وجودِ باریتعالیٰ۔ آج کرۂ زمین پر کوئی ایسی بد
نصیب قوم نہ ہوگی جو کسی نہ کسی صورت سے وجودِ باریتعالےٰ
کی قائل نہ ہو۔ مگر اس عام اعتقاد کے ساتھ ہی وہ اسکے
بھی ضرور قائل ہیں کہ اُس کی پاک و پاکیزہ ذات کو وہ اور
اشیائے دنیاوی کی طرح کبھی دیکھ نہیں سکتے۔

وجودِ باریتعالیٰ کی بحث کو چھوڑیئے کیونکہ ہمارے مخاطب
حضرات کو ان اقسام کی دلائل سے بہت کم دلچسپی ہے۔
تو لیجیے آپ سائنس اور کیمیا کی مباحث کی طرف توجہ فرمائیے
دیکھیے علم طبیعیات اور کیمیا کی رو سے بہت سے اشیاء کی
پُرزور قوتیں ایسی ثابت ہوئی ہیں جن سے آج روئے زمین
پر دنیا کے بڑے بڑے اور عظیم الشان کاموں کا دارومدار
ہے۔ اس کی مثال میں برقی قوت Electricity
کافی ہے۔ حقیقتاً دیکھو تو دو یا تین بالکل ناچیز اور ادنیٰ اشیائے
عالم سے کیمیاوی ترکیب کے ساتھ دو متفرق قوتیں جنکو
انگریزی میں پازیٹو Positive اور Negative
کہتے ہیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پھر اُن میں کیمیا کی عملی ترکیبوں سے
ہزارہا کوس دوڑنے کی حرکتِ سیالی Electric Wave
پیدا کیجاتی ہے۔ یہ ترکیب اپنے عمل میں ایسی قوی اور سریع
التیر ثابت ہوئی ہے کہ اُس کو تار ستون یا دیگر ذریعہ
اور واسطہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی چشم زدن میں کہاں
کی خبر کہاں پہنچاتی ہے اور وائرلس ٹیلیگرافی Wireless
Telegraphy بے تار کی تار برقی) دور
دور ملکوں میں اپنی قوت کا کمال دکھلاتی رہتی ہے۔

یہ سب کچھ تو ہوا۔ مگر آیا کوئی ان دونوں اشیاء کی قوتوں
کو عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے یا یہ معلوم کر سکتا ہے کہ یہ کس
طرح اور کس صورت میں اپنی ابتدا سے انتہا تک پہنچتی ہیں۔
بالکل اسی طرح ہوا کی ذاتی خلقت کو سوائے اسکے کہ اُسکی اس
برکت سے جو اُسکے متحرک ہونے کے افعال سے محسوس اور
معلوم ہوتے ہیں۔ آج تک کسی نے دیکھا ہے۔ یا اُسکے دیکھنے
کا دعوٰے کیا ہے۔ ان اشیاء ناممکن المشاہدہ کے وجود کی
قطعی دلائل اُن کے عمل ہیں جو روزانہ ہمارے مشاہدہ میں
آیا کرتے ہیں اور انہی اعمال و خواص سے ہم ان اشیاء کے وجود
اور اُن کی تمام قوتوں کو تسلیم کرتے اور مانتے ہیں۔

اوپر کی دونوں مثالوں سے پورے طور پر ثابت ہو گیا
کہ جن اشیاء کو ہم نہ دیکھ سکیں تو اُن کے نہ دیکھنے کے باعث
ہم کسی طرح اُن کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے۔ یا انکو خلافِ
عقل یا محالِ فطری یا محالِ عادی نہیں سمجھ سکتے۔ اس لیے اسکے
متعلق عدمِ مشاہدہ کی بحث بالکل بے اصل ہے۔

قطع نظر اسکے ہم اسکو خلافِ مشاہدہ بھی نہیں کہہ سکتے
بلکہ ہمارا تو یہ دعوٰے ہے کہ ہمارے امام علیہ السلام کے
وجودِ ذیجود کی طرح اور آپ کے طولِ بقا کی طرح سینکڑوں مثالیں
مدت تک دنیا کے مشاہدے میں آ چکی ہیں۔ جن لوگوں نے
اخبار و آثارِ قدیمہ کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سابق
عمرِ انسانی کی میعاد کیا تھی اور آفرینشِ عالم کے بعد قرنِ اول و
دوم و سوم تک کے انسان ایک ہزار سال سے زائد تک جیتے
ہیں چنانچہ آدم صفی اللہ سے لیکر حضرت نوح علیٰ نبینا و آلہ و
علیہما السلام تک عموماً انسان کی عمرِ طبعی ہزار سال سے کم کی
نہیں پائی جاتی۔ پھر علمِ طبیعیات کے موجودہ اصولِ اقطار کے
مطابق جوں جوں خلقتِ عالم کو زمانہ گزرتا جاتا ہے اُس کے
نظام الاشیاء میں دوں دوں ضعف اور اضمحلال آتا جاتا ہے
مدت گزرتی جاتی ہے اور دنیا کی تمام اشیاء اور اسباب میں کمی
محسوس ہوتی جاتی ہے۔ اس اصول کے مطابق ہمکو حیاتِ انسانی
کے نظام کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ ایک زمانہ میں تاریخوں سے
ہمارے ہی باپ دادا کی کتنی بڑی بڑی عمریں معلوم ہوتی ہیں اور
آج وہ زمانہ آ لگا ہے کہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی جان کے
لالے پڑ جاتے ہیں۔ کہاں تو عمرِ طبعی کی ہزار سالہ میعاد تھی اور
کہاں اب چالیس برس پورا کرتے کرتے ناک میں دم آ جاتا ہے
گویا اسی وجہ سے کہ اب ہم چالیس۔ پچاس۔ ساٹھ اور ستر
سے زیادہ دنیا میں زندہ رہتا کسی کو نہیں دیکھتے۔ اسلیے ہم سمجھ لیں

کہ انسان کے لیے ہزار یا دو ہزار سال کی عمر پانا اتنی مدت تک جینا قطعی محال ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔

طولِ بقا سے انکار کرنے والے حضرات کی تشفی اور تسکین کے لیے ہماری یہ مختصر سی بحث جس کو ہم نے صرف ضمنی اور سرسری طور سے لکھدیا ہے۔ کافی ہے۔ کیونکہ ان دلائل اور مسائل کو ہمارے مدعائے تالیفی سے بہت کم تعلق ہے اگر ہمارے اس اختصار سے اِن حضرات کا دلی اطمینان اور خاطر خواہ تشفی نہو اور وہ اس کو بھی تاریخوں کا طومار سمجھیں اور محض افسانۂ روزگار۔ تو ہم اُن کے مزید اطمینان کیلیے طولِ بقا اور طولِ عمری کی چند مثالیں اُن کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں جو ظہورِ اسلام کی ایک مدت کے بعد یا قبل دنیا کے مشاہدے میں آچکی ہیں ❋

ابی الدنیائے مغربی۔ معمّر مغربی کا حال

عبد اللہ ابن محمد ابن عبد الوہاب سنجری محمد ابن مسلم رقّی کی زبانی اور رقّی مذکور علی ابن حسن ابن جنکاد لالکی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ علی ابن حسن کہتے ہیں کہ ۳۰۹ سنہ ہجری میں ہم مکۂ معظمہ میں حج بیت اللہ کے قصد سے داخل ہوئے ہم نے یہاں اہلِ مغرب کی ایک جماعت کو دیکھا جس میں ایک شخص معمّر کبیر السّن تھا۔ مگر اُس کی ڈاڑھی اور سر کے بال سیاہ تھے میں نے اِن جماعت والوں سے اس مردِ معمّر کا حال پوچھا تو انہوں نے دیارِ مغرب کے اُس وادی میں اُسکی سکونت بتلائی جو شہر حرّۂ علیا کے قریب واقع ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اور ہمارے باپ دادا نے اُسکو اسی حالت میں پایا ہے ہمارے اطراف میں لوگ اُنکو انکی طولِ عمری کے باعث ابو الدنیائے مغربی کے خاص لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اِس کا اصلی نام علی بن عثمان ابن خطاب ابن برّہ ابن مؤیّد ہے۔ وہ اپنے آپ کو قبیلۂ ہمدان سے کہتا ہے اور مقامِ صعد یمن کو اپنا وطن بتلاتا ہے ❋

علی ابن حسن کا بیان ہے کہ اتنا سُنکر میں نے خود اُس پیرِ معمّر سے پوچھا کہ تم نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے؟ میرا سوال سُنکر وہ میری طرف مخاطب ہوا اور اپنی آنکھوں سے اپنی ابروؤں کے بال اوپر ہٹا کر جو اُس کی آنکھوں کو بالکل چھپائے ہوئے تھے کہنے لگا کہ میں نے اپنی انہی آنکھوں سے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کی ہے۔ میں نے ایک مدت تک اُن کی خدمت کی ہے اور جنگِ صفین کے موقعہ پر میں آپ کی رکاب ظفر انتساب میں حاضر تھا۔ اسی معرکہ میں آپ کے گھوڑے کی ٹاپ سے ایک زخم میرے لگ گیا تھا جسکا نشان اِسوقت تک موجود ہے یہ کہکر اُس نے ابرو اور سر کے درمیان ایک زخم کا نشان ہم لوگوں کو دکھلایا اور ہم نے اُسکو بجنسہٖ اُسی صورت میں پایا جیسا کہ وہ بیان کرتا تھا۔ اس کے بعد اُس نے اپنی طولِ عمری کے متعلق ایسے ایسے واقعات بیان کیے جن کو سُنکر ہم نے یقین کرلیا کہ شیخوخیت اور کہولیت کے نقائص نے ابھی تک اُسکے فہم و ادراک اور عقل و شعور میں کوئی فساد یا فتور نہیں پیدا کیا ہے۔ اسی ضمن میں اُس کے بیان سے معلوم ہوا کہ اِسوقت تک اُس کے تین بار دانت ٹوٹ چکے ہیں اور پھر از سرِ نو نکل چکے ہیں۔

اِس کے بعد ہم لوگوں نے اُس سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ہم سے اُن حدیثوں کو بیان کرے جنکو اُسنے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی زبانی سُنا ہو۔ چنانچہ اُسنے ہماری تمنا کے موافق ہم کو آپ کی چند حدیثیں سُنائیں جنکو ہم نے دیگر رُواتِ معتبرین سے بھی سُنا تھا۔ اُس نے اِن حدیثوں کو ہمارے سامنے ایک کتاب کھولکر پڑھا تھا جسکی نسبت اُسکا بیان ہے کہ ہمارے قبیلہ اور اولاد کے لوگوں نے اِنکو میری اسناد سے اِس مسند میں جمع کیا ہے۔

اس کے بعد ابن جنکاد لالکی کا بیان ہے کہ جب ابی الدنیائے معمّر کی خبر والیِ مکہ کو معلوم ہوئی تو اُسنے ایسے اعجوبۂ روزگار شخص کو مقتدر باللہ موجودہ خلیفۂ عباسی کی خدمت میں بھیجدیے جانیکا قصد کیا مگر ہم نے ابوبکر محمد ابن فتح اور دیگر حجاج نے والیِ مکہ کی خدمت میں عرض کی کہ اُسکو اِس پیرانہ سالی کی حالت میں بغداد جانے کی تکلیف سے معاف فرمایا جائے۔ والیِ مکہ نے ہماری سفارشوں کو قبول

کرلیا اور اُس کو وہاں بھیجنے سے باز رہا۔

اس واقعہ کے بعد ابو الادیان نے معمر رضی اللہ عنہ تین یا چار برس تک کامل مکہ میں مقیم رہے۔ انکے باقی حالات یہ ہیں۔ ابو محمد حسن ابن محمد ابن یحییٰ ابن حسن ابن جعفر ابن عبداللہ ابن حسن ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابیطالب علیہم السلام بیان کرتے ہیں کہ میں سنہ ۳۱۲ ہجری میں (اس واقعہ کے پانچ برس بعد) حج بیت اللہ مقدس کی ضرورت سے داخل مکہ معظمہ ہوا۔ اسی سال نصر قشوری جو خلیفہ مقتدر باللہ کے معزز اور معتمد مصاحبین میں داخل تھا ابو الہیجا عبد الرحمن ابن حمران کے ساتھ حج کی غرض سے آیا۔ میں وہیں سے اُن لوگوں کے ہمراہ مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا۔ وہاں مصر سے ایک بہت بڑا حجاج کا قافلہ آیا ہوا تھا۔ اس قافلہ والوں سے ملنے گیا تو میں نے ابو بکر محمد ابن علی مادرائی کو ایک اہل مغرب کے ساتھ پایا۔ جسکی نسبت کہا جاتا تھا کہ اس شخص نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ چاروں طرف سے آدمیوں کا ہجوم اُسکو گھیرے ہوئے تھا اور ایسی کثرت تھی کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا اور اُس سے مصافحہ کی سعادت حاصل کرتا تھا۔ یہ دیکھکر میرے چچا ابو القاسم طاہر ابن یحییٰ نے اپنے غلاموں اور رفیقوں کے ذریعے اُس مجمع کو وہاں سے ہٹوا دیا۔ اور اُس شخص معمر کو وہاں سے ابی سہل طغی کے گھر اُٹھا لائے جہاں وہ خود فروکش تھے۔ اُسی مکان میں اُسکو اُسکے پانچوں ہمراہیوں کے ساتھ اُتارا جو اُس کی اولاد اور ذریات میں سے تھے۔

سب سے پہلے اُسکے ہمراہیوں کی نسبت پوچھا گیا اور اُس شخص خاص کے متعلق استفسار کیا گیا جو اُن پانچوں آدمیوں میں اپنے سن کے اعتبار سے اسّی یا نوّے برس کی عمر کو پہنچ چکا تھا تو اُس نے بیان کیا کہ یہ میرا پوتا ہے اور یہ شخص کا درمیانی بھائی۔ پھر بقیہ تین شخصوں کو بھی جنکا سن ساٹھ۔ پچاس اور چالیس تک کا تھا۔ اُس نے اپنا پوتا ہی بتلایا پھر اس سے اُس کا نام پوچھا گیا تو اُس نے اپنا نام علی ابن عثمان ابن خطاب ابن مرہ ابن مؤید بتلایا وہ طویل القد نہیں تھا بلکہ مائل بہ قصر القد۔ اُس نے اپنی خصوصیات سے بتلایا کہ بھوک کے وقت میرے بال سفید ہو جاتے ہیں اور سیری کے وقت سیاہ۔ میں نے پہلے اُس کے اس انوکھے دعوے پر اعتبار نہیں کیا مگر جب اپنی آنکھوں سے اپنے چچا کے گھر دونوں وقت کھانا کھانے کے دستر خوان پر اُس کی یہ حالت بجنسہ دیکھ لی اور اپنے مشاہدہ کی تصدیق و توثیق دیگر عمائد اکابر اور شیوخ مدینہ حجاز اور بغداد وغیرہ سے بھی کرالی۔ تب میں نے اس امر پر پورا یقین اور اطمینان کر لیا اُس سے ملاقات کر کے اور اُس کے حالات و واقعات معلوم کر کے نصر قشوری نے اُس کے بغداد لیجانے کا قصد کیا۔ مگر یہ خبر پاکے فوراً فقہا مکہ اُس کے پاس جمع ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ ہم کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خبر ملی ہے کہ جب وقت معمر مغربی داخل بغداد ہوگا تو اُس سال بہت سے فتنہ و فساد واقع ہوں گے۔ شہر برباد ہو جائیگا اور مملکت تباہ و ویران تو ایسی حالت میں اُسکو بغداد جانے کی تکلیف نہ دی جائے۔ بلکہ بعوض اسکے اُسکو اُسکے اپنے وطن ملک مغرب کی طرف معاودت کرنے کی اجازت عنایت کی جائے۔ قشوری نے اُسے مان لیا اور اُسکو گھر جانے کی اجازت دیدی۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم نے اُس پیر معمر سے ملاقات کی اور خود اُس سے اُس کے حالات پوچھے تو اُس نے اپنی طول عمری کے اسباب بیان کرنے کے بعد کہا کہ بعد وفات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مدینہ منورہ آیا۔ یہاں آکر تمام حضرات میں مجھے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک خاص اُنس ہو گیا۔ اور میں ہمہ دم آپ ہی کی خدمت میں رہنے لگا۔ یہاں تک کہ خلافت اولے۔ ثانیہ اور ثالثہ کے ایام گزر کر جب آپ کی خاص خلافت کا زمانہ آیا تو شروع حکومت سے لیکر وقت شہادت تک میں آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ ابن ملجم ملعون کی ضربت میرے سامنے لگی تھی صفین کے معرکہ میں ایک دن آپ کا تازیانہ زمین پر گر گیا میں اُس کے اُٹھانے کو جھکا۔ گھوڑے نے لات چلائی۔ میری

پیشانی اور ابرو کے درمیان سخت چوٹ آئی۔ میری یہ حالت دیکھ کر آپ نے مجھے قریب بلایا۔ جب میں آیا تو آپ نے میرے زخم پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا۔ اس عمل کے کرنے سے میرا خون جاتا رہا۔ اور زخم بھی اچھا ہو گیا۔ اُسی زخم کا نشان ابھی تک باقی ہے۔

آپ کی شہادت کے بعد میں جنابِ امام حسن علیہ السلام کی خدمت کرتا رہا۔ ساباطِ مدائن میں آپ کے ساتھ تھا یہاں تک کہ آپ موصل میں مجروح کیے گئے اور مدینہ واپس لائے گئے تو میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ آیا۔ اور آپ کی خدمت میں برابر حاضر رہا۔ یہاں تک کہ معاویہ نے پوشیدہ طور پر آپ کو جعدہ بنتِ اشعث کندی کے ذریعہ سے زہر دلوایا اور آپ نے انتقال فرمایا۔

آپ کے بعد میں جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت کرتا رہا۔ اور معرکہ کربلا اور واقعہ شہادت تک آپ کے ساتھ تھا۔ اور آپ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کے خوف سے بھاگ آیا اور اُس روز سے اس وقت تک دیارِ مغرب کے دور و دراز مقامات میں بیٹھا ہوا ظہورِ جناب مہدی و عیسےٰ ابن مریم علیہما السلام کا جس کا وعدہ مجھ سے میری طولِ عمر عنایت کیے جانے کے وقت کیا گیا تھا، انتظار کر رہا ہوں +

عبد اللہ یمنی کے حالات

عبد اللہ یمنی بھی عرب کے مشہور و معروف معمرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اِس کے سن کی کہیں صحیح تعداد نہیں بتائی گئی۔ مگر اسکے زبانی حالات کو سنکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے جنابِ سلمان فارسی علیہ السلام کو بھی دیکھا تھا اور جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا تھا چنانچہ وہ بہت سی حدیثیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی اور بہت سی حدیثیں باسنادِ متصلہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی نقل کرتا ہے۔ احمد بن فہد۔ بہاء الدین علی ابن عبد الحمید اور یحییٰ ابن بخیل کوفی کا بیان ہے کہ ہم نے ۷۷۳ھ ہجری میں اُسکو کوفہ میں دیکھا تھا اِس حساب سے اُس وقت تک اُس کی عمر کم و بیش آٹھ سو برس کی ہو چکی تھی +

شیخ بابا رتن کے حالات

شیخ صدر الدین ساوہ بیان کرتے ہیں کہ ۷۳۲ھ ہجری میں میں نے شیخ بابا رتن علیہ الرحمۃ کی زیارت کی۔ میں نے شیخ کو اس صورت میں دیکھا کہ کثرتِ سن کی وجہ سے اُنکی ابرو کے بال لٹک لٹک کر اُن کی آنکھوں کو بالکل چھپائے ہوئے تھے جب میں نے اپنا نام اُن سے بیان کیا تو انہوں نے ایک بار اپنی آنکھوں کے اوپر سے بالوں کا پردہ اُٹھایا اور کہا ان آنکھوں نے متعدد مرتبہ جنابِ ختمی مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے جس روز کہ مدینہ منورہ کے گرد چاروں طرف خندق کھودی جاتی تھی۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اور مسلمانوں کے ساتھ آپ بھی خندق کی مٹی اُٹھاتے جاتے ہیں اور لبِ معجز نما سے یہ دعا پڑھتے جاتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِیْشَةً هَنِیْئَةً وَّمِیْتَةً سَوِیَّةً وَّمَرَدًّا غَیْرَ مُخْزٍ وَّلَا فَاضِحٍ پروردگارا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری زندگی گوارا ہو اور آسانی کی موت اور بلا رسوائی کا اور بغیر فضیحت کا لوٹنا میرے لیے میسّر کر دے۔ (بحار الانوار جلد ۱۳)۔

اس حساب سے اِس شیخ معمر کا سن بھی کچھ اوپر سات سو برس کا ہوتا ہے +

ایک حاکمِ ساحلِ ہند

کی ابن احمد کا بیان ہے کہ میں نے بیٹھے ابن منصور کے گھر میں اسحٰق ابن ابراہیم طوسی کی زبانی جب اُسکا سن ۹۵ پچانوے برس کا ہو چکا تھا سنا۔ اسحٰق نے کہا کہ میں ساحلِ ہند کے شہروں میں سے شہر صوح بایک میں مقیم ہوا۔ وہاں ایک کبیر السن و معمر بادشاہ حکمراں تھا۔ میں اُس سے ملا اور پوچھا کہ آپ کا سن کہاں تک پہنچا ہے؟ اُس نے کہا کہ میرا سن اس وقت تک نو سو پچیس ۹۲۵ برس کا ہو چکا ہے اور میں عقائد میں مسلمان ہوں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دس اصحاب میرے پاس بھیجے تھے اور وہ یہ لوگ تھے۔ حذیفہ ابن یمان۔ عمرو ابن العاص۔ اسامہ ابن زید۔ ابو موسےٰ اشعری صہیب رومی۔ سفینہ وغیرہم۔ ان حضرات نے یہاں تشریف

لاکر مجھے اسلام کی دعوت فرمائی اور میں نے انہی کی بدولت یہ دولت پائی۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ باوجود اس ضعف اور پیرانہ سالی کے آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں؟ اُس نے کہا جسطرح ممکن ہوتا ہے اُسکی نماز کو ادا کرلیتا ہوں۔ کیونکہ اُس کے لیے تو خداوند تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ترجمہ وہ لوگ جو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے خدا کی عبادت کیا کرتے ہیں۔

پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ آپ غذا کیا کھاتے ہیں؟ جواب دیا کہ آپ گوشت اور گندنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے دانتوں کی کیا حالت ہے؟ کہا کہ بیس مرتبہ ٹوٹ کر نکل چکے ہیں۔ پھر اُسنے اپنے بہت سے چشم دید دنیا کے عجائب و غرائب بیان کیے۔ اور ملکِ مصر کے اطراف میں قومِ بنی اسرائیل پر اپنے حملہ کرنیکی مفصل کیفیت سنائی۔

ابوالحسن کاتب کا چشمدید واقعہ

کتاب انوارِ نعمانیہ میں علی ابن عبدالحمید رئیس کوفہ ابوالحسن کاتب کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ سنہ ۲۹۲ ہجری میں ممالکِ عرب میں سخت قحط نمودار ہوا لیکن بصرہ کی طرف گرانی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اس خبر کو سنتے ہی قحط زدہ علاقوں کے تمام قبائلِ عرب ہجوم کرکے بصرہ کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے۔ دُور دُور تک شہر کے باہر ان لوگوں کے ہزارہا خیمے ڈیرے اور پڑاؤ پڑ گئے۔ ابوالحسن کاتب کا بیان ہے کہ میں نے اپنے چند اصحاب و احباب کے ساتھ ان لوگوں سے ملنے اور ان کے حالات و واقعات دریافت کرنے کا قصد کیا۔ اپنی جماعت کے ساتھ گھر سے اُٹھا اور اُن کی قیام گاہ تک پہنچا۔ اثنائے راہ میں مجھے ایک عظیم الشان خیمہ میدان میں کھڑا ہوا نظر آیا۔ میں اُسکی طرف چلا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ اُسکے گوشہ میں ایک شیخ کبیر السن مصروفِ استراحت ہے اور اکثر لوگ اُسکی خدمت کے لیے اردگرد موجود ہیں۔ اُسکی ابرو کے بال اُس کی آنکھوں پر لٹک رہے ہیں۔ میں نے اُسکے پاس جاکر اُسکو سلام کیا وہ اخلاق سے پیش آیا۔ اتنے میں ایک شخص نے اُس سے میری معرفت کرائی اور کہا کہ یہ اس اطراف و جوانب کے مشہور و معروف بزرگ ہیں اور فصحائے عرب کی اولاد میں ہیں۔ یہ سنکر وہ مجھ سے میرے آنے کی وجہ پوچھنے لگا تو میں نے کہا کہ میرے آنے کا صرف یہی مقصود ہے کہ آپ نے بہت زمانہ دیکھا ہے۔ کچھ اپنے چشمدید عجائب و غرائب مجھ سے بیان فرمائیں۔ اُس نے کہا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں۔ آپ کا حصولِ مطلب مجھ سے نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر اُسنے دوسرے خیمے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ آپ اِس خیمے میں تشریف لیجائیں تو البتہ آپ کی مرادِ دلی بر آئیگی۔ یہ سنکر میں دوسرے خیمے میں گیا اور وہاں بھی میں نے ایک دوسرے شخص کو انہی سامانوں کے ساتھ مصروفِ استراحت پایا۔ جب اُس سے اظہارِ مدعا کیا تو اُس نے بھی کہا کہ مجھ سے بھی آپکی مطلب برآری نہ ہوگی۔ بلکہ آپ ہمارے باپ کے خیمے میں جائیے تو البتہ آپ کا مدعا حاصل ہوگا۔ ہم دونوں بھائی ہیں اور وہ ہمارے باپ ہیں۔ اسلیے اُنہوں نے ہم دونوں آدمیوں سے کہیں زیادہ زمانہ دیکھا ہے۔ یہ سنکر میں وہاں سے اُٹھا اور تیسرے خیمے کے دروازے پر پہنچا۔ اُن دونوں خیموں میں سے اس خیمہ کا اہتمام اور تزک و احتشام زیادہ دیکھا۔ یہاں جو لوگ مصروفِ اہتمام تھے اُن سے میں نے اظہارِ مدعا کیا تو اُن لوگوں نے اپنے آقا سے اذن طلب کیا اور مجھے اُس خیمہ کے اندر لیگئے۔ جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک مردِ کبیر السن ایک پُرتکلف۔ نرم و ملائم بستر پر دراز ہے۔ اُسکا تمام بدن کہنہ اور بوسیدہ ہوگیا ہے اور اُس کے سر اور اعضا کے تمام بال کثرتِ سن کی وجہ سے گر گئے ہیں۔ میں جب اُسکے قریب پہنچا تو میں نے عمداً چلاکر اُسکو سلام کیا۔ اُس نے بآسانی سُن لیا۔ اور میرے سلام کا جواب دیا۔ اور مجھ سے میرے مدعا کو سُن کر اُس نے اپنے خادموں کو اشارہ کیا۔ اُن لوگوں نے اُسے اُٹھا کر بٹھلا دیا۔ میں نے دیکھا تو اُسکی آنکھوں کی بینائی زائل ہوچکی تھی۔ اور اُسکی آنکھوں کے حدقے پتھریلے ہوچکے تھے۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے میرے بیٹے مجھ سے چند باتیں سُن لو اور یاد رکھو۔ وہ یہ ہیں کہ میں بھی دنیا

میں ایک دن مثل ایک بچۂ مرغ کے پیدا ہوا تھا میری ولادت سے میرے والدین کو بہت بڑی مسرت حاصل ہوئی تھی مگر میری شامت اعمال کی وجہ سے تھوڑے دنوں کے بعد میرا باپ مرگیا۔ اُس کے مرجانے کے بعد میری پرورش اور آسایش کا سامان میرے چچا نے کیا اور حقیقتاً اُنھوں نے کوئی دقیقہ میری پرورش اور آرام رسانی میں اُٹھا نہیں رکھا منجملہ اُن نعمتوں کے جو مجھے اپنے چچا کے ذریعے سے حاصل ہوئیں ایک نعمت اسلام بھی ہے۔ اور اسکی کیفیت یہ ہے کہ میرا چچا ایک دن مجھ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لیگیا اور عرض کی کہ یہ میرا بھتیجا ہے اس کا باپ مرگیا ہے اور اب اِس کی تربیت میرے ذمہ ہے۔ ہمیشہ مجھ کو اِسکے مرجانیکا خوف لگا رہتا ہے۔ پس آپ کوئی ایسی دعا اسکو تعلیم فرما دیجیے کہ یہ دنیا میں ہمیشہ صحیح وسالم رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو ہر روز صبح کو ذات القلاقل (چاروں قل) پڑھ لیا کر۔ چنانچہ جب ارشادِ رسولِ خدا میں اسوقت تک برابر روزانہ صبح کو چاروں سوروں (قل یاایہا الکفرون۔ قل ہو اللہ احد۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کی تلاوت کیا کرتا ہوں اور اُسوقت سے لیکر اسوقت تک میرے مال ومتاع اور جسم میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوا حتیٰ کہ میں اپنی طول عمری کے باعث اس حالت کو پہنچ گیا ہوں جو تم اپنی آنکھوں سے آپ دیکھ رہے ہو۔ آپ لوگ بھی ذو القلاقل کی برابر تلاوت کیا کریں جو کہ فلاح وصلاح دارین کا باعث ہوگا ؞

عمر ابن ربیعہ ابن کعب

یہ شخص بھی عرب کے مشہور ترین معمرین سے ہے۔ اسکی عمر ۳۲۰ برس کی ہوئی۔ شیوع اسلام تک یہ زندہ بتلایا جاتا ہے۔ اسنے اپنی طولِ عمری کے متعلق یہ اشعار یادگار چھوڑے ہیں

وَلَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الْحَیٰوۃِ وَطُوْلِھَا
وَعُمِّرْتُ مِنْ عَدَدِ السِّنِیْنَ مِاتِیَا
مِائَۃٌ اَتَتْ مِنْ بَعْدِھَا مِائَتَانِ
لِیْ وَازْدَدْتُ مِنْ عَدَدِ الشُّھُوْرِ سِنِیْنَا

ھَلْ مَا بَقِیَ اِلَّا کَمَا قَدْ فَاتَنَا
یَوْمٌ یَکُرُّ وَلَیْلَۃٌ یَحْدُوْنَا

طولِ عمری سے میں تنگ اور عاجز آگیا ہوں عمر دنیاوی سے کئی صدیاں مجھ پر گذر چکی ہیں۔ اور بعد ازاں دو سو برس اور چند ماہ اور میری عمر سے صرف ہو چکے۔ اور اُسکے بعد میں نے تین سو برس کا اور اضافہ کیا ہے۔ اب جو کچھ میری عمر سے باقی ہے۔ اُس کی کیفیت روز ہائے گذران کی سی ہے اور اُن راتوں کے مانند ہے جو خدا کے گاتی آتی اور قبروں کی طرف لے جاتی ہیں۔

یہ شعر بھی اُسی کی طرف مشہور ومنسوب کیے جاتے ہیں

اِذَا مَا الْمَرْءُ صَمَّ فَلَمْ یُکَلَّمْ ۔ وَاَوْدٰی سَمْعُہٗ اِلَّا نِدَایَا
وَلَاعَبَ بِالْعَشِیِّ بَنِیْ بَنِیْہِ ۔ کَفِعْلِ الْھِرِّ یَحْتَرِشُ الْعَظَایَا
یُلَاعِبُھُمْ وَوَدُّوْا لَوْ سَقَوْہُ ۔ مِنَ الذِّیْفَانِ مُتْرَعَۃً مَلَایَا
فَلَا ذَاقَ النَّعِیْمَ وَلَا شَرَابًا ۔ وَلَا یَشْفٰی مِنَ الْمَرَضِ الشِّفَایَا

جسوقت انسان کثرت سن سے گران گوش ہوجاتا ہے تو اُس سے باتیں کرنے میں عمداً اعراض کیا جاتا ہے اور اُس کے کان سوائے زور کی آوازوں کے اور آوازوں کے سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور شیخوخیت اور قلتِ عقل کی وجہ سے وہ نادان بچوں کی طرح سے مانوس ہوجاتا ہے اور اپنے بیٹوں کے بیٹوں کے ساتھ رات کو کھیلا کرتا ہے جس طرح بلیاں اپنے بچوں کے ساتھ شکار کرتے وقت کھیلا کرتی ہیں۔ حالانکہ اُسکی ہی ذریات اور اولاد ہمیشہ اُس امر پر مستعد اور تیار رہتی ہیں کہ اُسکو جام ہلاہل پلادیں۔ اور ہمیشہ اُنکی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ کسی قسم کے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ کھائے اور نہ اپنے مرض سے کبھی شفا پائے۔

زہیر ابن جناب

یہ شخص بھی معمرین عرب سے مشہور ہے۔ اسکی عمر دو سو بیس (۲۲۰) برس کی بتلائی جاتی ہے۔ ابو حاتم سجستانی کا بیان ہے کہ وہ دو سو لڑائیوں میں حاضر رہا ہے۔ اور اپنی قوم میں بہت بڑا بزرگ اور مالدار تھا۔ وہ بہت بڑا نازک خیال اور مضمون آفریں شاعر تھا۔ اس نے اپنی طولِ عمری کے متعلق ذیل کے اشعار لکھے ہیں جو اسکی استعداد اور جامعیت کے سچے ثبوت ہیں۔

كَفَى بِسِرَاجِ الشَّيْبِ فِي الرَّأْسِ هَادِيًا
لِمَنْ قَدْ أَضَلَّتْهُ الْمَنَايَا لَيَالِيَا
أَمِنْ بَعْدِ إِبْدَاءِ الْمَشِيبِ مَقَاتِلِي
لِرَامِي الْمَنَايَا تَحْسَبِينِي رَاجِيَا
غَدَا الدَّهْرُ يَرْمِينِي فَتَدْنُو سِهَامُهُ
لِشَخْصِي أَخْلِقْ أَنْ يُصِبْنَ سَوَادِيَا
وَكَانَ كَرَامِي اللَّيْلِ يَرْمِي فَلَا يَرَى
فَلَمَّا أَضَاءَ الشَّيْبُ شَخْصِي رَمَانِيَا

پیری کے سبب بالوں کی سفیدی چراغ کے مانند ہے کہ موت کی رہنمائی کرتی ہے اُس شخص کیلیے جسکے ایام جہالت بہت کم رہ گئے ہیں۔ آیا تم گمان کرسکتے ہو کہ جب پیری آگئی تو تمکو موت سے نجات مل سکتی ہے۔ زمانہ نے تیر قضا سے میرے اُن تمام اعضا کو سوراخدار بنا دیا ہے جو طولعمری کی وجہ سے قریب فنا پہنچے ہوئے تھے۔ زمانہ کے تیر میرے جسم میں بالکل قریب آملے ہیں اور حقیقت یہ ہیں اُن تیروں کے زخم کھانے کا شایاں و سزاوار ہوں۔ کیونکہ میں جب جوان تھا تو میرے تمام بال سیاہ تھے اور اُن کی تیرگی اور سیاہی کے باعث تیر قضا کو میرے جسم تک پہنچنے کے لیے راہ نہیں ملتی تھی۔ اور جب وہ بال سفید ہو گئے اور اُسکی روشنی تمام میں پھیلگئی تو پھر زمانہ کے تیر میرے بدن پر آنے لگے۔

زہیر ابن جناب کلیب وائل کا ہمعصر تھا۔ اور کوئی شخص اُسوقت اہلِ عرب میں اُسکے ایسا شجاع اور دلاور نہیں تھا اور سلاطین عرب کے نزدیک جیسی اسکی قدر و منزلت کی جاتی تھی ویسی کسی اور کی نہیں کی جاتی تھی۔ اور حسن تدبر کے باعث سے اُسکو تمام عرب کے لوگ کاہن کہتے تھے۔ اُس کی بہت سی نظمیں اسوقت تک یادگار ہیں اور عرب کے اعلے لٹریچر میں شمار کی جاتی ہیں۔

عبید ابن سرید جرہمی

عرب کے مشہور معمرین سے ہے۔ اسکی عمر ساڑھے تین سو برس کی بتلائی جاتی ہے۔ اس نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی زمانہ دیکھا تھا اور معاویہ ابن ابی سفیان کے وقت تک زندہ رہا۔ ایک روز معویہ کے پاس آیا اور معویہ نے اُس سے اُس کی طولعمری کے متعلق پوچھا تو اُسنے بیان کیا کہ دنیا سوائے اسکے اور کیا ہے کہ دن ہوتا ہے اور رات ہوتی ہے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا ہے جس میں اُسکے موجودہ لوگوں نے اُسکی شکایت نہ کی ہو اور آجتک میں نے اپنی اتنی بڑی عمر میں کسی شخص کو ایسا نہیں پایا کہ وہ ہزار برس کی طولانی عمر بھی پاکر اپنے اور جینے کی تمنا نہ رکھتا ہو۔

ابن ورید ازدی

عمانی اپنی کتاب معمرین عرب میں لکھتا ہے کہ احمد ابن یحیے اور احمد ابن محمد وراق کا بیان ہے کہ ربیع ابن ضبع فرازی ۸۶ سنہ ہجری میں عبد الملک بن مروان کے سامنے حاضر کیا گیا۔ اسکی عمر تین سو اسّی برس کی ہو چکی تھی۔ عبد الملک نے اُس سے دنیا کے حالات پوچھے تو اُس نے بیان کیا کہ اور تو میں جانتا نہیں مگر میں نے اُسکے متعلق یہ دو شعر کہے ہیں جس سے دنیا کے حالات بخوبی معلوم ہوتے ہیں

أَدْرَكْتُ عُمْرِي وَقَدْ طَوَّلَنِي | هَا أَنَا ذَا آمُلُ الْخُلُودَ وَقَدْ
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ فَالْأَمَدُ | أَنَا امْرِئُ الْقَيْسِ قَدْ سَمِعْتُ بِهِ

لوگ آگاہ ہو جائیں کہ میں وہ شخص ہوں کہ طول عمر کا اور زندگی کا خواہشمند ہوں۔ حالانکہ میں وہ جہاندیدہ شخص ہوں جسنے امرؤ القیس کے باپ حجر کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے افسوس افسوس۔ اتنی طویل عمر پاکر بھی اپنے اور جینے کی تمنا رکھتا ہوں اور اپنی طوالت عمر کا خواہشمند بنا رہتا ہوں یہ سنکر عبد الملک نے کہا حقیقتاً میں نے اپنے لڑکپن میں تیرا یہ شعر اکثر سنا ہے۔ ربیع نے کہا کہ اس مضمون میں ہم نے ایک اور شعر بھی کہا ہے اور وہ یہ ہے ؎

إِذَا عَاشَ الْفَتَى مِائَتَيْنِ عَامًا | فَقَدْ ذَهَبَ اللَّذَاذَةُ وَالْغَنَاءُ

یعنی جو شخص دو سو برس تک کامل زندہ رہتا ہے امارت اور دنیا کے تعیش کے سارے لطف اُس سے دور ہو جاتے ہیں عبد الملک نے کہا کہ میں نے تیرا یہ شعر بھی اپنی طفولیت میں اکثر سنا اسکے بعد عبد الملک نے اُس سے پوچھا کہ تم اپنی زندگی کا حساب تو مجھے بتاؤ۔ ربیع نے کہا کہ دو سو برس تک زمانہ

فترت ما بین جناب عیسےٰ اور محمد علیہما السلام میں - اور ایک سو بیس ۱۲۰ برس تک ایام جاہلیت میں اور ساٹھ برس تک زمانۂ اسلام میں میں نے زندگانی کی ہے - عبدالملک نے کہا کہ جوانانِ قریش میں سے ایسے مشہور لوگوں کے نام تو بتلاؤ جو نام کے اعتبار سے تو موافق ہوں مگر اوصاف کے لحاظ سے مخالف ربیع نے جواب دیا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - وہ بہت بڑے صاحب علم و احسان تھے اور اُنکا خوانِ ضیافت ہمیشہ وسیع اور کشادہ رہتا تھا - عبدالملک نے کہا اور ربیع نے کہا عبداللہ بن جعفر علیہ السلام یہ سراپا ایک خوشبودار پھول تھے جس کی نکہت سے دل و دماغ تازہ رہا کرتے تھے - ان کے مزاج میں ملائمت اور نرمی بہت تھی اور ان کی ذات سے مسلمانوں کو بہت کم ضرر پہنچا کرتا تھا - عبدالملک نے کہا اور ربیع نے کہا عبداللہ ابن عمر - یہ بہت بڑے صاحبِ علم و احسان تھے - غم و غصہ کو اکثر پی جایا کرتے تھے - اور فتنہ و فساد سے دُور رہا کرتے تھے - عبدالملک نے کہا اور ربیع نے کہا عبداللہ ابنِ زبیر - یہ شخص پہاڑ کی مانند سخت تھا جس سے ہمیشہ خلائق پر سنگ بارانی ہوا کرتی تھی - عبدالملک نے پوچھا اس تخصیص و تفریق کو تو نے کیسے حاصل کیا؟ ربیع نے کہا کہ میں اکثر ان کی صحبت میں بیٹھا ہوں اور اِن لوگوں کی طبائع کا خوب امتحان کر چکا ہوں ؛

شق کاہنِ عربی

تاریخ کلبی میں اس شخص کی عمر تین سو برس کی بتلائی جاتی ہے - اس نے مرتے وقت اپنے تمام اعزا و اقارب اور قوم و قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا اور ایک دستور العمل لکھ کر اُن لوگوں کو دیا جو آج تک مشائخ قبیلہ بجیلہ کے پاس محفوظ ہے شق دولتِ اسلام سے محروم رہا ؛

اوس بن ربیعہ

اوس بن ربیعہ بھی عرب کے معمرین سے ہے اس نے دو سو چودہ ۲۱۴ برس کی عمر پائی - اپنی طولِ عمری کے متعلق اس نے یہ شعر کہے ہیں

لقد عمرت حتی مل اہلی — سواء عندہم و سئمت عمری
وحق لمن اتی مائتان عاما — علیہ و ادلج مرة بعد عشرا

یمل من الثواء وصبح لیل — یغادیہ دلیل بعد صبح
فابلی مثلوبی و ترکت سلوی — وبہا ما اجن ضمیر صدری

ترجمہ - میری عمر اتنی زیادہ ہوگئی کہ میرے اہل و عیال تنگ آ گئے اُن کو مساوات ہوگئی اور میں خود اپنی عمر سے عاری ہوگیا اور سچ بھی ہے کہ جس شخص کی عمر دو سو چودہ ۲۱۴ برس کی ہو جاوے وہ ناکامی و کامیابی جو ایک دوسرے کے بعد پے در پے ہوتے رہتے ہیں کیونکر عاجز نہ آجائے پس میرے اعضاء فرسودہ ہوگئے اور میری صبر و استقلال کی قوت جاتی رہی اور جن باتوں کو میں سینہ میں چھپائے ہوئے تھا ظاہر ہوگئیں ؛

عبید ابن اَبرَص

اس شخص نے تین سو برس کی عمر پائی اور جنگ قبائل میں نعمان ابن منذر نے اسکو بے قتل کرا دیا اسکا یہ قول آج تک عرب میں مشہور ہے فنیت

وافنانی الزمان و اصبحت لداتی بنو نعش و زہر الفرقد

میں فانی ہوگیا اور زمانہ نے مجھکو فانی کر دیا اور میرے اعزا اور اقارب سب کے سب تابوت کے اندر رکھ دیئے گئے اور وہ سب کے سب گویا یمن میں مدفون کر دیے گئے ؛

مستوعی ابن ربیعہ ابن کعب

تین سو ۳۰۰ برس تک جیتا رہا قبیلہ تمیم سے تھا زمانۂ اسلام تک بقیہ حیات موجود تھا مگر مشرف بہ اسلام نہ ہوا ؛

وُرید ابن زید بن فہد

ساڑھے چار سو برس تک زندہ رہا اپنی طولِ عمری کے متعلق اس نے یہ شعر یادگار چھوڑا ہے

القی علی الدھر رجلا و یدا — فالدھر ما یصلح یوما افسدا
یصلحہ الیوم و یفسدہ غدا

زمانہ نے مجھ کو اور میرے ہاتھ پاؤں کو ڈالدیا حالانکہ جو زمانے گزر چکے پھر اُن کی اصلاح و ترمیم نہیں ہو سکتی اگر آج کچھ اصلاح کی بھی گئی تو پھر کل سویرے کچھ بھی نہیں ؛

شَریّہ ابن عبداللہ جعفی

تین سو برس تک زندہ رہا اور خلافتِ ثانی کے ایام میں عمر بن الخطاب خلیفۂ دوم کے پاس حاضر ہوا وہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھے تھے - شریّہ کہنے لگا کہ تم اسوقت جہاں بیٹھے ہو - میں نے ایک وقت سوائے ریگستان خشک کے نہ پانی کا نشان دیکھا تھا اور نہ درخت کا - مگر کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا تھا جو تم لوگوں کی طرح کلمۂ شہادت (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھتے تھے -

شریہ کا بیٹا بھی اسوقت اُس کے ساتھ تھا گروہ شیخ فیت اور کھوسٹ کے اُس درجہ تک پہنچگیا تھا کہ اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر راستہ چلتا تھا۔ اور جہاں بیٹھتا تھا باپ کا تکیہ لگا کر۔ یہ حالت دیکھ حضرت عمرؓ نے شریہ سے پوچھا کہ تعجب ہے کہ باوجود اس کبرسنی کے تم ایسے قوی اور توانا معلوم ہوتے ہو بخلاف تمہارے تمہارا بیٹا جو سن میں تم سے کہیں چھوٹا ہے ایسا کمزور اور ضعیف ہوگیا ہے کہ تم اُس کی حمایت اور اعانت کرتے ہو۔ شریہ نے کہا کہ اے امیر! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ستر برس کی عمر تک شادی ہی نہیں کی تھی۔ بعد اس کے میں نے ایک نیک مزاج اور باعصمت عورت کے ساتھ شادی کی جس نے مجھے ہمیشہ راحت و آرام پہنچایا اور کبھی مجھ کو اس سے کوئی تکدر یا کلفتِ خاطر نہیں ہوئی۔ بخلاف میرے بیٹے کے کہ اُس نے کم عمری میں شادی کی اور ایسی بے حیا۔ بے حمیت اور بے غیرت عورت کے ساتھ جو ہمیشہ اس کے لیے صدمات اور فکرو ترددات کا باعث ہوا کی سو یہی اسکے جلد ضعیف ہوجانے کی خاص وجہ ہے +

عوف ابنِ کنانہ کلبی

کامل تین سو برس تک زندہ رہا۔ مرنے کے وقت اپنی قوم کے تمام لوگوں کو جمع کیا اور اُن کو بہت سی مفید نصیحتیں دستور العمل کے طور پر لکھوا دیں اور آخر میں یہ دو شعر بھی

بو کُلُّ ذِی لُبٍّ بِمُؤتِیکَ نُصحَہٗ | وَلَا کُلُّ مُؤتٍ نُصحَہٗ بِلَبِیبٍ
وَلٰکِن اِذَا مَا اسْتَجْمَعَا عِندَ وَاحِدٍ | فَحُقَّ لَہٗ مِن طَاعَۃٍ بِنَصِیبٍ

جو صاحب عقل و ادراک ہیں وہ کبھی کسی کو نصیحت نہیں کرتے اور جو لوگ کہ عموماً لوگوں کو نصیحت کرتے پھرتے ہیں وہ عموماً عاقل نہیں ہوتے اور اگر یہ دونوں اوصاف ایک شخص واحد میں جمع ہوجائیں تو سُننے والوں پر اُس کی اطاعت واجب ہوجاتی ہے +

ذوالاصبع عدوانی

تین سو برس تک جیتا رہا۔ اسکا اصلی نام حرثان ابن حرث ابن محرب تھا +

جعفر ابن قبط

یہ بھی تین سو برس تک زندہ رہا۔ اور شیوع اسلام تک باقی تھا +

عامر ابن ظرب عدوانی

اس نے بھی تین سو برس کی عمر پائی +

محقن ابن غسان ابن عمر ابن قطیعہ زبیدی

دو سو پچاس برس تک زندہ رہا۔ اس نے اپنی طول عمری کے متعلق بہت سے اشعار یادگار چھوڑے ہیں +

سیفی ابن ریاح

اسکی کنیت ابو الکثم ہے۔ دو سو ستر برس تک زندہ رہا۔ اُسکے وصایا آج تک اہل عرب میں دستور العمل سمجھے جاتے ہیں +

قس ابن ساعدہ

اس شخص نے کامل چھ سو برس کی عمر پائی اور اپنی طولِ عمری کی یادگار میں یہ دو شعر باقی چھوڑے۔

هَلِ الْغَیْثُ یُعْطِی الْاَمْرَ عِنْدَ نُزُوْلِہٖ | بِحَالِ مُسِیْءٍ فِی الْاُمُوْرِ وَمُحْسِنٍ
وَمَنْ قَدْ تَوَلّٰی وَھُوَ قَدْ فَاتَ ذَاھِبٌ | فَھَلْ یَنْفَعَنِّی لَیْتَنِی وَلَوْ اَنَّنِی

آب باران کے فیوض کو اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگوں کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ اسکا نزول اچھے لوگوں کے لیے ہے۔ جس کی موت آتی ہے وہ مر جاتا ہے تو پھر اب اُس کے حق میں یہ کہنا کہ کاش ابھی وہ نہ مرتا اُس کو اب کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا +

ربیع ابن ضبع فزاری

یہ بھی عرب کے معمرین میں داخل ہے۔ دو سو چالیس برس تک زندہ رہا۔ دولت اسلام سے مشرف ہوا اور معاویہ ابن ابو سفیان کی حکومت تک زندہ رہا۔ جب دو سو برس کی عمر ہو چکی تو اس نے ذیل کے اشعار نظم کیے۔

اَلَا اَبْلِغْ بَنِیَّ بَنِیْ رَبِیْعٍ | فَاَشْرَارُ الْبَنِیْنَ لَکُمْ فِدَاءٌ
بِاَنِّیْ قَدْ کَبِرْتُ وَدَقَّ عَظْمِیْ | فَلَا تَشْغَلْکُمُ عَنِّی النِّسَاءُ
فَاِنَّ کَنَائِنِیْ لَنِسَاءُ صِدْقٍ | وَمَا اٰلٰی بَنِیَّ وَلَا اَسَاؤُا
اِذَا کَانَ الشِّتَاءُ فَاَدْفِئُوْنِیْ | فَاِنَّ الشَّیْخَ یَھْدِمُہُ الشِّتَاءُ
اِذَا مَا حِیْنَ یَذْھَبُ کُلُّ قُرٍّ | فَسِرْبَالٌ خَفِیْفٌ اَوْ رِدَاءٌ
اِذَا عَاشَ الْفَتٰی مِائَتَیْنِ عَامًا | فَقَدْ ذَھَبَ اللَّذَاذَۃُ وَالْفَتَاءُ

میرے بیٹوں سے کہدو کہ اخلف بیٹے تمہارے اوپر سے فدا ہو جائیں۔ میں کبرسنی کی حد تک پہنچگیا۔ میری تمام ہڈیاں بوسیدہ اور نازک ہوگئیں اپنی عورتوں کے ساتھ تفتیش میں پڑکر میری خبرگیری کو نہ بھولو۔ کیونکہ تمہاری ہمسر عورتیں بھی راستگو اور وفادار ہیں ہمارے بیٹوں نے ہماری خدمت میں کوئی کمی یا کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ جب جاڑے کے دن آئیں تو مجھ کو خوب گرم کپڑے پہناؤ کیونکہ جاڑے کا موسم بوڑھوں کو منہدم اور فنا کر دیتا ہے۔ اور جب گرمی کے ایام آئیں تو بالکل ہلکا کپڑا یا کوئی چادر مجھے اڑھادو۔ سادہ رداہی مجھے کافی ہوگی۔ جس وقت آدمی کی عمر دو سو برس کی ہو جاتی ہے تو اُس سے جوانی اور جوانی کی تمام لذتیں یکبارگی سلب ہو جاتی ہیں ❊

ابو طحمان قینی

ابو حاتم جستانی کی تحقیق میں ابو طحمان کی عمر دو سو برس کی ہوئی۔ اُس نے اپنی طولِ عمری کے متعلق یہ دو شعر یادگار چھوڑے ہیں

حَنَتْنِی حَانِیَاتُ الدَّهْرِ حَتّٰی | کَاَنِّی خَاتِلٌ یَدْنُو لِصَیْدِ
قَصِیْرُ الْخَطْوِ یَحْسَبُ مَنْ رَاٰنِیْ | وَلَسْتُ مُقَیَّدًا اَنِّیْ بِقَیْدِ

حادثاتِ زمانہ نے میرے قد کو خمیدہ کر دیا اور میں اپنی خمیدگی کی وجہ سے اُس شخص سے مشابہ ہوگیا جو اپنے شکار کی گھات میں جھک کر چلتا ہے۔ اور میں اُس شخص کے مانند بھی ہوگیا ہوں جو زنجیر وغیرہ میں مقید ہونے کے باعث جھک کر چلنے پر مجبور ہو۔ ابو طحمان اپنے زمانہ کا بہت بڑا شاعر شہ زور اور نغز گو شاعر گزرا ہے۔ تاریخ سجستانی میں اسکے تفصیلی حالات مندرج ہیں

عبد المسیح ابن بصلہ

یہ شخص بھی عرب کے معمرین سے ہے۔ یہ شخص عرب کے قبیلۂ بنی غسان سے تھا جو ایک مدت تک جزیرہ نمائے عرب میں حکومت کر چکے تھے۔ کلبی اور ابو مخنف نے ساڑھے تین سو برس تک اس کی عمر کا اندازہ لگایا ہے۔ اور عاصمی اور سجستانی وغیرہ نے اس سے زیادہ مدت کا شمار کیا ہے اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ شخص شیوعِ اسلام تک ضرور زندہ تھا مگر اسلام سے مشرف نہ ہوا اور بالآخر دین عیسائی اور طریقۂ آبائی پر رہا۔ خالد ابن ولید نے جب شہر حیرہ من مضافاتِ ملک شام پر فوج کشی کی تو اُس علاقہ کے تمام لوگ اس قدیم شہر میں محصور ہوگئے جس کو عرب کے قدیم اور بہت بڑے مشہور بادشاہ نعمان ابن منذر نے بسایا تھا۔ اور اپنے ممالکِ محروسہ کا دار الحکومت بنایا تھا۔ خالد نے یہ سنکر اس شہر کا بھی محاصرہ کر لیا اور محصورین شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ جو شخص تم لوگوں میں سب سے زیادہ قابل اور گویا ہو اسکو لے آؤ کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان امورِ متنازع فیہ کا تصفیہ کر جائے۔ اہالیانِ شہر نے عبد المسیح کو جو اُسی شہر میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر رہا کرتا تھا بھیجا۔ جب وہ خالد کے پاس آیا تو اُس نے سلام کی جگہ پر کہا اَنْعِمْ صَبَاحًا اَیُّهَا الْمَلِکُ۔ صبح کے وقت تم با نعمت و لذت رہو اے امیر۔ خالد نے اس کے جواب میں کہا کہ خدائے تبارک و تعالےٰ نے مجھ کو تمہارے سلام و تحیۃ سے بے نیاز کر دیا ہے مگر تم اتنا مجھ کو البتہ بتلاؤ کہ تم نے اپنے آنے میں ابتدا کہاں سے کی ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے آنے کی ابتدا میرے باپ کے صلب سے ہوئی ہے۔ خالد نے پوچھا کہ پھر نکلے کہاں سے؟ اُس نے کہا کہ ماں کے پیٹ سے۔ خالد نے پوچھا کہ پھر قائم کہاں ہوئے؟ جواب ملا کہ زمین پر۔ خالد نے پوچھا کہ کس چیز کے اندر بیٹھے ہو؟ کہا کہ ہمیشہ کپڑوں کے اندر رہتا ہوں۔ یہ سنکر خالد نے کہا کہ سوائے آج کے اور کوئی دن میں نے آجتک ایسا نہیں دیکھا ہے کہ اس شخص سے جو پوچھتا ہوں اُس کا جواب اپنے مقصود کے خلاف پاتا ہوں۔ عبد المسیح نے کہا کہ میں خلاف یا موافق جواب کو تو جانتا نہیں اتنا البتہ جانتا ہوں کہ تم نے اس وقت تک جو کچھ پوچھا میں نے اُسکا جواب دیا۔ اب آیندہ جو کچھ پوچھوگے اُس کا جواب دیا جائیگا۔ خالد نے پھر پوچھا کہ تم عرب ہو یا نبط؟ اُس نے کہا میں عرب ہوں مگر نبطیوں کی شکل میں آیا ہوں۔ میں نبطی ہوں مگر عرب کی شکل میں آیا ہوں۔ خالد نے پوچھا کہ اچھا تو اب اِس وقت تم ہم سے جنگ کروگے یا مصالحہ؟ عبد المسیح نے کہا مصالحہ۔ خالد نے کہا پھر اتنے ہمراہیوں کو کیوں ساتھ لائے ہو؟ اُس نے کہا کہ شاید تم سے گفتگو کرنے میں کوئی قصور یا خطا کر جاؤں تو ان میں سے جو دانشمند اور ہوشیار ہوگا وہ فوراً موقع پر میری اصلاح کر دیگا۔ خالد نے پوچھا کہ اسوقت تمہاری عمر کتنی ہوئی ہوگی جو تم نے کہا کہ ساڑھے

تین سو برس کی۔

ابوالحسن نسابہ اصفہانی نے اپنی کتاب فرع و شجر میں اس کا پورا حال لکھا ہے اور صرف اُس کی حکومت کی مدت کو دو سو برس بتلایا ہے۔

عمر ابن عامر ابن مرتقانی

ابوالحسن اصفہانی نے ابن حبس الضاری کی اسناد سے اِس شخص کی عمر آٹھ سو برس کی بتلائی ہے اس کی زندگی میں اس کے چاروں بیٹوں کی عمر پانچ پانچسو برس کی ہو چکی تھی۔

ریان ابنِ دومغ فرعون مصر اور جنابِ قائم علیہ السلام کی بشارت

ابوالقاسم محمد ابن قاسم کا بیان ہے کہ ابوالحسن حماد دیہ ابن احمد ابن طولون نے شہر مصر میں تھوڑا سا خزانہ پالیا۔ وہ کچھ ایسا بیش بہا تھا کہ اُس کے قبل اور اُس کے بعد سے آج تک پھر ویسی اور اتنی دولت کسی نے نہیں پائی۔ یہ خزانہ پاکر ابوالحسن کی حرص بڑھ گئی۔ اپنی موجودہ فکر میں اُس نے اہرامِ مصری کی اُن دونوں عمارتوں کے مسمار کرنے کا قصد کیا جو شمال و مغرب کے گوشہ کی طرف مصر کے بیرونِ شہر واقع تھیں۔ اُس کے ہمراہیوں نے تو اُسکی رائے سے اتفاق کیا مگر مصر کے معتمدین اور معززین نے اُسکو اِس قصد سے باز رکھنا چاہا۔ اور بیان کیا کہ ایسا قصد کرنے والوں کو کبھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ وہ قبل از وقت ہلاک ہو ہو گئے ابوالحسن نے اُنکے کہنے پر کوئی اعتنا نہیں کی۔ اور ایک ہزار مزدوروں کی جماعت کے ساتھ اُن عمارتوں کے انہدام کا کام شروع کرا دیا۔ کامل ایک سال تک برابر کام لگا رہا مگر کہیں اندر جانے کا کوئی راستہ پیدا نہوا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ تھک تھک کر عاجز ہو گئے اور اپنی کامیابی سے مایوس ہو گئے جب وہ لوگ مایوس ہو کر وہاں سے پھرنے لگے تو اتفاقِ وقت سے یکایک اُن کو ایک راہ ملی اور وہ اُسی سوراخ سے اُسکے اندر گئے تو دیکھا کہ ایک سنگِ مرمر کی سِل دیوار میں نصب ہے اِن لوگوں نے اُس سِل کو مکانِ مطلوبہ کا دروازہ سمجھا۔ اور اُسکو وہاں سے اُکھاڑ کر باہر لائے۔ اُسپر دیکھا تو تمام یونانی عبارت کندہ تھی۔ ابوالحسن نے مصر کے تمام علماء و فضلاء کو جمع کیا اور وہ عبارت دکھلائی۔ مگر کوئی بھی اُسے نہ پڑھ سکا اِن علماء میں حافظ ابوعبد اللہ مدینی بھی تھے۔ یہ شخص حافظ بھی تھا اور عالم ذوفضل بھی۔ اُس نے ابوالحسن کو مخاطب کرکے کہا کہ اے امیر! ہم میں سے کوئی شخص اِس عبارت کو نہیں پڑھ سکتا اور نہ اِسکے پڑھنے والے کو بتا سکتا ہے۔ مگر میں تجھے بتلائے دیتا ہوں کہ جزیرۂ حبش میں ایک عالم نصرانی ہے جسکی عمر اِس وقت تین سو ساٹھ برس کی ہو چکی ہے وہ البتہ اِس خط کو جانتا ہے۔ اگر وہ یہاں آئے یا یہ لوح اُسکے پاس جائے تو البتہ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ابوالحسن نے اُسی وقت ایک نامہ بادشاہ حبش کے نام لکھا اور اُس معمر نصرانی کو بُلا بھیجا۔ بادشاہِ حبش نے جواب میں لکھ بھیجا کہ وہ شخص اتنا ضعیف اور کبیر السن ہے کہ نقل و حرکت نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسی نہ کسی طرح وہ آپ کی خدمت میں بھیج بھی دیا جائے تاہم زحمتِ سفر اور تغیرِ آب و ہوا کی وجہ سے اُس کے ہلاک ہو جانے کا پورا اندیشہ ہے جسکو نہیں گوارا کر سکتا ہوں اور نہ میری رعایا۔ اِس لیے میں اسکو نہیں بھیج سکتا۔ ہاں اگر وہ لوح آپ بھیجدیں تو البتہ اُسکی عبارت مع مطلب و مضامین کے نقل کراکے آپ کے پاس بھیجدیجائیگی۔

ابوالقاسم کا بیان ہے کہ ابوالحسن نے مجبور ہو کر آخر کار اپنے معتمدین کی ایک جماعت کو جن میں میں بھی تھا اُس لوح کے ہمراہ روانہ کیا۔ ہم لوگ شہر اشوان سے اُس لوح کو لیکر کشتی پر سوار ہوئے اور نہایت عجلت سے ملک حبشہ میں داخل ہوئے۔ اُس عالمِ نصرانی کے پاس پہنچے تو اُس نے اُس عبارت کو بتمام و کمال پڑھ دیا پہلے اپنی زبانِ حبش میں پھر زبانِ عربی میں ترجمہ کرکے بتلایا۔ وہاں سے ہم لوگ بخیر و خوبی پھر ابوالحسن کے پاس لوٹ آئے اور لوح اور اُسکا ترجمہ اُس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اُس کا خلاصۂ مطلب یہ تھا:۔

اِس کا بانی میں ریان ابن دومغ ہوں۔ ابوالحسن نے حافظ مدینی سے پوچھا کہ ریان ابنِ دومغ کون شخص ہے؟ اُس نے کہا عزیز مصر تھا جس کے وقت میں حضرت یوسف

علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام تھے۔ ریّان کی عمر سات سو برس کی تھی۔ اور اُس کے باپ دُومَغ کی عمر تین ہزار برس کی تھی۔ آگے چلکر اُس لوح میں یہ عبارت کندہ تھی۔

میں رَیّان ابنِ دُومَغ ہوں۔ میں چار لاکھ فوج لیکر رودِ نیل کے منبع کی تلاش میں نکلا اور اسّی برس تک اُس کا منبع تلاش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ پردۂ ظلمت تک پہنچگیا۔ مگر کہیں اُس کے منبع کو نہ پاسکا۔ آخر کار اسی تجسّس میں میرا تمام ہمراہی لشکر تباہ و برباد ہوگیا۔ اور چار لاکھ آدمیوں میں سے کل چار ہزار باقی رہ گئے۔ اُس وقت میں اپنے ملک کی تباہی اور سلطنت کے زوال کی طرف سے خوف زدہ ہوکر واپس آیا۔ اور مصر میں پہنچکر اِن دونوں اہرام کی عمارت تیار کی۔ اور اپنے تمام خزینوں اور دفینوں کو اُن میں رکھدیا اور اپنے اِس امر کی یادگار میں ہمیں نے چند اشعار بھی نظم کیے جو اس لوح پر منقوش کیے جاتے ہیں۔

وَاَدْرَكَ عِلْمِي بَعْضَ مَا هُوَ كَائِنٌ ۔۔ وَلَا عِلْمَ لِي بِالْغَيْبِ وَاللهُ اَعْلَمُ
وَاَتْقَنْتُ مَا حَاوَلْتُ اِتْقَانَ صُنْعِهِ ۔۔ وَحَكَّمْتُهٗ وَاللهُ اَقْوٰى وَاَحْكَمُ
وَحَاوَلْتُ عِلْمَ النِّيْلِ مِنْ بَدْءِ فَيْضِهِ ۔۔ فَاَعْجَزَنِي وَالْمَرْءُ بِالْعَجْزِ مُلْجَمُ
ثَمَانِيْنَ شُهُوْرًا قَطَعْتُ مَسَالِكًا ۔۔ وَحَوْلِي بَنُوْ حَجْرٍ وَجَيْشٌ عَرَمْرَمُ
اِلٰى اَنْ قَطَعْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ كُلَّهُمْ ۔۔ وَعَارَضَنِي لُجٌّ مِنَ الْبَحْرِ مُظْلِمُ
فَاَيْقَنْتُ اَنْ لَا مَنْفَذَ اَبْعَدَ مَنْزِلِي ۔۔ لِذِي هِمَّةٍ بَعْدِي وَلَا مُتَقَدِّمُ
فَاُبْتُ اِلٰى مُلْكِي وَاَرْسَيْتُ نَادِيًا ۔۔ بِمِصْرَ وَلِلْاَيَّامِ بُؤْسٌ وَاَنْعُمُ
اَنَا صَاحِبُ الْاَهْرَامِ فِي مِصْرَ كُلِّهَا ۔۔ وَبَانِي بَرَابِيْهَا بِهَا وَالْمُقَدَّمُ
تَرَكْتُ بِهَا آثَارَ كَفِّي وَحِكْمَتِي ۔۔ عَلَى الدَّهْرِ لَا تَبْلٰى وَلَا تَتَهَدَّمُ
وَفِيْهَا كُنُوْزٌ جَمَّةٌ وَعَجَائِبُ ۔۔ وَلِلدَّهْرِ اَمْرٌ مَرَّةً وَتَهَجُّمُ
سَيَفْتَحُ اَقْفَالِي وَيُبْدِي عَجَائِبِي ۔۔ وَلِيٌّ لِرَبِّي آخِرَ الدَّهْرِ يَنْجُمُ
بِاَكْنَافِ بَيْتِ اللهِ تَبْدُوْ اُمُوْرُهٗ ۔۔ وَلَا بُدَّ اَنْ يَعْلُوْ وَيَسْمُوْ بِهِ السُّمُ
ثَمَانٍ وَتِسْعٌ وَاثْنَتَانِ وَاَرْبَعٌ ۔۔ وَتِسْعُوْنَ اُخْرٰى مِنْ قَتِيْلٍ وَمُلْجَمُ
وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا كَرُّ تِسْعِيْنَ خَمْسَةً ۔۔ وَمِنْ بَعْدِ الْبَرَايَا تَسْتَقِرُّ وَتَهْدِمُ
وَتُبْدِي كُنُوْزِي كُلَّهَا غَيْرَ اَنَّنِي ۔۔ اَرٰى كُلَّ هٰذَا اَنْ يُفَرِّقَ الدَّمُ
رَمَزْتُ مَقَالِي فِي صُخُوْرٍ قَطَعْتُهَا ۔۔ سَتَفْنٰى وَاَفْنٰى بَعْدَهَا ثُمَّ اَعْدَمُ

ترجمہ۔ میری عقل نے بعض ہونے والی اشیاء کو معلوم کرلیا ہے۔ حالانکہ مجھے علم غیب نہیں ہے اور تمام چیزوں کا جاننے والا پروردگار عالم ہے جن اشیاء کے محکم کرنے کا قصد میں نے کیا تھا میں نے اُن کو مستحکم کرلیا۔ اور خدائے برتر مجھ سے زیادہ تر قوی اور احکم ہے۔ میں نے قصد کیا کہ میں رود نیل کے منبع کو تلاش کروں۔ میں عاجز آگیا اور اسکو کسی طرح پیدا نہ کرسکا اور انسان اپنی عاجزی اور مایوسی کی حالت میں اپنا سر نیچے ڈال دیتا ہے۔ اسّی برس تک میں سیر و سیاحت کرتا رہا میرے ساتھ صاحبانِ عقل و فراست کی کثیر التعداد جماعت موجود تھی میں نے انسان و جن کے تمام اقالیم کی سیر کی اور بحرِ ظلمات تک پہنچگیا اور یہاں پہنچکر مجھے یقین ہوگیا کہ کوئی شخص مجھ سے پہلے اس مقام تک نہیں پہنچا اور نہ میرے بعد کوئی یہاں تک پہنچنے کی جرأت و ہمت کرسکیگا۔ یہ سوچکر میں اپنے ملک کو واپس آیا اور راحت و آرام سے اپنی حیات کے زمانہ کو تمام کرنے لگا۔ دنیا میں کبھی رنج ہے کبھی راحت میں نے اہرام مصری کی ان عمارتوں کو بنایا اور اپنی حکمت و صنعت کی صورتوں کو دکھلایا ہے۔ اور دنیا میں اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ یہ مدتِ مدید تک دنیا میں قائم رہینگی اور کبھی کہنہ و خراب نہ ہونگی۔ اور ان دونوں عمارتوں میں بیشمار اور عجیب و غریب خزانے اور اشیاء جمع کردی گئی ہیں۔ دنیا کبھی تو انسان کو امیر اور حکمراں بناتی ہے اور کبھی ایسا کردیتی ہے کہ تمام لوگ اُسکو عاجز اور مجبور سمجھکر اُسپر ہجوم کرکے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ آخر میں ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ میرے خزانوں کے قفل کو ایک بزرگ جو اُس زمانہ میں ولیِ خدا ہوگا کھولیگا اور اُس کے تمام عجائب و غرائب کو دنیا پر ظاہر کریگا۔ اس کے تمام امور کا اظہار بیت اللہ (کعبہ) سے آغاز ہوگا اور اُس کے ظہور کے وقت تین سو تیرہ (۳۱۳) مومنین موقنین اُس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرینگے اور ہماری اس عمارت کو وہی لوگ خراب کرینگے۔ یہ تو زندہ لوگ ہونگے اور مردوں میں نوّے فرقہ کے لوگ پھر زندہ ہوکر اُس کی متابعت اختیار کرینگے۔ خداوند تعالےٰ اپنے اُس ولی کے مدارج کو بلند فرمائیگا اور خدائے واحد کا نام اور اُسکا دین اُسی کے وسیلہ سے واضح اور آشکارا ہوگا۔ اس

عمارت سے یہی بزرگ میرے تمام دفائن و خزائن کو باہر نکالیں گے اور مجھ کو معلوم ہے کہ وہ یہ تمام رقم جہاد فی سبیل اللہ کے مصارف میں خرچ فرمائیں گے۔ میں نے بخیالِ تحفظ اپنے ان وصایا کو اس لوحِ سنگین پر اسرارِ مخفی کی صورت میں کندہ کرا دیا ہے مگر تاہم مجھ کو یقین ہے کہ یہ آثار بھی بہت جلد فنا ہو جائیں گے اور اپنا کیا موقوف ہے میں آپ بھی بہت جلد فنا اور معدوم و مفقود ہو جانے والا ہوں

معمرینِ فارس

یہ تو عرب کے معمرین کے حالات تھے۔ فارس کے معمرین کے متعلق یہ تفصیل تاریخوں میں پائی جاتی ہے کہ ملوکِ فارس کے سلسلہ میں ضحاک (صاحبِ دوبار) کی عمر بارہ سو برس اور فریدون عادل کا سن تین ہزار برس کا بتلایا جاتا ہے اور جس بادشاہ نے مہرجان کی ایجاد کی وہ ڈیڑھ ہزار برس جیتا رہا

ہماری اس طول و طویل اور پر تفصیل فہرست سے کتنے معمرینِ زمانہ کے نام معلوم ہوئے جن میں تین ہزار بلکہ زائد عمر والوں سے لیکر دو سو اور تین سو برس تک کے عمر پانیوالوں کے نام اور ان کے حالات و واقعات معلوم ہو گئے۔ اس فہرست کو دیکھکر طولِ بقا کے مسئلہ سے انکار کرنیوالے حضرات کسی کی طولِ عمری کو جو ان کی موجودہ عمرِ طبعی کی مدت سے زائد ظاہر ہوتی ہے کیسے محالِ فطری یا محالِ عادی کہہ سکتے ہیں۔ اتنے واقعات و حالات جو فریقین کے معتبر ماخذوں سے اوپر لکھے گئے ہیں کیا دنیا کے مشاہدات نہیں کہلائیں گے۔ پھر اتنی متواتر مشاہدات کے مقابلہ میں جن کی ایک نہیں متعدد مثالیں ابتدائے عالم سے اسوقت تک ہر طبقہ اور ہر درجہ اور ہر وقت میں پیشِ نظر آچکی ہیں۔ معترضین کی تشفی اور تسکین کیلئے کافی نہ ہونگی۔ کیا حقیقتاً اتنے معمرینِ زمانہ کے حالات جو تاریخِ قدیمہ میں بالتفصیل قلمبند پائے جاتے ہیں وہ سب افسانے اور پرانے ڈھکوسلے ہیں۔ کیا کلبی عاصمی۔ ابو زید اور ابو مخنف وغیرہم اور بہت سے علمائے متقدمین کی معتبر اور مستند تالیفات جو خاصکر معمرینِ روزگار کے حالات میں مرتب کیے گئے ہیں بالکل اساطیر الاولین ہیں جن پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہی جواب ہے تو خیر یہ تو معمولی علماء کی ادنےٰ تالیفات تھیں کتاب اللہ محکم میں اصحابِ کہف کی نسبت کیا ارشاد کیا جائیگا اور زیادہ ان کے کتے کے متعلق کیا کہا جائیگا جو عمرِ طبعی میں از روئے علمِ حیوانات بمقابلۂ انسان بہت کم حصہ پانیوالا ہے یہ تمام فساد اور برے اعتقاد خدا کی قدرتوں میں دخل در معقولات اور چھوٹا منہ بڑی بات کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اس میں شک نہیں کہ اس کے قانونِ قدرت بہت کم بدلتے ہیں۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی وقت کسی حالت میں اپنے کسی نظام میں تغیر و تبدل پیدا کرنے سے مجبور سمجھ لیا جائے جو اس کی صفاتِ واجبہ کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس نے اپنے نظام کے لیے ضرور ایک قانون بنایا ہے۔ مگر پھر اپنی قدرتِ کاملہ کے ثابت کرنے کی ضرورت سے ان میں ضرور ایسے تغیر پیدا کرتا ہے جن سے اسکی قوت و جبروت کے کامل ثبوت مل جاتے ہیں۔ اسی سے ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ باوجود ان مشاہدِ روزمرہ کے وہ قادرِ مطلق جسوقت چاہے اپنے نظام میں نہایت آسانی اور سہولت سے تغیر و تبدل پیدا کر سکتا ہے۔ تمام نظامِ عالم کا یہی حال ہے۔ اور ایسا ہی انسان کے نظامِ عمری کا۔ اخبار و آثارِ متواترہ سے ہر زمانہ میں انسان کی عمرِ طبعی کی ایک میعادِ خاص ضرور پائی جاتی ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی معمرین کے مستثنیات اور خاص خاص واقعات بھی روزانہ تجربات اور عام مشاہدات دنیا کے غافلوں کو اسکی قدرت اور جبروت کے تصرفات دکھلاتے اور بتلاتے جاتے ہیں

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

بات تو یہ ہے کہ نہ خدا کو مانتے۔ نہ (معاذ اللہ) یہ جھگڑے ہوتے۔ ساری دقتیں تو اس کے مان لینے سے سر پڑ جاتی ہیں تو اس صورت میں تاوقتیکہ خدا کے وجود سے انکار نہ کیا جائے اسکے وجودِ قدرت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور جب تک کہ وجودِ قدرت سے انکارِ صریح نہ کیا جائے اس کی قدرت کے تمام آثار و اقتدار علم اس سے کہ ہماری عقل۔ ہمارے تجربہ اور ہمارے مشاہدہ میں آئیں یا نہ آئیں ماننے ہی پڑینگے۔ پھر انہی اصول کے مطابق ان تمام انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے اخبار و آثار کا بھی یقینی اقرار کرنا پڑیگا جو خدا کی قدرت کے

اصلی نمونے بناکر دنیا میں مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور دنیا کی اصلاح حال کے خیال سے وقتاً فوقتاً دنیا میں نازل کیے گئے تھے کہ اُن کی مبارک ذات وصفات میں ہم قدرت الٰہیہ کے ظہور کو دیکھ کر اپنے ارتداد اور سوء اعتقاد سے باز رہیں اور اُس کے احکام مشیت۔ آثار قدرت اور نظام حکمت کے پیچھے اپنے قیاس کے گھوڑے نہ دوڑائیں۔

بہرحال اس سے زیادہ ہم اپنا وقت عزیز اس بحث میں صرف کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہم نے اپنی موجودہ بحث میں اپنی عقلی و نقلی دلائل قلمبند کردی ہیں اور دکھلا آئے ہیں کہ طول عمر کا مسئلہ کسی عنوان اور کسی طریقے سے خلاف عقل یا محال نہیں سمجھا جاسکتا +

آپ کی پیشینگوئی کے متعلق جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں

بہرحال۔ اس بحث کو تمام کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے آیندہ مضامین میں نہایت اختصار کے ساتھ وہ حالات مندرج کرتے ہیں جو پیشینگوئی اور عام بشارت کے طور پر آپ کے ظہور فرمانے کے متعلق حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ ہم ان احادیث کی نقل یا تفصیل و تشریح کو اپنے سلسلۂ بیان میں آغاز کریں۔ ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو بتلائے دیتے ہیں کہ کتب فریقین میں یہ اخبار و آثار اس کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا مشکل سے انحصار اور شمار کیا جاسکتا ہے اگر ہم ان تمام اخبار و آثار کو اسی مقام پر قلمبند کرنا چاہیں تو فریقین کی احادیث کا کافی ذخیرہ اور کامل انبار تیار ہو جائیگا اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ چند حدیثیں فریقین کے معتبر اور مستند ماخذوں سے لکھکر ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

قال الشیخ محی الدین عربی الاندلسی فی الکتاب در المکنون ومن علامات ظہور المہدی علیہ السلام خروج السفیانی وھو یرسل ثلثین الفا الی مکۃ وفی البیداء یخسفہم الارض ولا ینجوا منہم الا رجلان وتکون مدۃ حکمہ ثمانیۃ اشہر وظہور المہدی علیہ السلام فی ھذہ السنۃ قال مقاتل فی تفسیرہ والصیحۃ التی تکون فی شہر رمضان فی لیلۃ الجمعۃ ویکون فصل المہدی علیہ السلام عقبہ فی شوال ومن علامات خروج الامام المہدی علیہ السلام مناد ینادی الا ان صاحب الزمان علیہ السلام قد ظہر وھو فی لیلۃ الثالث والعشرین من شہر رمضان فلا یبقی راقد الا قام ولا قائم الا قعد وانہ یخرج فی شوال وفی وتر من السنین ویبایعہ بین الرکن والمقام ثلثمائۃ وثلثۃ عشر رجلا من الاخیار کلہم شبان لا کہل فیہم ویکون دار ملکہ الکوفۃ ویبنی لہ فی ظہر الکوفۃ مسجد لہ الف باب۔

شیخ محی الدین العربی الاندلسی کتاب در المکنون میں لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی پہلی علامت خروج سفیانی ہے جو اپنے تیس ہزار آدمی شہر مکہ کی تسخیر کیلیے بھیجیگا اور وہ سب کے سب صحرا میں دھنس جائینگے۔ اور سوائے دو آدمیوں کے اُن میں سے کوئی بھی نہ بچے گا۔ وہ کل آٹھ مہینے حکومت کریگا۔ اور جناب امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اسی سال ہوگا اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ کی علامات ظہور میں سے ایک علامت ندا بھی ہے اُن کا بیان ہے کہ یہ ندا وہ ہے جو ماہ رمضان میں شب جمعہ کو آئیگی۔ اور اُس کے بعد آپ شوال کے مہینہ میں ظہور فرمائینگے۔ اسکے بعد ندائے عامہ کو بھی وہ آپ کے علامات ظہور میں داخل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ایک منادی ندا کریگا کہ ایہا الناس آگاہ ہو جاؤ۔ جناب امام عصر والزمان علیہ الصلوۃ والسلام ظہور فرما چکے۔ یہ منادی ۲۳۔ رمضان المبارک کو ندا کریگا۔ اسکے سنتے ہی جو کھڑا ہوگا وہ بیٹھ جائیگا اور جو بیٹھا ہوگا وہ کھڑا ہو جائیگا۔ آپ شوال کے مہینے میں ظہور فرمائیں گے اور وہ سال طاق ہوگا۔ آپ کی بیعت مکہ میں رکن و مقام کے مابین کیجائیگی۔ تین سو تیرہ (۳۱۳) مومنین اُسوقت آپ کی بیعت اختیار کرینگے۔ وہ سب کے سب جوان ہوں گے اور اُن میں بڑھاپے کی کوئی علامت نمایاں نہوگی آپ کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنائیں گے اور شہر کوفہ کی پشت

پر ایک مسجد کی عمارت بنا فرمائینگے۔ جسکے ہزار دروازے ہونگے

ذکر دجّال علیہ اللعن والعذاب

شیخ محی الدین اندلسی پھراسی کتاب میں بذیل علامات ظہور جناب امام آخرالزمان علیہ السّلام خروجِ دجال کو بھی اس عبارت میں لکھتے ہیں۔ وہو ہذا۔

واماالدّجال فانّ خروجہ یکون من خراسان من ارض المشرق یوضع الفتن تتبعہ الاتراک و الیھود ویمرّ الدّجال بالحربۃ فیقول لھا اخرجی کنوزک فتتبعہ کنوزھا وھو قصیر القامۃ کھل اعور العینے مکتوب بین عینیہ ک ف ر واقام فی الارض اربعون یومًا یوم کسنۃ ویوم کشھر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایام النّاس ویقتلہ عیسٰے علیہ السّلام بباب مدینۃ لدّ واذا اقتل الدّجال فلا یبقٰے فی ارض مشرک ولاشئ من الاھواء المختلفۃ وقال اھل التّفسیر تخرج دابۃ الارض ومعھا عصاۃ موسٰی علیہ السّلام وخاتم سلیمان علٰی نبینا وآلہ وعلیہ السّلام فیجلو وجہ المومن بالعصاۃ ویختم انف الکافر بالخاتم (ینابیع المودّۃ)

دجّال خراسان کے شرقی حصہ سے خروج کریگا اور تمام فتنۂ وفساد پھیلائیگا۔ اس کی اطاعت قوم ترک اور یہود کے لوگ کرینگے اور اپنے تمام خزانے کھود کر حوالہ کریں گے دجّال پستہ قد ہوگا۔ سیدھی آنکھ سے کانڑا ہوگا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک۔ ف۔ ر۔ کافر لکھا ہوگا چالیس دن تک دنیا میں امارت کریگا۔ اس کے وقت میں ایک دن ایک مہینہ اور ایک مہینہ ایک برس ہوگا۔ لیکن جمعہ معمولی دن کے برابر ہوگا۔ اسکو جناب عیسے ابن مریم علیہ السّلام شہر لدّ (فلسطین) کے دروازے پر قتل فرمائیں گے اور جب دجّال قتل ہو جائیگا تو پھر روئے زمین پر کوئی مشرک زندہ اور باقی نہیں رہے گا۔ اور نہ کوئی کسی قسم کا ارتداد یا فتنۂ وفساد پایا جائیگا۔ اور اہل تفسیر کا قول ہے کہ دابۃ الارض (جناب مہدی علیہ السلام) ظہور فرمائیں گے تو اُنکے ساتھ عصائے موسٰی وانگشتر حضرت سلیمان علٰی نبینا وآلہ وعلیہ السّلام ہوگی۔ عصا سے وہ روئے مومن پر جلا فرمادیں گے اور انگشتری سے کافر کے منہ پر مُہر کردینگے

امام محمد ابن طلحہ الشافعی کتاب دُرّ المنظوم

میں بذکر علامات ظہور امام آخرالزمان علیہ السّلام تحریر کرتے ہیں

انّ اللہ تبارک وتعالٰی یخرج خلیفۃ فی آخر الزّمان وقد امتلأت الارض جورا وظلما فیملأھا قسطا وعدلا ولو لم یبق من الدّنیا الا یوم واحد حتّی یلی ھذا الخلیفۃ من ولد فاطمۃ الزھرا رضی اللہ عنھا وھو اقنی الانف اکحل الطّرف وعلٰی خدہ الایمن خال یعرفہ ارباب الحال اسمہ محمّد وھو مربوع القامۃ حسن الوجہ والشعر ویمیتُ اللہ بہ کلّ بدعۃ ویحیی بہ کل سنّۃ سیفی خیلہ من ارض صنعاء وعدن اسعد النّاس بہ اھل الکوفۃ ویقسم المال بالسّویّۃ ویعدل فی الرّعیۃ ویفصل فی القضیّۃ فی ایّامہ لا تدع الارض من نباتھا شیئا الا اخرجتہ وھذا الامام المھدی علیہ السّلام القائم بامراللہ یرفع المذاھب فلا یبقی الا الدّین بما یعونہ العارفون من اھل الحقائق عن شھود وکشف وتعریف الٰھی فلا یترک بدعۃ الا ویزیلھا ولا سنّۃ الا ویقیمھا (ینابیع المودّۃ فی الفصل مطبوعہ بمبئی)

خدائے تبارک وتعالٰے اپنے ایک خلیفہ کو آخر زمانہ میں ظاہر فرمائیگا جب دنیا بالکل ظلم وستم سے معمور ہوگی اور وہ دنیا کو ازسرِنو عدل وانصاف سے پُر اور مملو فرمادیگا۔ اگرچہ ایک دن بھی حیاتِ عالم میں باقی رہیگا۔ تاہم یہ خلیفۃ اللہ ضرور ظاہر ہوگا۔ اور یہ اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے ہوگا۔ اسکی بینی مبارک چھوٹی ہوگی۔ اُس کے پہلو چوڑے ہوں گے آنکھیں سرمگیں ہونگی داہنے رخسارے پر ایک مسّا ہوگا۔ اُس سے آپ کو مومنین پہچان لیں گے۔ اُن کا نام محمد ہوگا۔ وہ معتدل القامت ہوں گے۔ شکل وصورت اور خط وخال میں نہایت حسین ہونگے تمام بدعتوں کو زائل اور تمام سنتوں کو زندہ اور تازہ فرمائیں گے

تمام جھگڑوں کو فیصل کر دیں گے۔ اور اُنہی کے باعث سے تمام بدعتیں اُٹھ جائینگی اور تمام سنتیں زندہ ہو جائینگی اور اپنے تمام متبعین و معتقدین کو وہ ارض صنعاء ین سے سیراب فرمائیں گے۔ اُن کی حضور میں اہل کوفہ سب سے زیادہ مقرب ہوں گے اور وہ مال و اموال کو بالسویہ تمام لوگوں پر تقسیم فرمائیں گے۔ کوئی قطرہ باقی نہ رہیگا کہ آسمان سے برس نہ جایا کرے۔ روئید گی زمین سے کوئی چیز ایسی باقی نہ رہے گی جو اُگ نہ آیا کرے۔ اور یہی حضرت امام مہدی علیہ السلام ہونگے۔ انہی کا لقب قائم بامر اللہ ہے جو تمام ادیانِ مختلفہ کو دنیا سے محو فرمائیں گے۔ اور سوائے دین خالص کے دنیا میں کوئی اور دین باقی نہ رہیگا اور اہل حقائق اور عارف باللہ اشخاص اُن کو اپنے کشف و شہود کے طریقے اور نصوصِ الٰہیہ کے ذریعے سے پہچان لیں گے اور اُنکی بیعت و اطاعت کو اختیار فرمائیں گے۔ اُن کے زمانہ میں کوئی ایسی بدعت باقی نہ رہیگی جسکو وہ زائل نہ فرمادینگے۔ اور کوئی سنت ایسی نہ رہیگی جسکو وہ قائم نہ کر دیں گے۔

علامہ الشیخ محمد الصبّان مصری اپنی کتاب اسعاف الراغبین میں تحریر فرماتے ہیں:۔

المہدی علیہ السلام وھو من اھل البیت۔ قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم ان اللّٰہ یخرج خلیفۃ وقد امتلأت الارض جورا و ظلما فیملأھا قسطا وعدلا لو لم یبق من الدنیا الا یوم طوّل اللّٰہ ذٰلک الیوم حتّٰی یلی من عترۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم یبایع بین الرّکن والمقام اسعد الناس بہ اھل الکوفۃ ویقسم المال بالتسویۃ ویعدل فی الرّعیۃ و یفصل فی القضیۃ یخرج علی فترۃ من الدّین ومن ابی قُتل ومن نازعہ خذل یظھر من الدین ما ھو الدین علیہ

جناب امام مہدی علیہ السلام اہلبیت علیہم السلام میں سے ہونگے۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ آخر وقت میں ہمارے اہلبیت کرام علیہم السلام میں سے خداوند تعالٰی ایک شخص کو خلیفہ کریگا جو دنیا بھر کو عدل و انصاف سے اُسی طرح پُر اور مملو کر دے گا جس طرح وہ اُسکے قبل ظلم و ستم سے بھر گئی ہوگی۔ اور اگر حیاتِ عالم میں سے ایک دن بھی باقی رہے گا تو بھی خداوند عالم اُسکو اتنا طولانی فرمادیگا کہ ہماری عترت میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جسکی بیعت رکن و مقام کے درمیان کی جاویگی۔ اُس کے زمانہ میں اہل کوفہ سب سے زیادہ سعادتمند ہونگے۔ وہ مال کو بالسویہ لوگوں پر تقسیم کرینگے اور وہ رعایا کے مابین عدل و انصاف سے کام لیں گے۔ تمام قضیوں کو فیصل فرمائیں گے اور اصل دین پر ظہور کریں گے جو شخص اُن کا انکار کرے گا اُسکو قتل کر دینگے۔ اور جو منازعت یا مخالفت کریگا وہ ذلیل و خوار ہو گا۔ اور اُن سے وہی اعمال و افعال ظاہر ہونگے جو دینِ الٰہی کے اصلی مقاصد ہوں گے یہ معلوم ہو گا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم زندہ ہیں۔ اور اُنہی کے یہ احکام ہیں۔ وہ دنیا کے تمام ادیانِ مختلفہ کو اُٹھا دینگے اور تمام روئے زمین پر سوائے ایک دین خالص کے کوئی دوسرا دین باقی نہ رہیگا۔ اپنی قوتِ اصلی اجتہاد کرنے والے علماء اُن کی مخالفت کرینگے اور ایسے لوگ اُن کی بیعت تلوار کے خوف اور سطوت کی وجہ سے اختیار کرینگے۔ اُن سے تمام عامۃ المسلمین خوش رہیں گے۔ اور اہل حقائق و معرفت کشف و شہود کے طریقوں سے اُنکی بیعت اختیار فرمائیں گے۔

شیخ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ کے جزو ۳۶۷ میں یہی عبارت لکھی ہے (ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۰۹)

پھر اُسی کتاب اسعاف الراغبین میں ہے:۔

وجاء فی روایات انہ عند ظھورہ ینادی فوق راسہ ملک ھذا المھدی خلیفۃ اللّٰہ علیہ السلام فاتبعوہ فیذعن لہ الناس ویشربون حبہ وانہ یملک الارض شرقھا وغربھا وان اللّٰہ تعالی یمدہ بثلاثۃ آلاف ملٰئکۃ وان اھل الکھف من اعوانہ و ان جبرائیل علیہ السلام علی مقدمۃ جیشہ و میکائیل علیہ السلام علی ساقتہ وان المھدی علیہ السلام لیستخرج تابوت السکینۃ من غار انطاکیۃ

واسفار التوراۃ من جبلٍ بالشام یحاج بہا الیھود فیسلم کثیر منھم۔

آپ کے ظہور فرمانیکے متعلق روایات میں وارد ہوا ہے کہ ظہور فرمانے کے وقت ایک فرشتہ آپ کی پشت سر پر کھڑا ہو کر ندا کرے گا کہ یہی مہدی خلیفۃ اللہ ہیں۔ ان کی اطاعت اختیار کرو تمام لوگ اسی ذریعہ سے اُن کو پہچان لیں گے اور اپنے دلوں میں اُن کی محبت پیدا کرینگے۔ اور وہ تمام روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک بادشاہی کرینگے۔ اور خدائے تبارک و تعالےٰ تین ہزار ملائکہ سے اُن حضرت کی مدد فرمائیگا۔ اصحاب کہف ان کے اعیان میں ہوں گے۔ جبرئیل علیہ السّلام آن کے مقدمۃ الجیش۔ اور میکائیل علیہ السلام اُن کے ساقہ لشکر پر مامور ہوں گے۔ جناب امام مہدی آخرالزّمان علیہ السّلام غارِ انطاکیہ سے تابوتِ سکینہ کو باہر نکالیں گے اور مجلّدات توریت کو جبلِ شام سے برآمد فرمائیں گے۔ فرقہ یہود کے لوگ اِن سے حجّت کریں گے۔ اور پھر اُن میں سے بہت سے لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

پھر اُسی کتاب میں علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

اخرج الاحمد والماوردی انہ قال صلی اللہ علیہ والہ وسلم ابشروا بالمھدیؑ علیہ السّلام رجل من قریش من عترتی یخرج فی اختلاف من الناس وزلزال فیملأ الارض عدلا وقسطاً کما ملئت ظلما وجورا ویرضی عنہ ساکن السّماءِ وساکن الارض ویقسم المال بالسّویۃ ویملأ قلوب امۃ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم غناء ویسعھم عدلہ حتی انہ یأمر منادیا فنادی من لہ حاجۃ الی المال یأتیہ فما یأتیہ احد الا رجل واحد یأتیہ فیسئلہ فیقول المھدی علیہ السّلام ائت السادن حتی یؤتیک فیأتیہ فیقول انا رسول المھدیؑ علیہ السّلام ارسلنی الیک لتعطینی فیقول احث فتحثی فلا یستطیع ان یحملہ فتلقی حتی یکون قدر ما یستطیع ان یحملہ فیخرج بہ فیندم فیقول انا کنت اجشع الامۃ نفسا کلھم دعی الی ھذا المال فترکوہ غیری فیردہ علیہ فیقول السادن انا لا نقبل شیئا اعطیناہ فیلبث فی ذالک ستا او سبعا او ثمانیا او تسع سنین ولا خیر فی الحیاۃ بعدہ۔

احمد بن حنبل اور علامہ ماوردی لکھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ایمان والو! میں تم کو مہدی علیہ السّلام کی بشارت دیتا ہوں وہ قبیلۂ قریش اور میری عترت سے ہوں گے۔ اور جب لوگوں میں اختلاف اور زوالِ دین ہوگا تو وہ ظاہر ہونگے اور پھر از سر نو دنیا کو عدل وانصاف سے پُر اور مملو فرما دینگے۔ اُسی طرح جس طرح وہ اس سے قبل ظلم و ستم سے پُر ہو چکی ہوگی۔ اُس سے زمین و آسمان کے رہنے والے سب راضی و خوشنود رہیں گے۔ وہ مال کو عموماً برابر کے حصّوں میں تقسیم فرمائیں گے اور اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ التحیۃ کے قلوب میں کمال استغنا پیدا کر دینگے اور عدالت و انصاف کے امور کو بہت وسیع فرمائیں گے یہاں تک کہ اُنکی طرف سے روئے زمین پر عموماً منادی کیجائیگی کہ جسکو مال و دولت کی خواہش ہو وہ اُن کی خدمت میں حاضر ہو۔ پس تمام لوگ مستغنی اور مالدار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اُن کی خدمت میں نہیں جائیگا سوائے ایک آدمی کے۔ اُس سے جناب امام مہدی علیہ السّلام پوچھینگے کہ تیرا نام سادن ہے تو یہاں کیسے آیا؟ وہ بیان کریگا کہ مجھ کو مہدی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے رسول نے بھیجا ہے اس غرض سے کہ آپ مجھے دولت عطا فرمائیں۔ آپ فرمائینگے کہ اچھا لیلے۔ پس وہ اُس مال و دولت کے اُٹھا لانے کا قصد کریگا جو وہاں اُس کے لیے ذخیرہ ہوگا مگر وہ اسقدر کثیر ہوگا کہ اُسے اُٹھا نہ سکیگا۔ پس سادن نادم ہوگا اور کہنے لگیگا کہ میں حریص ترینِ اُمّت ہوں۔ آپ یہ مال رکھ لیں۔ اور میرے سوا کسی دوسرے مستحق کو عنایت فرمائیں۔ پس سادن سے فرمائیں گے کہ ہم عطا کر کے واپس نہیں لیا کرتے۔ جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السّلام چھ۔ سات۔ آٹھ یا نو برس تک حکمرانی فرمائیں گے۔ پھر حیات دنیاوی میں بعد اُن کی کوئی خیر نہیں ہے ✤

علامہ شیخ عبد الکریم المعروف بہ امام یمانی اپنی
کتاب رشحۃ المرجان میں تحریر فرماتے ہیں :-

وقال بعضهم من اهل الله اصحاب الكشف والشهود وعلماء الحروف انتى فاقل عن الامام على كرم الله وجهه سياتى الله بقوم يحبهم ويحبونه و يملك من هو بينهم غريب فهو المهدى عليه السلام احمر الوجه بشعره صحونه يملأ الارض عدلا بلا صعوبة يعتزل فى صغره عن امه وابيه و يكون عزيزا فى مرباه فيملك بلاد المسلمين بامان ويصفوله الزمان ويسمع كلامه ويطيعه الشيوخ والصبيان ويملأ الارض عدلا كما ملئت جورا فعند ذلك كملت امامته وتقررت خلافته و الله يبعث من فى القبور فاصبحوا الا ترى الا مساكنهم وتعمر الارض وتصفوا وتزهو الارض بمهديها وتجرى به انهارها وتعدم الفتن والغارات و كثير الخير والبركات ولا حاجة لى فيما اقوله بعد ذلك ومنى على الدنيا السلام۔

اہل اللہ اصحاب کشف وشہود وارباب علم الحروف جناب امیر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ اس قوم میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائیگا جو خدا کو دوست رکھیگا اور خداوند عالم اسکو دوست رکھیگا اور جو چیز کہ درمیان اُن کے ہے وہ اُن سب چیزوں کا مالک ہوگا اور وہ مہدی علیہ السلام ہیں جن کے بال سرخ ہونگے اور بال گھنے ہونگے - دنیا کو وہ عدل وانصاف سے بغیر کسی مصیبت رسانی اور ایذا دہی کے پُر اور مملو فرمائیگا - اور وہ اپنی صغر سنی اور کم سنی ہی میں اپنے ماں باپ سے چھوٹ جائیگا - پھر اِن وجوہات سے وہ اُنکو کیونکر عزیز رکھیگا جس نے اسکو کسی سے عزیز رکھا کہ اس کی پرورش فرمائی ہو - وہ تمام بلادِ مسلمین پر بلا مزاحمت قابض ومتصرف ہو جائیگا - اور تمام ملک میں امن و امان قائم رکھیگا - اور تمام دنیا اس کی مدح وثنا کریگی اور اسکے احکام کو سنے اور مانے گی - بوڑھے اور جوان سب اُنکی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرینگے - اور وہ دنیا کو عدل وانصاف سے پُر اور مملو کردیگا جس طرح کہ قبل میں وہ جور وستم سے پُر اور مملو ہوگی - اسی پر امرِ امامت ختم ہو جائیگا - اور اُسی پر حکم خلافت قرار پائیگا - قسم ہے خدا کی وہ لوگوں کو قبور سے اُٹھائیگا یہاں تک کہ وہ پھر اپنی جائے سکونت میں مقیم ہونگے - اور وہ دنیا میں زندہ رہ کر تمام روئے عالم کو پاک وصاف کریگا - اسپر نہریں جاری کرے گا - اور تمام فتنہ وفساد کو موقوف ومسدود کردے گا - اُسکے زمانہ میں خیر وبرکت کثرت سے جاری ہوگی اور اس کے بعد دنیا میں کسی کو حاجت باقی نہ رہے گی - اور اُسکے بعد دنیا کو میری طرف سے سلام پہنچے ✦

شیخ محی الدین اپنی کتاب فتوحاتِ مکیہ میں
ذیل کی عبارت قلمبند کرتے ہیں :-

ان المهدى عليه السلام يحكم بما القى اليه ملك الالهام من الشريعة۔

جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام جو کچھ متعلق بہ شریعت حکم فرمائیں گے وہ سب الہام ربانی کے مطابق ہونگے جو اُن کو فرشتہ الہام کے ذریعے سے معلوم ہوگا ✦

امام محمد الصبان مصری کتاب اسعاف الراغبین
میں تحریر فرماتے ہیں :-

اخرج الرويانى والطبرانى وغيرهما مرفوعا المهدى احمر اللون لون عربى والجسم جسم اسرائيلى اى طويل يملأ الارض عدلا كما ملئت جورا يرضى بخلافته ساكن السماء وساكن الارض وانه شاب اكحل العينين ازج الحاجبين اقنى الانف كث اللحية على خده الايمن خال وعلى يده اليمنى خال واخرج الطبرانى مرفوعا يلتفت المهدى عليه السلام وقد نزل عيسى عليه السلام كانما يقطر من شعره الماء فيقول المهدى عليه السلام تقدم فصل بالناس فيقول عيسى عليه السلام انما اقيمت الصلوٰة لك فيصلى خلف رجل من ولدى وفى صحيح ابن حبان فى امامة المهدى عليه السلام نحوه وصح مرفوعا ينزل

عیسی ابن مریم علیہما السلام فیقول امیرھم المھدی
علیہ السلام تعال صلّ بنا فیقول لا انما بعضکم
ائمة علی بعض یکرمہ اللہ بھذہ الامة۔

امام طبرانی و رویانی وغیرہم مرفوعاً جناب رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے جناب مہدی علیہ
السلام کی نسبت ارشاد فرمایا کہ مہدی علیہ السلام میری اولاد
سے ہوں گے اُن کا چہرہ مثل ستارے کے درخشاں ہوگا
اُن کا رنگ اہل عرب کے رنگ کی طرح سرخ اور جسم بنی اسرائیلیوں
کے جسم کے ایسا۔ یعنی آپ طویل القامت ہونگے اور قوی الاعضا
تمام دنیا کو عدل و انصاف سے یوں پُر اور مملو کردیں گے جیسے
قبل اس کے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ آپکی خلافت
و امارت سے تمام دنیا کے لوگ راضی اور خوشنود رہینگے اور
تمام ساکنان آسمان و زمین رضامند ہونگے۔ اور یہ بھی مروی
ہے کہ آپ عالم شباب میں ظہور فرمائینگے۔ آپ کی آنکھیں سُرمگیں
ہونگی۔ بینی مبارک چھوٹی ہوگی۔ ریش مقدس گھنی ہوگی۔ سیدھے
رخسار پر خال بزرگ ہوگا اور سیدھے ہاتھ میں بھی تل ہوگا۔

امام طبرانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسے علی نبینا وآلہ وعلیہ
السلام نازل ہوں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے آپکے بالوں سے
پانی کے قطرات ٹپکتے ہوں۔ جناب امام مہدی علیہ السلام
فوراً اُن سے ملتفت ہوکر ارشاد فرمائیں گے کہ آپ آگے بڑھیں
اور سب لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپکے جواب میں حضرت عیسے
علیہ السلام ارشاد فرمائینگے کہ میں تمھارے پیچھے نماز پڑھونگا
اور وہ حضرت اپنے فرزند کے پیچھے نماز پڑھینگے اور صحیح ابن حبان
میں بذکر امامت حضرت امام مہدی علیہ السلام ایسا ہی مذکور
ہے اور بطریق مرفوع اسکی صحت بھی کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ
جب حضرت عیسے علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام نازل ہوں گے
تو جناب مہدی علیہ السلام جو اُس وقت امیر ہونگے اُن سے
فرمائینگے کہ آپ نماز پڑھائیں۔ اسکے جواب میں وہ ارشاد
فرمائینگے کہ نہیں۔ خداوند عالم نے پیشواؤں میں سے بعض کو
بعض پر ترجیح و فضیلت دی ہے اور آج اس شرافت مخصوصہ
سے اس امت کو خاص طور پر سرفراز فرمایا ہے۔

فرائد السمطین میں امام حموی تحریر فرماتے ہیں

عن سعید بن جبیرؓ عن ابن عباسؓ رضی عنہ ان
اوصیائی و حجج اللہ بعدی اثنا عشر اولھم اخی و
اخرھم ولدی قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم من اخوک قال علیؑ علیہ السلام قیل من ولدک
قال المھدی علیہ السلام الذی یملأ الارض قسطا
وعدلا کما ملئت جورا وظلما والذی بعثنی بالحق
بشیرا ونذیرا لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد
لطول اللہ ذلک الیوم حتی یخرج فیہ ولدی المھدی
علیہ السلام فینزل روح اللہ عیسی ابن مریم علیہ
السلام فیصلی خلف ولدی وتشرق الارض بنور
ربھا ویبلغ سلطانہ المشرق والمغرب۔

سعید ابن جبیرؓ حضرت عباسؓ کی اسناد سے مرفوعاً بیان کرتے
ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ
کہ میرے بعد میرے اوصیاء اور حجج اللہ علی الخلائق شمار میں
بارہ بزرگوار ہونگے جن میں سے پہلا میرا بھائی ہے اور آخر
میرا بیٹا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا بھائی کون ہے؟ ارشاد
ہوا کہ علی علیہ السلام۔ پھر دریافت کیا کہ بیٹا کون ہے؟ فرمایا کہ
مہدی علیہ السلام۔ یہ وہ سعادتمند ازلی ہے جو دنیا کو عدل و
انصاف سے اس طرح بھر دیگا جس طرح قبل میں جور و ستم سے
پُر اور مملو ہوگی اور مجھ کو اسی خداوند عالم کی قسم ہے جس نے مجھ کو
دنیا میں بشیر و نذیر برحق قرار دیکر مبعوث فرمایا ہے کہ اگر حیات
عالم میں ایک دن بھی باقی رہ جائیگا تو بھی خدائے تبارک وتعالےٰ
اُس دن کو اتنا طولانی کردیگا کہ اس عرصہ میں ہمارا فرزند مہدی
علیہ السلام مبعوث ہوگا۔ پھر جناب عیسی ابن مریم علی نبینا و
علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور میرے فرزند مہدی
علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھینگے۔ اور کل زمین اپنے مالک
رجناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے نور سے چمک اٹھیگی
اور ان حضرتؑ کی سلطنت شرق و غرب میں برابر قائم ہوجائیگی
پھر اسی کتاب میں امام حموی دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں
عن ابی امامة الباھلی رفعہ بینکم وبین الروم

سنین فقال له رجل من بنی عبد القیس یقال له المسطور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من امام الناس یومئذٍ قال المھدی علیہ السلام من ولدی ابن اربعین سنۃ کان وجھہ کوکب دری فی خدہ الایمن خال اسود علیہ عبایتان قطوانیتان کانہ من رجال بنی اسرائیل یستخرج الکنوز ویفتح مدائن الشرک۔

ابو امامۃ الباہلی رضؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یعنی آپ نے بذکر قیامت ارشاد فرمایا کہ ہم تم میں اور اہل روم میں سات برس کی مدت سے اس اثنا میں ایک شخص نے جو قبیلۂ بنی عبد القیس سے تھا پوچھا کہ ان ایام میں آدمیوں کا امام اور پیشوا کون ہوگا؟ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا بیٹا امام مہدی علیہ السلام جو اُس وقت عمر میں چالیس برس کا ہوگا اور اُس کا چہرہ مثل نجم تاباں کے ہوگا اور اُس کے سیدھے رخسار پر تل ہوگا۔ اور وہ جامۂ قطوان کی دو عبائیں پہنے ہوگا اور قد وقامت اور جسامت میں وہ بنی اسرائیلیوں سے مشابہ ہوگا۔ وہ تمام دنیا کے دفینوں کو برآمد کرے گا اور مدائن الشرک کو فتح فرمائے گا*

پھر اُسی کتاب میں دوسری جگہہ مرقوم ہے :-

عن حسن ابن الخالد قال قال علی ابن موسی الرضا علیہ السلام الوقت المعلوم وھو یوم خروج قائمنا فقیل له من القائم علیہ السلام منکم قال الرابع من ولدی وابن سیدۃ الاماء یطھر اللہ به الارض من کل جور ویقدسھا من کل ظلم وھو الذی یشك الناس فی ولادته وھو صاحب الغیبۃ قبل خروجه فاذا خرج اشرقت الارض بنوره ووضع المیزان العدل بین الناس فلا یظلم احدٌ احدا وھو الذی یطوی له الارض ولا یکون له ظل وھو الذی ینادی منادٍ من الناس یسمعه جمیع اھل الارض الا ان حجۃ اللہ قد ظھر عند بیت اللہ فاتبعوه فان الحق فیه ومعه وقول اللہ تبارک وتعالیٰ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ۔

حسن ابن الخالد نے جناب امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے الوقت المعلوم کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے قائم علیہ السلام کے ظہور فرمانے کا دن ہے۔ عرض کیا گیا کہ آپ حضرات میں قائم علیہ السلام کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ میری اولاد میں سے چوتھا سعادتمند ہے جو تمام دنیا کی کنیزوں کی سردار کا بیٹا ہے۔ وہ دنیا کو تمام ظلم وستم سے پاک و صاف کردیگا اور یہ وہ شخص ہے جسکی ولادت کی نسبت اکثر لوگوں کو شک ہوگا اور وہ قبل خروج کے غیبت فرمائیگا اور تمام دنیا کو نور یزدانی سے پُر اور مملو فرما دیگا۔ اور تمام دنیا میں میزانِ عدالت قائم کریگا۔ پھر کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرسکے گا اور یہ وہ شخص ہے جسکے لیے دنیا وسیع کردی جائے گی۔ اور اس کا سایہ نہ ہوگا۔ اور یہ وہ شخص ہے جسکے لیے آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا جس کو تمام دنیا کے لوگ سماعت کرینگے اور وہ ندا یہ ہوگی کہ حجۃ اللہ زمانہ نے بیت اللہ شریف میں ظہور فرمایا۔ پس اُسکی اطاعت اختیار کرو۔ کیونکہ اصل حق اُسی کا ہے اور حق اُسی کے ساتھ ہے اور خدائے تبارک وتعالیٰ نے اُسی کے بارے میں فرمایا ہے "اگر ہم چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک علامت نازل فرمائیں جس سے اُن (کافروں) کی گردنیں نیچی ہوں اور وہ ذلیل ہوجائیں"

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں چالیس حدیثیں جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کی شان میں تحریر کی ہیں جن میں سے چند حدیثوں کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :-

حدثنی المھدی علیہ السلام قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا فاطمۃ سلام اللہ علیھا اذا صارت الدنیا ھرجا ومرجا وصارت الفتن وانقطعت السبل وغار بعضھم علی بعض فلا کبیر یرحم صغیرا ولا صغیر یوقر کبیرا فیبعث اللہ عند ذلك المھدی علیہ السلام من ولدك یفتح حصون الضلالۃ وقلوب المغلقۃ یقوم بالدین فی آخر الزمان کما قمت به فی اول الزمان و

یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً۔

یعنی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر نیک اختر جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہؑ جب دنیا میں تمام تر اختلاف اور فتنہ وفساد ظاہر ہوگا اور تمام راستے بند ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو تباہ وغارت کرنے لگینگے اور بڑا اپنے چھوٹے پر رحم نہ کریگا اور چھوٹا اپنے بڑے کی توقیر نہ کرے گا۔ تب خداوند تعالےٰ ایسے وقت میں میری اولاد سے جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام کو ظاہر فرمائیگا۔ اور وہ تمام قلعہائے ضلالت کو فتح کریگا اور قفل زدہ قلوب کو کھولدیگا اور وہ دنیا کے آخر زمانہ میں دین خدا کو اسی طرح قائم و مستحکم کردیگا جسطرح کہ اول زمانہ میں حضور نے کیا تھا اور دنیا کو پھر اسی طرح بھر دیگا جسطرح قبل۔

پھر اسی کتاب میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے مروی ہے

ویح ھذہ الامۃ من ملوک الجبابرۃ کیف یقتلون ویطردون الامن اظہر طاعتہم فالمؤمن التقی یصانعہم بلسانہ ویفر منہم بقلبہ فاما اراد اللہ تعالیٰ ان یعید الاسلام عزیزا فصم کل جبار عنید وھو القادر علی من یشاء وا صلح الامۃ بعد فسادھا یا حذیفۃ لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یملک رجل من اھل بیتی الملاحم فی یدیہ ویظھر الاسلام واللہ لا یخلف وعدہ وھو سریع الحساب

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اے حذیفہؓ اس امت کا حال ملوک جبابرہ کے ہاتھ سے کیا ہونیوالا ہے۔ انکے لوگ قتل ہونے والے اور جلاوطن کیے جانیوالے ہیں۔ سوائے اُن کے جو اُن کی اطاعت اختیار کرلینگے۔ پس مومن پرہیزگار زبانی ان سے مصالحت رکھیگا اور دل سے اُن سے نفرت کریگا۔ پس جب خدا تعالےٰ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ دین اسلام کو پھر سے عزت دے اور ہر کینہ ور ظالم کو ذلیل وخوار کرے اور وہ جو چاہے کرسکتا ہے تو بعد فساد کے وہ اس امت کی پوری اصلاحِ حال فرمائیگا۔ اے حذیفہؓ اگر حیاتِ عالم میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائیگا تو خدائے تبارک وتعالےٰ اُس کو طولانی فرمادیگا۔ اور اُس دن کا مالک میرے اہل بیت میں سے ایک ایسے بزرگوار کو کریگا جن کے ہاتھ تمام انبیاء کے آثار ہونگے وہ اسلام کو پاک وپاکیزہ کردیگا۔ اور خدا تعالےٰ کبھی خلاف وعدہ نہیں کرتا اور وہ سب سے زیادہ حساب لینے والا ہے۔

امام ثعلبی کتاب العرائس میں تمیم الداری کی اسناد سے لکھتے ہیں:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان غاراً من غیران فی انطاکیۃ فیھا رصاص من الواح موسیٰ وما سحابۃ شرقیۃ ولا غربیۃ تمر علیھا الا القت علیھا من برکتھا ولن تذھب الایام واللیالی حتی یملکھا رجل من اھل بیتی یملأھا قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً۔

یعنی فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر انطاکیہ کے ایک غار میں توراتِ مقدس کی الواح رکھی ہوئی ہیں اور مشرق ومغرب کے بادل جو اُسپر سے گزرتے ہیں اُسپر اپنی برکتیں برساتے رہتے ہیں اور وہ دن ضرور آنے والا ہے کہ ہمارے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص اسکو نکالیگا اور وہ دنیا کو عدل وانصاف سے پھر اسی طرح پُر اور مملو کردیگا جس طرح وہ قبل اسکے ظلم وستم اور جور وجفا سے بھر گئی ہوگی

ہم نے حسب وعدہ اتنی حدیثیں جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے ظہور فرمانے کے متعلق سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کے اُن علمائے مخصوصین اور فضلائے معتمدین کی اسناد سے لکھدی ہیں جن کی جلالت وعظمت کا تسلیم کرنا جزوِ ایمان خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً ایسے واضح اور روشن مشاہدات کے بعد ہم کو پھر کسی فرقۂ شیعہ کی کسی خاص سند کے پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے اس مسئلہ میں فریقین کے معتبر اور مستند ماخذوں سے جہانتک تلاش اور تحقیق کی ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ دونوں فرقہ کے علماء نے بالاتفاق وہی واقعات اور حالات لکھے ہیں جو آپ کے ظہور کے متعلق فریقین کے ہاں مشہور ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کے علماء نے کسی

وجہ سے اس اجمال کی تفصیل فرمانے کو مصلحت نہیں سمجھا۔ اور بخلاف انکے علمائے شیعہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اب ہم علمائے شیعہ سے ایک حدیث ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں۔ جسکو دیکھکر ہر شخص بہ آسانی سمجھ لیگا کہ جو علامات اور حالات ابھی ابھی علمائے اہل سنت کے طریق سے آپکے ظہور فرمانے کے متعلق لکھے گئے ہیں بالکل وہی علامات علمائے شیعہ کی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ملا مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار جلد سیزدہم مطبوعۂ ایران کے صفحہ ۲۲۵ میں ذیل کی عبارت تحریر فرماتے ہیں۔

ابو بصیرؓ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں ایک دن عرض کی کہ جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام کا ظہور کب ہوگا؟ آپنے فرمایا کہ اے ابو بصیرؓ ہم اہل بیت کے امر کے لیے کوئی وقت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام قائم علیہ السلام کا دن قرار دینے والے اشخاص کو جھوٹا اور مفتری قرار دیا ہے۔ مگر اے ابو بصیرؓ اس واقعہ کے ہونے سے پہلے پانچ علامتیں ضرور ہونیوالی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ اول وہ ندا جو سب سے پہلے ماہ رمضان المبارک میں سُنی جائیگی۔ دوم خروج سفیانی سوم خروج خراسانی دجال، چہارم نفس زکیہ کا قتل۔ پنجم دنیا میں دو قسم کے طاعون کا ایکبار ظاہر ہونا۔ ایک طاعون سفید دوسرا طاعون سرخ۔ طاعون سفید تو ایک قسم کی سخت مہلک بیماری ہے دوسرا طاعون سرخ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی تلوار صاعقہ بار ہے۔ اور وہ اُس وقت تک دنیا میں ظہور نہیں فرمائیں گے جب تک کہ ۲۳۔ ماہ رمضان المبارک۔ شب قدر کو آسمان سے اُن کے نام کی ندا نسی جائے گی۔ ابو بصیرؓ نے عرض کی وہ ندا کیا ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ندا اُن کے اور اُن کے والد بزرگوار کے نام کے ساتھ کی جائیگی یعنی فلاں ابن فلاں قائم آل محمد علیہ السلام ہیں۔ اُنکی اطاعت اختیار کرو۔ اور اُن کے احکام ہدایت کو سنو۔ اور اُسوقت دنیا میں کوئی ذی روح ایسا باقی نہیں رہیگا جو اس آواز کو نہ سُنے۔ جو شخص اس ندا کے وقت سوتا ہوگا وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوگا اور نشین خانہ میں اس ندا کرنے والے کو چاروں طرف تلاش کرنے لگیگا۔ کنواری لڑکیاں پردوں کی آڑ میں ندا دہندہ کو تلاش کرینگی۔ اور اسی صدا کے بعد جناب قائم آل محمد علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ اور یہ ندا کرنے والے بزرگ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہونگے۔

ہم نے نمونہ کے طور پر شیعوں کی صرف ایک حدیث لکھدیا ہے۔ اسے دیکھ کر ہماری کتاب کے ناظرین اہل سنت کی اُن تمام حدیثوں کو جو اوپر لکھی گئی ہیں ملا لینگے اور دیکھ لینگے کہ جو امور آپکے ظہور کے متعلق اہلسنت والجماعت کی کتابوں میں مذکور ہیں وہی شیعوں کی کتابوں میں مسطور ہیں فرق ہے تو یہی کہ اہل سنت والجماعت نے اُن امور کو اجمال اور اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اور شیعوں نے اُنکو تفصیل اور تشریح کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔

ہم نے جہاں تک اِن امور کی نسبت تحقیق کی ہے ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے صرف ظہور ہی کے متعلق نہیں بلکہ آپ کے جملہ امور کی نسبت علمائے شیعہ نے جو جو دلائل اور براہین قائم کیے ہیں وہی علمائے اہلسنت و الجماعت نے بھی۔ اور ان میں مابین الفریقین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ہم اِن کُل امور کو اوپر کی مباحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ بارِ دیگر ہم اُن امور کو مزید احتیاط اور تسکین ناظرین کے خیال سے کتاب کفایۃ الطالب فی مناقب آل ابیطالب علیہ السلام کے اُس مخصوص باب کو ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں جو قابل مؤلف کتاب نے خاصکر جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے اخبار و آثار کے متعلق پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے۔

محمد ابن محمد الشافعی صاحب کفایۃ الطالب کے دلائل

قبل اسکے کہ ہم صاحب کفایۃ الطالب کی اصل عبارت سے اپنے مقاصد کو آغاز کریں۔ ہم پہلے اُس عبارت کو ذیل میں ترجمہ کرکے نقل کرتے ہیں جو قابل مؤلف نے اصل کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرمائی ہے۔

ہم نے اس کتاب کی تدوین کرتے وقت اپنے سلسلۂ

نقل و استخراج میں کسی شیعہ راوی کو نہیں لیا ہے اور اپنی تمام روایتوں کو علماؤ محدثین اہلسنت والجماعت کے معتبر طریقہ پر قلمبند کیا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے کلام میں اور ہمارے دعوے میں قوت۔ اور وثوق پیدا ہو۔

دیباچہ کی مندرجہ بالا عبارت سے ہر شخص بہ آسانی سمجھ لیگا کہ جب یہ کتاب تمام و کمال اس انتظام اور التزام مخصوص کے ساتھ مرتب اور مکمل فرمائی گئی ہے تو پھر اسکی کسی روایت پر غیر راویوں سے مروی اور منقول عنہ ہونیکا الزام لگانا محض فضول اور بے سود ہے۔ اسکی کسی دلیل یا روایت کی نسبت یہ کہنا کہ وہ بطریق شیعہ لکھی گئی ہے بالکل بے اصول ہے اس لیے یہ یقین کر لینا ضروری ہے کہ قابل مؤلف نے اس کتاب میں جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے وہ بالکل سواد اعظم اہلسنت والجماعت کے معتبر ماخذوں سے مستنبط کیا گیا ہے اور سوائے علمائے اہلسنت کے معتبر طریقوں کے اور کسی غیر طریق کی اس میں ذرا بھی مداخلت نہیں ہے۔

اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم امام محمد ابن محمد الشافعی کی تمام و کمال عبارت ذیل میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

باب اوّل - ذکر ظہور حضرت امام زمان علیہ السلام۔ زر ابن عبد اللہ سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اُس وقت تک ہرگز تمام نہ ہوگی جبتک کہ ہمارے اہلبیت میں سے ایک سعادتمند شخص، پیدا نہ ہوگا جو تمام دنیاوی حکومت کا مالک اور حاکم ہوگا۔ وہ میرا ہمنام ہوگا۔ ابی داؤد نے اسکو اپنی سُنن میں لکھا ہے اور اس کے متواتر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

امام حافظ ابوالحسن نے بھی اس حدیث کو مناقب امام شافعی علیہ الرحمۃ میں لکھا ہے۔

باب دوم اس ذکر میں کہ جناب مہدی علیہ السلام حضرت سیدۃ النساء العالمین جنابہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اسی حدیث کو جناب ام المومنین ام سلمہ و حضرت سیدۃ نساء العالمین جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے روایت کیا ہے اور حافظ ابی داؤد نے اپنی سنن میں جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

باب سوم اس بحث میں کہ حضرت مہدی علیہ السلام سردارِ اہلِ بہشت ہیں۔ اس حدیث کو سنن میں ابن ماجہ نے انس ابن مالک سے یوں لکھا ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بنی عبد المطلب سردارانِ اہلِ بہشت سے ہیں اور سردارانِ اہل بہشت سے خود میں (یعنے آنحضرتؐ) حمزہ۔ علی۔ جعفر۔ حسن حسین اور مہدی علیہم السلام ہیں۔

باب چہارم - اس ذکر میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مہدی علیہ السلام کی بیعت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کو ثوبان صحابی کی اسناد سے درج کیا ہے۔

باب پنجم - اس بحث میں کہ اہل مشرق جناب امام مہدی علیہ السلام کی نصرت کرینگے۔ اس حدیث کو سنن ابن ماجہ میں عبد اللہ ابن حارث ابن جزو زبیدی کی اسناد سے لکھا ہے اور اسکو صحیح ترین حدیث سے شمار کیا ہے اور اسکے سلسلۂ روات میں بہت سے ثقات امت و اخیل ہیں پھر اُسی سنن میں اُسکو علقمہ ابن عبد اللہ کی اسناد سے مکرر لکھا ہے اور آخر حدیث اول سے زیادہ طویل اور پر تفصیل ہے

باب ششم - اس ذکر میں کہ امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کتنی مدت تک حکومت و امارت فرمائیں گے۔ امام ترمذی نے اپنی صحیح میں ابوسعید خدری سے آپ کی مدت سلطنت کو پانچ برس۔ سات برس یا نو برس بتلایا ہے۔ اور اسکے طریق کو حسن لکھا ہے۔ اور ابوسعید خدری کے علاوہ اور دوسرے لوگوں کی زبانی بھی اسکو لکھا ہے جنمیں ام المومنین حضرت ام سلمہ سلام اللہ علیہا بھی شامل ہیں۔

باب ہفتم - اس بحث میں کہ حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھینگے اس حدیث کو ابو ہریرہ کی اسناد سے لکھا ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں محمد شہاب زہری اور جابر ابن عبد اللہ انصاری کی اسناد سے لکھا ہے، صاحب کفایۃ الطالب نے اس حدیث کو حسن لکھا ہے اور اسکی صحت کو متفق علیہ بتلایا ہے۔

باب ہشتم حضرت امام مہدی علیہ السلام کی شکل

وشباہت کے بیان میں۔ ابو سعید خدری رضؓ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا مہدی علیہ السلام مجھ سے ہے اُس کی پیشانی کے آگے کے بال کم ہونگے اور بینیِ مبارک اُسکی نازک ہوگی۔ وہ دنیا کو عدالت و انصاف سے اِس طرح پُر اور مملو کردیگا جس طرح کہ قبل اس کے وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہوگی۔ وہ سات برس تک حکومت فرما رہینگے۔ حافظ ابو نعیم نے اسکو صحیح لکھا ہے اور امام طبرانی نے اسکو معجم میں مندرج فرمایا ہے۔ اور ابن شیرویہ دیلمی نے اپنی کتاب فردوس الاخبار میں اسکو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اسناد سے لکھا ہے۔

باب نہم۔ اس بیان میں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے ہونگے

اس حدیث کو ابو سعید خدری کی اسناد سے طولانی عبارت میں لکھا ہے اور اُسکی اسناد کو جناب سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا تک پہنچایا ہے۔ امام دارقطنی نے بھی اِس حدیث کو لکھا ہے۔

باب دہم۔ جناب امام مہدی علیہ السلام کے کرم وجود کے بیان میں۔ جو آپ اپنے ایامِ حکومت میں جاری فرمائیں گے۔ صحیح مسلم میں ابی سعید اور جابر ابن عبداللہ انصاری اور ابو سعید خدری کی اسناد سے اس عبارت کے ساتھ منقول ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس! میں تم لوگوں کو مہدی علیہ السلام کی خبر کے ساتھ بشارت دیتا ہوں۔ وہ اس امت کے درمیان اُس وقت مبعوث ہوں گے جب ان لوگوں میں تزلزل اور اختلاف واقع ہوگا۔ وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے اُسی طرح بہ یادہ مملو کر دینگے جس طرح کہ قبل اس کے وہ ظلم اور ستم سے بھر گئی ہوگی۔ ساکنین ارض و سما ان سے راضی رہیں گے۔ وہ مالِ دنیا کو تمام لوگوں پر بحصّہ مساوی تقسیم فرمائینگے اور خدائے سبحانہ و تعالے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلوب کو نعمتِ استغنا سے پُر اور مملو فرمادیگا اور اُن کی (امامِ آخر الزمان علیہ السلام) کی عدالت تمام لوگوں میں اس حد تک جاری اور قائم ہو جائیگی کہ ایک منادی عموماً تمام لوگوں کو ندا کریگا کہ آیا کوئی شخص ایسا ہے جسکو مال و دولت کی خواہش ہو۔ تمام اہلِ اسلام میں سے کوئی شخص اپنی احتیاج نہ بیان کریگا سوائے ایک شخص کے جو اپنے مقام سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ آپ اس سے فرمائینگے کہ خزانچی کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ مہدی علیہ السلام کا حکم ہے کہ مجھ کو میری طلب کے موافق مال دیدے۔ وہ شخص خزانچی کے پاس آئیگا اور آپ کا حکم سنائیگا خزانچی وہ مال اُسکو دیدیگا۔ وہ اسے اٹھائیگا۔ لیکن باہر لانے کے وقت نہایت نادم اور پریشان اور پشیمان ہوگا اور کہیگا کہ میں تمام مسلمانوں میں شجاع ترین امت خیال کیا جاتا تھا لیکن اس وقت خستِ نفس اور تنگیٔ طبع کی وجہ سے نہایت ذلیل و خوار شمار کیا جاؤنگا۔ یہ سوچکر وہ مال واپس دیگا۔ وہ قبول نہیں فرمایا جائیگا۔ ارشاد ہوگا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام جو چیز کسی کو دیدیتے ہیں پھر اسے واپس نہیں لیتے۔ آپ چھ برس۔ سات برس آٹھ برس یا نو برس تک حکومت و سلطنت فرمائیں گے۔ آپ کی بعد حیات دنیا میں پھر کوئی لطف باقی نہیں رہیگا۔ اس حدیث کو حسن اور صحیح ثابت کیا گیا ہے۔ اور حفاظِ حدیث میں حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں اسکو قلمبند فرمایا ہے۔

باب یازدہم۔ اس بیان میں کہ جناب عیسےٰ ابن مریم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام اور حضرت مہدی امام الزمان علیہ السلام دو جداگانہ بزرگ ہیں بعض اوہام پرستوں کا یہ خیال ہے کہ جناب مہدی علیہ السلام سے حضرت عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام مراد ہیں۔ اس شبہ کے رد و تنقید میں صاحب کفایۃ الطالب نے ذیل کی حدیثیں تحریر فرمائی ہیں:۔

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ مہدی علیہ السلام ہم اہلبیت علیہم السلام سے ہونگے یا دوسرے لوگوں سے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں میں سے ہوں گے۔ اور خدائے سبحانہ و تعالے دین کو اس کے ساتھ

تمام فرمادے گا جس طرح کہ دین کو اُس نے ہم لوگوں کے ساتھ کشادہ فرمایا ہے۔ اور دنیا کے تمام لوگ اُن کی وجہ سے فتنہ و فساد سے نجات پائیں گے جس طرح ہماری وجہ سے اس وقت شرک سے نجات پائی ہے۔ اور پھر ان فتنہ و فساد کے بعد خدائے سبحانہ و تعالےٰ لوگوں کے دلوں کو ہماری الفت و محبت کی طرف مائل و راغب کر دے گا اور پھر آپس میں ایکدوسرے کا بھائی بھائی بنا دیگا جس طرح قبل میں شرک و کفر کے ترک کرنے کے بعد اخوتِ دینی اور اتحادِ مذہبی کی رعایت سے ایک دوسرے کے دینی بھائی بنگئے تھے۔ حافظینِ حدیث نے اسکو حسن کہا ہے امام طبرانی نے معجم اوسط میں اور حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں اور علامہ عبد الرحمٰن ابنِ حماد نے اپنی کتاب عوالی میں جابر ابن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جس وقت جناب عیسٰے علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام آسمان سے تشریف لائیں گے اُس وقت امام عصر جناب مہدی علیہ السلام اُن سے کہینگے کہ آپ نماز پڑھائیں وہ جواب میں عرض کرینگے کہ خدائے تعالےٰ نے ایک امیر کو دوسرے امیر پر ترجیح عطا بخشی ہے اور یہ اس امتِ مرحومہ کی خاص کرامت اور فضل و شرافت ہے جو خدا کی طرف سے آپ کو تفویض فرمائی گئی ہے اس حدیث کو حسن لکھا گیا۔ اس کو علامہ حارث ابن ابی اسامہ نے اپنے مسند میں بھی درج کیا ہے۔ اور حافظ ابو نعیم نے اس حدیث کو لکھ کر یہ فیصل کر دیا ہے کہ اس حدیث کے متن سے ثابت ہو گیا کہ جناب مہدی علیہ السلام حضرت عیسے ابن مریم علیہ السلام سے علحدہ بزرگ ہیں۔ علامہ علی ابنِ محمد ابن خالد جندی لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے بھی اس حدیث کو اس طریقہ میں اُس مقام پر لکھا ہے جہاں جناب امام مہدی علیہ السلام کا مخصوص ذکر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بہت سی حدیثیں ایسی مروی ہیں جو حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ آپ سات برس تک حکومت فرمائیں گے۔ اور تمام عالم کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرماوین گے۔ اور آپ جناب عیسٰے علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے ساتھ ظہور فرمائیں گے۔ اور قتلِ دجال کے معاملہ میں جو شہر فلسطین کے باب لُدّ پر قتل کیا جائیگا۔ آپ حضرت علیہ السلام کی شراکت اور نصرت فرمائیں گے اور اُس وقت میں تمام زمانہ آپ ہی ہونگے۔ اور جناب عیسے ابن مریم علیہ السلام آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

انتہیٰ عبارت لکھ کر محمد ابن طلحۃ الشافعی صاحب کفایۃ الطالب اس شبہ کی حقیقت کی طرف رجوع فرما کر تحریر کرتے ہیں

معترض کو یہ گمان اس حدیث کی بنا پر ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہرگز وہ قوم گمراہ نہ ہوگی جس کی ابتدا میں میں ہوں اور وسط میں مہدی (علیہ السلام) اور آخر میں عیسے علیہ السلام۔۔۔ اس حدیث کو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضؓ کی اسناد سے حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور احمد ابن حنبل رضؓ نے مناقب میں اور مسند میں لکھا ہے۔ اور حسن بتلایا ہے۔ اس حدیث کے اصلی معنی یہ نہیں ہیں کہ مہدی اور عیسے علیہما السلام ایک ہیں۔ یا اس فقرۂ حدیث سے کہ آخر اُن کا عیسے ہے۔ یہ معنی نہیں لیے جاسکتے کہ بعد مہدی علیہ السلام کے حضرت عیسے علیہ السلام دنیا میں زندہ اور باقی رہیں گے۔ کیونکہ چند وجہوں سے یہ امر ممکن نہیں ہے۔

اوّل تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ قول اوپر نقل کیا جا چکا ہے کہ بعد حیاتِ مہدی علیہ السلام کے پھر حیاتِ دنیاوی میں خیر باقی نہیں ہے تو پھر کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ جناب عیسے علیہ السلام بعد مہدی علیہ السلام کے دنیا میں زندہ رہیں۔ اور باوجود اُن کے زندہ اور موجود رہنے کے دنیا والوں کے لیے خیر باقی نہ رہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خاص و عام تمام لوگ جناب مہدی علیہ السلام کو امامِ آخر الزمان تسلیم کرتے ہیں اور آپکے بعد کسی دوسرے کی امامت کے قائل نہیں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُس وقت کوئی امام نہیں ہوگا تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ

(جو داِمام سے کوئی زمانہ خالی نہیں مانا گیا ہے اور اگر کہا جائے کہ اُس وقت بعد حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے حضرت عیسٰے ابن مریم علیہ السلام امام ہونگے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ کسی کی امامت آپ کے بعد نہیں بتلائی گئی اور آپ کے بعد دنیا میں خیر باقی نہیں ہے تو پھر جناب عیسٰے علیہ السلام کی امامت (معاذ اللہ) خالی از خیر ثابت ہوگی جو ممکن ہی نہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام کی امامت آپ کی نیابت کہلائیگی۔ اور آپ کبھی نیابتِ امام مہدی علیہ السلام کے سزاوار اور لائق نہیں ہیں اور پھر یہ بھی جناب عیسٰے علیہ السلام کیلیے جائز نہو گا کہ امتِ اسلامیہ کے نظام میں دخیل ہوں۔ اس لیے کہ تمام دنیا کے نظام میں آپ کی مداخلت سے جو فساد پھیلے گا وہ یہ ہوگا کہ ہر شخص حضرت عیسٰے علیہ السلام کی امامت سے سمجھ لیگا کہ امتِ محمدیہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم اب ملّتِ عیسویہ کی طرف منتقل ہو گئی اور یہ بھی کفر صریح ہے۔ پس جب حدیثِ بالا کے مفہوم میں اتنی اشکال واقع ہیں تو ضرور ہے کہ حدیث ہذا کے صحیح ترین معانی کی طرف تاویل کی جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ :-

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اِس مذہب کا پہلا دعوت کرنے والا میں ہوں اور اوسط دعوت کنندہ مہدی علیہ السلام اور آخر داعی حضرت عیسٰے علی نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام۔ چونکہ اوسط دعوت کنندہ جناب مہدی علیہ السّلام ہوں گے اس لیے معنی یہ ہوئے کہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔ حضرت امام مہدی علیہ السّلام بہترین امّت اور امام امّت ہوں۔ اِن کے بعد جب حضرتِ عیسٰے علیٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام نازل ہونگے تو وہ خود جناب مہدی علیہ السّلام کی تصدیق فرمائینگے اور اُنکی نصرت و اعانت فرمائینگے اور ان کی تمام ہدایتوں کی تصدیق و توثیق فرمائینگے جو کچھ وہ ارشاد کرینگے ان وجوہ سے جنابِ مسیح علیہ السّلام کو آخر معتقدین اسلام میں شریک کیا جائیگا صاحبِ کفایۃ الطالب کے اس قول کو لکھ کر صاحبِ کشف الغمہ علی ابن عیسٰے رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ تاویل بالا بہت باریک اور موہوم ہے اور واضح اور صاف نہیں ہے۔ اِس سے جناب عیسٰے علیہ السلام کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اِس لیے جو کچھ معنی اِس حدیث کے صحیح سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلّے اللہ علیہ و آلہ وسلّم مذہبِ اسلام کے اوّل دعوت کنندہ ہیں اور حضرتِ مہدی علیہ السّلام چونکہ ملّتِ محمدیہ میں داخل ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے تابع وہ اوسط دعوت کنندہ ہیں۔ اب رہے جناب عیسٰے علی نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام۔ چونکہ آپ ایک مذہبِ غیر کے صاحب سردار ہیں وہ زمانۂ آخر میں نازل ہو کر بجائے اپنے مذہب خاص کے مذہبِ اسلام کی دعوت فرمائیں گے۔ اور اسکی حقیّت کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے۔ اس لیے وہ امتِ اسلامیہ کے آخر دعوت کنندگان میں داخل فرمائے گئے ہیں

ہم اس بحث کو کہ "مہدی اور عیسٰے علیہما السّلام علیحدہ علیحدہ ہیں"۔ اور واضح دلائل سے ایک جداگانہ بحث میں انشاء اللہ المستعان عنقریب بیان کرینگے۔

باب دوازدہم۔ آپ کی کنیّت کے بیان میں

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہی نام ہوگا جو میرا نام ہے اُس کی کنیّت بھی وہی ہوگی جو میری کنیّت ہے۔ اور اُسکے اخلاق بھی وہی ہونگے جو میرے اخلاق ہیں۔ حفّاظِ حدیث نے اِس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔

باب سیزدہم۔ اُس مقام کے بیان میں جہاں سے آپ ظہور فرمائیں گے۔ عبد اللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ فرمایا جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام جس قریہ سے ظہور فرمائیں گے اُسکا نام کرعہ ہے۔ اِس حدیث کو بھی حسن لکھا گیا ہے۔ اس کی تصدیق و توثیق ابوالشیخ اصفہانی نے کتاب عوالی میں کی ہے۔

باب چہاردہم۔ اس بیان میں کہ آپکے سر پر ایک بدلی سایہ فگن رہیگا عبد اللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت آپ ظہور فرمائینگے ایک ابر بحکم خدائے سبحانہ تعالےٰ آپکے سر پر سایہ فگن رہیگا

اور اس ابر سے ندا پیدا ہوگی کہ آپ ہی مہدی خلیفہ خدا سلام اللہ علیہ ہیں

باب پانزدہم اس بیان میں کہ ایک ملک رحمت ندا کریگا کہ آپ ہی مصرف مہدی علیہ السلام ہیں عبد اللہ ابن عمر رض اس حدیث کے بھی راوی ہیں اور حفاظِ حدایت نے اسکو بھی حسن لکھا ہے اور حافظ ابو نعیم اور امام طبرانی نے بھی مصدق اور موثق شمار کیا ہے۔

باب شانزدہم آپ کے سراپا اور شمائل کے بیان میں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام ہماری اولاد سے ہونگے۔ اُن کا رنگ اہل عرب کے ایسا ہے اور جسم بنی اسرائیل کے ایسا۔ اُن کے سیدھے رخسارے پر ایک تل ہوگا۔ اور وہ مثل نجم درخشاں کے تابندہ ہوگا۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اور اسکو بھی جمع کثیر نے لکھا ہے۔

باب ہفدہم اُن مشرک شہروں کے بیان میں جن کو آپ فتح فرمائیں گے۔ ابو امامہ باہلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اہلِ اسلام اور اہلِ روم میں چار مرتبہ صلح واقع ہوگی اور آخری صلح اُس بادشاہ کے وقت میں ہوگی جو ہرقل کی اولاد سے ہوگا اُس کی مدتِ سلطنت سات برس تک ہوگی۔ آپ کا کلام صداقت التیام یہانتک پہنچا تھا کہ مستورد ابنِ غیلان جو قبیلہ بنی عبد قیس سے تھا ایک بار اُٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسوقت ہم لوگوں کا امام کون ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ مہدی علیہ السلام جو میری اولاد میں سے ہونگے وہ چالیس برس کے سن میں ظہور فرمائیں گے۔ اُن کا چہرہ مثل نجم درخشاں کے ہوگا۔ سیدھے رخسار پر تل ہوگا اور عبائے سفید قطوانی اُن کے دوش مبارک پر ہوگی۔ اُن کا جسم مثل بنی اسرائیلیوں کے جسم کے ہوگا۔ اور مدائن الشرک کو فتح فرمائینگے۔

باب ہیجدہم دندان مبارک کے بیان میں۔ عبد الرحمٰن ابن عوف سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ میری اولاد میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائیگا جسکے دانتوں ... ایک دوسرے سے جدا ہونگی۔ اُس کی پیشانی پر بال نہایت کم ہوں گے۔ حافظ ابو نعیم نے اس حدیث کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے۔

باب نوزدہم فتح قسطنطنیہ اور جبلِ دیلم کے بیان میں۔ ابو ہریرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اُسوقت تک قیامت نہ ہوگی جب تک کہ میری اولاد میں سے ایک شخص ظاہر نہ ہوگا اور وہ تمام دنیا پر حکومت نہ فرمائیگا اور ممالک قسطنطنیہ اور جبلِ دیلم کو فتح نہ کریگا۔ حافظ ابو نعیم نے اس حدیث کی توثیق میں لکھا ہے کہ ایسا شخص سوائے حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے کوئی اور نہیں ہے۔

باب بستم اس بیان میں کہ ملوک جبابرہ کے بعد جناب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ جابر ابن عبد اللہ انصاری رض سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہونگے اور خلفاء کے بعد امراء اور امراء کے بعد ملوکِ جبابرہ اور ملوک جبابرہ کے بعد حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام ظاہر ہونگے۔ وہ میرے اہلبیت سے ہونگے اور وہ تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے ایسا پُر اور مملو فرمائینگے جیسے کہ اس سے پہلے وہ ظلم و ستم سے پُر ہو چکی ہوگی۔ اِس حدیث کو اسی عبارت کے ساتھ حافظ ابو نعیم نے فوائد میں اور امام طبرانی نے معجم میں قلمبند کیا ہے۔

باب بست و یکم۔ اس بیان میں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام امام صالح ہیں۔ ابو امامہ باہلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ایک بار خطبہ میں دجال کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد پھر مدینہ ایسا پاک و صاف ہو جائیگا جیسا کہ لوہا لہار کی بھٹی سے پاک و صاف ہو کر نکل آتا ہے اور ایک منادی اُسوقت میں ندا کریگا کہ آج یوم خلاص ہے۔ اسی اثنا میں اُم شریک نے آپ سے بڑھ کر عرض کی کہ اُسدن مدینہ والے کہاں ہونگے؟ ارشاد ہوا کہ اُن میں سے بہت سے لوگ بیت المقدس میں چلے جائینگے۔ اُسدن اُن لوگوں کے

سردار حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے جو امام صالح ہوں گے اس حدیث کو حافظ ابو نعیم نے صحیح لکھا ہے۔

باب بست و دوم اس بیان میں کہ آپ کے

زمانۂ امامت میں تمام اہلِ اسلام مرفہ الحال ہوں گے اور مستغنی ابو سعید خدری نے جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہماری امت حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایسی مستغنی اور مرفہ الحال ہو جائیگی کہ قبل اس کے کبھی ایسی نہ ہوئی ہو گی۔ آسمان اُن پر نعمتِ الٰہی برسائیں گے اور زمین اپنی نباتات نکالکے سامنے دھر دیگی۔ اِس حدیث کو حسن لکھا ہے اور حافظ ابو نعیم اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے۔

باب بست و سوم اس بیان میں کہ آنحضرت

صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو خلیفہ کے لقب خاص سے ملقب فرمایا ہے۔ ثوبان صحابی سے مروی ہے کہ جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اولادِ خلفاء سے تین آدمی تمہارے ملک و دولت کے لیے قتل کیے جائینگے اور اس زمانہ میں خلافت کسی شخصِ خاص کے متعلق نہ ہو گی اس واقعہ کے بعد سیاہ علم والے لوگ آئیں گے اور اُن سب کو مار ڈالیں گے۔ اس کے بعد جناب مہدی آخر الزمان ظہور فرمائیں گے۔ جب تم لوگ اُن کے ظہور فرمانے کی کیفیت سنو تو اُن کے پاس چلے جانا۔ اُن کی اطاعت اختیار کرنا کیونکہ اُس زمانہ میں وہ تمام روئے زمین میں خلیفہ خدا ہونگے

باب بست و چہارم اس بحث میں کہ جناب

مہدی آخر الزمان علیہ السلام زندہ ہیں اور آپ کا زندہ باقی رہنا کسی طرح محال اور ممتنع نہیں ہے۔ آپ کا دنیا میں زندہ اور باقی رہنا کسی طرح بھی محال اور ممتنع یا خلافِ عقل نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جناب خضر و الیاس علیہما السلام اولیاء اللہ سے اور دجال و ابلیس اعداء اللہ سے تا ایندم باقی اور قائم ہیں۔ اور ان سب کی بقا کتاب و سنت سے ثابت ہے اور غیر اسلام مذہب والے بھی اُن کے باقی اور زندہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن عموماً دو وجوں سے آپ کی بقا میں شک کیا جاتا ہے

ایک تو یہ کہ آپ اتنی مدت تک کیسے جیتے قائم رہ سکتے ہیں دوسرے یہ کہ آپ کا مقام سرداب مبارک بتلایا جاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ کوئی شخص آپ کو آب و طعام نہیں دیتا۔ اس لیے عادتِ انسانی کے خلاف آپ کا باقی رہنا محال اور مقامِ اشکال ہے۔

صاحبِ کفایۃ الطالب اس امر کی تنقید و رد میں تحریر کرتے ہیں کہ جناب مسیح ابن مریم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کی بقا آیۂ قرآنی آیہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ترجمہ اور اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے مرنے سے پہلے اُن پر ایمان نہ لائے) اس سے ثابت ہوا کہ جناب عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام اسوقت تک زندہ ہیں اور ہر شخص اپنے زمانۂ آخر میں اُن پر ایمان لائیگا۔ اور منجملہ احادیثِ معتبرہ متواترہ اور متکاثرہ کے وہ طول و طویل اور پر تفصیل حدیث ہے جس میں قصۂ دجال و محاربتِ عیسےٰ علیہ السلام درج ہے اور جس کو صحیح مسلم میں پوری صحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اس لیے اُن کی بقا میں تو کسی مردِ مسلمان کو کبھی کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ اب رہی بقائے خضر و الیاس علیہما السلام تو وہ بھی تاریخ طبری اور صحیح مسلم کی اسناد سے باسناد معتبرہ ثابت ہے۔ اور تمام اہل اسلام کا عقیدۂ کلیہ ہے کہ خضر و الیاس علیہما السلام زندہ ہیں اور دنیا میں چلتے پھرتے ہیں اور قصۂ خضر اور گرفتاریِ دجال کا پورا اور مفصل حال ابو سعید خدری کی اسناد سے صحیح مسلم میں درج ہے۔ اولیاء اللہ علیہم السلام تو ہو چکے۔ اب اعداء اللہ لعنہم اللہ میں سے دجالِ لعین کی کیفیت تو تمام اہلِ اسلام پر روشن ہے اور صحیح مسلم میں تمیم داری کی اسناد سے مرقوم ہے۔ اب رہا ابلیس لعین کا زندہ رہنا تو وہ آیۂ وافی ہدایہ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (خداوندا! مجھے لوگوں کے مبعوث ہونیکے دن تک مہلت دے۔ ارشاد ہوا کہ تجھے مہلت اُس دن تک کے لیے دیگئی جس کا وقت معلوم ہے)

اب رہا خاص حضرت امام محمد مہدی آخر الزمان علیہ السلام کا زندہ اور باقی رہنا۔ پس یہ بھی کتاب خدا اور حدیث جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم دونوں سے ثابت ہے۔ چنانچہ آیۂ وافی ہدایہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ کی تفسیر میں سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ اس سے مراد جناب امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ جو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہوں گے اور آیۂ وافی ہدایہ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ۔ مقاتل ابن سلیمان اور اُن کے متبعین تمام مفسّرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اس سے مراد جناب امام مہدی علیہ السلام ہیں۔

اب ہم اُس تعجب و حیرت کا جواب دیتے ہیں جو آپ کی طول بقا کی وجہ سے معترضین کو لاحق ہوا ہے وہ دو جواب ہیں۔ ایک جواب نقلی ہے اور ایک جواب معنوی نقلی تو یوں ہے کہ اخبار سابقہ آپ سے قبل کے تین نفر اولیاء اللہ سلام اللہ علیہم کے طول بقا پر شاہد کامل ہیں۔ اب جناب مہدی علیہ السلام کو اُنہی کے مقابل اور مماثل سمجھ لینا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ بھی آخر زمانہ میں امام اُمّت ہیں۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی اُن کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور آپ کے تمام دعووں کی تصدیق فرمادینگے جیساکہ احادیث صحیحہ کثیرہ سے اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔ پس جب آپ کے یہ مراتب و مدارج ثابت ہیں تو پھر آپ بھی اس نعمت الٰہی سے کیونکر مشرف نہیں مانے جاسکتے۔ بلکہ ایسی حالت میں آپ کا مشرف نہ فرمایا جانا عادتِ الٰہی کے خلاف تصور کیا جائیگا۔

تیسری دلیل وجودِ دجالِ لعین کی ہے وہ بھی منجملہ اعداء اللہ شیطان کے ابھی اب تک زندہ اور قائم ہے اور اُس کے تمام وجود بقا میں کسی کو کلام نہیں۔ ثبوت نقلی تو ہو چلے اب ثبوت معنوی بھی دو قسموں سے خالی نہیں پائے جاتے۔ یا تو آپکا زندہ رہنا خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی قدرت کے اندر ہے یا محال عادی یا محال فطری ہے قسم دوم یعنی محال بالکل باطل ہے۔ کیونکہ جب خدا اس پر قادر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ وہ مخلوق کو کتم عدم سے وجود میں لائے اور بعد اسکے مار ڈالے اور فنا کردے اور پھر فانی کرنیکے بعد از سرِ نو زندہ کردے اور ان سے حساب و کتاب لے تو کیا اس امر پر قادر نہ سمجھا جائیگا۔ اس لیے اسکا محال ہونا تو بالکل نا ممکن ہے۔ اب رہی بقا آپ حضرات کی۔ وہ خدا کے زیر قدرت ہے یا بندوں کے زیر انتظام تو بندوں کے زیر انتظام رہنا بھی سراسر بعید ہے اگر ایسا ہو تو ہر شخص اپنی طول بقا کا انتظام کرسکتا ہے یہ شبہ بھی رفع ہوا بالآخر اس کا تمام تر خدا کے زیر قدرت ہونا ہر طرح سے ثابت ہو گیا۔

اب اسی بحث کے ساتھ ہم کو اُن کی بقائے عمر کے اسباب بھی تلاش کرنا نہایت ضروری ہیں۔ یا تو اُن کی بقا اسباب کے ساتھ ہوگی یا بلا اسباب۔ پس اگر بلا سبب کے ہے تو حکمت سے خالی ہے اور جو امر کسی حکمت سے خالی ہو وہ خدائے حکیم و علیم کا فعل نہیں ہوسکتا۔ پس ضرور ہوا کہ آپ کی طول بقا کے لیے کوئی سبب ضرور ہو۔ اب ہم ان حضرات کی طولِ بقا کے لیے علٰحدہ علٰحدہ اسباب ذیل میں مندرج کرتے ہیں

جناب عیسےٰ ابن مریم علیٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام کی نسبت تو ہم آیۂ وافی ہدایہ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ حالانکہ اُن کے نزول کے وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص اُن پر ایمان نہیں لایا۔ پس ضرور ہوا کہ زمانہ آخر میں لوگ اُن پر ایمان لائیں۔ اس سے تو بقائے عیسےٰ علیہ السلام کا سبب بالکل ظاہر اور ہویدا ہے۔ اب دجالِ لعین کے طولِ بقا کے سبب ہیں جیساکہ جناب رسالتمآب صلّے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم کو بتلادیا ہے کہ دجال ہم لوگوں میں خروج کریگا۔ اُس کے ایک ہاتھ پر ہر قسم کی غذا کا ایک پہاڑ ہوگا اور وہ تمام دنیا کے لوگوں کو اس سے سیر اور آسودہ کرے گا وغیرہ۔ یہ حالات اس وقت تک مشاہدہ میں نہیں آئے ہیں۔ اس لیے ضرور ہے کہ زمانہ آخر میں مشاہدہ کیے جائیں۔ پس یہی اسباب اُسکی بقا کے لیے کافی ہیں۔ پس جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام جیسے از اولیاء اللہ اور دجال لعنۃ اللہ علیہ جیسے از اعداء اللہ کی بقا کے اسباب متحقق ہو گئے۔ تو پھر جناب مہدی علیہ السلام کی طول بقا

کے لیے کیا مانع ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے باقی رکھنے کا اختیار خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ اُسی طرح حاصل ہے جس طرح دو زندہ رہنے والوں کی بقا کا اختیار۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں یہ صحیح ہے۔ مگر اِن دونوں کے باقی رکھے جانے سے اِن کا باقی اور زندہ رکھا جانا بدیں وجہ اولیٰ مقصود رہنے کیونکہ اگر یہ باقی رہیں گے تو امام زماں ہوں گے اور اگر نہ رہیں گے تو دنیا امام زماں کے وجود ذی جود سے خالی ہو جائے گی جو بالکل عادتِ الٰہی کے خلاف ہے اور آپ اُسوقت ظہور فرمائیں گے جب کہ دنیا بالکل ظلم و ستم سے بھر جائے گی۔ اور آپ اُسکو پھر از سرِ نو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرما دینگے۔ پس اِن امور سے معلوم ہو گیا کہ آپ کا ظہور فرمانا بالکل مصلحت اور عین راحت ہے۔ اور دجّال لعین کا طول بقا بالکل مفسدہ۔ کیونکہ دجّال الوہیت کا دعوے پیش کریگا۔ دجّال کے خروج میں اور اُسکی بقا میں خلائق کے عقائد اور خلوص کا امتحان ہے اور اُسی سے مطیع اور عاصی محسن اور مسیئ اور مفسد اور مصلح لوگوں کی پوری تمیز اور تصدیق ہو جائیگی اور یہی بقائے دجّال کے مصالح اور اسباب ہیں۔

اب رہے اسبابِ بقائے حضرت عیسٰی علیہ السلام تو اُس میں بھی یہی مصلحتیں مضمر ہیں کہ زمانۂ آخر میں دو کتابوں سے جناب سیّد الانبیاء علیہ وآلہ التحیۃ والثناء کی تصدیق و توثیق ہو جائیگی۔ ایک تو خود حضرت عیسٰی علیہ السلام تصدیق فرمائینگے جو عینِ احکام انجیل سمجھے جائینگے۔ دوسرے آپ جناب مہدی علیہ السلام کے اقوال و ارشاد کی بھی تصدیق و توثیق فرمائیں گے جو وہ بہ اتباعِ ارشاد نبویہ احکامِ قرآنی کے موافق تمام دنیا کو پہنچائیں گے۔ اِس طور سے اسلام کو آپکی بقا کے باعث دو تصدیقیں دستیاب ہو جائینگی اور پھر جناب عیسٰی علیہ السلام کا حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھنا اور آپ کی نصرت اور اعانت فرمانا اور نیز اہل دنیا کو عزّتِ اسلام دینا۔ اِن سب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بقائے جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام حقیقتًا حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دجّال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا کا اصلی سبب ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دجّال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا اُس اصل کی ایک فرع۔ پس کیسے صحیح مانا جائے کہ اصل کے مقابلہ میں فرع ضروری ہو اور اصل غیر ضروری۔ یعنی اہلِ اسلام حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دجّال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا کو تو تسلیم کریں اور جناب مہدی علیہ السلام کی بقا کا انکار کریں۔ کیونکہ اگر صحیح مانا جائے تو مسبّب لا اپنے وجودِ مسبّب کے بغیر موجود اور ممکن ثابت ہوگا جو مسلمات سے بالکل خلاف اور قطعی محال ہے

ہمارا یہ دعوے اگر صحیح نہ مانا جائے کہ جناب مہدی علیہ السلام کی بقا اُن دونوں کی بقا کے مقابلہ میں اصل کا حکم رکھتی ہے اِس لیے کہ اُسوقت وجودِ عیسٰی علیہ السلام محض اس لیے کہ وہ نصرتِ اسلام اور تصدیق امام علیہ السلام فرمائیں ظہور پذیر ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں اور اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ اُسوقت حضرت عیسٰی علیہ السلام ایک مستقل دعوت فرمائیں گے اور خود انکا نہ امامت۔ تو اس دلیل سے صریحًا ابطالِ اسلام لازم آتا ہے۔ کیونکہ حدیث و کتاب دونوں اس طریقہ پر دالّ ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ جو چیز میرے حکم سے اور میرے ذریعہ سے حلال یا حرام ہو چکی ہے وہ تا روزِ قیامت اُسی طرح قائم رہیگی۔ پس اِن تمام دلائل سے قطعًا ثابت ہو گیا کہ اِن ایام میں بقا و وجود حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام سبب ہے بقائے وجودِ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا۔

اسی طرح بقائے دجّال علیہ اللعنۃ بھی امام زمان علیہ السلام کی تصدیق کے لیے کہ آپ مفترض الطاعۃ ہیں ضروری اور عینِ مصلحت ہے۔ کیونکہ اگر وجودِ دجّال کا اصلی طور پر مانا جائے تو پھر اُس کی طرف رجوع کرنا لازم آجائیگا۔ اور یہ ابطالِ اسلام کی دلیل ہوگا اور یہ کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وجودِ دجّال بھی آپ ہی کے وجود کے سبب سے ہے۔

اب رہا منکرین کے اس اعتراض کا جواب کہ چونکہ امام مہدی علیہ السلام سردابِ مقدس میں مقیم و ساکن بتلائے جاتے ہیں تو جب آپ ایسے مقام پوشیدہ اور غیر مانوس میں

ہو جہاں آپ کو کوئی غذا یا پانی وغیرہ نہیں پہنچ سکتا تو پھر آپ کا اتنی مدت تک زندہ رہنا کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ یہ ہے کہ جناب مہدی علیہ السلام بھی حضرت عیسٰے علٰے نبینا وآلہ و علیہ السلام کی طرح ایک آدمی ہیں۔ وہ تو آسمان پر زندہ ہیں اور حضرت مہدی علیہ السلام زمین پر زندہ ہیں۔ جب آسمان کے ایسے مقام پر حضرت عیسٰے علیہ السلام کی بقا تسلیم کیجاتی ہے تو پھر جناب مہدی علیہ السلام کی بقا زمین پر کیونکر نہ مانی جائیگی۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسٰےؑ کو تو خدائے رازق رزق پہنچاتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اگر جناب مہدی علیہ السلام کو بھی وہی رازقِ مطلق روزی پہنچائے تو اس کی نعمتوں کا خزانہ خالی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام طبیعت بشری سے گزر گئے ہیں اور اب انکو غذا کی کوئی احتیاج باقی نہیں ہے تو ہم جواب دینگے کہ یہ خیال بھی مہمل ہے کیونکہ خداوند تعالٰے حضرت خیر الانبیاء علیہ وآلہ الثناء والتحیۃ کو جملہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت کی نسبت بتلاتا ہے کہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اگر یہ جواب ہو کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اتنے دنوں عالمِ علوی میں رہ کر یہ شرف اور امتیاز حاصل کر لیا ہے تو ہمارا یہ جواب ہو گا کہ اس تحصیل کا ثبوت نہیں پہنچتا کیونکہ وہ آسمان پر ہیں اور ہم زمین پر۔ زمین والوں کو آسمان والوں کی کیا خبر اور ان کے کسبِ معالم کا کیا علم ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دجال کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایک کنوئیں میں قید ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں اور اس کی دونوں رانوں سے لا کر زنجیر آہنی اس کی گردن میں ڈالی گئی ہے کہ وہ جنبش نہیں کر سکتا۔ اور ایک دوسری روایت کے بموجب بجائے کنوئیں کے دیر میں مقید ہے۔

پھر جب ایسی حالت میں اسکی بقا کا اقرار کیا جاتا ہے تو پھر جناب مہدی علیہ السلام کے بقا کیلیے کون سے شے مانع ہو سکتی ہے۔ حالانکہ دجال مردودِ خدا ہے اور جناب مہدی علیہ السلام مقبولِ کبریا ہیں۔ افضال و اکرام خدا کے خلاف ہے کہ مردود کے لیے تو اسبابِ بقا مہیا کر دیے جائیں اور مقرب و محبوبِ الٰہی کے واسطے کوئی سامان نہ کیا جائے۔

پس ان تمام اخبار و آثار و دلائل و براہین کو جمع کر دینے سے ثابت ہو گیا کہ بقائے حضرت امام مہدی علیہ السلام شرعاً و عادتاً ممتنع نہیں ہے۔

اس کے بعد صاحب کفایت الطالب نے سطیح کاہن کی روایت اور اسکے متعلق اپنی بہت سی دلائل نقل فرمائی ہیں۔ خلاصہ ان سب کا یہ ہے:۔

سطیح کاہن نے جدن بادشاہ کی حضور میں ایک دن دنیا کے بہت سے آنیوالے حوادث اور وقائع بیان کیے تھے انہی کے ساتھ جناب امام محمد مہدی علیہ السلام کے متعلق بیان کیا تھا کہ آپ اسوقت ظہور فرمائیں گے جبکہ دنیا کفر و فسق سے پُر اور مملو ہو گی۔ دنیا اور دنیا والے آپکے عہدِ دولت عہد میں مطمئن اور فارغ البال رہیں گے۔

بہر حال ہم نے اس بحث میں اپنے اس دعوے کی پوری تصدیق و توثیق بہم پہنچا دی کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی نسبت سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کی کتابوں میں بھی وہی اخبار و آثار نقل کیے گئے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں مندرج پائے جاتے ہیں۔ اور اہلسنت والجماعت کے معتبر علماء نے بھی آپکے وجود۔ طولِ بقا اور غیبت وغیرہ کے خاص مسائل اور مباحث پر بھی وہی دلائل قائم کیے ہیں جو علمائے شیعہ نے اور معترضین کے شبہات اور ظنیات کی رد و تنقید بھی علمائے اہلسنت نے قریب قریب انہی دلائل و براہین سے کی ہے جن دلائل و مباحث سے علمائے شیعہ ان معترضین و منکرین کے توہمات کی ردّ و ابطال کرتے آئے ہیں۔

ہماری مندرجہ بالا بحث کو جسے ہم نے اہل سنت کے ایک بڑے معتبر اور مستند عالم کی مشہور و معروف کتاب کے ترجمہ سے لکھا ہے۔ دیکھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب قائمِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثناء کے تمام حالات اور واقعات روزِ ولادت سے لیکر ایام غیبت تک اور پھر غیبت سے لیکر ظہور تک فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہیں اور اُنپر جو دلائل اور براہین فریقین کے علماء نے قائم فرمائے ہیں وہ سب کتاب و سنت سے اخذ کیے گئے ہیں اور وہ ایسے

معتبر اور مستند ہیں کہ تا وقتیکہ کتاب و سنت کے ارشاد و احکام سے انکار نہ کیا جائے ان حالات و واقعات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اور کتاب و سنت سے انکار کرنے والا جس شمار اور اعتبار میں داخل ہوگا وہ سب کو معلوم ہے۔ تہذیب اُس کے بیان سے مانع ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عام ناواقفیت کے موجودہ زمانہ میں ہر شخص بغیر اس کے کہ اُس نے کسی امر کی نسبت کوئی تلاش اور تجسّس کی ہو اپنی ذرا سی فکر کے بعد فوراً کہہ دیتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اگر پوری تحقیق سے کام لیا گیا ہوتا اور کامل جستجو اور تلاش کی گئی ہوتی تو اُسکو اپنے دعوے کے خلاف اُسکی نسبت ہر قسم کی اطلاع مل چکی ہوتی۔ آجکل زمانہ میں اسلام کے ہزاروں مسائل اور مباحث کی یہی کیفیت ہے اور انہی میں حضرت امام آخر الزمان علیہ السلام کی بقا کا مسئلہ بھی ہے۔

اِس مسئلہ خاص کی اہمیت۔ شہرت اور کثرت کی جو حالت ہے وہ اس کے ہر باب اور ہر بحث میں ہم پوری تفصیل اور تشریح سے لکھ چکے ہیں اور یہ دکھلا چکے ہیں کہ سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کے وسیع دائرہ میں شریعت اور طریقت دونوں طریقوں کے مستند اور معتبر بزرگواروں نے اِن اخبار و آثار کو کس وقعت عظمت اور خلوص و عقیدت کے ساتھ اپنی معتبر اور مستند تالیفات میں درج کیا ہے اور اُنکو مسئلہ معاد کے ضمن میں اُس کا جزو ضروری تسلیم فرمایا ہے اور ایک جداگانہ باب میں اُن بزرگواروں کے مختلف اقوال و ارشادات نہایت تفصیل سے درج کر دیے ہیں جنکو پڑھ کر اور سمجھ کر ہر شخص اپنا پورا اطمینان اور پوری تسلی۔ اور اپنے تمام توہمات اور شبہات کی کامل اصلاح کر سکتا ہے۔ مگر باینہمہ عام ارتداد اور فتنہ و فساد کے موجودہ زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان بزرگواروں کے اقوال و ارشاد پر بھی کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اور اُنکی تعلیم و ہدایت کی کوئی قدر اور کوئی وقعت نہیں کی جاتی۔ سینکڑے پیچھے دس آدمی ایسے نکلتے ہیں جو ان اخبار و آثار کی طرف کوئی توجہ فرماتے ہوں یا کم سے کم اس کی اطلاع رکھتے ہوں۔ باقی نوّے فیصدی ایسے نکلتے ہیں جو ان اخبار و آثار کو کلیۃً کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے اور سرے سے اُن کے وجود ہی کو نہیں مانتے اور اس امر ہی کو محض لاشئے سمجھتے ہیں۔ اُنکی جہالت و ناواقفیت کو دیکھ کر مسلمانان درگور و مسلمانی در کتاب کا عبرتناک منظر سامنے آ جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اُنکی ناواقفیت اور عدم توجہی سے اُن کے علمائے کرام پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا اور نہ اُنکے گمراہانہ انکار۔ اعتراضات اور توہمات سے اس مسئلہ خاص کی شہرت اور کثرت میں کوئی کمی آ سکتی ہے جو کچھ الزام آئیگا وہ اِن معترضین کی بے بصیرتی۔ کور سوادی اور بے استعدادی پر جو بموجودگی کتب معتبرہ ان اخبار و آثار کو نہیں دیکھتے اور اپنی نفسانیت اور ہٹ دھرمی سے اِن روایاتِ متواترہ اور مشاہداتِ متکاثرہ کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے توہماتِ باطلہ پر بڑے بڑے علماء کی تصنیفات و تالیفاتِ معتبرہ کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان غلط فہمیوں کی کوئی وقعتِ دلائل و براہینِ عقلیہ و نقلیہ کے سامنے نہیں کیجا سکتی۔

جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق اہلسنت کی حدیثیں

اِس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور یہ دکھلاتے ہیں کہ باستثنائے علامہ محمد ابن طلحۃ الشافعی کے اور تمام اکابر علماء محدثین اہلسنت والجماعت نے عام اس سے کہ جناب امام زمان علیہ السلام کے حالات اور واقعات کو اسی تفصیل اور دلیل سے بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یہ تو دوسری بات ہے۔ مگر اُن تمام بشارتوں اور پیشینگوئیوں کو جناب مخبرِ صادق علیہ السلام کی زبانی اپنی تمام کتبِ صحاح۔ سنن اور مسانید میں صحابۂ کرام کی معتبر اسناد سے پوری پوری تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ ہم اُنکو علیحدہ علیحدہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ سننِ ابو داؤد میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اسناد سے مرفوعاً منقول ہے کہ اگر حیاتِ عالم میں سے

ایک روز بھی باقی رہیگا تو خدائے تبارک و تعالیٰ میرے اہلبیت علیہم السلام میں سے ایک شخص کو ظاہر فرمائیگا جو روئے زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ قبل ہی جور و ستم سے بھر چکی ہوگی۔ دوسری حدیث میں جناب ام المؤمنین حضرت اُم سلمہ سلام اللہ علیہا سے منقول ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام میری امت سے ہیں اور وہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی اولاد سے ہونگے۔

۲۔ صحیحین بخاری اور مسلم میں اور شرح السنۃ امام بغوی میں ابو ہریرہ کی اسناد سے مرفوعاً لکھا ہے کہ اُسوقت اس امت کا کیا حال ہوگا جوقت جناب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اُسوقت اُن کا امام اُنہی میں سے ہوگا۔

۳۔ ترمذی نے صحیح میں۔ ابو داؤد نے سنن میں عبد اللہ ابن مسعود کی اسناد سے لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر حیات عالم سے ایک روز بھی باقی رہیگا تو خداوند عالم اُسکو اتنا طولانی فرما دیگا کہ میرے اہل بیت علیہم السلام میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور وہ تمام عالم کو عدل و انصاف سے اسطرح پُر اور مملو فرمادیگا جس طرح قبل ازیں جور و ستم سے بھرا ہوگا۔

۴۔ امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں انس ابن مالک کی اسناد سے لکھا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اولادِ عبد المطلب سے مراد ہم حمزہ۔ علی حسن حسین اور مہدی علیہم السلام ہیں۔ اور ہم ہی لوگ اہل بہشت سے ہیں صاحبِ کشف الغمہ علی ابن عیسے علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے پاس کتاب شرح السنۃ امام بغوی کا ایک قدیم نسخہ موجود ہے جس میں علاوہ اُن دونوں حدیثوں کے جو اوپر لکھی گئی ہے ذیل کی حدیثیں بھی مرقوم ہیں۔

۵۔ ابو سعید خدری کی اسناد سے منقول ہے کہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اس امت پر ایک ایسی کثرت بلا آنیوالی ہے کہ پھر ان لوگوں کو دنیا میں کہیں پناہ نہ ملیگی ایسی حالت میں خدائے سبحانہ و تعالیٰ عترت اہلبیت علیہم السلام میں سے ایک شخص کو پیدا کریگا جو تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے اُسی طرح بھر دیگا جسطرح اقبل اس کے وہ جور و ستم سے پُر اور مملو ہوگی۔ ساکنانِ ارض و سموات اُس سے راضی اور خوشنود رہینگے۔ آسمان پر کوئی قطرہ ایسا باقی نہیں رہیگا جو نہ برسے اور زمین پر کوئی دانہ ایسا نہ رہیگا جو نہ اُگے یہاں تک کہ مُردوں کو پھر زندہ ہو جانے کی تمنا ہوگی۔ دنیا میں آپ سات یا آٹھ برس تک حکومت فرمائینگے

۶۔ سعید ابنِ مسیّب نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ علیہا السلام کی اسناد سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام ہماری عترت اور جناب سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے اور مطابق سنت جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اہل اسلام کے ساتھ عمل فرمائیں گے۔ سات یا آٹھ سال تک حکومت فرمائیں گے اُس کے بعد انتقال کریں گے اور حضرت عیسے علیہ السلام اُن کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۷۔ ابی نضرہ نے جناب ام المؤمنین ام سلمہ سلام اللہ علیہا کی اسناد سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص آخر زمانہ میں ایسا خلیفہ ہونیوالا ہے جو دنیا کو بے شمار اور بے حساب مال عطا فرمائیگا۔ صحیح مسلم میں اس حدیث کو زہیر ابن حرب کی زبانی لکھا ہے۔

۸۔ جامع الاصول علامہ ابن اثیر میں جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے ظہور فرمانے کے متعلق دس حدیثیں۔ ابو ہریرہ۔ جابر۔ ابن مسعود۔ ام سلمہ سلام اللہ علیہا ابو سعید خدری اور ابو اسحٰق کی اسناد سے مرقوم ہیں۔ ان حدیثوں سے کہ مختلف متنوں میں آپکے القاب و اوصاف علحدہ علحدہ مندرج ہیں۔ اور یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ جناب

عیسےٰ ابنِ مریم علیہ السلام آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

۹۔ کتاب طرائف میں امام ابو اسحاقِ ثعلبی حمعسق کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے .... سنائے مہدی علیہ السلام یعنی آپ کی علو مرتبت اور ق سے مراد ہے قوتِ عیسیٰ علیہ السلام کہ آپ روزِ ظہور پر فوراً آسمان سے نزول فرما کر نصاریٰ بیدین کو قتل فرمائیں گے اور اُن کے کلیساؤں کو خراب و مسمار کریں گے۔

۱۰۔ قصہٴ اصحاب کہف کے متعلق امام ثعلبی لکھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام اصحاب کہف کو زندہ فرمائیں گے اور وہ بعد زندہ ہونیکے پھر اپنی خوابگاہ کی طرف چلے جائینگے پھر ظہور قیامت تک نہ اٹھینگے۔

۱۱۔ فردوس الاخبار میں امام ابنِ شیرویہ دیلمی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ مہدی علیہ السلام طاؤس بہشت ہیں۔ ان حدیثوں کی تصریح کے بعد امام ثعلبی نے کتاب طرائف میں بہت سی حدیثیں کتاب جمع بین الصحیحین۔ فردوس الاخبار۔ مناقب ابن مغازلی اور مصابیح محمد ابنِ مسعود وغیرہا سے مع اُن کی تفصیل کے لکھی ہیں اور یہ وہی حدیثیں ہیں جو کم و بیش اوپر کی بحثوں میں قلمبند ہوچکی ہیں۔ اِن حدیثوں کی جمع و ترتیب کے بعد امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ بعض علمائے شیعہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اتفاق وقت سے وہ میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے کتاب مذکورہ سے خصوصاً اُس باب کو جس میں مصنّف نے خاصکر فرقۂ (اہلسنّت والجماعت) کی حدیثوں کو جمع کیا ہے دیکھا اور خوب غور سے دیکھا اور خوب غور سے پڑھا اس کتاب کا نام کشف المخفی فی مناقب المہدی علیہ السلام ہے اس باب میں ایک سو دس ۱۱۰ حدیثیں مندرج ہیں جن میں کی تین حدیثیں تو صحیح بخاری سے ہیں اور پندرہ حدیثیں صحیح مسلم سے دو جمع بین الصحیحین حمیدی سے۔ اور گیارہ حدیثیں امام نیز یدبن معاویہ عبدی کی کتاب جمع بین الصحاح الستہ سے اور سات حدیثیں کتاب فضائل الصحابہ سے۔ اور پانچ حدیثیں تفسیر ثعلبی سے۔ اور چھ حدیثیں کتاب غریب الحدیث ابن قتیبہ دینوری سے۔ چار حدیثیں فردوس الاخبار امام سے۔ چھ حدیثیں کتاب مسند سیدۂ نساء عالم تالیف امام دارقطنی سے اور تین حدیثیں مسند امیر المومنین علیہ السلام مؤلفہ حافظ ابوالحسن سے۔ تین حدیثیں کتابِ مسند نسائی سے۔ اور چار حدیثیں کتاب ملاحم ابی الحسن مناری سے پانچ حدیثیں کتاب مصابیح ابو محمد حسین ابن مسعود فتی و سی سے اور تین حدیثیں کتاب حافظ محمد ابنِ عبداللہ خضر می المعروف ابن مطیق سے اور تین حدیثیں کتاب رعایۃ لاہل الرّاویہ تالیف ابو الفتح محمد ابنِ اسمٰعیل فرغانی سے اور منجملہ اُن کے ایک سطیح کی روایت بھی ہے اور کتابِ استیعاب ابن عبدالبر نمیری سے دو حدیثیں قلمبند کی گئی ہیں۔

اتنا لکھکر امامِ ثعلبی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب (کشف المخفی) کے جزوِ ثانی پر بھی غور کیا ہے اور دیکھا ہے کہ اس جزو میں سنن ابنِ ماجہ سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ اور میں نے اُس کی اکثر احادیث پر اجازے بھی مرقوم پائے۔ انا مجملہ ایک اجازہ کی عبارت یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں نے اس حدیث کو عمر محمد ابنِ سلمہ جعفر حسن پسرانِ محمد ابنِ سلمہ احفظہم اللہ ونفعنا اللہ وایاکم بہ سے بھی سنا ہے۔ اس اجازہ کا لکھنے والا ابراھیم ابنِ دینار ہے اور تاریخ کتابت اجازہ شہر شعبان ۵۶۳ھ ہجری درج ہے۔ اس جزو میں کتاب سنن سے بہت سے قصص بھی مرقوم ہیں۔ اور اسی میں آپ کے ظہور فرمانے کے حالات بھی قلمبند ہیں۔ اور اسی باب میں سات حدیثیں مع اسناد کے لکھی ہیں اور اُن کے مضامین عموماً یہ ہیں کہ جناب مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے آپ جنابِ سیدہ علیہا السلام کی اولاد سے ہونگے۔ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر اور مملو فرمادیں گے جس طرح وہ قبل اسکے جور و ستم سے بھر چکی ہوگی۔ امامِ ثعلبی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو صاحبِ کشف المحالہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی زبانی مرقوم کیا ہے۔ اسکے بعد امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب مقتضب پر تلخیصِ ابو الحسن احمد ابن جعفر ابن محمد المدعو بہ منادی وہی میں نے مطالعہ کی ہے اور اُس کے خاتمہ پر مؤلف کی یہ تحریر دیکھی ہے کہ سنہ ۳۳۲ ھجری میں اِس کتاب کی تالیف سے فراغت کی گئی۔ اِس کتاب پر بھی اکثر اجازے اور مختلف تحریریں تھیں اور اُن میں سے بعض کی عبارت ماہ ذیقعدہ سنہ ۴۸۰ ھجری میں لکھی گئی تھی اور منجملہ مطالبِ دیگر کے اُس کتاب کی تالیف سے ایک یہ مطلب بھی تھا کہ ایسی حدیثیں اور روایات وغیرہ جمع کی جائیں جن سے حالات۔ صفات اور سیرت جنابِ امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام معلوم ہو سکیں چنانچہ اسی ضمن میں اٹھارہ حدیثیں اسنادِ معتبر کے ساتھ جو جنابِ ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کی گئی ہیں مندرج ہیں۔ اِن سب حدیثوں میں آپ کا ظہور فرمانا۔ جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونا۔ روئے زمین کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرمانا۔ آپ کا بہت بڑا صاحب کمال اور صاحب عزو جلال ہونا بتلایا گیا ہے۔

اس نقل کے بعد امام ثعلبی نے حافظ ابو نعیم کی چالیس حدیثیں بیان کی ہیں جنکو ہم پوری تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ عنقریب بیان کرینگے۔ اور لکھا ہے کہ یہ اور اوپر کی لکھی ہوئی حدیثیں ملکر مجموعًا ایک سو چھپن حدیثیں ہوئیں جو بطریقِ اہل سنت والجماعت تمامتر واقع ہوئی ہیں۔ لیکن وہ حدیثیں جو بطریق شیعہ مروی ہوئی ہیں اُن کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اُن کی نقل کو کئی جلدوں کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد امام ثعلبی تحریر کرتے ہیں کہ محدثینِ سلف نے بتواتر لکھا ہے کہ جنابِ مہدی آخر الزمان علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت اس وجہ سے مخفی اور مستور رکھی گئی کہ تمام روئے زمین پر اُن کی حکومت اور امارت کرنے اور ظہور فرمانے کی خبر عام طور سے مشہور تھی۔ اس وجہ سے خوف تھا کہ ایسا نہو کہ معاندین اور دشمنانِ دین اس امر پر مطلع ہوں اور اُن کو آزار پہنچائیں۔ اس باعث سے آپ کی ولادت کو عموماً پوشیدہ اور مخفی رکھا گیا (جیسا کہ اوپر مختلف مقامات میں لکھدیا گیا ہے) جس طرح کہ عادتِ الٰہی اس سے قبل ولادتِ جنابِ ابراہیم و حضرت موسٰی علی نبینا وآلہ وعلیہما السلام کے متعلق جاری ہو چکی ہے۔ چونکہ فرقۂ شیعہ کے لوگ آپ کے آبائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ارادتِ خاص رکھتے ہیں اسلیے وہ لوگ اِن کے حالات سے مطلع اور واقف ہو گئے۔ کیونکہ قاعدے کی بات ہے کہ جو شخص کسی قوم کا ہمراز ہوتا ہے وہ بیگانوں سے زیادہ اُن کے اسرار و احوال سے واقف ہوتا ہے چنانچہ شافعی مذہب کے لوگ بمقابلہ تین مذاہب (حنفی۔ حنبلی۔ مالکی) کے لوگوں کے زیادہ تر آپ کے احوال سے واقف ہیں۔

اس کے بعد امام صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام اپنے والدِ بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعض اصحاب سے ملے ہیں اور اُن بزرگواروں نے بالمشافہہ آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اور آپ سے اخبار و احکام نقل فرمائے ہیں۔ اور ایامِ غیبت میں آپ کی طرف سے وکلا اور سفراء مقرر تھے جو اپنی شرافتِ نسبی۔ مقامِ سکونت وغیرہ کے لحاظ سے مشہور و معروف تھے۔ اور آپ اِن بزرگواروں سے اعجاز و کرامات مسائلِ شرعیہ کے جوابات اور بہت سے غیب کے واقعات کو اپنے آبائے کرام علیہم السلام کی اسناد سے بیان کرتے تھے۔ اِن حضرات میں سے ایک عثمان ابنِ سعید عمری رضی اللہ عنہ تھے کہ جو قطفان میں جہم کی طرف مدفون ہیں اور ایک ابو جعفر محمد ابنِ عثمان ابنِ سعید عمری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ایک قسم ابنِ حسین ابنِ روح نوبختی رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ایک علی ابنِ محمد سمری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور علامہ نصر ابنِ علی جہنی نے چاروں مذہب (حنفی۔ شافعی۔ حنبلی اور مالکی) کے رجال کی اسنادِ معتبرہ کے ساتھ اِن وکلاء کے نام۔ مقامِ سکونت۔ مقامِ ماموریت اور دیگر حالات وغیرہ علیحدہ علیحدہ لکھے ہیں۔ اور شیعہ کی جماعتِ کثیرہ نے حضرتِ امام آخر الزمان علیہ السلام سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا ہے

اور اُن پر ایسی دلائل اور قرائن ظاہر ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوا ہے کہ آپ ہی مہدی علیہ السلام ہیں اور زمانہ موجودہ میں چونکہ آپ شیعہ لوگوں کے درمیان موجود نہیں ہیں محال نہیں ہے کہ آپ اُن میں سے بعض کے ساتھ اس زمانہ میں بھی ملاقات فرمائیں اور وہ آپ کے اقوال و افعال سے منتفع ہوں مگر واجب ہے کہ وہ ان حالات کو مخفی اور مستور رکھے کیونکہ عادتِ الٰہی ایسا ہی اکثر انبیاء اوصیاء اولیا اور ملوکِ صالحہ کے ساتھ جاری ہوئی ہے کہ وہ اکثر مصالحِ دینی کی وجہ سے ایک مدت تک غائب اور پوشیدہ رہے اور اُن کے طولِ بقاء اور ازدیادِ عمری کی وجہ سے محال اور ممتنع نہیں سمجھی جا سکتی۔ وہی شخص اِن امور کو محال اور ممتنع سمجھیگا جو قدرتِ الٰہی کی معرفت اور اُسکے فہم کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوگا۔ حالانکہ اخبارِ متواترہ و متکاثرہ مخصوص انبیاءؑ و غیر انبیاء کی طولِ عمری کے متعلق حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں خضر علیہ السلام باوجود اتنی مدتِ مدید کے اب تک زندہ موجود ہیں حالانکہ وہ پیغمبروں سے نہیں ہیں بلکہ بندگانِ صالحین سے ہیں۔ اور کسی شریعت کے حافظ بھی نہیں ہیں۔ اس لیے ظاہراً اُنکے وجود و بقا میں تکلیفِ لطف بھی نہیں ہے۔ پس اُنکے مقابل میں وجود اور بقائے جنابِ آخر الزمان علیہ السلام کسی طرح محال اور ممتنع نہیں سمجھی جائیگی۔ حالانکہ آپ اپنے جدِ بزرگوار کی شریعت کے محافظ ہیں۔ اس لیے آپ کے وجود و بقا میں تکلیفِ لطف شامل ہے۔ اور حالاتِ ظہور و غیبت میں دونوں میں خضر علیہ السلام سے منتفع ہونے کے مقابلہ میں آپ کے وجود و بقا میں زیادہ تکلیفِ لطف شامل ہے۔ اور علاوہ اس کے بس شخص سے قرآن مجید میں اصحابِ کہف کے حالات پڑھے ہیں اور اُن کی تصدیق کی ہے کہ وہ بے آب و طعام تین سو نو (۳۰۹) برس تک زندہ رہے اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ حیات تک زندہ تھے کہ آپ نے اپنے اصحاب کو اُن سے سلام کرنے کی تاکید فرمائی ہے وہ شخص کیسے جنابِ مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے طولِ بقا میں عذر اور کلام کر سکتا ہے۔

امام سجستانی سہل ابنِ محمد نے کہ یکے از اعیانِ چہار مذہبِ سوادِ اعظم ہیں ایک خاص کتاب اُن معمرین زمانہ کے خاص حال میں لکھی ہے جن کے حالات اُن کو بطریقہ متواتر معلوم ہوئے ہیں۔ اسکے بعد صاحبِ کفایۃ الطالب نے باب نص بائمۂ اثنا عشر میں حضرت محمد ابنِ حنفیہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی زبانی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں تو میرا وزیر ہے جس وقت میں دنیا سے اُٹھ جاؤنگا تو اُس وقت اِس قوم کے سینوں میں تیری عداوت اور مخالفت پیدا ہوگی۔ اور میرے بعد بہت جلد فتنۂ شدید پیدا ہوگا۔ اور وہ لوگ جو اس میں داخل نہیں ہیں وہ اس میں داخل ہو جائیں گے۔ اور یہ اُس وقت ظاہر ہوگا کہ جب تیری ساتویں پشت سے پانچواں امام خلائق کے درمیان سے غائب ہو جائیگا۔ اہلِ زمین و آسمان اُس کی غیبت سے سخت ملول اور محزون ہوں گے اور تمام مؤمنین و مؤمنات سخت افسوس اور حسرت کرینگے اور حیران و سرگردان رہینگے۔ اس کے بعد جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تھوڑی دیر تک اپنا سرِ مبارک نیچے کر لیا اور پھر اُٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے ماں باپ اُس شخص پر فدا اور نثار ہوں جو میرا شبیہ اور موسیٰؑ ابنِ عمران کا شبیہ ہوگا اور اُس پر حجابِ نور کے پردے پڑے ہونگے۔ گویا کہ میں اُن تمام لوگوں کو جو فقدانِ غیبت حضرت مہدی علیہ السلام کی وجہ سے افسوس و ملال کرتے ہیں دیکھ رہا ہوں اور اِس حالت کو بھی مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اُن لوگوں کو منادی ندا کر رہا ہے یا وہ خود غیب سے ندا سن رہے ہیں اور اُن کا امام مؤمنین پر رحمت کر رہا ہے اور معاندین و منافقین پر عذاب فرما رہا ہے۔ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے خدمت ہمایوں میں عرض کی کہ آخر وہ ندا کیا ہوگی اور کیسی ہوگی؟ ارشاد ہوا کہ وہ تین آوازیں ہوں گی۔ اوّل جب تین پہلی یہ صدا ہوگی کہ الا لعنۃ

اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ صدائے دوم یہ ہوگی اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ قیامت نزدیک آگئی۔ تیسری صدا اس مجسمہ سے ظاہر ہوگی جو اُس دن پیکرِ آفتاب میں نمایاں ہوگا۔ اور وہ ندا یہ ہوگی کہ ایھا النّاس آگاہ ہو کہ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے فلاں ابنِ فلاں (تا امیر المومنین علیہ السلام) کو مبعوث فرمایا ہے ظالمین عالم کو ہلاک فرمائیگا۔ اور بوجہ علی علیہ السلام مومنین کو اُسی دن وسعت اور کشادگی ظاہر ہوگی۔ اور خدائے تعالیٰ اُسی دن صدورِ مومنین کو شفائے کُلّی عطا فرمائے گا اور اُن کے قلوب سے غصہ اور حسد کو نکال لیگا۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی کہ میرے اور حسنین علیہما السلام کے بعد ائمہ علیہم السلام کتنے ہوں گے ارشاد ہوا کہ نو حضرات ہوں گے۔ اور اُن میں کا نواں مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہے۔ +

حافظ ابو نعیم صاحب حلیۃ الاولیاء کی مصدقہ احادیث

اوپر کی بحث کو تمام کرکے اب ہم علمائے اہلسنت و الجماعت کی مسلمہ حدیثوں میں سے اُن حدیثوں کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جن کو حافظ ابو نعیم نے احمد ابنِ عبداللہ کی اسناد سے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل فرمایا ہے مگر چونکہ اُن حدیثوں کے متون اور مضمون وہی ہیں جو اوپر کی حدیثوں میں بیان ہو چکے ہیں اس لیے ہم اُن کو تواردو اور طوالت کے خیال سے پوری عبارت کے ساتھ نہیں لکھتے ہیں صرف اُن کے راوی اور خلاصہ مضمون کو اپنے اظہار و اثباتِ مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

(۱) ابو سعید رضہ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہمارے اہلبیت اور اولادِ فاطمہ علیہا السلام سے ہیں۔ سات۔ آٹھ یا نو برس تک امامت فرمائیں گے اُن کے عہدِ دولت مہد میں تمام لوگ مرفہ الحال اور فارغ البال ہوں گے۔

(۲) ابو سعیدِ خدری سے منقول ہے کہ آپ دنیا کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرما دیں گے۔

(۳) زہری سے بہ اسنادِ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا منقول ہے کہ مہدی علیہ السلام تیری اولاد سے ہیں

(۴) علی ابنِ ہلال سے بہ اسنادِ مذکورۂ بالا منقول ہے کہ مہدی جملہ صفات سے موصوف ہونگے اور وہ فلاں فلاں کا بہائی نمایاں کریں گے

(۵) عبداللہ ابنِ عمر کی اسناد سے آپ کا مقام ظہور بھی بتلایا گیا ہے۔

(۶) حذیفہؓ کی اسناد سے آپ کا چہرۂ نورانی اور حلیۂ مبارک بتلایا گیا ہے

(۷) باسنادِ ایضاً جسم مبارک۔ قد و قامت اور سراپائے مبارک کی تفصیل بتلائی گئی ہے

(۸) ابو سعیدؓ کی اسناد سے پیشانی نورانی کی طلعت ارشاد ہوئی

(۹) باسنادِ ایضاً بینی مبارک کی صورت بتلائی گئی۔

(۱۰) ابو امامہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ کے سیدھے رخسار پر خالِ بزرگ ہوگا۔

(۱۱) عبدالرحمن ابنِ عوف کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ کے دندانِ مبارک کیسے ہوں گے۔

(۱۲) ابو امامہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ امام صالح ہیں۔

(۱۳) ابو سعید کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ علانیہ اور ظاہری طور پر ظہور فرما ہوں گے۔

(۱۴) عبداللہ ابنِ عمر کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ کے فرقِ مبارک پر ابرِ رحمت سایہ فگن ہوگا۔

(۱۵) باسنادِ ایضاً اِس بیان میں کہ آپ کے آگے آگے ملکِ رحمت ندا کرتا جائے گا۔

(۱۶) ابو سعید خدری کی اسناد سے اس بیان میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وجود اور ورود حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بشارت خود پہنچائی ہے۔

(۱۷) عبداللہ ابنِ عمرؓ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمنام ہیں۔

(۱۸) حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے اس بیان

میں کہ آپ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ایک ہے۔

(۱۹) عبداللہ ابن عمر رضؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں۔

(۲۰) ابو سعید رضؓ کی اسناد سے آپکی عدالت کے بیان میں۔

(۲۱) ذرابن عبداللہ کی اسناد سے آپکے اخلاق و اشفاق کے بیان میں۔

(۲۲) ابو سعید رضؓ کی اسناد سے آپکے کرم و عطا کے بیان میں۔

(۲۳) ابو سعید رضؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ کا علم جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے مستخرج ہے۔

(۲۴) ثوبان صحابی کی اسناد سے آپ کی علامات ظہور کے بیان میں۔

(۲۵) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ مشرق کی طرف سے ظہور فرمائینگے۔

(۲۶) حذیفہ رضؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ کے ظہور کے باعث اسلام میں عزت اور عظمت پیدا ہوگی۔

(۲۷) ابو سعید رضؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپکے عہد میں سب مرفہ الحال اور فارغ البال ہوں گے۔

(۲۸) انس ابن مالک رضؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ سادات اہل بہشت ہیں۔

(۲۹) ابو ہریرہ رضؓ کی اسناد سے آپ کی امارت اور ملک کے بیان میں۔

(۳۰) ثوبان کی اسناد سے اس تاکید میں کہ جب ندائے ظہور سنو آپ کی خدمت میں جاکر حاضر ہو اور بیعت اختیار کرو۔

(۳۱) جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اسناد سے اس بیان میں کہ خدا تعالیٰ آپکے ظہور کی برکت سے تمام دنیا کے قلوب کو قبول اسلام کی طرف مائل و راغب فرمادیگا۔

(۳۲) ابن مسعود کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپکے بعد دنیا میں خیر باقی نہ رہے گی۔

(۳۳) ابو ہریرہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ فتح قسطنطنیہ آپکے ہاتھ پر ہوگی۔

(۳۴) قیس ابن جابر کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ ملوک جابرہ کے بعد ظہور فرمائیں گے۔

(۳۵) ابو سعید خدری کی اسناد سے اس بیان میں کہ جناب عیسے ابن مریم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

(۳۶) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اسناد سے آپکے خصائص کے بیان میں۔

(۳۷) ابو سعید کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ دنیا کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرمائیں گے اور کامل سات برس تک سریر آرائے امامت رہیں گے۔

سواد اعظم اہلسنت کے اتنے علمائے معتبرین کے مستند ماخذوں سے ہم نے اتنی حدیثیں قلمبند کردی ہیں۔ اگر اتنی طول و طویل تفصیل کے بعد بھی اور تصریح و تشریح کی احتیاج باقی رہی ہو تو کتاب ینابیع المودۃ فی القربےٰ امام سلیمان بلخی قندوزی اور کتاب ارجح المطالب فی عدِ مناقب علی ابن ابیطالب علیہ السلام مؤلفہ خواجہ عبیداللہ امرتسری ملاحظہ فرمائی جائے ✣

حضرت عیسےٰؑ اور جناب امام مہدی علیہ السلام دو جداگانہ بزرگ ہیں

محمد ابن خالد الجندی نے جو شہر جند کا مؤذن تھا یہ حدیث لکھی ہے کہ لا مھدیؑ الا عیسےٰؑ ابن مریم۔ اس حدیث کی قدح خود اہل سنت کے علمائے کبار نے کی ہے چنانچہ محمد ابن یوسف الگنجی شافعی کتاب البیان فی اخبار امام صاحب الزمان علیہ السلام میں لکھتے ہیں۔

وفی ھذہ النصوص دلالۃ علی ان المھدیؑ علیہ السلام غیر عیسےٰؑ و مدار حدیث لا مھدیؑ الا عیسےٰؑ ابن مریم علی محمد ابن خالد الجندی مؤذن الجند تفرد بہ عن ابان ابن صالح عن الحسن قال الشافعی المطلبی کان فیہ تساھل فی الحدیث۔

(چند حدیثوں کو اوپر لکھ کر) ان نصوص میں اس امر کی دلالت

ہے کہ مہدی علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے ماسوا ہیں۔
اور مدار حدیث لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم محمد ابن
خالد الجندی مؤذن جند پر ہے۔ جو اس حدیث میں منفرد
ہے۔ ابان ابن صالح اور وہ حسن بصری سے اور کہا شافعی
مطلبی نے کہ اس میں تساہل تھا امر حدیث میں۔

کتاب العرف الوردی فی اخبار المہدی علیہ السلام
میں اس حدیث کے ذکر کے بعد مرقوم ہے۔

قال القرطبی فی التذکرۃ اسنادہ ضعیف
والاحادیث عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی
التنصیص علی انہ من ولد فاطمۃ علیہا السلام
ثابتۃ ما یحکم بھا دونہ۔

امام قرطبی نے اس حدیث کے تذکرہ اسناد میں کہا ہے کہ
یہ حدیث ضعیف ہے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیثیں جو اس تنصیص وتخصیص میں وارد
ہوئی ہیں کہ جناب مہدی علیہ السلام حضرت سیدہ سلام اللہ
علیہا کی اولاد سے ہونگے صحیح اور ثابت ہیں پس علاوہ
ان کے اس امر میں کوئی اور حکم نہیں کیا جا سکتا۔

المشرب الوردی فی مذہب المہدی علیہ السلام میں
ملا علی قاری تحریر کرتے ہیں:

قد سئل ابن القیم الجوزیۃ عن حدیث
لا مہدی الا عیسی ابن مریم فکیف ما ائتلف
ھذا مع احادیث المہدی وخروجہ وما وجہ الجمع
بینہما وھل صح فی المہدی علیہ السلام حدیث ام لا
فقال اما حدیث لا مہدی الا عیسی فرواہ ابن ماجہ
فی سننہ عن یونس ابن عبد الاعلی عن الشافعی عن
محمد ابن خالد الجندی عن ابان ابن صالح عن
الحسن البصری عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ
علیہ والہ وسلم وھو مما تفرد بہ محمد ابن خالد الجندی
قال محمد ابن الحسین الاسنوی فی کتاب مناقب
الشافعی محمد ابن خالد ھذا غیر عند اھل الصناعۃ
من اھل العلم والنقل وقد تواترت الاخبار من
رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بذکر المہدی
علیہ السلام وانہ من اھل بیتہ وقال البیہقی تفرد
بہ محمد بن خالد الجندی ھذا وقد قال الحاکم
ابو عبد اللہ ھو مجہول وقد اختلف علیہ فی اسنادہ
فروی عنہ عن ابان ابن عیاش عن الحسن البصری
عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم وھو منقطع
والاحادیث فی التنصیص علی خروج المہدی
علیہ السلام اصح اسنادا۔

علامہ ابن قیم جوزیہ سے حدیث لا مہدی الا عیسیٰ
ابن مریم کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیونکر جمع ہو گی یہ حدیث
ساتھ احادیث ذکر مہدی اور خروج مہدی علیہ السلام کے
اور کیا صورت ہے جمع کی درمیان ان دونوں کے۔ اور آیا کوئی
حدیث باب مہدی میں صحت کو پہنچی ہے یا نہیں؟ پس کہا
ابن قیم نے حدیث لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم
کو روایت کیا ہے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں یونس ابن
عبد الاعلیٰ شافعی سے اُس نے محمد ابن خالد الجندی سے
اُس نے ابان ابن صالح سے اُس نے حسن بصری سے
اُس نے انس ابن مالک سے۔ اس نے جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ اور یہ حدیث ان احادیث
میں سے ہے جس میں محمد ابن خالد الجندی منفرد ہے۔ محمد ابن حسین
اسنوی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے
کہ یہ محمد ابن خالد غیر معروف ہے نزدیک اہل صناعت کے
اہل علم ونقل سے اور تحقیق کہ متواتر ہیں اخبار جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مہدی علیہ السلام میں
اور یہ کہ وہ جناب اہلبیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے ہیں۔ اور کہا بیہقی نے کہ محمد ابن خالد اس حدیث
میں منفرد ہے۔ اور دوسری طرف سے ابو عبد اللہ الحاکم
نے کہا ہے کہ محمد ابن خالد مجہول ہے اور تحقیق کہ اس کی
اسناد میں بھی اختلاف ہے۔ اور بعض روایات میں محمد
ابن خالد نے ابان ابن عیاش سے اُس نے حسن
بصری سے اس نے انس ابن مالک سے اُس نے جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے اور یہ اسناد منقطع ہیں اور احادیث خروج وتنصیص جناب مہدی آخر الزمان علیہ السّلام باعتبار اسناد کے صحیح ترین ہیں۔

بالجملہ ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ حدیث لا مھدی الا عیسٰی علیہ السّلام بنابر افادۂ شافعی وحاکم وبیہقی وقرطبی وگنجی وابن القیم وسیوطی وملا علی قاری مقدوح ومجروح ہے اور جب مقدوح ہونا اس حدیث کا ثابت ہوگیا تو ضرورت نہ رہی کہ اسکی تصحیحِ معانی کی طرف توجہ کی جائے لیکن بعض علمائے اہلِ سنت نے اسکے معانی کو درست کرنا چاہا ہے چنانچہ العرف الوردی میں مرقوم ہے۔

قال القرطبیؒ ویحتمل ان یکون قولہ علیہ السّلام لا مھدیّ الّا عیسی ابن مریم علیہ السلام ای لا مھدی کاملا معصوما الّا عیسی ابن مریم قال وعلی ھذا یجتمع الاحادیث ویرتفع التّعارض وقال ابن کثیر ھذا الحدیث فیما یظھر ببادی الرّأی مخالف للاحادیث الواردۃ فی اثبات المھدیّ علیہ السّلام غیر عیسٰی ابن مریم علیھما السّلام وعند التّامّل لا ینفی بل یکون المراد من ذلک انّ المھدیّ حقّ المھدی وھو عیسٰی ولا ینفی ذلک ان یکون غیرہ مھدیًا ایضًا۔

کہا قرطبی نے اور محتمل ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قول لا مھدی الّا عیسٰی علیھما السّلام سے یہ مراد ہے کہ مہدی کامل معصوم کوئی نہیں ہے سوائے عیسٰی ابن مریم کے۔ کہا قرطبی نے اور اس بنا پر مجتمع ہو جاتی ہیں احادیث اور مرتفع ہو جاتا ہے تعارض اور کہا ابن کثیر نے کہ یہ حدیث نظرِ ابتدائی میں مخالف ہے اُن احادیث کی جو وارد ہوئی ہیں اثبات میں اس امر کے کہ مہدی علیہ السّلام علاوہ ہیں عیسٰی ابنِ مریم علیھما السّلام کے اور نزدیک تامّل کے کچھ منافات نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہوئی کہ مہدی حق المہدی وہی عیسٰیؑ ہیں۔ اور یہ قول اس امر کی نفی نہیں کرتا کہ اُن کے علاوہ بھی کوئی مہدی ہو ظاہر ایہ تاویل نہایت ہی باطل ہے۔ کیونکہ اوّلاً حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا مہدی ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگرچہ بحیثیت نبوّت کے مثل دیگر انبیاء واوصیاء علیہم السّلام کے آپ پر اطلاق مہدی بلفظِ عام درست ہو۔ ثانیاً حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مہدی کامل اور مہدیِ حق المہدی ہونا بھی کسی حدیث سے متحقق نہیں۔ ثالثاً مہدیِ اہلبیت علیہ السّلام کا مہدی کامل اور مہدی حق المہدی نہ ہونا جیسا کہ اس تاویل سے مفہوم ہوتا ہے ظاہر البطلان ہے۔ اس لیے کہ احادیثِ معتبرۂ کثیرۂ اہلِ سنت سے جو حالاتِ مہدی اہلبیت علیہم السّلام کے معلوم ہوتے ہیں اور ثابت ہوئے ہیں اُن سے آپ کا مہدی کامل اور مہدیِ حق المہدی ہونا پورے طور سے ثابت ہے بلکہ وہی احادیث مفید اس امر کی ہیں کہ مہدیِ کامل اور مہدیِ حق المہدی وہی جناب ہیں۔ رابعاً معصوم نہ ہونا جناب مہدیِ اہلبیت علیہم السّلام کا جیسا کہ تاویلِ قرطبی سے پیدا ہوتا ہے صراحۃً باطل ہے اسلیے کہ معصوم ہونا اُن جناب کا ادلۂ کثیرہ سے ثابت ہے اور اکابرِ علمائے اہلِ سنت آپ کی عصمت کے معترف ہیں۔ چنانچہ عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے۔

فان قلت فما صورۃ ما یحکم بہ المھدیّ علیہ السّلام اذا خرج ھل یحکم بالنّصوص او بالاجتھاد او بھما فالجواب کما قالہ الشّیخ محیّ الدّین عربیّ انّہ یحکم بما القی الیہ ملک الالھام من الشّریعۃ وذلک ان یلھمہ اللہ الشّرع المحمّدیّ فیحکم بہ کما اشار الیہ حدیث المھدیّ ویقفو اثری فعرفنا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم انّہ متبع لا مبتدع وانّہ معصوم فی حکمہ اذ لا معنی المعصوم فی الحکم انّہ لا یخطی و حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم لا یخطی فانّہ ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الّا وحیٌ یُوحٰی وقد اخبر من المھدیّ انّہ لا یخطی وجعلھا ملحقا بالانبیاء فی ذلک الحکم۔

پس اگر کہے تو کہ کیا صورت ہوگی اُن امور کی جن کا حکم دیں گے مہدی علیہ السّلام جس وقت خروج فرمائیں گے آیا نصوص سے حکم

فرمائیں گے یا با جہاد۔ یا دونوں طریقوں سے۔ پس اس کا جواب وہی ہے جو کہ شیخ محی الدین عربی نے دیا ہے کہ وہ کسی شریعت کے مطابق حکم کرینگے جو اُن کی طرف ملک الہام القا فرمائیگا اور یہ اس طرح القا فرمائیگا کہ اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ القا فرمائیگا اُنپر شریعت محمدی کو پس وہ اُس کے مطابق حکم فرمائیں گے جیسا کہ اشارہ کیا ہے اس کی طرف حدیث مہدی علیہ السلام نے جیسا کہ فرمایا آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے کہ وہ اتباع کرینگے میرے اثر کا۔ پس پہنچوا دیا آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے ہمکو کہ یقیناً مہدی علیہ السّلام معصوم ہیں اپنے حکم میں اس لیے کہ معصوم فی الحکم ہونے کے کوئی معنی بجز اسکے نہیں ہیں کہ وہ خطا نہ کرینگے اور حکم جناب رسول خدا صلےٰ اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا خطا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم بغیر وحی کے کلام نہیں کرتے اور یقیناً آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے مروی ہے حال جناب امام مہدی علیہ السلام کا کہ وہ خطا نہ کرینگے اور حکم میں وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ شامل اور ملحق ہیں۔

خامساً حدیث لا مھدی الا عیسیٰ ابن مریم سے جو قرطبی اور ابن کثیر نے کی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جناب مہدی علیہ السلام سے مرتبۃً افضل ہوں۔ حالانکہ یہ امر صحیح نہیں ہے بلکہ افضلیت مہدی علیہ السلام کی احادیث کثیرہ سے ثابت اور محقق ہے اور اس امر کا اعتراف خود علمائے اہل سنت نے کیا ہے۔ چنانچہ محمد ابن یوسف الگنجی الشافعی البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ السلام میں تحریر کرتے ہیں۔

فان سئل سائل وقال مع صحۃ ھذہ الاخبار وھی ان عیسیٰ یصلی خلف المھدی ویجاھد بین یدیہ وانہ یقتل الدجال بین یدی المھدی علیہ السلام ورتبۃ التقدیم فی الصلوٰۃ معروفۃ وکذلک رتبۃ التقدیم للجھاد وھذہ اخبار مما ثبت طرقھا وصحتھا عند السنۃ وکذلک ترویھا الشیعۃ علی السواء فھذا ھو الاجماع من کافۃ اھل الاسلام ومع ثبوت الاجماع علی ذلک وصحتہ فایما افضل الامام او المأموم فی الصلوٰۃ والجھاد معاً الجواب عن ذلک وھو ان نقول انھما قدوتان نبی وامام وان کان احدھما قدوۃ لصاحبہ فی حال اجتماعھما وھو الامام یکون قدوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی تلک ولیس فیھما من تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم وھما ایضاً معصومان من ارتکاب القبائح کافۃ والمداھنۃ والریاء والنفاق ولا یدعو الداعی لاحدھما الی فعل ما یکون خارجاً عن حکم الشریعۃ ولا یخالف المراد اللہ تعالیٰ ورسولہ واذا کان الامر کذلک فالامام افضل من المأموم لموضع ورود الشریعۃ المحمدیۃ بذلک دلیل قولہ یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان استووا فاعلمھم فان استووا فاقدمھم ھجرۃ فان استووا فاصبحھم وجھاً فلو علم الامام ان عیسیٰ افضل منہ لما جاز لہ ان تقید علیہ لاحکام علم الشریعۃ ولموضع تنزیہ اللہ تعالیٰ لہ من ارتکاب کل مکروہ کذلک لو علم عیسیٰ انہ اعلم منہ لما جاز ان یقتدی بہ لموضع تنزیہ اللہ تعالیٰ من الریاء والنفاق بل لما تحقق الامام انہ اعلم منہ جاز لہ ان یتقدم علیہ کذلک قد تحقق عیسیٰ ان الامام اعلم منہ فلذلک قدمہ وصلی خلفہ ولولا ذلک لم یسعہ الاقتداء بالامام۔

پس اگر کوئی شخص ملا سوال کرے اور کہے کہ باوجود اِن اخبار کی صحت کے کہ عیسےٰ علیہ السلام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھینگے اور مہدی علیہ السلام کے ہمراہ ہو کر جہاد کرینگے اور دجّال لعین کو مہدی علیہ السلام کے سامنے قتل کرینگے۔ اور رتبہ نماز میں تقدیم کرنے کا بھی مشہور ہے اور اسی طرح جہاد میں بھی مقدم ہونے کا مسئلہ مشہور ہے اور یہ حدیثیں اُن حدیثوں میں سے ہیں جنکے طرق اور انکے طرق کی صحت نزدیک اہل سنت کے ثابت ہے اور اسیطرح شیعہ بھی اُن کو یکساں روایت کرتے ہیں پس یہ اجماع تمام

اہل اسلام کا ہے۔ اسواسطے کہ جو شخص شیعہ اور سنی سے علیحدہ ہو قول اسکا ساقط اور مردود اور زائد ہے طرح اور ایجاد کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ اجماع تمام اہل اسلام کا ہے۔ اور باوجود ثبوت اجماع اور اسکی صحت کے پس کون افضل ہے امام یا ماموم نماز اور جہاد میں۔ ساتھ ہی جواب اسکا یہ ہے کہ تمام اسکے قائل ہیں کہ وہ دونوں پیشوا ہیں۔ ایک نبی اور ایک امام۔ اگرچہ ایک ان میں سے پیشوا ہوا اپنے ساتھی کا جس حال میں کہ وہ دونوں مجتمع ہو جائیں اور وہی امام مہدی ہے کہ پیشوا ہوگا نبی کا اس حال میں۔ اور ان دونوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسکو فی سبیل اللہ ملامت کرنے والے کی ملامت ماخوذ کر سکے اور نیز وہ دونوں معصوم ہیں ارتکاب سے تمام قبائح کے اور امر دین میں سستی کرنے سے اور ریا سے اور نفاق سے اور نہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے کوئی داعی ہے اس فعل کا جو خارج ہو حکم شریعت سے اور نہ خلاف ہے امر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے۔ جب ایسا امر ہو تو امام افضل ہے ماموم سے بوجہ وارد ہونے حکم شریعت محمدیہ کے اس مجمل پر بدلیل قول حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ وہ امامت کریگا قوم کی جو ان سب میں بہت قاری اقرا ہو واسطے کتاب خدا کے۔ پس اگر سب قرأت میں برابر ہوں تو جو ان سب میں افقہ ہو۔ پس اگر سب فقہ میں بھی برابر ہوں تو جو ان میں صبیح الوجہ ہو۔ پس اگر امام علیہ السلام کو معلوم ہوتا کہ عیسٰی علیہ السلام ان سے افضل ہیں تو نہ جائز ہوتا ان کے لیے کہ وہ عیسٰی علیہ السلام پر تقدم کریں اسی وجہ سے کہ وہ علم شریعت کے بہت جاننے والے ہیں۔ اور خداوند عالم نے انھیں منزہ کیا ہے ارتکاب سے ہر امر مکروہ کے۔ اسی طرح اگر حضرت عیسٰی علی نبینا وآلہ و علیہ السلام کو معلوم ہوتا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سے افضل ہیں تو نہ جائز ہوتا کہ عیسٰی علیہ السلام اقتدا کریں مہدی علیہ السلام کی بوجہ اسکے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک و منزہ کیا ہے ریا و نفاق سے بلکہ جب یہ ثابت ہو گیا امام علیہ السلام کو کہ وہ علم میں عیسٰی علیہ السلام سے تو انہیں جائز ہوا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام پر مقدم ہوں۔ اور اسی طرح یقیناً متحقق ہو گیا عیسٰی علیہ السلام کو کہ امام عصر علیہ السلام ان سے اعلم ہیں۔ یہی وجہ ہے انہوں نے امام علیہ السلام کو مقدم فرمایا اور انکے پیچھے نماز پڑھی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں اقتدا کے امام علیہ السلام کی گنجایش نہ ہوتی۔ بالجملہ تاویل قرطبی اور ابن کثیر کی واضح البطلان ہے اور یہ حدیث بلاریب موضوع ہے۔

(العوارف بابت ماہ ربیع الاخرے سنہ ۱۳۳۰ ہجری نبوی جلد نمبر ۶ شمار نمبر ۱۸۔) ناصر حسین عفی عنہ بقلمہ

علامہ شیخ حسین دیار بکری اپنی مشہور و معروف تاریخ تاریخ الخمیس میں بذیل تذکرہ جناب امام مہدی علیہ السلام تحریر کرتے ہیں۔

الثانی عشر محمد ابن حسن ابن علی ابن محمد ابن علی ابن الرضا علیهم السّلام یکنی ابا القاسم ولقبه الامامیة بالحجة والقائم والمهدی والمنتظر وصاحب الزمان وهو عندهم خاتم الاثنی عشر اماما ویزعمون انه دخل السرداب الذی فی سر من رای وامه تنتظره ولم یخرج الیها وذلک فی سنة خمس وستین ومائتین وقیل فی سنة ست وستین ومائتین وهو الاصح واختفی الی الان فی زعمهم وامه ام ولد اسمها صیقل وقیل سوسن وقیل نرجس وقیل غیر ذلک ولد فی سر من رای فی الثالث وعشرین من رمضان سنة ثمان وخمسین ومائتین وفی جامع الاصول فی اشراط الساعة وعلاماتها عن ابن مسعود ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول الله ذلک الیوم حتی یبعث الله فیه رجلا منی او من اهل بیتی یواطی اسمی اسمه اسم ابیه اسم ابی یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا وفی روایة لا تنقضی الدنیا حتی یملک العرب من اهلبیتی رجل یواطی اسمه اسمی اخرجه ابوداود وقال صاحب الفتوحات المکیة فی ذکر المهدی علیه السلام

انّہ یکون معہ ثلث مائة وستون رجلاً من رجال اللہ الکاملین وھذہ الخلیفة یکون من عترة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنیتہ کنیة جدہ حسن ابن علی علیھما السلام بین الرکن والمقام یبایعہ العارفون باللہ من اھل الحقائق عن شھود وکشف بتعریف الٰھی رجال الٰھیون یقیمون دعوتہ وینصرونہ ھم الوزراء یحملونہ اثقال مملکتہ ویعینون علی ما قلدہ اللہ تعالیٰ ثم قال فان اللہ یستوزر لہ طائفة خباھم فی مکنون غیبہ اطلعھم اللہ کشفاً وشھوداً علی الحقائق وھذا الخلیفة یفھم منطق الحیوان ویسری عدلہ فی الانس والجان

(تاریخ الخمیس جلد۲ ص ۳۳۱ سطر ۱۱)

بارھویں امام محمد ابن حسن ابن علی ابن محمد ابن علی رضا علیہم السلام ہیں۔ کنیت آپ کی ابو القاسم ہے۔ اور فرقۂ امامیہ کے نزدیک آپ کے القاب الحجة۔ القائم۔ المھدی المنتظر اور صاحب العصر والزمان علیہ السلام ہیں۔ اور اُن کے نزدیک آپ خاتم امام اثنیٰ عشر ہیں۔ اور ان کے گمان میں آپ سُرّ من رایٰ کے ایک سرداب میں داخل ہوئے درانحالیکہ آپ کی مادرِ گرامی قدر آپ کو دیکھ رہی تھیں۔ مگر پھر برآمد نہ ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۷۵ھ کا ہے اور کہا گیا ہے کہ ۲۶۶ھ کا ہے اور یہی اصح ہے (لفظِ اصح قابلِ غور ہے) اور آج تک آپ مخفی ہیں آپ کی ماں امّ ولد ہیں جن کا نام صیقل۔ سوسن اور نرجس بتلایا گیا ہے۔ اور اسی طرح اور نام بھی بتلائے گئے ہیں۔ ولادت آپ کی سُرّ من رائے میں ہوئی۔ ۲۳ رمضان ۲۵۸ھ کو اور جامع الاصول میں ہے ذیلِ اشراطِ ساعات و علامات قیامت کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اگر دنیا کا ایک روز بھی باقی رہ جائیگا تو خدا اُسکو اتنا طولانی فرمائیگا کہ اس میں ایک ایسا شخص مبعوث ہوگا جو مجھ سے ہوگا یا میرے اہل بیت علیہم السلام سے۔ نام اُس کا میرا نام ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا

اس اخیر فقرے کو خود علمائے اہلِ سنت نے غلط بتلایا ہے۔ جو بھر دے گا زمین کو عدل و انصاف سے جس طرح وہ پہلے اس سے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دنیا کبھی تمام نہ ہوگی جبتک کہ میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص جس کا نام میرا نام ہوگا تمام عرب کا مالک نہ ہولے۔ اِس کو ابوداؤد نے مستخرج کیا ہے۔ صاحب فتوحاتِ مکیہ نے کہا ہے کہ اُن کے ہمراہ تین سو ساٹھ مرد ہوں گے رجالِ کاملین سے۔ یہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ عترتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسلِ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سے۔ نام اُن کا ہمنام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے بیعت اُن کی درمیان رکن و مقام کے ہوگی۔ عارفین باللہ اُنکی بیعت کرینگے کشف و شہود کے ثبوت سے۔ یہ وہ رجالِ الٰہی بزرگوار ہیں جو اُن کی دعوت کو دنیا میں قائم کرینگے اور اُن کی نصرت کرینگے یہی حضرات آپ کی مملکت کے انتظامات فرمائیں گے اور اُن اصول کو جاری فرمائینگے جنکے اختیار کرنے کا حکم اُن کو خدا تعالےٰ نے دیا ہے اور یہی خلیفۂ وقت ہوں گے۔ جانوروں کی زبان کو سمجھیں گے اور تمام جن و انس میں اُن کی عدالت جاری و ساری ہوگی۔

احمد ابن یوسف دمشقی مشہور بہ امام قرمانی اپنی کتاب تاریخ اخبار الدول فی آثار الاول میں بذیلِ تذکرۂ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔

الفصل الحادی عشر فی ذکر الخلف الصالح الامام ابی القاسم محمد ابن الحسن العسکری علیہ السلام و رضی اللہ عنہ وکان عمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین اٰتاہ اللہ فیھا الحکمة کما اُوتیھا یحییٰ علیہ السلام صبیاً وکان مربوع القامة حسن الوجہ والشعر اقنی الانف اجلی الجبھة وزعم الشیعة انّہ غاب فی سرداب ببغداد والحرس علیہ سنة ست وستین ومائتین. فانّہ صاحب السیف القائم المنتظر قبل قیام الساعة ولہ قبل قیامہ غیبتان احدھما اطول من الاخری

فاما القصرى فمن ولادته الى انقطاع السفارة بينه وبين الشيعة واما الطولى هي التي بعد الاولى وفى آخرها يقوم بالسيف وكان من عادة الشيعة ببغداد ان فى كل يوم جمعة يأتون بفرس مسرج ويقفون على باب السرداب ويدعون باسم المهدى عليه السلام واستمروا على هذه الحال الى ان آل الامر الى السلطان سليمان خان من بنى عثمان واستولى على البغداد وابطل تلك العادة - فاتفق العلماء على ان المهدى عليه السلام هو القائم فى آخر الوقت وقد تعاضدت الاخبار على ظهوره وتظاهرت الروايات على اشراق نوره وستسفر ظلمة الايام والليالى بسفوره وينجلى برؤيته الظلم انجلاء الصبح عن ديجوره ويسير عدله فى الآفاق فيكون اضوأ من البدر المنير فى مسيره واما السنة التى يقوم فيها القائم واليوم الذي يبعث فيه فقد جاءت فيه آثار عن ابي بصير عن ابي عبد الله عليه السلام قال لا يخرج القائم عليه السلام الا فى وتر من السنين سنة احدى او ثلاث او خمس او سبع او تسع ويقوم فى يوم عاشورا ويظهر يوم السبت العاشر من المحرم قائما بين الركن والمقام وشخص قائم على يده ينادى البيعة البيعة فيسير اليه انصاره من اطراف الارض يبايعونه فيملأ الارض عدلا كما ملئت ظلما وجورا ثم يسير من مكة حتى يأتى الكوفة فينزل على نجفها ثم يفرق الجنود الى جميع الامصار وعن عبد الكريم الخثعمي قال قلت لابي عبد الله عليه السلام قال سبع سنين تطول له الايام حتى تكون السنة من سنينه مقدار عشر سنين فيكون مدة ملكه سبعين سنة من سنينكم (ص ٩٨ ص)

فصل گیارھویں اس امر میں کہ جناب خلف الصالح امام ابو القاسم محمد ابن حسن عسکری علیہ السلام و رضی اللہ عنہ بوقت وفات اپنے والد ماجد کے پانچ برس کے تھے۔

خدا تعالیٰ نے اسی سن میں آپ کو حکمت عطا کی تھی جیسا کہ حضرت یحییٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو بچپن میں علم ملا تھا آپ مربوع القامت مقبول صورت چھوٹی ناک والے اور نورانی چہرے والے تھے (یہ وہی اوصاف ہیں جو آپ کی تعریف میں حدیثوں کی تمام کتابوں میں مندرج ہیں) شیعوں کے گمان میں بمقام بغداد آپ سرداب میں غائب ہو گئے سنہ ۲۶۶ھ میں حالانکہ نگراں موجود تھے۔ آپ صاحب زمانہ اور القائم المنتظر ہیں جو قبل قیامت ظہور فرمائینگے اور قیامت سے پہلے پہلے آپ کے لیے دو غیبتیں ہونگی ایک صغریٰ ایک کبریٰ۔ غیبت صغریٰ تو وقت ولادت سے لیکر تا وقتیکہ آپ کے اور آپ کے شیعوں کے مابین انقطاع نظام سفارت ہو تمام ہوتی ہے اور غیبت کبریٰ غیبت صغریٰ کے بعد سے آغاز ہو کر اسوقت تک قائم رہے گی جب تک کہ آپ ظہور بالسیف فرمائینگے۔ اور بغداد کے شیعوں کی یہ عادت تھی کہ ہر جمعہ کو گھوڑے پر سوار ہو کر سرداب مقدس کے دروازے پر آتے تھے اور آپ کا نام نامی لیکر ندا دیتے تھے سلطان سلیمان خاں عثمانی والی بغداد نے اُن کے اس دستور کو بند کر دیا۔ اور تمام علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ آپ آخر وقت ظہور فرمائیں گے۔ اور حدیثیں متواتر ہیں۔ اور آپ کے انوار ہدایت کے اعلان میں روایات ظاہر ہیں کہ ایام کی تاریکیاں آپ کے تجلیات انوار سے زائل ہو جائینگی۔ اور ظلمت کفر آپ کی صبح ہدایت سے کافور ہو جائیگی۔ اور آپ کے انوار عدالت تمام روئے زمین پر مثل مہتاب عالمتاب کے پھیل جائینگے اب رہا یہ امر کہ آپ کس سال اور کس دن ظہور فرمائینگے تو اس بارے میں ابو بصیر نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا آپ نے کہ ظہور امام قائم علیہ السلام کا سنہ طاق میں ہوگا سنہ ۱ میں سنہ ۳ میں سنہ ۵ میں سنہ ۷ میں یا سنہ ۹ میں۔ اور جس دن آپ ظہور فرمائینگے وہ یوم عاشورا شنبہ کا دن محرم کی دسویں تاریخ ہوگی۔ اور رکن و مقام کے درمیان آپ کی بیعت کی جائیگی۔ اور ایک شخص آپ کے

دہنے ہاتھ کی جانب کھڑا ہو کر ندا کریگا البیعۃ - البیعۃ
یہ سنکر آپ کے نام انصار تمام اطرافِ زمین سے آ پہنچینگے
اور بیعت سے مشرف ہوں گے - آپ دنیا کو عدل و انصاف سے
اُسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ قبل ازیں جور و ظلم سے پر
اور مملو ہو چکی ہوگی پھر آپ مکہ سے کوچ فرما کر کوفہ میں تشریف لے
جائینگے اور نجف میں منزل فرما کر وہیں سے تمام بلادِ
عالم میں لشکر بھیجیں گے - عبدالکریم نخعی نے جناب امام
جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب
قائم علیہ السلام سات برس تک حکومت کرینگے - اور
خداوند تعالےٰ ان ایام کو اتنا طولانی فرمائیگا کہ اُس وقت کا
ایک سال تمہارے دس برس کے برابر ہوگا - پس اُنکی
مدتِ حکومت تمہارے برسوں کے حساب سے ستر برس ہوگی -
امام سبط ابن جوزی اپنی کتاب تذکرہ خواص الائمۃ
میں بذیل تذکرہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں
ھو محمد ابن الحسن ابن علیؑ ابن محمد ابن علیؑ ابن
موسیٰ ابن جعفر ابن محمد ابن علیؑ ابن الحسین ابن علیؑ
ابن ابیطالب علیھم السلام و کنیتہ ابو عبد اللہ و
ابو القاسم وھو الخلف الصالح الحجۃ صاحب الزمان
القائم والمنتظر الباقی وھو اخر الائمۃ -

آپ کا نام محمد ابنِ حسن ابن علی ابن محمد ابن علی ابن موسےٰ
ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب
علیہم السلام ہے - اور کنیت آپ کی ابو عبد اللہ اور ابو
القاسم ہے - اور آپ ہی کو خلف صالح الحجۃ صاحب
الزمان - القائم - والمنتظر اور الباقی کہتے ہیں - اور آپ ہی
آخر الائمہ ہیں -

حافظ جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں بذیل
تذکرہ حضراتِ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام تحریر فرماتے ہیں -
ثم حجۃ اللہ فی ارضہ وبقیتہ فی عبادہ محمد بن الحسن
ابن علیؑ وذلک الذی یفتح اللہ علی یدیہ مشارق
الارض ومغاربھا وذلک الذی یغیب عن شیعتہ
واولیائہ غیبۃ لا یثبت فیھا علی القول بامامتہ الا

من امتحن اللہ قلبہ للایمان -
جابر رضی اللہ عنہ گوید کہ گفتم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم آیا در غیبتِ امام شیعہ انتفاع یابند -
فقال ای والذی بعثنی بالنبوۃ انھم یستضیؤن
بنورہ وینتفعون بولایتہ فی غیبتہ کانتفاع الناس
بالشمس وان علاھا سحاب -

پھر جناب حجۃ علیہ السلام جو حجۃ اللہ اور بقیۃ اللہ ہیں
اُس کے بندوں میں نام اُن کا محمد ابن حسن ابن علی علیہم السلام
ہے - یہ وہی بزرگ ہیں جن کے ہاتھوں پر خدا تعالےٰ تمام
مشرق و مغرب کو فتح فرمادیگا اور یہی وہ بزرگ ہیں جو اپنے
شیعوں اور دوستوں کے درمیان سے غیبت فرمائینگے
اور اُن کی امامت پر کوئی ثابت قدم نہیں رہیگا سوائے
اُس کے جس کے ایمانِ قلبی کا امتحان خدا تعالےٰ لے چکا
ہو - جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آیا آپ کے
ایام غیبت میں آپ کے شیعہ منتفع ہوسکتے ہیں - ارشاد ہوا
ہاں - قسم اُسکی جس نے مجھے نبوت کے مرتبہ کے ساتھ
مبعوث فرمایا ہے وہ لوگ (شیعہ) آپ کے انوار سے
ضرور منور اور منتفع ہونگے اور ایامِ غیبت میں بھی اُنکی
ولایت سے اُسی طرح فائدہ پہنچیگا جیسا کہ آفتاب زیر سحاب
سے تمام عالم کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے -

انتہیٰ عبارت کے بعد حافظ اور محدث صاحب اتنا
اضافہ اور فرماتے ہیں - اے جابر این اسرارِ مکنونہ الہیٰ است
نیس پنہاں دار آں را مگر از آنکس کہ اہل آں باشد - اے
جابر! یہ خدا کے اسرارِ مخفیہ ہیں اسکو ہر کس و ناکس سے
نہیں کہنا چاہیے - ہاں اُن لوگوں سے کہدینا جو اسکے
اہل ہوں -

محدث صاحب نے صرف روضۃ الاحباب ہی میں
نہیں لکھا بلکہ اپنی کتاب اربعین فی مناقب امیر المومنین
علیہ السلام میں بھی جسمیں انہوں نے اپنے عقائد کا اظہار
کیا ہے - منجملہ اُن کے آپ کی امامت کا بھی پورا اعتقاد اور

اور کامل یقین ظاہر کیا ہے - چنانچہ فرماتے ہیں :-

اعلموا ایّھا المؤمنون الکاملون انّ اعتقادی فی شان امیر المؤمنین علیّ علیہ السّلام ما یقتضیہ مضمون تلک الاحادیث الّتی جمعتھا فی ھذہ الاوراق فاقول رضیت باللہ ربّاً وبالاسلام دیناً وبمحمّدٍ رسولاً وبامیر المؤمنین والامامین الھمامین الحسن المجتبیٰ والحسین الشّھید بکربلا وعلیّ ابن الحسین زین العابدین السّجاد ذی الثّفنات ومحمّد ابن علیّ الباقر وجعفر ابن محمّد الصّادق وموسیٰ ابن جعفر الکاظم وعلیّ ابن موسیٰ الرّضا ومحمّد ابن علیّ التّقی وعلیّ ابن محمّد النّقی والحسن ابن علیّ الزّکی ومحمّد ابن الحسن الحجّۃ المھدی صاحب الزّمان ائمّۃ وسادۃ وقادۃ اللّٰھمّ ھؤلاء ائمّتی وسادتی وقادتی وکبرائی وشفعائی الائمّۃ الھداۃ الابرار الاتقیاء الاخیار بھم اتولّی ومن اعدائھم

اے مومنینِ کاملین! آگاہ ہو جاؤ کہ جنابِ امیر المومنین علی علیہ السّلام کے بارے میں میرے عقائد جو ہیں وہ ان احادیث کے مضمون کے مطابق ہیں - جن کو میں نے ان اوراق (کتاب روضۃ الاحباب) میں جمع کر دیا ہے - اور میرا قول یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ میرا رب ہے - اسلام میرا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میرے پیغمبر ہیں - اور امیر المومنین اور امامین حضرت حسن مجتبیٰ اور حضرت امام حسین شہید کربلا - علی ابن الحسین زین العابدین سجاد صاحب ثفنات - اور محمد ابن علی المدعو بہ باقر - جعفر ابن محمد الملقب بہ صادق - موسیٰ ابن جعفر الملقب بہ کاظم - علی ابن موسیٰ المدعو بہ رضا اور محمد ابن علی المخاطب بہ تقی علی ابن محمد الملقب بہ نقی حسن ابن علی المدعو بہ عسکری اور محمد ابن حسن الملقب بالحجۃ المھدی صاحب الزمان علیہ السلام ہمارے امام ہمارے سردار اور ہمارے پیشوا ہیں - پروردگار یہی لوگ ہمارے امام - سردار اور مقتدا ہیں - اور ہمارے بزرگانِ دین ہیں اور قیامت کے شفیع ہیں اور یہی ہمارے اماماں ہدایت اور ابرار ہیں اور یہی صاحبانِ تقویٰ اور اخیار انہی کے ساتھ مجھ کو محبت و ارادت ہے اور انہی کے دشمنوں کے ساتھ نفرت اور بیزاری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی -

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ علامہ جمال الدین محدث جناب صاحب الامر علیہ السلام اور کل ائمہ اطہار علیہم السّلام کی نسبت اپنا وہی عقیدہ ظاہر کرتے ہیں جو فرقہ شیعہ کا ہے کہ ائمہ اثنا عشر علیہم السّلام کی امامت اور خلافتِ حقہ کے معتقد ہیں اور نام بنام بتصریح تمام اظہار عقیدت کر رہے ہیں اور اُن کے ساتھ تولّا اور اُن کے دشمنوں کے ساتھ تبرا ظاہر کر رہے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی اہلسنّت کو بشرطِ اسلام حضرت کی امامت اور وجود میں شک رہ سکتا ہے -

یہاں تک تو ہم نے عموماً مؤرخین - محدثین اور اکابر مشائخ صوفیین کے اقوال و کلام کو مندرج و قلمبند کیا ہے جو ان حضرات نے حضرت امام آخر الزّمان علیہ السّلام کی نسبت اپنی اپنی معتبر تالیفات میں تحریر فرمایا ہے - اب اگر کوئی صاحب یہ شوشہ چھوڑیں کہ مؤرخین - محدثین اور صوفیین کا دار و مدار اور مختار زیادہ تر منقولات پر ہوتا ہے اس لیے معقولین کے - نزدیک اعتبار کے قابل نہیں

اس شبہ کے مٹانے اور اس گمان کے غلط ثابت کرنے میں ہمیں کوئی عذر اور کلام نہیں - اگرچہ جن حضرات کے اقوال اوپر لکھے گئے ہیں اُن میں شیخ عبد الحق - امام قرمانی اور علامہ سبط ابن جوزی سے سرآمدِ علمائے متکلمین موجود ہیں اور ان حضرات نے کس صراحت سے جناب امام صاحب العصر علیہ السّلام کی امامت کا اقرار کیا ہے - پھر بھی اگر ہمارے معترضین کو ضد اور اصرار باقی رہے تو ہم اُن کی طفل تسلّی اور کامل اطمینان و تشفّی کے لیے اُنکے ایسے ایسے رئیس المتکلمین اور امام المناظرین کے اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں جن کی عقیدت اور ارادت پر تمام اہلسنّت کے خاص و عام کا ایمان ہے - ان میں سب سے پہلے تو علامہ فضل ابنِ روزبہان ہیں - یہ وہ بزرگ ہیں جنکی تصانیفِ مستقلہ ردِ روافض میں موجود ہیں - اور یہی وہ بزرگ

ہیں جنہوں نے علامۂ حلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نہج الحق اور کشف الصدق کا اہنی والسنت میں جواب لکھا ہے اور اُس کا نام ابطال الباطل رکھا ہے۔ اُس میں بذیل تذکرہ حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین رقمطراز ہیں۔

ما ذکر من فضائل آل فاطمۃ صلوات اللہ وسلامہ علیہا وعلی ابیہا وعلی سائر آل محمد سلام اللہ امر لا ینکر فان الانکار علی البحر برحمتہ وعلی البر بسعتہ وعلی الشمس بنورہا وعلی الانوار بظہورہا وعلی السحاب بجودہ وعلی الملک بسجودہ انکار لا یزید المنکر الا الاستہزاء بہ ومن ہو قادر علی ان ینکر علی جماعۃ ہم اہل السداد وخزان معدن النبوۃ وحفاظ آداب الفتوۃ صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔ نعم ما قلت فیہم منظوما

سلام علی المصطفی المجتبی سلام علی السید المرتضی
سلام علی ستنا فاطمہ من اختارہا اللہ خیر النساء
سلام من المسک انفاسہ علی الحسن الالمعی الرضا
سلام علی الاورعی الحسین شہید یری جسمہ کربلا
سلام علی سید العابدین علی ابن الحسین المجتبی
سلام علی الباقر المہتدی سلام علی الصادق المقتدی
سلام علی الکاظم الممتحن رضی السجایا امام التقی
سلام علی الثامن المؤتمن علی الرضا سید الاصفیا
سلام علی التقی التقی محمد الطیب المرتجی
سلام علی الاریحی النقی علی المکرم ہادی الوری
سلام علی السید العسکری امام یجہز جیش الصفا
سلام علی القائم المنتظر ابی القاسم القرم نور الہدی
سیطلع کالشمس فی غاسق ینجیہ من سیفہ المنتضی
تری یملأ الارض من عدلہ کما ملئت جور اہل الہوی
سلام علیہ وآبائہ وانصارہ ما تدور السما

یعنی جو کچھ ذکر کیا فضائلِ فاطمہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا وعلی سائر آلِ محمد میں پس یہ امر ایسا امر ہے کہ انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا انکار کرنا بحر کی رحمت اور بر کی وسعت اور ضیائے آفتاب اور انوار کے ظہور اور سحاب کے جود اور ملائکہ کے سجود سے انکار کرنا ہے۔ جس کا منکر قابلِ استہزا ہوتا ہے۔ اور کون شخص قادر ہے کہ انکار کرے ان لوگوں پر جو اہلِ سداد سے ہیں اور خزانہ دارِ معدنِ نبوت اور حافظ آدابِ فتوت۔ صلوات و سلام ہو اُن پر اور کیا خوب میں نے نظم کہی ہے اُن کی شان میں۔

سلام ہو مصطفےٰ مجتبےٰ پر۔ سلام ہو سیّد مرتضےٰ پر۔ سلام ہو سیّدۃ النساء سلام اللہ علیہا پر جنہیں خدا نے تمام عورتوں کا سردار بنایا ہے۔ سلام ہو اُن پر جن کے انفاس مشک سے زیادہ معطر اور خوشبو ہیں۔ امام حسن علیہ السلام پر جو المعی اور رضا ہیں۔ سلام ہو امام حسین علیہ السلام پر جو شہید کربلا ہیں۔ سلام ہو امام زین العابدین علیہ السلام پر۔ امام محمد باقر علیہ السلام پر۔ امام جعفر صادق علیہ السلام پر امام موسےٰ کاظم علیہ السلام پر۔ امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام پر۔ امام محمد تقی علیہ السلام پر امام علی نقی علیہ السلام پر سلام حسنِ عسکری علیہ السلام پر۔ اور سلام ہو امام قائم المنتظر ابی القاسم حضرت مہدی علیہ السلام پر۔ جو اس طرح طلوع کرینگے جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے ظلمت سے۔ اور وہ حضرت علیہ السلام زمین کو عدل سے اس طرح بھر دینگے جس طرح کہ وہ اہلِ جور کے ستم و جور سے پر اور مملو ہو چکی ہوگی سلام ہو اُن پر اور اُن کے آباؤ اجداد سلام اللہ علیہم پر اور اُن کے اعوان انصار رضی اللہ عنہم پر جب تک آسمان دورہ کرتا ہے۔

ملا علی قاری۔ جن کی کتابِ موضوعات تمام عالم میں مشہور ہے۔ ایسے زبردست عالم ہیں جو پایۂ علم میں امام بخاری و امام رازی سے ہرگز کم نہیں سمجھے جاتے۔ شرح مشکوۃ میں بذیلِ تذکرہ حضراتِ ائمۂ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم لکھتے ہیں سوادِ اعظم اہلسنت کے علمائے متکلمین میں یہ دوسرے بزرگ ہیں جن کی اسناد کی نقل کا میں اوپر وعدہ کر چکا ہوں

وقد حمل الشیعۃ الاثنا عشریۃ علی انہم من اہل البیت النبوۃ متوالیۃ اعم من ان لہم خلافۃ حقیقۃ او استحقاقا فاولہم علی فالحسن فالحسین فزین العابدین فمحمد الباقر فجعفر

الصادق فموسی الکاظم فعلی الرضا فمحمد التقی فعلی النقی
فحسن العسکری فمحمد المهدی رضوان الله علیهم اجمعین علیٰ
ما ذکرهم زبدة الاولیاء خواجہ محمد پارسا فی کتاب فصل
الخطاب و تبعه مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی فی اواخر
شواهد النبوة و ذکر فضائلهم و مناقبهم و کراماتهم و مقاماتهم
مجملة وفیه رد علی الروافض حیث یظنون باهل السنة
انهم یبغضون اهل البیت علیهم السلام باعتقادهم

اس حدیث اثنا عشر خلیفہ سے شیعوں نے مراد لیا
ہے ائمہ اثنا عشر کو جو متوالی ہوئے ہیں بعد دیگرے اہلبیت
نبوت سے خواہ انکو خلافت حاصل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو بالتحقیق یا باتفاق
وہ خلیفہ تھے جن میں سے پہلے حضرت علی پھر امام حسن
پھر امام حسین۔ پھر امام زین العابدین۔ پھر امام محمد باقر
پھر امام جعفر صادق۔ پھر امام موسیٰ کاظم۔ پھر امام علی رضا
پھر امام محمد تقی۔ پھر امام علی نقی۔ پھر امام حسن عسکری۔ پھر امام
محمد مہدی رضوان اللہ و صلوٰتہ علیہم اجمعین ہیں۔ بنا بر
اس کے کہ ذکر کیا ہے ان کا زبدۃ الاولیاء خواجہ محمد پارسا
نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں اور انکی متابعت کی ہے
مولانا عبدالرحمان جامی نے اواخر شواہد النبوۃ میں اور
دونوں نے ان حضرات کے فضائل و مناقب۔ کرامات و
مقامات کو بالاجمال لکھا ہے۔ اس میں رد ہے روافض
پر جو اہلسنت کی بابت میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ
بغض رکھتے ہیں اہلبیت علیہم السلام سے حالانکہ یہ گمان
ان کا فاسد اور زعم ان کا کاسد ہے

ملا علی قاری کے نزدیک بھی وجود جناب قائم علیہ السلام
کا مسئلہ خاص اہلسنت کے معتقدات میں داخل ہو گیا
نہیں تو شیعوں کی دشمنی اہلبیت علیہم السلام والی تعریض
ان پر صحیح اترتی ہے جیسا کہ خود ان کے اوپر والے قول
سے ظاہر اور آشکار ہے۔

ان کے بعد متکلمین سواد اعظم اہلسنت میں ہندوستان
کے امام رازی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا نمبر ہے
انہوں نے حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کے بارے
میں تو صاف صاف لکھ دیا ہے کہ این فقیر را معلوم شدہ
است کہ ائمہ اثنا عشر رضوان اللہ علیہم اقطاب نسبتی
بودہ اند از نسبتہا۔ اس تحریر کے بعد آپ نے ایک
روایت خاص جناب امام آخر الزمان علیہ السلام سے
تحریر کی ہے جو ہمارے تصدیق مدعا کے لیے حجت
قاطع ہے۔ چنانچہ اپنے رسالہ نوادر من حدیث
سید الاوائل والاواخر میں لکھتے ہیں:-

حدیث محمد بن الحسن الذی یعتقد الشیعة انه
المهدی عن ابائه الکرام علیه وعلیهم السلام وجدت فی
سلسلة الشیخ محمد ابن عقلة المکی عن الحسن العجمی حدثنا
واخبرنا ابو طاهر الکوری اهل عصره سنا الحجان العجیم ما انتهی
الیه روایته قال اخبرنا مسند وقته محمد البخاری الواعظ اخبرنا
مسند زمانه الشیخ عبدالوهاب الشعراوی انا مجتهد العصر
الجلال الدین السیوطی انا حافظ عصره ابو نعیم رضوان
العقبی انا مقری زمانه الشمس الدین محمد ابن الجزری انا
جمال الدین محمد ابن محمد زاهد عصره انا الامام محمد
ابن مسعود محدث بلاد فارس فی زمانه انا شیخنا عالم
وقته اسمعیل ابن مظفر الشیرازی انا عبدالسلام
ابن ابی ربیع الحنفی محدث زمانه انا ابوبکر عبدالله
ابن محمد ابن شابور القلانسی شیخ عصره انا عبدالعزیز
انا محمد الاخضری امام اوانه انا سلیمان ابن ابراهیم ابن
محمد سلیمان نادر دهره حدثنا احمد ابن محمد ابن هاشم
البلاذری حافظ زمانه حدثنا محمد ابن الحسن ابن علی
المحجوب امام عصره حدثنا الحسن ابن علی عن ابیه
عن جده عن ابی جده ثنا ابی علی ابن موسی الرضا ثنا
ابی موسی الکاظم ثنا ابی جعفر الصادق بن محمد الباقر
بن علی ثنا ابی علی ابن الحسین زین العابدین السجاد
ثنا ابی الحسین سید الشهداء ثنا ابی علی ابن ابی طالب
الاولیاء قال اخبرنا سید الانبیاء محمد ابن عبدالله صلی الله
علیه وآله وسلم قال اخبرنی جبرئیل سید الملٰئکة قال قال
الله تعالیٰ سید السادات انی انا الله لا اله الا انا من

يقربي بالتوحيد دخل حصني ومن دخل حصني أمن من عذابي قال الشمس ابن الجزري كذا وقع هذا الحديث من المسلسل بعت السعيدة والعهدة فيه على البلاذري انتهى

حضرت محمد ابن حسن علیہ السلام (جو مطابق عقیدہ شیعہ مہدی علیہ السلام ہیں) کی حدیث جو اُن سے بوسطہ اُن کے آبائے کرام علیہم السلام کے پہنچی ہے اور اُس کو ہم نے سلسلۂ شیخ محمد ابن عغلہ مکی کے ذریعے سے اور انہوں نے حسن عجمی سے پائی ہے۔ وہ یہ ہے۔ حسن کا بیان ہے کہ روایت کی مجھ سے ابو طاہر نے۔ جو اپنے زمانہ میں سب سے باعتبار قول کے قوی تر تھے اور اُن کی صحت روایات پر تمام علماء کے اجازے موجود تھے۔ اور انہوں نے محمد حجازی سے اور انہوں نے صوفی زمانہ عبد الوہاب الشعراوی سے۔ انہوں نے مجتہد العصر جلال الدین سیوطی سے انہوں نے حافظ عصر ابو نعیم سے۔ انہوں نے مقرئ عصر شمس الدین محمد ابن جزری سے۔ انہوں نے زاہدِ وقت جمال الدین سے۔ انہوں نے امامِ وقت محمد ابن مسعود محدث بلاد فارس سے۔ انہوں نے شیخ وقت اسماعیل ابن مظفر شیرازی سے۔ انہوں نے عبد السلام ابن ابی ربیع حنفی محدث سے۔ انہوں نے ابو بکر عبد اللہ ابن شاپور قلانسی سے۔ انہوں نے عبد العزیز سے۔ انہوں نے محمد اکلاسی امام وقت سے۔ انہوں نے سلیمان ابن ابراہیم ابن محمد ابن سلیمان سے۔ انہوں نے احمد ابن محمد ابن ہاشم البلاذری سے۔ انہوں نے محمد ابن حسن المحجوب امام عصر علیہ السلام سے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد حسن ابن علی سے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد سے انہوں نے اپنے والدِ ماجد سے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد سے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد علی ابن موسیٰ الرضا سے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد موسیٰ الکاظم سے انہوں نے اپنے والدِ ماجد جعفرِ صادق سے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد محمد باقر سے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد علی ابن الحسین زین العابدین سجاد سے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد حسین سید الشہدا علیہ التحیۃ والثناء سے انہوں نے اپنے والد ماجد جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام انہوں نے فرمایا کہ جناب سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت جبرئیل سید الملائکہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ارشاد کیا سید السماوات رب العزت نے کہ جس نے مجھکو وحدہٗ لاشریک لہٗ جانا اُس نے باعتبار توحید کے میرے تقرب کی منزلت حاصل کی۔ اور میری پناہ میں داخل ہوا۔ اور میرے عذاب سے محفوظ و مامون رہا شمس الدین محمد ابن جزری کا قول ہے کہ یہ حدیث اسی سلسلۂ سعیدہ سے واقع ہوئی ہے اور اس کی صحت کی ذمہ داری علامہ بلاذری پر ہے۔

اس حدیث کی نقل سے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب کے ایسے سرآمد متکلمین نے اپنے شیوخ اور اساتذہ کے مکمل اور مسلسل سلسلے سے تحریر کیا ہے کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے وجود ہی کا مسئلہ سوادِ اعظم میں متحقق اور ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ آپ سے حدیثوں کے استماع استخراج کا بھی کامل ثبوت پہنچا۔

متکلمین اہلسنت میں ہم خواجہ محمد پارسا کو بھی خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے لینگے کہ اُن کی کتاب فصل الخطاب صرف منقولات ہی پر محتوی نہیں ہے بلکہ اُس کے تمام مضامین عقلی دلائل و براہین سے پُر اور مملو ہیں۔ اور دائرۂ علماء میں خواجہ صاحب کا وہ پایہ ہے جن کی کتاب سے ملا علی قاری اور مولانا جامی ایسے علمائے متبحرین نے اپنی اپنی تصانیفِ معتبرہ میں برابر استنباط و استخراج کیا ہے جیساکہ شرحِ مشکوٰۃ ملا علی قاری اور شواہد النبوۃ ملا جامی کی اصل عبارت سے ظاہر ہو چکا ہے۔ بہر حال۔ خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں لکھتے ہیں۔

والاخبار في ذلك اكثر من ان تحصى ومناقب المهدي عليه السلام صاحب الزمان الغائب عن الاعيان الموجود في كل زمان كثيرة وقد تظاهرت الاخبار على ظهوره واشراق نوره يجدد الشريعة المحمدية ويجاهد

فی اللہ حق جہادہ ویطہر من الادناس اقطار بلاد
ہ زمانہ زمان المتقین واصحابہ خلصوا من الریب
وسلموا من التشبیب واخذوا بہدیہ وطریقہ واقتد
وا من الحق الی تحقیقہ بہ ختمت الخلافۃ والامامۃ
وھو الامام من لدن مات ابوہ الی یوم القیمۃ
وعیسی یصلی خلفہ ویصدقہ علی دعواہ ویدعوا
الی ملتہ التی ہو علیہا والنبی صلی اللہ علیہ والہ
وسلم صاحب الملۃ۔

یعنی حدیثیں اس بارے میں اس سے زیادہ ہیں کہ اُن کا احصا کیا جاسکے۔ اور مناقب جناب مہدی علیہ السلام جو صاحب الزمان ہیں اور آنکھوں سے غائب ہیں اور ہر وقت اور ہر زمانہ میں موجود ہیں۔ بے حد و بے انتہا ہیں اور آپ کے ظہور واشراقِ نور پر حدیثوں کا اتفاق ہے۔ آپ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجدید کرینگے۔ اور نجاستوں سے راہ خدا میں جہاد کرکے دنیا کو پاک کریں گے۔ آپ کا زمانہ اتفاقِ عام کا زمانہ ہوگا۔ آپکے اصحاب خالص ہونگے ریب سے اور سالم ہوں گے عیب سے یہ لوگ آپکے طریق پر رفتار کرینگے۔ اور آپ کی ہدایت پر عمل خلافت اور امامت آپ ہی پر ختم ہوگی۔ اس وقت سے آپ امام ہیں جس وقت سے کہ آپ کے والد ماجد علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔ اور قیامت تک امام رہینگے حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ و علیہ السلام آپکے پیچھے نماز پڑھیں گے اور آپ کی تصدیق فرمائیں گے۔ آپ کے دعوے میں اور لوگوں کو دعوت کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کی طرف جس پر آج بھی ہیں اور وہ وہی ملتِ اسلام ہے جسکے صاحب ملت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس تحریر سے جس کا خلاصہ تمہیداً اوپر بھی درج ہو چکا جناب صاحب الامر علیہ السلام کے متعلق تمام امور کے آسانی پورے طور سے معلوم ہوگئے ہم نہیں سمجھ سکے کہ ان تحریروں کے بعد بھی اب کسی تحریر تشریح یا تفسیر کی ضرورت باقی ہے۔ اگر حقیقتاً تھوڑی بہت ضرورت رہ گئی ہے تو اسے ہم سلطان المتکلمین، امام فخر الدین رازی کی اُس فلسفیانہ تحریر سے جو انہوں نے اپنی کتاب مقاصد عالیہ میں لکھی ہے۔ اور شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اسے اپنی کتاب الکلام حصہ دوم میں نقل کیا ہے پورا لکھے دیتے ہیں۔ اس سے جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے وجود کی ضرورت۔ آپ کا استحقاق فی الامارت۔ نظام ہدایت اور تمام امور پوری دلائل و براہین کے ساتھ معلوم ہو جائینگے۔ وہو ہذا

المقدمۃ الواجبۃ ان النقصان وان کان شاملا للخلق عامًا فیہم الا انہ لابد وان یوجد فیہم شخص کامل بعید من النقصان والدلیل علیہ من وجوہ الاول انا بینا ان الکمال والنقصان واقع فی الخلق علی مراتب مختلفۃ ودرجات متفاوتۃ ثم انا کما نشاہد اشخاصًا بلغوا فی جانب النقصان وقلۃ الفہم والادراک الی حیث قربوا من البہائم والسباع فکذلک فی جانب الکمال لابد وان یوجد اشخاص کاملۃ ولابد وان یوجد فیما بینہم شخص یکون افضلہم واکملہم وھو یکون فی اٰخر مراتب الانسانیۃ واول مراتب الملکوتیۃ الثانی ان الاستقراء یدل علی ما ذکرناہ وذلک لان الجسم العنصری جنس تحتہ ثلثۃ انواع المعدن والنبات والحیوان وصریح العقل یشہد بان اشرف ہذہ الثلثۃ الحیوان واوسطہا النبات وادونہا المعادن ثم نقول الحیوان جنس تحتہ انواع کثیرۃ واشرفہا ہو الانسان والانسان تحتہ اصناف کثیرۃ مثل الزنجی والہندی والرومی والعربی والافرنجی والترکی ولا شک ان اشرف الاصناف الانسان واقربہم الی الکمال سکان الموضع المسمی بایران شہر ثم ان ہذا الصنف من الناس مختلفون ایضًا فی الکمال والنقصان ولا شک انہ یحصل فیہم شخص واحد وھو افضلہم واکملہم فی القوۃ النظریۃ والعملیۃ ثم ان الصوفیۃ یسمونہ بقطب العالم ولقد صدقوا فیہ فانہ لما کان اکرم

الاشرف من سكان هذا العالم الاسفل هو الانسان الذي حصلت له القوة النظرية التي بها يستفيد الانوار القدسية من عالم الملائكة وحصلت له القوة العملية التي يقدر على تدبير هذا العالم الجسماني على الطريق الاصلح والسبيل الاكمل ثم ان ذلك الانسان الواحد هو اكمل اشخاص الموجودين في ذلك الدور كان المقصود الاصلي من كل هذا العالم العنصري وجود ذلك الشخص ولا شك ان المقصود بالذات هو الكامل واما الناقص فانه يكون مقصودا بالعرض فثبت ان ذلك الشخص هو قطب هذا العالم العنصري وماسواه فكان التبع له وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بصاحب الزمان ويقولون هو غائب ولقد صدقوا في الوصفين ايضا له لما كان خاليا عن النقائص التي هي احسن في غيرها كان معصوما من تلك النقائص وهو ايضا صاحب الزمان قلنا ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان وماسواه فكان لاتباع له وهو ايضا غائب عن الخلق لان الخلق لا يعلمون ان ذلك الشخص هو افضل هذا الدور واكملهم واقول ولعله لا يعرف ذلك الشخص ايضا انه افضل اهل الدور ان كان يعرف حال غيره فذلك الشخص لا يعرف غيره وهو ايضا لا يعرف نفسه فهو كما جاء في الاخبار الالهية انه تعالى قال اوليائي تحت قبائي لا يعرفهم الا غيري فثبت بهذا ان كل دور لابد وان يحصل فيه شخص موصوف بصفات الكمال ثم انه لابد وان يحصل في هذه الادوار المتلاحقة دور يحصل فيه شخص واحد يكون هو افضل من كل اولئك الذين كان كل واحد منهم صاحب دوره وفريد عصره وذلك الدور المشتمل على ذلك الشخص لا يوجد في الف سنة الا اكثر او اقل الا مرة واحدة فيكون ذلك الشخص هو الرسول المعظم والنبي المكرم وواضع الشرائع والهادي الى الحقائق ويكون نسبته الى سائر اصحاب الادوار كنسبة الشمس الى الكواكب ثم لابد وان يحصل في اصحاب الادوار انسان هو اقربهم الى صاحب الدور في صفات الفضيلة فيكون ذلك الشخص بالنسبة اليه كالقمر بالنسبة الى الشمس وهو الامام القائم مقامه والمقرر لشريعته واما الباقون فكل واحد منهم الى صاحب الدور الاعظم كنسبة كوكب السيارة في الشمس واما عوام الخلق فهم بالنسبة الى اصحاب الادوار مثل حوادث هذا العالم بالنسبة الى الشمس والقمر وسائر الكواكب ولا شك ان عقول الناقصين تكمل بانوار عقول اصحاب الادوار وتتقوى بقوة هذا الكلام كلام معقول مرتب على هذا الاستقراء الذي يفيد القطع واليقين

جو لوگ نبوت کے قائل ہیں ان میں دو فرقے ہیں۔ ایک کا یہ مذہب ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم دیکھینگے کہ اسکے پاس معجزہ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو سچا نبی ہے۔ اور جب اس طرح اسکی نبوت ثابت ہو جائیگی تو جس بات کو وہ حق کہیگا ہم حق سمجھینگے اور جس کو باطل کہیگا اس کو باطل۔ قدیم اور عام مذہب یہی ہے۔ دوسرے فرقے کا یہ مذہب ہے کہ پہلے ہم کو خود یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ حق اور باطل کیا ہے۔ اسکے بعد جب ہم کو یہ نظر آئے کہ ایک شخص حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور اس دعوت کی تاثیر یہ ہے کہ لوگ باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف آتے جاتے ہیں تو ہم سمجھینگے کہ وہ سچا پیغمبر ہے۔ یہ طریقہ قریب العقل اور قلیل الشبہات ہے۔

اسی دوسرے طریقہ کو ہم پوری تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن پہلے مقدمات ذیل ذہن نشین کر لینے چاہییں

(۱) انسان کا کمال یہ ہے کہ اس میں قوت نظری اور عملی دونوں کامل ہوں۔ قوت نظری کے کمال کے یہ معنی ہیں کہ حقائق اشیاء کا اس کو صحیح علم ہو یعنی اس کے ذہن میں جس شے کا تصور آئے ٹھیک اصلی صورت میں آئے قوت عملی کے کمال کے معنی یہ ہیں کہ نفس میں وہ ملکہ پیدا

ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہوں۔

(۲) دنیا میں تین طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ ناقص جن کی نظری اور عملی دونوں قوتیں ناقص ہوتی ہیں۔ یہی عوام الناس ہیں۔ دوسرے کامل ہیں لیکن دوسروں کو کامل نہیں کر سکتے یہ اولیاء اور صلحا ہیں تیسرے وہ جو خود بھی کامل ہیں اور دوسروں کو بھی کامل کر سکتے ہیں۔ یہ انبیاء ہیں۔

(۳) قوت نظری اور عملی کے درجے بلحاظ نقصان و کمال و شدت و ضعف نہایت مختلف ہیں یہانتک کہ ان کی کوئی حد نہیں قرار پا سکتی۔

(۴) گو عموماً تمام لوگوں میں نقصان پایا جاتا ہے لیکن ضرور ہے کہ انہی میں کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے بمراحل دور رہو۔ اسکی تصدیق مختلف مثالوں سے ہوتی ہے۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ انسانوں میں کمال اور نقصان کے درجے نہایت متفاوت ہیں۔ نقصان کے مدارج بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ بعض انسان عقل اور ادراک میں بالکل جانوروں سے قریب ہو جاتے ہیں۔ جب نقصان کی جانب یہ حال ہے تو ضرور ہے کہ کمال کی جانب بھی یہی حال ہو۔ یہانتک کہ انسانیت کی سرحد ملکوتیت سے ملجائے۔

(۲) استقرار بھی اسکی شہادت دیتا ہے۔ اقسامِ عنصری کی تین قسمیں ہیں۔ معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات۔ اِن سب میں افضل حیوان ہے پھر نباتات۔ پھر معدنیات حیوان کی بھی بہت سی نوعیں ہیں اور ان سب میں اشرف انسان ہے اسی طرح انسان کے بہت سے اصناف ہیں۔ شلاً زنگی رومی۔ شامی۔ فرنگی اور ترک۔ اِن سب میں جو لوگ ایشیا کے وسط حصہ میں سکونت رکھتے ہیں وہ سب سے افضل ہیں۔ اس قیاس پر ضرور ہے کہ خود اُن لوگوں میں بھی کمال کا درجہ متفاوت ہو کر بڑھتا جائے یہانتک کہ ایسا شخص نکل آئے جو اپنے صنف میں بھی سب سے افضل ہو۔

ہر دور میں ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہے صوفیہ اُسی کو قطب کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کیونکہ جب اس عالم جسمانی کا بہترین حصہ انسان ہے جو قوتِ نظریہ کی وجہ سے دنیا کا عمدہ سے عمدہ انتظام کر سکتا ہے تو عالم کا مقصودِ اصلی انسان ہے اور جب یہ شخص (قطب) اور تمام انسانوں سے بہتر ہے اور بڑھکر ہے تو گویا اس تمام عالمِ عنصری کا حاصل یہی شخص ہے اسی بنا پر اُس شخص کو عالم کا قطب کہنا بالکل صحیح ہے شیعہ اُسی کو امامِ معصوم صاحب الزمان علیہ السلام اور غائب عن العیان کہتے ہیں۔ اور یہ کہنا اُن کا بجا ہے کیونکہ جب وہ نقائص سے خالی ہے تو معصوم ہے اور جب اپنے دور کا مقصد اصلی ہے تو صاحب الزمان ہے اور چونکہ عام لوگ اُس کے حال سے واقف نہیں اس لیے وہ غائب عن العیان ہے۔ اِس قیاس پر ایک شخص ایسا ہونا چاہیے جو سب سے افضل بھی ہو۔ ایسا شخص سینکڑوں ہزاروں برس میں کہیں جا کر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجدِ شریعت ہوتا ہے۔ اور ایسے اشخاص بھی ہوتے ہیں جو اِن فضائل میں پیغمبر سے کم ہوتے ہیں۔ اور تمام لوگوں سے زیادہ۔ یہ امام اور قائم مقام پیغمبر ہوتے ہیں۔ امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو چاند کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ امام سے جو کم رتبہ ہیں اُن کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عام ستاروں کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ باقی عوام الناس گویا وہ گویا حوادثِ یومیہ ہیں جو اجرامِ فلکی کی تاثیر سے وجود میں آتے رہتے ہیں۔

(۵) پیغمبر انسانیت کی آخر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے نوع کی ابتدا سے متصل ہے۔ اس لیے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہے اس بنا پر پیغمبر میں ملکی صفات پائی جاتی ہیں۔ وہ جسمانیات سے بے پروا ہوتا ہے۔ روحانیت اُس پر غالب ہوتی ہے اسکی قوتِ نظریہ کے آئینہ میں معارف الٰہی مرتسم ہوتے ہیں۔ اِسکی قوتِ عملیہ عالمِ اجسام میں طرح طرح کے تصرفات کر سکتی ہے اور اِسی کا نام معجزہ۔

عربی عبارت تو امام فخرالدین رازی کی کتاب مقاصدِ عالیہ کی ہے اور اردو ترجمہ مولوی شبلی صاحب نعمانی کی

کتاب الکلام سے نقل کیا گیا ہے اس عبارت سے ۔

(۱) جہاں نبی اور امام میں اتحاد نوعی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک نوع اور ایک صنف کے ہوتے ہیں کہ ایک کو آفتاب کہہ سکیں اور دوسرے کو ماہتاب ۔

(۲) وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے شخص کا خلیفہ اور جانشین ہونا اور ہر دور میں رہنا بھی ضروری ہے ۔ اور اسی کی طرف احادیث اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام میں اشارہ ہے کہ زمین حجتِ خدا سے خالی نہیں رہتی یعنی ہر وقت حجتِ خدا موجود رہتا ہے ۔

(۳) اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو عقیدہ شیعوں کا دربارۂ جناب صاحب الامر علیہ السلام ہے کہ وہ زندہ ہیں ۔ موجود ہیں ۔ صاحب العصر والزمان ہیں ۔ معصوم ہیں آنکھوں سے غائب ہیں ۔ وہ سب سچ اور برحق ہے ۔ یہ فخر رازی کہہ رہے ہیں جو اہل سنت کے امام علی الاطلاق ہیں ۔ یعنی جب لفظ امام بولا جاتا ہے تو سنیوں کے نزدیک وہی سمجھے جاتے ہیں ۔ حکمت اور فلسفہ کے اتنے بڑے اُستاد ہیں کہ اپنا ہمسر نہیں رکھتے ۔ تصوف سے کوئی واسطہ نہیں جو یہ کہہ دیا جائے کہ بمذاقِ تصوف اُنھوں نے ایسا لکھا ہے ۔ پھر ان دلائل و براہینِ واضح کو دیکھ کر کون ایسا باعقل ہوگا جو یہ کہیگا کہ محض شیعوں نے اپنے عقائد کے اثبات اور اپنے امام علیہ السلام کے اظہار صفات کے لیے یہ فرضی اصول بنا رکھے ہیں جن کا نشان سوائے اُن کی خاص ترکیب اور تربیت دادہ کتابوں کے اسلام کے کسی اور فرقہ کے اصول و عقائد کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا ۔ اب وہی حضرات اپنے محدثین ۔ مورخین ۔ مفسرین اور متکلمین کے ۔ غرض شریعت اور طریقت ۔ دونوں مسلکوں کے علمائے معتمدین اور فضلائے متبحرین جن کے نام ۔ جن کی معتبر اور مستند تصانیف و تالیف کی اصلی عبارتیں مع ترجمہ کے اوپر لکھی گئی ہیں اُن کے اقوال و ارشادات کو ملاحظہ فرما کر خود اپنے اعتراض کا تصفیہ کرلیں کہ اُن کے یہ اعتراض بمقابلہ ان اقوال و ارشادات کے کیسے بے اصل بے دلیل اور بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں ۔ بلکہ بخلاف ان کے حقیقۃً حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے متعلق جو شیعوں کے عقائد ہیں وہی ان کو بھی رکھنے چاہئیں ۔ ایک صحابہ پرستی کے عیب نے ان کو اس عام خود ستی ۔ حق پوشی اور پنبہ بگوشی کی مصیبتوں میں گرفتار کر رکھا ہے جس کے لیے وہ خود جواب دہ اور ملزم قرار دیے جائینگے ۔ اور کوئی دوسرا نہیں ۔

بہر حال امام فخر الدین رازی کے اس فلسفیانہ کلام کے بعد اگرچہ ہم کو کسی دوسرے ثبوت کے پہنچانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں تھی لیکن چونکہ اس زمانہ میں وہابیوں (اہلحدیث) کا بڑا زور و شور ہے اور ان کی تمام تقریریں نیچری رنگ سے رنگی ہوتی ہیں اس لیے ہم ان کے کلام سے بھی ضرورت وجود بقائے حضرت امام مہدی علیہ السلام ثابت کرتے ہیں چنانچہ مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب المامول میں لکھتے ہیں :-

هل يجوز خلو العصر عن المجتهدين ام لا فذهب جمع الى انه لا يجوز خلو الزمان عن مجتهد قائم بحجة الله تعالى يبين للناس ما نزل اليهم و به قال الحنابلة ويدل على ذلك ما صح عنه

مجتہدین سے زمانہ خالی ~~رہتا ہے یا نہیں~~ ۔ اس جمہور پر اتفاق ہے کہ کوئی زمانہ مجتہد ۔ قائم بحجۃ اللہ سے خالی نہیں ہے ۔ جو انسان کو وہ تمام امور کھلا دے جو ان کے لیے واجب التعمیل قرار دیے گئے ہیں ۔ اور اسی طرف فرقہ حنابلہ کے لوگوں کا قول ہے جو اُن کے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے ۔

فرقہ اہل حدیث کے سر آمد متکلمین کی رائے بھی اس مسئلہ میں معلوم ہو چکی ۔ اس سے زیادہ توضیح و تشریح کے لیے حصول المامول کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائی جائے ۔ اب سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کے وسیع دائرہ میں کونسا فرقہ ایسا بچ گیا ہے جو ان خاص

مسئلہ میں شیعوں کے خلاف عقائد رکھتا ہوا پایا جاتا ہو بہرحال ان تمام اقوال و ارشادات پر نظر ڈالنے سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جناب امام آخرالزماں علیہ السلام سے متعلق جو اعتقاد شیعوں کا ہے وہی سنیوں کا بھی ہے۔ اور عام متعصبین یا چند ناواقفین کا یہ مشہور کر دینا کہ اہل سنت کے وہ عقائد نہیں ہیں جو شیعوں کے ہیں ہرگز قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو بات ہے وہ یہ کہ شیعوں کا اس مسئلہ میں اعتقاد کے ساتھ عمل بھی ہے اور سنیوں کو اعتقاد کا اعتراف تو ضرور ہے مگر اُس پر عمل نہیں ہے۔ دنیا کی تمام قوموں پر ظاہر ہے کہ عدم تعمیل سے کسی شریعت کے احکام جوابدہ نہیں ہو سکتے ہیں ہم چاہے اُس پر عمل کریں چاہے نہ کریں۔ اسکو نہ شریعت سے کوئی واسطہ ہے نہ شارع سے۔

بہرحال۔ اس بحث کو تمام جزوی و کلی اسباب دلائل و براہین و ہدایت کے ساتھ ختم کر کے ہم اپنی کتاب کے تمام تالیفی مضامین کو تمام کرتے ہیں اور اپنی کتاب کے ناظرین با تمکین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان تمام مباحث سے جو ترتیب وار سلسلہ کے ساتھ اس کتاب میں جمع کیے گئے ہیں پورے طور سے سمجھ لینگے کہ جناب امام صاحب الامر علیہ السلام کے وجود اور آپ کی امامت کا مسئلہ بھی دائرۂ اسلام میں ویسا ہی مشہور بین الجمہور اور معتبر بین الفریقین ہے جیسے اور مسائل مگر جس طرح اور مسائل میں امرا پرستی خوشامد سلاطین۔ تقلیدِ سلطنت تعصب اور نفسانیت نے اختلاف پیدا کر دیا ہے اسی طرح اس میں بھی۔ اور یہ بات ایک تحقیق طلب اور غائر نگاہ رکھنے والے شخص سے ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتی ٭

تمت بالخیر والعافیہ

المؤلف

الاحقر سید اولاد حیدر بلگرامی

کوآتھ ضلع آرہ

یازدہم صفر روز دوشنبہ ۱۳۳۱ ہجری

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ المیامین۔ اما بعد

ایں کتاب مستطاب در المقصود فی احوال المهدی الموعود سلام علیہ

من رب الودود کہ از عرصۂ چہار سال زیر تالیف و تسوید ایں حقیر سراپا

تقصیر بود امروز بتاریخ یازدہم صفر المظفر روز دوشنبہ ۱۳۳۱

ہجری باتمام رسید والحمد للہ رب العلمین

وصلی اللہ علی خیر خلقہ

محمد وآلہ اجمعین

امین

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا

میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت اہلبیت اگر تم انکو مضبوط پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے

حمائل شریف مترجم

بترجمہ اہلبیتؑ

جو لوگ سفر میں زیادہ رہتے ہیں یا جن لوگوں کو بڑے بڑے ضخیم اور وزنی قرآنوں میں تلاوت کرنا دشوار گزرتا ہے اُن کیلیے یہ حمائل شریف ضرور نعمت غیر مترقبہ ہے جو نہایت اعلےٰ درجہ کے کاغذ پر



نہایت خوشخط اور صاف کمال ہی احتیاط اور صحت کے بلیغ اہتمام کے ساتھ مقبول پریس دہلی میں چھاپی گئی ہے متن میں کلام الٰہی کی تلاوت فرمایئے اور حاشیہ پر مقبول ترجمہ لطف اُٹھایئے اس حمائل میں صرف ترجمہ ہے حواشی تفسیری وغیرہ بصورت کتاب جداگانہ چھاپے جائیں گے جن کا ہدیہ بھی علیحدہ مقرر ہوگا۔ یہ حمائل شریف بلحاظ کاغذ تین قسموں پر مشتمل ہے۔ ہدیہ ہر قسم کا حسب ذیل ہے قسم اول کاغذ اعلےٰ درجہ کا رنگین عہ قسم دوم۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا سفید للعہ قسم سوم۔ کاغذ بھی سفید۔ ۳ ہے۔ نیازمند۔ امین الدولہ مقبول پریس گندہ نالہ

پیغمبر آخر الزمان کی آخری وصیت

یعنی حدیث ثقلین میں ہم کو کتاب اللہ اور عترت و اہلبیت سے تمسک کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی لئے ہم نے جس قومی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ وہ یا کلام اللہ سے تعلق ہے۔ یا چہاردہ معصومین علیہم السلام کے اذکار ارشادات و ہدایات ہیں چنانچہ چودہ معصوموں کی پاک زندگی کے حالات و واقعات شائع اور ذائع کرنا بھی ایک بڑی اور ضروری خدمت تھی جسے عالیجناب مولوی السید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس کوآتہ ضلع آرہ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے چودہ معصوموں کی سوانح قلمبند فرما کر پورا کر دیا اور سلسلہ بسلسلہ یہ سوانحعمریاں ملک میں شائع ہو رہی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے مستفید ہو کر فلاح دارین حاصل کرنا آپ کا کام ہے





سراج المبین حصہ اول۔ یعنی سوانحعمری جناب امیر علیہ السلام — ہدیہ للعہ

حصہ دوم — ″ عمہ

سرو چمن۔ یعنی سوانحعمری جناب امام حسن علیہ السلام — ″ عمہ

ذبح عظیم۔ یعنی سوانحعمری جناب امام حسین علیہ السلام — ″ للعہ

صحیفۃ العابدین۔ یعنی سوانحعمری جناب امام زین العابدین علیہ السلام — ″ عمہ

مآثر الباقریۃ۔ یعنی سوانحعمری جناب امام محمد باقر علیہ السلام — ″ ۱۲ر

آثار جعفریۃ۔ یعنی سوانحعمری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام — ″ ۱ہر

علوم کاظمیۃ۔ یعنی سوانحعمری جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام — ″ ۱۳ر

تحفۂ رضویۃ۔ یعنی سوانحعمری جناب امام علی رضا علیہ السلام — ″ عہ ۸ر

تحفۃ المتقین۔ یعنی سوانحعمری جناب امام محمد تقی علیہ السلام — ″ عمہ ۸ر

سیرۃ النقی۔ یعنی سوانحعمری جناب امام علی نقی علیہ السلام — ″ سعہ

العسکری۔ یعنی سوانحعمری جناب امام حسن عسکری علیہ السلام — ″ ۱ہر

در مقصود۔ یعنی سوانح جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام — ″ للعہ

نوٹ: سوانح جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا بار اول نہایت محنت اور جانفشانی سے عمدہ کاغذ پر تیار ہے جلد طلب فرمائیے ایسا نہ ہو کہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنے پڑے۔

(نیاز مند۔ سید امین الدولہ)

ہوگیا کہ ہم لوگوں کو اُنکی مزاحمت سے کوئی گزند نہیں پہنچیگا۔

بہرحال۔ اُس نے ہم سے کوئی مزاحمت نہیں کی اور ہم لوگ بلا روک ٹوک اُس عمارت کے اندر چلے گئے۔ وہاں پہنچکر دیکھا کہ اُس مکان کی آرائش اور زیب و زیبائش بالکل امیرانہ طور پر ہے۔ دروازے کے آگے جہاں سے آمد و رفت ہوتی ہے ایک ایسا خوشنما اور خوش قطع سائبان پڑا ہے کہ جس کے ایسا دوسرا ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دنیا کے معمار اور صناع اسکے ایسی عمارت بنانے سے بالکل مجبور ہیں۔

بہرحال۔ جب ہم اُس صحن کے سائبان سے گزر کر صحنِ خانہ میں پہنچے تو کسی شخص کو صحن میں موجود نہیں پایا۔ اُس صحن کے آگے پھر ایک محل دکھلائی دیا۔ اور اُسکے آگے دریا بہتا ہوا نظر پڑا۔ اور پھر اُسی محل میں ایک بزرگ با حسن و جمال اور با شوکت و جلال کو مشغولِ نماز دیکھا کہ آج تک ایسی نورانی صورت دیکھنے میں کیا کبھی میرے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ اُس خاصۂ الٰہی کے رجوع۔ خضوع۔ خشوع اور استغراق فی العبادت کی کیفیت تھی کہ ایک حصیر پر مشغولِ نماز تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس عمارت میں دریا کا پانی تمام رواں ہے اور وہ ایک حصیر جس پر وہ تشریف فرما تھے اُس آبِ رواں پر قائم ہے۔ پہلے ہم تینوں آدمی نظامِ قدرت کے اِس شاندار منظر کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے اپنے استعجاب و حیرت کے خاص عالم میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ مگر اِس اثناء میں وہ مطلق ہماری طرف متوجہ نہیں ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُسکو ہمارے مکان میں آنیکی اب تک خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال۔ اِسی عالم میں ہماری موجودہ جماعت میں سے احمد بن عبد اللہ نے جرأت اور سبقت اختیار کی۔ اِس قصد سے کہ اُس محل میں جاکر آپکے ساتھ کوئی مزاحمانہ کارروائی عمل میں لائے۔ وہ آگے بڑھا اور بڑھتے ہی پانی میں جا رہا۔ اور پانی میں جاتے ہی غرق ہونے لگا۔ اور اپنی اُس اضطراب کیفیت میں پانی کی اُس سطح پر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ قریب تھا کہ وہ بالکل تہِ آب ہو جائے۔ یہ حالت دیکھکر فوراً میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور پھر کسی نہ کسی طرح اُسکو کھینچکر باہر لایا۔ جسوقت وہ باہر لایا گیا بالکل بیہوش تھا۔ ایک ساعت تک عالمِ بیہوشی میں پڑا رہا۔

اب سنیئے کہ اِسکے بعد دوسرے صاحب نے بھی باوجود اِس مشاہدے کے ویسی ہی احمقانہ جرأت کی اور آخر میں اُس نے بھی اپنی حرکات کے وہی نتیجے اٹھائے اور اُس کو بھی ہم اُسی طرح ہاتھ کھینچکر باہر نکال لائے۔

رشیق کا بیان ہے کہ اب اتنے مشاہدات دیکھکر میں بھی اپنے آپے میں نہ رہا اور بکمال خوف و دہشت میرے قلب پر مستولی ہوا۔ میں نے اُسی اضطرار و انتشار میں اُس خاصۂ ربانی اور ولیِ یزدانی کی طرف بکمالِ عقیدت مخاطب ہوکر جو اُسوقت تک عبادتِ الٰہی میں اُسی محویت اور کیفیت کے ساتھ مستغرق تھا عرض کی کہ میں آپکی خدمت اور نیز درگاہِ ربّ العزت سے اپنی اِن حرکات کی معافی چاہتا ہوں اور قسمِ شرعی کھاکر عرض کرتا ہوں کہ حقیقۃً میں آپکے امور کی اصلیت سے ذرا بھی واقف نہیں تھا۔ اور اِس وقت تک مطلق نہیں جانتا تھا کہ میں یہاں کس امر کی تعمیل کے لیے مامور ہوکر آیا ہوں اور میں کس بزرگ کے قتل و ہلاک کرنیکے لیے بھیجا گیا ہوں۔ غرض میں اپنے تمام جرائم سے خواہ وہ دانستہ ہوں یا نادانستہ درگاہِ خدا میں توبہ و انابت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے اخلاق و مراحم سے معاف فرمائینگے

رشیق کا بیان ہے کہ میں ہرچند آپکی خدمت میں اپنی آرزو و منت کرتا رہا مگر آپ میری طرف مطلق متوجہ نہ ہوئے اور جس طرح سے کہ ابتداءً عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے۔ اُسی طرح اُسوقت تک عبادت میں مشغول رہے۔ اور آخرِ کار ہم آپ کو اُسی حالتِ نماز میں مشغول چھوڑ کر فوراً اُس محلسرا سے باہر نکل آئے۔ اُس وقت ہمارے خوف و دہشت کا یہ عالم ہو رہا تھا کہ سارا جسم بید کی طرح لرز رہا تھا۔ اُسی عالم میں ہم نے شہر سامرہ سے بغداد کی طرف کوچ کیا اور اپنے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوکر باگیں اٹھائیں اور پھر بغداد کے قصر دار الامارۃ ہی میں پہنچکر دم لیا۔

معتضد اُسوقت تک ہمارے انتظار میں باہر بیٹھا تھا اور ابھی تک محل کے اندر نہیں گیا تھا۔ اتنے میں ہم لوگ اُسکے پاس پہنچکر سامنے کھڑے ہوگئے۔ اور میں نے آگے بڑھکر تمام و کمال روئداد کو جو ہم پر گذری تھی اور جو کچھ کہ ہم نے اُسوقت تک اپنی آنکھوں سے وہاں مشاہدہ کیا تھا اُس سے بیان کر دیا معتضد خوب غور سے سنتا رہا جب ہم اپنی داستان اُسکو سنا چکے وہ دیر تک خاموش رہا دیر کے بعد

بعد اُس نے ہم سے پوچھا بھی تو یہ کہ تم میرے قصرِ شاہی میں آتے وقت آتے ہوئے سوائے میرے اور کسی سے راستہ میں ملے تو نہیں ہو؟ اور تم نے میرے سوا ابتک کسی اور سے اِن واقعات کو بیان تو نہیں کیا ہے؟ ہم نے کہا نہیں ہم نے اسوقت تک نہ کسی سے ملاقات کی ہے اور نہ کسی سے اس کو دہرایا ہے یہ سُنکر اُس نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ مجھکو اب حصولِ مقصد سے محروم رہنے کا پورا یقین ہے۔ اس بعد اس نے ہم لوگوں کو نہایت شدید اور غلیظ قسمیں دلائیں۔ اور ہم تینوں آدمیوں سے اقرار واثق لیلیا کہ ہم اِن واقعات کو کسی دوسرے سے نہیں دہرائینگے۔ اگر کسی سے بیان کریں تو ہر طرح واجب القتل اور مستوجبِ عقوبت سمجھے جائینگے۔ رشیق کا بیان ہے کہ معتضد کے زمانہ حیات تک ہم نے اِن واقعات کو کسی سے بھی نہیں کہا۔

یہ تھیں معتضد کی مخالفانہ کارروائیوں کی تدابیر جو اُسنے جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السّلام کی گرفتاری اور ہلاکت کی خاص غرض سے اختیار کی تھیں۔ اِس واقعہ سے اُسکی اِن امور میں سرگرمی مستعدی اور آمادگی پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اُسکو اِن امور کی انجام دہی کی کیسی فکر دل سے لگی رہتی تھی۔ اور وہ اِسکو کیسا ضروری اور لازم سمجھکر اپنے فرائضِ واجبہ سے جانتا تھا۔ اور اِسکی تعمیل میں کتنی ہوشیاری اور رازداری سے کام لیتا تھا۔ معتضد کی آخر تقریر سے جس میں اُس نے اِس واقعہ کے چھپانے کی تاکید کی تھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اِن تمام واقعات کو بذاتِ خاص ضرور معترف ہو چکا تھا۔ مگر کسی خاص وجہ سے اُسکی عام شہرت اور اطلاع کو اپنے مفیدِ مطلب نہیں سمجھتا تھا۔ اور وہ وجہ سوائے حفظِ سلطنت اور استحکامِ امارت کی غلط تجویز کے کوئی دوسری چیز نہیں تھی جو بنی امیہ کے وقت سے سلاطینِ اسلامیہ کے اصولِ جہانبانی اور معیارِ سلطانی قرار پا چکی تھی۔ اپنے اِس بیان میں معتضد نے اِس امر کا بھی اقرار کر دیا تھا کہ اُسکو اپنے حصولِ مقاصد میں کامیاب ہونیکی امید نہیں ہے۔ مگر وہ اپنے اِس وقتی اقرار پر مطلق قائم نہ رہا۔ اور اِس وقت کی خاص کیفیت زائل ہو جانے پر جیسا تھا ویسے کا ویسا ہو گیا۔

معتضد کی بارِ دیگر مخالفانہ کوشش

بہر حال۔ یہ معتضد کی خاص کیفیت تھی۔ اب پھر ہم جناب امام آخر الزمان علیہ السّلام کے حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں معتضد کی یہ حرکات اور اُسکی سراغ رسانی اور ریشہ دوانیوں کے یہ واقعات مشاہدہ فرما کر نظامِ قدرت نے آپکے امور کو اِس سے اور بھی زیادہ مخفی رکھنا مفید اور ضروری سمجھا۔ اور محلسرائے خاص کے قطعات کی سکونت ترک کر کے سرداب کے اندر تشریف رکھنے کے لیے حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کو ماذون فرمایا۔ یہ سردابِ مبارک محلسرائے مقدس کی آخر عمارت میں واقع تھا اور ایسے مقامِ پوشیدہ اور غیر متعارف میں تعمیر کیا گیا تھا جس میں کسی کے بود و باش رکھنے کا احتمال نہیں ہو سکتا تھا اور سوائے مخصوصین حضرات کے اور عموماً لوگ اِس اسرار سے واقف نہیں ہو سکتے تھے۔ علاوہ اِن امور کے یہ مقام ایسا تاریک تھا۔ اِسلیے کوئی اُس میں جلدی جانے کے لیے جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا اصل میں اُس سردابِ مقدس کی عمارت اُسی زمانہ کے طرزِ تعمیر کے مطابق تھی مگر سوائے وقتی ضرورتوں کے عام طور سے کوئی اُس میں رہتا نہیں تھا اور نہ اپنی آمد و رفت رکھتا تھا۔

بہر حال۔ اگر تحقیق اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا کہ جیسے جیسے دنیا اور اہلِ دنیا کے ارتداد اور فتنہ و فساد ترقی کرتے گئے ویسے ویسے جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے مصائب اور شدائد برابر بڑھتے گئے۔ اور آپ کے صدمات اور تکالیف میں برابر اضافہ ہوتا گیا جن لوگوں نے آپ کے حالات کو تاریخ و سیر کے واقعات سے مقابلہ کر کے مطالعہ کیا ہے اُن پر یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ متوکل کے زمانہ ہی سے آپ کے امور میں مخالفانہ تحریک عمل میں لائی جانی شروع ہو گئی۔ اور امتناعِ ولادت سے لیکر قتل و ہلاکت تک کی مختلف اور انواع و اقسام کی تجاویز اور تراکیب میں کوئی دقیقہ ایسا فروگذاشت نہیں کیا گیا جسمیں سلطنت کی پوری قوت و اختیار سے کام نہ لیا گیا ہو۔ مگر جوں جوں خلافت کی طرف سے اِن امور میں تاکید ہوتی گئی مشیت اور قدرت کی طرف سے ووں ووں جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کی تائید ہوتی رہی۔ اگرچہ آپ کے

نظامِ امامت اصولِ احتیاط اور حالتِ اختفا پر خاص کر مبنی کیے گئے تھے مگر تاہم دشمنوں نے انکے تمام ظاہری اور بیرونی احکام کے عام نفاذ میں حد درجہ کی مداخلت اور خلل پیدا کیا۔ اور انکے درہم و برہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور انہی وجہوں سے یہ کہنا صحیح اور فی الواقع ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنے نظامِ امامت کے امور میں جتنی تکلیفیں اور مصیبتیں دشمنوں کے ہاتھوں اٹھائیں اتنی جناب امام علی نقی علیہ السلام اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اپنے وقت میں اپنے ہمعصر مخالفین سلاطین کے ہاتھوں سے نہیں اٹھائی تھیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مخالفین کو ان حضراتِ عالی درجات سے ایسا آپکو گرفتار و مقید کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ اور اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ سے زیادہ ان حضرات نے قید و حبس کی تکلیفیں اٹھائی ہونگی۔ مگر با ایں ہمہ۔ ہم جب اس دلیل کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپکو انہی مخالفین کے ہاتھوں شروع زمانہ سے اپنی حفاظتِ جانی اور اسرارِ نہانی کے قائم رکھنے میں غربت اور سفر کی تمام مصیبتوں کو اٹھانا پڑا جو باعتبار مصائب اور شدائد کے ان بزرگواروں (علیہم السلام) کی مصیبتوں سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ کیونکہ ان حضرات کو قید و حبس کے مصائب جو کچھ اٹھانے پڑے وہ ایک ہی قسم کے مصائب اور ایک ہی مقام پر گزرے اور بخلاف ان کے یہاں تو غربت۔ سفر۔ ترکِ وطن وغیرہ وغیرہ کے موجودہ مصائب کے علاوہ اپنے اور اپنے تمامی امور کو خلائق کی نظروں سے ہر دم و ہر لحظہ پوشیدہ رکھنا۔ اور کسی طریقہ اور کسی عنوان سے انکو دشمن تو دشمن اپنے بڑے سے بڑے قلبی دوست سے بھی ظاہر نہ کرنا۔ یہ سب ایسی قیامت خیز مصیبتیں تھیں جنکا اندازہ کرنا انسان کی خیالی قوتوں سے بالکل محال ہے۔

جن لوگوں نے آپ کے تمام حالات و واقعات پر غور کیا ہے انہوں نے ان تمام دشواریوں کو آپ کی پیدائش کے روز سے لیکر غیبتِ صغرٰے کے وقت تک اور پھر غیبتِ صغرٰے سے لیکر غیبتِ کبرٰے کی ابتدا تک آپ کے امور میں برابر اور لگاتار موجود پایا ہے اور انہی کے ساتھ آپ کے حزم و احتیاط سازداری اور ہوشیاری کے اصول کو ہمیشہ بڑھتا ہوا اور ترقی کرتا ہوا پایا ہے۔ ان تمام واقعات کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصائب ہجرت کے ایام میں۔ تا وقتیکہ آپ مدینہ منورہ۔ نہیں پہنچ گئے بڑھتے چلے گئے۔ اسی طرح جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موجودہ معاملات کی تمام دقتوں کا بھی اندازہ کر لینا چاہیے۔

بہر حال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں جہانتک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتضد کے خاص معتمدین کی مشن بھی آپ کی گرفتاری اور ہلاکت کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکی۔ تھوڑے دنوں تک تو معتضد خاموش رہا۔ جس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ اب وہ ان امور میں آیندہ مداخلت نہیں کریگا مگر یہ خیال غلط نکلا اور یہ گمان محض بے وجود ثابت ہوا۔ معتضد ہی کی پر موقوف نہیں۔ معتضد کے تمام آباؤ اجداد حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں برابر ایسے ہی مشاہدات اور اعجاز و کرامات دیکھتے چلے آئے تھے مگر تاہم ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی ان پر کوئی خیال اور لحاظ نہیں کیا۔ مہدی سے لیکر متوکل تک اس کے اسلاف میں ہر فرد واحد نے ان تصرفاتِ روحانی کا مشاہدہ کر لیا تھا مگر ایک بھی اس سے کامل طور پر متاثر نہیں ہوا بلکہ اپنی مخالفت اور قتل و ہلاکت کی کوششوں میں سرگرم اور مستعد رہا۔

خلاصہ یہ کہ معتضد کا بھی اس وقت یہی حال ہوا۔ اس نے بھی باوجود ان مشاہدات کے جنکی چشم دید حقیقتِ حال رشیق کی زبانی اسکو معلوم ہو چکی تھی اسکی طرف کوئی توجہ اور لحاظ نہیں کیا اور تھوڑے ہی دنوں کے سکون کے بعد اس نے ایک دوسری مخالفانہ ترکیب یوں نکالی کہ اپنے خاصے کے سرہنگانِ سلطانی کی ایک دلیر اور قوی دل جماعت کو اس خاص غرض کے لیے فوراً شہر سامرہ میں چلے جانے کا حکم دیا کہ وہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی محلسرا میں داخل ہو کر جس فرد واحد کو وہاں پائے بلا تامل گرفتار کر کے حاضر لائے۔

بہر حال۔ سرہنگانِ شاہی کی یہ قوی اور دلیر جماعت جو تعداد میں بعض روایت سے تین سو اور بعض

پوری پانچسو معلوم ہوتی ہے شہرِ سامرہ میں پہنچی اور معتضد کی ہدایت کے مطابق اس محلسرا میں پہنچی۔ پہنچتے ہی چاروں طرف سے اُس مکان کا محاصرہ کر لیا۔ نصف سے زائد لوگ تو محاصرہ کی خدمات پر اِس لیے تعینات ہوئے کہ بیرونی اور اندرونی آمدورفت کو بالکل منقطع کر دیں۔ اور جس شخص کو ایسا کرتا ہوا پائیں اُسے بلا تامّل گرفتار کر لیں۔ اِس انتظام کے بعد باقی ایک ثلث اِس جماعت کے لوگ اُس محلسرا میں داخل ہوئے اور وہاں پہنچکر معتضد کی ہدایت کے موافق اُس سرداب مقدّس کے نزدیک پہنچے تو اُن لوگوں نے اُسکے اندر سے ایسی خوش الحانی اور شیریں زبانی کے ساتھ قرأتِ قرآنی اور تلاوتِ کلامِ ربانی کی آواز سُنی کہ ہر شخص اُس نغمۂ داؤدی کو سُنکر سراپا محو ہو گیا۔ اور اِس محویت اور خاص کیفیت کے عالم میں وہ جماعت کی جماعت اُس سردابِ مقدّس کے نزدیک کھڑے کھڑے دیر تک حُسنِ قرأت اور خوبی تلاوت کے مزے لیتی رہی۔ اِس آواز کے سنتے ہی اِس جماعت کے افسر نے کہا کہ اب ہم کو محاصرۂ مکان کی کوئی ضرورت باقی نہیں ہے کیونکہ جس شخص کی ہم کو ضرورت ہے وہ تو اِس سردابِ مقدّس میں اِسوقت تک موجود ہے اور ہم اُس سے اتنے قریب کھڑے ہیں۔ پھر کیا ضرور ہے کہ ہم بیرونی انسداد میں اپنی جماعت کے لوگوں کو باہر کی طرف بیکار پھنسائے رہیں۔ بلکہ اِس سے بہتر ہے کہ ہم اُن کو بھی باہر سے اندر بُلا لیں اور سب ملکر اپنی قوتِ متفقہ سے اِس شخص کی گرفتاری کو عمل میں لائیں۔

ابھی یہ چرچے اور مشورے ہوتے تھے کہ اسی اثناء میں وہ بزرگوار فرشتہ صورت سلام اللہ علیہ یکبارگی اُس سردابِ مقدّس سے برآمد ہوا اور اُس جماعت کے آگے سے نکل گیا جب وہ (سلام اللہ علیہ) اُنکی نگاہوں سے غائب ہو گیا تو افسرِ فوج نے کہا کہ تم لوگ اس سرداب کے اندر جاؤ اور جسکو پاؤ پکڑ لاؤ یہ سُنکر اُسکے ہمراہیوں نے جواب دیا کہ کیا وہ شخص وہی مقدّس بزرگ نہیں تھا جو ابھی ابھی ہمارے اور آپ کے سامنے سے نکلکر سرداب سے باہر چلا گیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے تو جاتے نہیں دیکھا ہے لیکن تم لوگوں نے دیکھا تو کیا معتضد تم لوگوں نے اُنکو کیوں چھوڑ دیا؟ سپاہیوں نے جواب دیا کہ اِس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم سمجھے کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور اُنکی گرفتاری کے لیے کچھ مُنہ سے حکم نہیں دیتے تو ہم انہیں کیسے پکڑتے۔ اِسی باعث سے ہم لوگ سب خاموش کھڑے رہے اور کچھ بھی نہ کر سکے۔

یہ تھیں معتضد کی مخالفانہ چالیں اور اُس کی مخاصمانہ تدبیریں۔ یہ دونوں واقعات جو ابھی ابھی ہم نے اپنے سلسلۂ بیان میں اوپر لکھے ہیں۔ تدبیرِ انسانی اور تقدیرِ یزدانی کے باہمی فرق و مابہ الامتیاز کو بخوبی ثابت کرتے ہیں۔ معتضد نے جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے جنابِ صاحب الامر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قید و ہلاکت کی تدبیروں میں کیسی کیسی مکارانہ اور جابرانہ ترکیبوں سے کام لیا مگر بمصداقِ آیۂ وافی ہدایہ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ اُسکی تمام عیّارانہ چالیں محض بیکار ثابت ہوتی ہیں۔ اصلاً اُسکی اِن ظالمانہ اور مخالفانہ کارروائیوں سے آپکو کوئی آزار یا کوئی آسیب و گزند نہ پہنچ سکا۔ حافظِ حقیقی کے نظامِ تدبیر نے ہر موقعہ پر اُسکے مکر و تزویر کی تدبیروں کو بالکل بے اثر ثابت کر دیا۔ اور اِن تمام کارروائیوں سے جو اُس کا دلی مقصود تھا وہ کسی طرح حاصل نہ ہوا اور آخر اُسکو بھی وہی ذلت و پشیمانی اُٹھانی پڑی جو اُس سے پہلے اُس کے اسلاف کی بدنامی اور رسوائی کا باعث ہو چکی تھی۔

ہم اِن معاملات پر جہاں تک غور کرتے ہیں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اِن امور کی مشابہت جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات کے ساتھ بالکل ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہے چنانچہ اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں ہم نے کئی ایک مقام پر اِس مماثلت اور مشابہتِ واقعات کو ثابت بھی کر دیا ہے اور دکھلا دیا ہے کہ آپ کے اور جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات میں ایک قدرتی مشابہت قائم ہے اور اِس کی بہت بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ مشابہت کے قائم رکھنے سے نظامِ ربانی کی بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ جن جن مشاہدات و اعجاز کے ساتھ اسلام نے دنیا میں ابتدا کی تھی اُنہی کرامات کے ساتھ وہ اپنی آخری علائم اور حجتوں کو دکھلا کر ایک وقتِ معیّن تک اپنے نظام اور نظام کنندہ